بسم اللہ الرحمن الرحیم
سید التفاسیر
المعروف بہ
تفسیر اشرفی
شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

جلد اول

الٓمٓ ۱ ـ سیقول ۲ ـ تلک الرسل ۳

شیخ الاسلام والمسلمین

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی ۔ پاکستان

اشاعت ھذا بہ اجازت شیخ الاسلام ٹرسٹ

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿ جلداول ﴾

مفسر اول: الٓمّٓ ۱ تا ۲ محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد اشرف جیلانی قدس سرہ

مفسر دوم: سیقول ۲ تلک الرسل ۳ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿ نیویارک، یوایس اے ﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس: 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ، طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

فہرست

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ ۔۔۔۔اَمَّا بَعۡدُ

عرض ناشر

اس اقرار کے بعد کہ نہیں ہے کوئی اِلٰه سوائے اَللّٰه کے، تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں جو رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہے، جو الرَّحۡمٰنِ ہے، جو الرَّحِیۡمِ ہے، جسکے بہترین نام ہیں، اور بعد اس اقرار کے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، رَحۡمَةٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ہیں، رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ہیں اور خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ہیں، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ رضائے الٰہی کے بغیر کوئی ہدایت پا سکے اور حب مصطفیٰ ﷺ کے بغیر کسی کا ایمان کامل ہو سکے، یہ ممکن نہیں۔ اُخروی نجات بھی غلامی رسول ﷺ ہی کا ثمرہ ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ بلا تائید الٰہی و توفیق الٰہی دین کی ادنیٰ سی بھی خدمت کوئی انجام دے سکے، یہ ممکن نہیں۔ نفوس قدسیہ رکھنے والوں کو براہِ راست اور نہ رکھنے والوں کو انکے وسیلے اور انکی دعاؤں سے جب تائید الٰہی حاصل ہو جاتی ہے، تو پھر دین اسلام کی مشکل ترین خدمت انجام دینا بھی انکے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے اور خدمت دین کیلئے ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ایسوں کے ذریعے امت مرحومہ کی رہنمائی فرماتا رہے۔ ﴿آمین﴾

بفضلہٖ تعالیٰ اراکین گلوبل اسلامک مشن نے بزرگانِ دین یعنی علماء حق کے قدموں سے وابستہ رہتے ہوئے دین اسلام یعنی کلام الٰہی، احادیث نبوی اور فقہ اسلامی کی ترویج و اشاعت کا ایک بیڑا اٹھایا۔ گیارہ سال قبل جب ہم نے نیو یارک، امریکہ میں اس ادارے کی بنیاد رکھی، تو ظاہری طور پر کسی بزرگ ہستی یا علماء کرام کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔۔۔ البتہ اپنے پیر و مرشد، قبلہ چودھری محمد اقبال حمید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارے ہوئے بچپن کے کچھ لمحات مشعل راہ ضرور تھے۔

اِدھر مشن کو قانونی شکل دی، اُدھر فیضانِ سہروردیہ نے دستگیری کی اور دیکھتے ہی دیکھتے بالترتیب مسعودِ ملت، حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ، قائد اہلسنّت، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ، رئیس المحققین، شیخ الاسلام، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی، شیخ الحدیث، حضرت علامہ مفتی نصر اللہ خان صاحب افغانی دامت برکاتہم، حضرت علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جناب علامہ غلام جیلانی اشرفی صاحب، جناب علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی صاحب اور دیگر بزرگانِ دین ومقتدر علماء اہلسنّت کے قدموں سے وابستگی ہوتی چلی گئی۔

ان پیکرانِ اخلاص اور بزرگانِ عظام کی صحبت، شفقت، سرپرستی اور فیضانِ نظر کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ اس مشن نے تھوڑے ہی عرصے میں کافی کام کرلیا۔ ان بزرگوں سے جب ہم نے یہ بات سیکھ لی اور اس حقیقت کو جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے کے باوجود ہر مشکل کا سامنا کیا اور خدا کے دین کو خدا کے بندوں تک پہنچایا، تو اب اگر ہم حضور ﷺ کی سچی غلامی کا دم بھرتے ہیں، تو زندگی کا کوئی لمحہ بھی دین اسلام کی ترویج واشاعت کے بغیر نہیں گزاریں گے۔

رب تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ہم نے حضور شیخ الاسلام کی اجازت سے آپ کے والد بزرگوار حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا اردو ترجمہء قرآن بنام 'معارف القرآن' شائع کیا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام اور عوام المسلمین کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا۔۔ حضور شیخ الاسلام کے قدموں سے وابستگی، آپ سے والہانہ محبت اور حد درجہ قربت اس بابرکت کام کیلئے ایک معاون ضرور بنی لیکن اصل محرک حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا وہ عظیم کارنامہ تھا جو آپ نے اس ترجمہء قرآن کے تحت انجام دیا۔ امت مسلمہ پر یہ احسانِ عظیم اور اسکی افادیت ہماری نظروں میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور ہمارے لئے اسکی ترویج واشاعت ایک فرضِ عین بن کر رہ گئی جسے سب ہی نے سراہا۔

اس ترجمہء قرآن کی شان، اسکی اہمیت اور اہلسنّت کو اسکی ضرورت، کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین وملت، حضرت علامہ الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمایا، تو ارشاد فرمایا کہ، 'شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو'۔۔۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کلامِ الٰہی کی معرفت حب مصطفیٰ ﷺ کی روشنی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ حب مصطفیٰ ﷺ کی کیفیت جیسے جیسے ترقی کرتی جائیگی، اسکی روشنی میں کلامِ الٰہی کی معرفت بھی اتنی ہی بڑھتی جائیگی۔ قدرتی نظاروں کے ادراک کیلئے سورج کی چمکدار اور شفاف شعاؤں کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی بینائی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کی بھی عدم موجودگی یا کمی کی صورت میں صحیح ادراک حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ہدایت کاملہ کیلئے کلامِ الٰہی اور حضور سرور کائنات ﷺ کی سچی محبت دونوں درکار ہیں۔

چونکہ کلامِ الٰہی لازوال ہے، اسکی ہدایت کبھی مدہم نہ پڑے گی اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود کلام والے ہی نے لے رکھی ہے، لہٰذا سارا معاملہ اب ہمارے ہی عشق نبوی ﷺ کے درجات پر منحصر ہے۔ یعنی جتنا زیادہ ہم اپنے آپ کو حب مصطفیٰ ﷺ میں فنا کرتے چلے جائینگے، کلامِ الٰہی کی اتنی ہی معرفت سے بہرہ ور ہوتے چلے جائیں گے۔۔۔ یہاں سے ایک نکتہ اور سامنے آیا کہ جب خود کلامِ الٰہی کی معرفت حاصل کرنے کیلئے حب رسول ﷺ کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل کو طے کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو دوسروں کو کلامِ الٰہی کے مفہوم سے متعارف کرانے کیلئے حضور ﷺ سے کس قدر محبت و الفت درکار ہوگی، اس بات کا اندازہ صرف اہل محبت، اہل درد و اہل نظر ہی لگا سکتے ہیں۔

جو اہل محبت اور اہل درد نہیں، انکی نظر مصحف قرآنی کے صفحات پر تحریر الفاظِ قرآنی اور انکے ظاہری معنوں تک پہنچ کر رک جاتی ہے۔ جبکہ عشق نبوی سے سرشار غلامانِ رسول اور امت کا درد رکھنے والے وارثین رسول ﷺ، کلامِ الٰہی کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہوکر ہدایت کے بیش بہا موتیوں کو برآمد کرتے ہیں۔ انہی سے کلامِ الٰہی کی معرفت اور ایمان کی دولت ہمارے ہاتھ آتی ہے جو دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی سے ہمیں ہمکنار کرتی ہے۔

آیئے ایسے ہی صاحبانِ قلب و نظر کے قلموں سے نکلے ہوئے ان گوہر بیش بہا کا لفظوں کے جامے میں ہم بھی نظارہ کرلیں۔ پھر اگر ہم بھی صحیح معنوں میں عشق نبوی ﷺ سے سرشار ہوکر غلامی رسول ﷺ کی مبارک منزل تک پہنچ گئے تو کلام الٰہی کی اصل معرفت ہمیں بھی حاصل ہوجائیگی اور کلام الٰہی کی وہ معرفت جو حب نبوی ﷺ کے طفیل ہمارے نصیب میں آئیگی، وہ ہمارے حب میں دائمی پختگی کا باعث بنے گی اور ہمیں کمالِ ایمان کے درجہ تک پہنچادیگی۔ پھر ہم اس دنیا کو صرف بقدر ضرورت استعمال کریں گے اور اسکے استعمال میں آنے سے بچ جائیں گے۔

اسی لئے رئیس المتکلمین، حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اٹھائیس ۲۸ سال محنت کر کے اردو ترجمہ قرآن مکمل فرمایا۔ میرے ادنیٰ خیال میں یہ ترجمہ قرآن، ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت تفسیر قرآن بھی ہے۔ معارف القرآن میں حضرت قبلہ گاہی کا اندازِ بیان اور شان الٰہی اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے لفظوں کا استعمال، کلام الٰہی کو سمجھنے میں حتی الامکان مدد دے رہا ہے۔ اور ترجمہ پوری آب و تاب کے ساتھ قرآن کریم کے مفہوم کو بیان کررہا ہے۔

اسکے باوجود، ترجمہ قرآن مکمل فرمانے کے بعد محدث صاحب نے امت مسلمہ کی مزید

رہنمائی، اردو زبان کے قارئین کی آسانی، اور قرآنِ کریم کے مفہوم کو ذرا تفصیل اور ایک نئے انداز سے سمجھانے کیلئے تفسیر قرآن قلمبند کرنا شروع کردی۔ تفسیر کا مطالعہ کرنے والا فوراً ہی حضرت کے منفرد انداز کا خود قائل ہوجاتا ہے۔ تفسیر میں ترجمہ کے الفاظ (**قوسین میں رکھتے ہوئے**) پرونے کا منفرد انداز کلامِ الٰہی کے دل میں اتر جانے اور دماغ میں سما جانے کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ قاری واقع کو چشم دید سا جان لیتا ہے۔ اس طرح آپ نے تین پارے اور چوتھے کے چند رکوع کی تفسیر ہی فرمائی تھی کہ اس دارِ فانی میں آپ کے قیام کا وقت پورا ہوگیا اور آپ مالک حقیقی سے جاملے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو یہی منظور تھا کہ ایک عجیب اور منفرد انداز میں تفسیری کام کی داغ بیل تو محدث صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ڈلوادی جائے مگر اسکو آگے بڑھانے اور (انشاء اللہ) پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے شہزادۂ محدث اعظم ہند، حضور شیخ الاسلام کو چن لیا جائے۔ بہر حال تلاش کے باوجود محدث صاحب کے تفسیر شدہ تین پاروں میں سے صرف پہلا پارہ ہی دستیاب ہوسکا جس کو اسی ادارے نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔

جب سے معارف القرآن اور تفسیر اشرفی (پہلا پارہ) شائع ہوکر منظر عام پر آیا، تو علماء کرام اور احباب کی دیرینہ خواہش پھر سے جاگ اٹھی کہ تفسیری کام کو محدث صاحب ہی کے انداز میں مکمل کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ یہ جانتے ہوئے۔۔۔ یا یوں سمجھئے۔۔۔ اپنے اندازے کے مطابق یہ خیال کرتے ہوئے، کہ اس تفسیری کام کو محدث صاحب ہی کے انداز میں آپ کے جانشین حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا، ہم نے حضرت کی نا ختم ہونے والی اور نا کم ہونے والی مصروفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے، محتاط انداز میں حضرت سے گزارش شروع کردی کہ آپ ہی اس مبارک کام کیلئے وقت نکالیں۔

یہ حضرت کی ہم پر شفقت ہی ہے کہ ہماری درخواست کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور آپ کی بالغ نظری بھی کہ تفسیری کام کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، اپنی مصروفیات کم سے کم کرتے کرتے وقت نکال ہی لیا، اور حضور محدث صاحب کے قلم کی یاد تازہ کرتے ہوئے، یعنی اپنے والد بزرگوار ہی کے تفسیری انداز میں، ترجمہ کو تفسیر قرآن میں پروتے ہوئے، اس مشکل کام کا آغاز کر ہی دیا۔

صرف پیکرانِ اخلاص، صاحبانِ قلب ونظر اور اہل علم ودانش ہی خوب جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ کئی تفاسیر قرآن کو یکجا کر کے، موجودہ دور کے طلباء اسلام اور عوام المسلمین کی علمی

قابلیت اور قرآن فہمی کی دورِ حاضر کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے، انکو آسان الفاظ میں اور ترجمہء قرآن کو درمیان میں پروتے ہوئے کسی آیت کا مفہوم اسطرح بیان کردینا کہ قاری کے دل ودماغ میں نقش ہوتا چلا جائے اور واقع کا منظر نظروں کے سامنے آتا دکھائی دے اور قاری تصور میں اپنے آپ کو واقع کے دوران حاضر سمجھتے ہوئے اسطرح مطالعہ کرتا چلا جائے کہ اسے یہ معلوم ہی نہ ہوسکے کہ کب تفسیر پڑھنی شروع کی اور کب اختتام کو پہنچا۔۔۔ یہ کمال نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اسکے باوجود حضرت کا یہ فرمانا کہ 'بس صرف یہ پرودینے والا عمل میرا ہے'، حقیقت کے کتنا قریب ہوتے ہوئے بھی کسر نفسی کے کس درجہ پر ہے، اسکا اندازہ لگانا میرے جیسے طالب علم کیلئے مشکل ہے۔

'پرودینے والا عمل' ہی خوبصورت، خوش رنگ، خوشبودار اور نازک پھولوں کو کبھی کلائی کے گہنوں، کبھی گلے کی مالاؤں اور کبھی ماتھے کے سہروں میں بدل دیتا ہے۔ یہ صرف پرونے والا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے ان پھولوں سے کلائی کا گہنا تیار کرنا ہے، گلے کی مالا بنانی ہے یا ماتھے کا سہرا، تو پھر وہ اپنے حساب ہی سے کہیں گلاب، کہیں موتیا، کہیں چنبیلی اور کہیں گیندا پروتا چلا جاتا ہے اور ان کو استعمال کرنے والا 'پرونے کے اس اہم عمل' سے بے خبر اس محنت کی وجہ سے اپنی زندگی کے لمحات میں خوشیاں سمیٹ لیتا ہے۔۔۔ یہی پرودینے والا عمل موتیوں اور قیمتی پتھروں میں بھی کارفرما رہتا ہے جو جوہری کی دکانوں سے ہوتا ہوا خریداروں کو زینت بخشتا ہے۔۔۔ اور یہی پرودینے والا عمل یہاں بھی کارفرما ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں پھولوں کی جگہ اردو میں مفہوم قرآنی یعنی تفصیلات کلام ربانی ہے جبکہ کلائی، گلے اور ماتھے کی جگہ مومنین کے قلوب واذہان ہیں جن کو منور ومجلّٰی کرنا ہے۔

ایک طرف معارف القرآن ہے۔۔۔ جو محدث صاحب نے اردو ترجمہء قرآن کی شکل میں ڈھال کر رکھدیا ہے جبکہ دوسری طرف مستند تفسیروں کا مجموعہ ہے جن میں آیاتِ قرآنی کے شانِ ہائے نزول سے لیکر کلام ربانی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالے ہوئے مسائل وفضائل کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اب رئیس المحققین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین کو اپنے قلم گوہر بار کے ذریعے رب تعالیٰ کی شانِ الوہیت وربوبیت، شانِ احدیت وصمدیت، شانِ کن فیکونی، شانِ رحیمی وشانِ کریمی، شانِ ستاری وغفاری، شانِ جلالی وشانِ جمالی اور شانِ بے نیازی وغیرہا۔۔۔ حضور ﷺ کی شانِ محبوبیت، شانِ بندگی، شانِ رسالت، شانِ رحمت، شانِ خاتمیت، شانِ اولیت وآخریت اور شانِ فضیلت وغیرہا۔۔۔ دیگر انبیاء کرام ورسولانِ عظام کی شانِ نبوت وشانِ رسالت، صدیقین، شہداء وصالحین کی عظمت، مومنین کے

مقامِ یقین اور انکے انعامات، کافرین کے انکار اور انکے ابدی نقصانات، منافقین کی منافقت، انکے اندازِ منافقت اور انکا حشر، سب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسی تفسیر مرتب کرنی ہے جو اپنے نام ’سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی‘ کے عین مطابق ہو، اور جو عوام الناس کیلئے رہنمائی و ہدایت کا ذریعہ، طالبانِ علم کیلئے مشعل راہ اور علماء اہلسنّت کیلئے منزل کا نشان بن جائے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی جامع تفسیر کا ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا اور ہم پر اللہ ﷻ کا احسان ہوا کہ اسکی توفیق سے حضور شیخ الاسلام نے دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر مکمل فرمادی، اور ہمیں اسکی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما کر دین اسلام کی مزید خدمت کا موقع دیا۔ اب انشاءاللہ قارئین خود بھی فیصلہ فرمالینگے کہ پرونے کے اس عمل میں حضرت، اور اس کو خوبصورت انداز میں شائع کرنے میں ہم، کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ کتاب میں قارئین اور خاص کر طلباء کیلئے ہم نے ہر ہر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کو ترتیب قرآنی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ کر کے رکھ دیا ہے تا کہ مطالعہ میں آسانی رہے۔ درمیانِ تفسیر میں ترجمہءقرآن ﴿معارف القرآن﴾ کے الفاظ جو (قوسین) میں رکھے گئے ہیں، انھیں ہم نے گہرا کر کے اجاگر کر دیا ہے تا کہ تفسیر میں ترجمہ پرونے کا منفرد انداز ذرا اور واضح ہو جائے۔

دورِ حاضر میں تو حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی بابرکت شخصیات تعارف کی محتاج نہیں، مگر معتبر تفسیراتِ قرآنیہ صرف اپنے اپنے دور ہی میں نہیں بلکہ آنے والے ادوار میں بھی مینارۂ نور ہوتی ہیں اور انکا مطالعہ جاری رہتا ہے، مگر اگر انکے مصنفین کا تعارف ان کتابوں میں نہ ہو، تو ان شخصیات کی پہچان ماند پڑ سکتی ہے۔ اسلئے ہم نے تفسیر اشرفی کی اسی پہلی جلد میں اسکے مفسرین کرام کا مختصر اًذکر کر دیا ہے، تا کہ آنے والی نسلیں بھی ان بزرگوں سے متعارف رہیں۔

تفسیر کی سمجھ کو آسان بنانے کیلئے، ترجمہ و تفسیر کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرنے کیلئے، معتبر و غیر معتبر اندازِ تفسیر سے متعارف کرانے کیلئے، تفسیر کے تعلق سے جن ضروری باتوں کا جاننا ضروری ہے انکو سمجھانے کیلئے اور زیرِ نظر تفسیر کی خصوصیات کی ایک جھلک دکھانے کیلئے اور اسکا اندازِ بیان روشناس کرانے کیلئے، ہم نے ایک دلچسپ اور پرمغز مضمون ’مقدمہ‘ کی صورت میں اس کتاب میں شامل کیا ہے، جسے نیوجرسی، امریکہ میں مقیم، نوجوان عالم دین، حافظ و مفتی، حضرت علامہ سید محمد فخر الدین علوی اشرفی صاحب جو دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول، براؤں شریف، یوپی، انڈیا سے فارغ التحصیل ہیں، نے قلمبند فرمایا ہے۔ آپ مفسر مکرم حضور شیخ الاسلام والمسلمین مدظلہ العالی سے خلافت یافتہ بھی ہیں۔

ہمیں پوری امید ہے کہ قارئین کرام کو یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہوگی کہ تفسیر اشرفی کی اشاعت ہمارے لئے کتنی بڑی سعادت ہے۔اس سے پیشتر حضور شیخ الاسلام ہی کی کئی کتابیں ہم شائع کر چکے ہیں۔اسکے علاوہ ہم اردو اور انگلش کا مزید اہم لٹریچر شائع کر رہے ہیں تا کہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی ہو سکے اور امریکہ ویورپ وغیرہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا کام با آسانی انجام دیا جا سکے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ قارئین تک ہم یہ تفسیر پہنچائیں مگر امریکہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے، شاید یہ جلدی ممکن نا ہو کہ انڈیا، پاکستان، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ اور کینیڈا کے کتب خانوں پر یہ کتاب دستیاب ہو سکے۔لہٰذا ہم دلچسپی رکھنے والے قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ صفحہ ۲ پر دیئے گئے اداروں سے رابطہ قائم کر کے اس کتاب اور اسکی آئندہ جلدوں کے تعلق سے معلومات حاصل کریں۔

ہم ایک بار پھر حضور شیخ الاسلام والمسلمین دامت برکاتہم العالیہ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے تفسیر قلمبند کرنے کیلئے وقت نکالا اور ہمیں اسکی اشاعت کی اجازت عطا فرمائی۔ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ حضور مفسر مکرم کی عمر اور صحت میں برکت ہو اور اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا ہو۔۔ ﴿آمین﴾۔۔ہم غازئ ملت، شہزادۂ حضور محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی، اور نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند، جناب سید محمد عربی میاں اشرفی جیلانی کے بھی شکر گزار ہیں کہ آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں اور قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔۔۔ یہاں اماں جان، یعنی حضور شیخ الاسلام کی اہلیہ صاحبہ سیدہ، جنکا تقریباً ۸ ماہ قبل وصال ہو چکا، ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پروردگار عالم انکے درجات بلند فرمائے کہ آپ وقتاً فوقتاً حضور شیخ الاسلام سے گزارش فرماتی رہتی تھیں کہ تفسیر کا کام شروع کیا جائے۔اس پہلی جلد کی اشاعت پر آج اماں جان کی روح بہت خوش ہوگی۔

ہم اس تفسیر پر شاندار مقدمہ تحریر فرمانے کا وقت نکالنے کیلئے علامہ فخر الدین علوی صاحب کے بھی بیحد شکر گزار ہیں۔اسکے علاوہ ہم مرہونِ منت ہیں: مولانا مفتی محمد ایوب اشرفی صاحب (بولٹن، یوکے) کے جنھوں نے پروف ریڈنگ میں ہماری مدد کی، اور جناب علامہ رضوان احمد صاحب نقشبندی کے اور جناب علامہ رجب علی نعیمی صاحب کے، جنکے قیمتی مشورے ہمارے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔

اسکے علاوہ سید ریاض علی اشرفی صاحب (مہتمم صوت الشرق پبلک اسکول، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان) جناب سرور علی قریشی صاحب (نگران اشاعت و کمپوزر)، جناب سلیم الدین صاحب (پرنٹر)، اور جناب

عبد القادر صاحب بمعہ اہل خانہ اور جناب عزیز علی خان بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جو پاکستان میں طباعت سے لیکر پیکنگ اور ایکسپورٹ کے مراحل تک ہماری مدد کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ادارہ ٹیم ورک کے اصولوں پر کام کرتا ہے، اسلئے یہ ضروری ہے کہ جناب شبیر اسماعیل پٹیل صاحب (بولٹن، یوکے) اور انکے صاحبزادے شریف پٹیل کا بھی شکریہ ادا کردیا جائے جو انگلینڈ میں مشن کیلئے مستعد رہتے ہیں۔ ہم مشن کے تمام اراکین جنکے ناموں کی لسٹ کافی طویل ہے، مگر خاص طور پر منصور احمد اشرفی جنھوں نے اس کتاب کی کمپیوٹر کتابت اور ڈیزائنگ کی، کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سب کی محنت کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے دارین کی فلاح نصیب فرمائے۔

ہمیں پوری امید ہے کہ بزرگانِ دین، علماء اہلسنّت، طلباء اسلام اور دیگر قارئین کرام ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے کہ رب تبارک وتعالیٰ ہمیں دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کے مواقع عطا فرماتا رہے اور حضور ﷺ کی سچی غلامی ہمیں نصیب فرمادے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

ناچیز

محمد مسعود احمد

سہروردی، اشرفی

چیئرمین

گلوبل اسلامک مشن، انک

نیویارک، یوایس اے

۶ رجب ۱۴۲۹ھ ـــ بمطابق ـــ ۱۰ جولائی ۲۰۰۸ء

ایک دلچسپ نوٹ: تفسیر اشرفی کی اس جلد اول میں قرآن کریم کی عربی عبارت اور اسکے ذیل میں اسکے اردو ترجمہ کے علاوہ یعنی متن تفسیر وغیرہ میں ۱۳،۸۳،۰۵۴ (تیرہ لاکھ تراسی ہزار چون) حروف۔ ۔ ۱،۴۴،۸۶۶ (ایک لاکھ چوالیس ہزار آٹھ سو چھیاسٹھ) الفاظ۔ ۱۰،۲۸۹ (دس ہزار دو سو نواسی) سطور۔ ۔ اور ۳،۸۳۶ (تین ہزار آٹھ سو چھتیس) پیراگراف شامل ہیں۔ کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں۔ ﴿ ادارہ ﴾

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔۔۔۔اَمَّا بَعۡدُ

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿البقرہ،۳۲﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُہ الۡکَرِیۡمُ

مُقَدَّمَہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ! تفسیر اشرفی کی جلد اول جو پارہ الٓمّٓ ، سیقول ، تلک الرسل کی تفسیر پر مشتمل ہے کی زیارت سے مشرف ہوا۔جس میں پہلے پارے کی تفسیر مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان یادگار تفسیر قرآن ہے جبکہ دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر حضور قبلہ گاہی ہی کے جانشین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی ، جیلانی مدظلہ العالی نے آپ ہی کے انداز کو جاری رکھتے ہوئے کی ہے۔شہزادۂ حضور محدث اعظم ہند، شیخ الاسلام والمسلمین مدظلہ العالی نے اس عالی شان تفسیر کا نام 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' تجویز فرمایا، جو کہ نہایت ہی موزوں اور شانِ تفسیر کے عین مطابق ہے۔

عالی جناب محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی صاحب، چیئر مین، گلوبل اسلامک مشن انک، (نیو یارک، یو ایس اے) کے گزارشات کو حکم سمجھ کر تفسیر کے چند اجزاء کا مطالعہ کیا اور موصوف ہی کے توسط سے زیر نظر تفسیر قرآن پر اپنے تاثرات قلمبند کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

اس سے قبل محدث اعظم ہند، سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ ہی کا محیر العقول ، اور نادر روزگار ترجمہ بنام' معارف القرآن' کے تفصیلی مطالعہ کا موقعہ ملا، جسے مترجم قدس سرہ' نے ۲۸ سالہ محنت شاقہ کے بعد قوم مسلم کو ایک بہترین تحفہ کے طور پر دیا۔جس کے ابتدائی حصے کو دیکھ کر امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب، فاضل بریلوی قدس سرہ' نے فرمایا تھا کہ:'

شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔

۔۔۔محدثِ بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد آپ کے ترجمۂ قرآن کو اعلیٰ خصوصیات کی سند دے رہا ہے۔ جو کہ شانِ ترجمہ کے عین مطابق ہے۔۔۔ 'معارف القرآن' کے حسنِ کلام کو ذہن نشین رکھتے ہوئے، زیر نظر تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری اردو میں 'تفسیر جلالین' پڑھ رہا ہے۔

تفسیر مذکور پر گفتگو کا آغاز کرنے سے پیشتر چاہتا ہوں کہ فنِ تفسیر سے متعلق کچھ ضروری باتیں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کردوں تاکہ متعلقہ بحث کے سمجھنے میں آسانی رہے۔ علم تفسیر ایسا علم ہے جس میں الفاظِ قرآن کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیوں کہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔

وَقِيلَ مَوْضُوعُهُ آيَاتُ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ فَهْمِ مَعَانِيهَا ﴿صاوی﴾

علم تفسیر حاصل کرنا واجب کفایہ ہے جس سے مطلوب سعادت دارین ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ تفسیر القرآن، تاویل القرآن، تحریف القرآن۔ آیئے اب ان اصطلاحات کو لغوی، عرفی اور شرعی معنوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

مصباح اللغات، ۶۳۳: 'فَسَرَ'۔۔۔ واضح کرنا، ظاہر کرنا۔ التفسیر (مصدر)، تاویل، کشف، وضاحت، بیان شرح۔

المنجد، ۷۴۵: 'فَسَرَ'۔۔۔ واضح کرنا، مراد بتانا۔ التفسیر (مصدر)، تاویل، پردہ ہٹانا، وضاحت کرنا، بیان واضح۔

مصباح اللغات، ۴۴: 'اَوَلَ'۔۔۔ لوٹنا، واپس کرنا۔ تاویل (مصدر) تفسیر کرنا، خیرو صلاح محسوس کرنا۔

المنجد، ۶۸: 'اَوَلَ'۔۔۔ لوٹنا۔ تاویل (مصدر) کسی کی طرف واپس کرانا، کلام کی تفسیر کرنا۔

مصباح اللغات، ۱۴۷: 'حَرَفَ'۔۔۔ پھیرنا، جھکانا۔ التحریف (مصدر) قول کو اسکے موقع سے پھیر دینا۔

المنجد، ۲۰۱: 'حَرَفَ'۔۔۔ پھیر دینا، جھکا دینا۔ التحریف (مصدر) اور بات کو بدل دینا، تبدیل کرنا۔

میر سید شریف لکھتے ہیں: تفسیر کا لغوی معنی ہے، کشف اور ظاہر کرنا۔۔۔اور اصطلاح میں، واضح لفظوں کے ساتھ آیت کا معنی، مسائل کا استنباط، متعلقہ احادیث اور شانِ نزول بیان کرنا۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: کہ 'فَسْــرٌ' کا معنی ہے، معقول کا اظہار کرنا۔ مفرد الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں۔۔۔اور کبھی تفسیر پر تاویل کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر و تاویل کہتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں: کہ کسی چیز کو 'جہالت' کی تاریکی سے نکال کر 'علم' کی روشنی میں لانا 'تفسیر' ہے۔ اور کسی لفظ کو اسکے اصل معنی سے دوسرے معنی پر محمول کرنا 'تاویل' ہے، جسکی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے ہٹایا نہ جاتا۔

تفسیر و تاویل کا فرق:

جس لفظ کا ایک معنی ہو اسکو بیان کرنا تفسیر ہے، اور جس لفظ کے متعدد معانی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے۔

امام ماتریدی فرماتے ہیں: کہ قطعیت سے یہ بیان کرنا کہ اِس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے، یہ 'تفسیر' ہے۔ تو اگر کسی دلیل قطعی کی بناء پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے۔ ورنہ 'تفسیر بالرّائے' ہے، جو کہ منع ہے۔ اور لفظ کے کئی احتمالات ہیں۔ کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا 'تاویل' ہے۔

ابو طالب ثعلبی فرماتے ہیں: کہ تفسیر، لفظ کی حقیقت و مجاز کو بیان کرنا ہے۔ جیسے 'صِــراطٌ' کی تفسیر راستہ ہے اور 'صَیِّبٌ' کی تفسیر بارش۔ اور 'تاویل' لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے۔۔۔ مثلاً:

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ (الفجر: ۱۴)

بیشک تمہارا رب ضرور گھات میں ہے۔

۔۔۔اسکی تاویل یہ ہے کہ اللہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے انکو نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ تاویل میں 'دلیل قطعی' سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے یعنی 'رب کا گھات میں ہونا' امر محال ہے، اسلئے اسکی تاویل 'دیکھنے' سے کی گئی۔

مندرجہ بالا تعریفوں کو بہ غور مطالعہ کرنے سے تفسیر وتاویل کو سمجھا جاسکتا ہے۔اب مختصراً تحریف قرآن کو بھی سمجھ لیں۔۔۔ 'تحریفِ قرآن'۔۔۔ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے ایسے معانی ومطالب کو بیان کرنا جو کہ 'اجماعِ امت' یا 'عقیدۂ اسلامیہ' یا 'اجماعِ مفسرین' کے خلاف ہو، یا خود تفسیر، قرآن کے خلاف ہو اور 'معنیٰ مشہورہ متواترہ' کو چھوڑ کر نیا معنیٰ تجویز کرے۔ جیسے کہ مولوی قاسم نانوتوی نے 'خاتم النبیّین' کے معنیٰ بیان کئے 'اصلی' اور 'عارضی'۔۔۔

حالانکہ امت کا اجماع اور احادیث متواترہ کا اتفاق اس پر ہے کہ 'خاتم النبیّین' کے معنیٰ 'آخری نبی' کے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد، کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ 'خاتم النبیّین' کے معنیٰ 'آخری نبی' کے علاوہ کچھ اور معنیٰ تجویز کرنا، تحریف قرآن ہے جو کہ بقولِ فقہاء کفر ہے۔۔۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔۔۔ موجودہ دور میں بے شمار ایسے نادار مترجمین ومفسرین ملیں گے جنھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں تحریف وتبدیل کے ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ یہود ونصاریٰ جیسے باغیانِ مذاہب نے بھی شرم سے اپنا منہ چھپالیا۔ بہتر ہے کہ ہم تفسیر وتاویل کے چند مراتب، ذہن نشین کرلیں تاکہ بعد کے مباحث میں دشواری نہ ہو۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن بالقرآن:۔۔۔ قرآنِ کریم کی تفسیر خود آیاتِ قرآنی سے کرنا۔ یہ سب سے مقدم ہے۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن بالاحادیث:۔۔۔ احادیثِ رسول ﷺ سے قرآنی آیات کی تفسیر کرنا۔ حضور ﷺ صاحبِ قرآن ہیں، آپ کی تفسیر نہایت ہی اعلیٰ ہے۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ۔۔۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے، بالخصوص خلفائے راشدین کی روایات سے تفسیر کرنا۔۔۔ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ سے بلاواسطہ اکتسابِ فیض وبرکت کی وجہ سے ان نفوسِ قدسیہ کی تفاسیر بھی نہایت معتبر ہیں۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین۔۔۔ تابعین یا تبع تابعین کے اقوال سے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنا، اگر بروایت صحیحہ ہے تو معتبر، ورنہ نہیں۔

۔۔۔ 'جمل علی الجلالین' میں ہے:

اَصْلُ التَّفْسِیْرِ اَلْکَشْفُ وَاَصْلُ التَّاوِیْلِ اَلرُّجُوْعُ وَعِلْمُ التَّفْسِیْرِ عِلْمٌ عَنْ اَحْوَالِ الْقُرْآنِ مِنْ حَیْثُ دَلَالَتِهٖ عَلٰی مُرَادِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِحَسْبِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِیَّةِ ثُمَّ هُوَ قِسْمَانِ تَفْسِیْرٌ وَهُوَ مَا لَا یُدْرِکُ اِلَّا بِالنَّقْلِ کَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَتَاوِیْلٌ وَهُوَ مَا یُمْکِنُ اِدْرَاکُهٗ بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِیَّةِ وَهُوَ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالدِّرَایَه وَالسِّرِّ فِی جَوَازِ التَّاوِیْلِ بِالرَّایِ بِشُرُوْطِهٖ دُوْنَ التَّفْسِیْرِ اِنَّ التَّفْسِیْرَ کَشَهَادَةٍ عَلَی اللّٰهِ قَطْعٌ بِاللّٰهِ عَنٰی بِهٰذَ اللَّفْظِ بِهٰذَالْمَعْنٰی وَلَا یَجُوْزُ اِلَّا بِتَوْقِیْفٍ وَلِذَا جَزَمَ الْحَاکِمُ بِاَنَّ تَفْسِیْرَ الصَّحَابِیِّ فِیْ حُکْمِ الْمَرْفُوْعِ وَالتَّاوِیْلُ تَرْجِیْحٌ لَا حَدِالْمُحْتَمِلَاتِ بِلَا قَطْعٍ

'تفسیر' کےلغوی معنی ہیں 'ظاہر کرنا' اور 'تاویل' کے معنی ہیں 'لوٹنا'۔۔۔علم تفسیر، قرآنِ پاک کے ان حالات کا جاننا ہے، جواللہ کی مراد کو بتائیں، طاقت انسانی کے مطابق۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو تفسیر، اور تفسیر وہ ہے جو بغیر نقل کے معلوم نہ ہو سکے، جیسے اسبابِ نزول۔ اور دوسری تاویل، اور تاویل وہ ہے جس کو عربی قاعدوں سے معلوم کر سکیں۔ پس تاویل کا تعلق فہم سے ہے۔اور تاویل کے رائے سے جائز ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں، راز یہ ہے کہ تفسیر تو خدائے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہی معنی مراد لئے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں۔اسی لئے حاکم نے فیصلہ کردیا کہ صحابی کی تفسیر، 'مرفوع حدیث' کے حکم میں ہے۔اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو ترجیح دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین۔

۔۔۔'مرقات'، 'شرح مشکوٰۃ': کتاب العلم، فصل دوم، 'مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَایِه' کے تحت ہے:

اَیْ تَکَلَّمَ فِیْ مَعْنَاهُ اَوْ فِیْ قِرَاءَتِهٖ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ مِنْ غَیْرِ تَتَبُّعِ اَقْوَالِ الْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِیَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِیَّةِ بَلْ بِحَسْبِ مَا یَقْتَضِیْهِ عَقْلُهٗ وَهُوَ مِمَّا یَتَوَقَّفُ عَلَی النَّقْلِ کَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی قراءت میں اپنی طرف سے کلام کرے، لغت اور زبان کے جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے، شرعی قاعدوں کا

لحاظ نہ رکھے، بلکہ اس طرح کہہ دے جس طرح اس کی عقل چاہے، حالانکہ یہ معنی ایسے ہوں کہ جس کا سمجھنا نقل پر موقوف ہو، جیسے کہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ۔

اب مختصراً، طبقاتِ مفسرین کا ایک سرسری طور پر جائزہ پیش خدمت ہے تا کہ زیرِ تبصرہ تفسیر کے صحیح خدوخال سامنے آسکیں۔

مفسرین کا پہلا طبقہ۔۔۔تفسیر قرآنِ کریم میں اِن مندرجہ ذیل اصحابِ رسول ﷺ کی شخصیات بہت زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابنِ عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسیٰ اشعری، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔۔۔خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیری روایات دیگر خلفاء سے زیادہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی روایات حضرت علی سے زیادہ ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی مرویات بے شمار ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے آپ سے منسوب ایک تفسیر بنام 'تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس' چھاپی ہے، جو کہ اغلاط سے پُر ہے اور آپ کی ذاتِ والا صفات پر افتراء کے مترادف ہے۔ آپ کی تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ سے مروی ہیں۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ۔۔۔'تابعین' کا ہے: جس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں: مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاوس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل تلامذہ: علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، ابراھیم نخعی، شعبی۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں: عبدالرحمٰن بن زید، مالک بن انس، حسن بصری، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحی، ضحاک بن مزاحم، عطیہ بن سعید، قتادہ بن دعامہ سدوسی، ربیع بن انس، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی، وغیرہم ہیں۔

مفسرین کا تیسرا طبقہ۔۔۔ان بزرگوں کا ہے: جنھوں نے اقوالِ صحابہ و تابعین کو جمع کیا۔ منجملہ ان میں سفیان بن عینیہ، وکیع بن جراح کوفی، شعبہ بن حجاج، یزید ابن ہارون سلمی، عبدالرزاق، آدم ابن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبداللہ بن حمید جہتمی اور ابوبکر بن ابی شیبہ، وغیرہ شامل ہیں۔

مفسرین کا چوتھا طبقہ۔۔۔اس میں: ابوجعفر محمد ابن جریر طبری، علی ابن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم عبدالرحمان بن محمد رازی، ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ قزوینی، ابن مردویہ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانی، ابراہیم بن مُنذر وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

مفسرین کا پانچواں طبقہ۔۔۔اس طبقہ میں وہ مفسرین شامل ہیں جنھوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کردیا۔۔۔مثلاً: ابواسحاق زجاج ابراہیم بن السری نحوی، صاحب معانی القرآن، ابوعلی فارسی، ابوبکر محمد بن حسن المعروف بالنقاش الموصلی، مکی بن ابی طالب، ابوجعفر النحاس مصری، ابو العباس احمد بن عمار نہدوی۔

مفسرین کا چھٹا طبقہ۔۔۔یہ طبقہ درحقیقت ان بزرگوں کا ہے، جنھوں نے قرآن کی راہ سے اٹھنے والی ہر گمراہی کا مردانہ وار مقابلہ کیا، چاہے وہ مناطقہ وفلاسفہء یونان کے اعتراضات ہوں یا یہود ونصاریٰ کے تخیلاتی مذاہب؛ دہریوں کی لادینیت ہو یا ہندوؤں کی بےعقلی واصنام پرستی والا مذہب۔ ہرایک میدان میں اپنے گراں قدر کارہائے نمایاں پیش کر کے رہتی دنیا تک کیلئے ایک ریکارڈ قائم کر گئے۔انہیں میں وہ تفاسیر بھی شامل ہیں جنھوں نے مذہب ائمہ اور مسلک صوفیاء کو اجاگر کر کے فقہاء اور متکلمین کے نظری اختلافات کی راہ سے اٹھنے والے تمام فتنوں کا سدباب کیا۔

اسلام کا ابر رحمت دنیا کے تمام براعظموں پر برسا اور مدتوں بعد لوگوں کے قلوب واذہان کو، ایک خدا کی عبادت، ایک نبی کی اطاعت، ایک قبلہ اور ایک قرآن کے ماننے کا شرف ارزانی ہوا۔ بدقسمتی سے چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر یا بہ لفظ دیگر، اتحاد بین المسلمین، کو پارہ پارہ کرنے کیلئے قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کی راہ لی۔نتیجہ کے طور پر پنڈت دیانند سرسوتی، بانئ آریہ سماج، جیسے لوگوں نے بھی طبع آزمائی کی۔کوئی ایک شخص 'راماسنگھم' بھی گزرا ہے جو ابتداً ہندو اور بعد میں نصرانی ہوگیا تھا، اس نے بھی اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی ذات اقدس واطہر کو نشانہ ءتنقید بنایا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، فتاوی رضویہ (جلد۱۱ صفحہ ۱۰۸)۔

اسکے علاوہ جاراللہ زمخشری کی 'تفسیر کشاف' پر بھی ایک نظر ڈالیں۔مصنف چونکہ 'معتزلی' ہے اس لئے پوری تفسیر پر 'رنگِ اعتزال' غالب ہے۔اس سے قبل، تفسیر، منسوب بہ سیدنا ابن عباس، کی طرف اشارہ کرچکا ہوں، مسلمانوں کو گمراہ کرنے یا عالم اسلام میں ایک نیا رخنہ ڈالنے کیلئے اس کی نشرو

اشاعت بڑی شدومد سے کی جارہی ہے۔نہ تو وہ آپ کی کتاب ہے اور نہ ہی وہ آپ سے ثابت۔اَسناد میں محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح مروی ہے،جس کے بارے میں ائمۂ دین کی صراحت ہے کہ یہ سلسلۂ کذب (جھوٹ) ہے۔۔۔ایضاً۔ یہی وہ وجوہات تھیں کہ جن کی بناء پر علماء حق،اہلسنّت وجماعت نے۔۔۔

۔۔۔ع۔۔۔ 'نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری'

۔۔۔پر عمل پیرا ہوکر،نوکِ زبان وقلم سے ایسا حدِ فاصل کھینچ دیا کہ باطل آج بھی اپنے مرگھٹ میں سسک رہا ہے۔۔۔اس خصوص میں:

☆۔۔۔امام راغب اصفہانی نے قرآن کریم کے الفاظ کی لغوی تفسیر،بنام 'المفردات' کی اور ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فرّاء نے تین جلدوں میں،بنام 'معانی القرآن' تفسیر کی ہے۔

☆۔۔۔بعض علماء نے قرآن کریم کے صرفی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا ہے۔'زُجاج' کی تفسیر بنام 'معانی القرآن'،علامہ واحدی نیشاپوری کی 'البسیط' اور علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کی 'البحر المحیط' نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔'البحر المحیط' نحو کے علاوہ،دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے۔

☆۔۔۔بعض علماء نے واقعات وقصص کی طرف توجہ کی اور عوام الناس میں رائج،رطب ویابس واقعات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھ کر باطل افکار کی دھجیاں اڑا دیں۔ان کو عقل وشرع کی عدالت میں لاکر حق کا رخِ زیبا نکھار دیا۔ان مشاہیر میں علامہ خازن،اور علامہ ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی،صاحب تفسیر 'الکشف والبیان من تفسیر القرآن' بہت زیادہ مشہور ہیں۔

☆۔۔۔فقہی مسائل کے استنباط واستخراج میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصّاص حنفی کی تفسیر 'احکام القرآن' اور علامہ ابوعبداللہ محمد ابن احمد مالکی قرطبی کی 'الجامع لاحکام القرآن' ہے جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی علیہ الرحمۃ کی 'النکت والعیون' چھ جلدیں ہیں،اور علامہ احمد جیون کی 'تفسیراتِ احمدیہ' بہت زیادہ مشہور ہیں۔

☆۔۔۔عقائد ونظریات کے مباحث۔۔۔نیز۔۔۔گمراہ فرقوں کے رد میں،امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر الرازی کی 'تفسیر کبیر' مشہور ترین تفسیر ہے۔اس میں معتزلہ،جبریہ،قدریہ،رافضیہ، اور خارجیہ وغیرہم فرقہائے باطلہ کا زبردست رد،بہت ہی عمدہ طریقہ پر کیا ہے۔امام رازی سے پہلے

ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔ آپ کے انتقال کو آٹھ سو سال گذر گئے اور بعد میں بہت ساری تفسیریں لکھی گئیں، لیکن امام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی۔

☆۔۔۔ چند علماء نے صوفیاء کی حکایات، پند وموعظت، اور آداب وفضائل پر زور دیا۔ ان میں علامہ اسماعیل حقی کی 'روح البیان' بہت مشہور ہے۔ بعض علماء نے طریقت ومعرفت کے رموز واسرار کی طرف اشارہ کیا جو ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں محی الدین ابن عربی کی تفسیر 'عرائس البیان' بہت مشہور ہے۔

☆۔۔۔ متاخرین میں: علامہ سید محمود آلوسی حنفی کی 'روح المعانی' بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے جس میں صَرف، نحو، بلاغت، قراءت، شانِ نزول اور عقائد سے بحث کی ہے۔ نیز فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے۔ سید محمد قطب شہید نے 'فی ظلال القرآن' لکھی اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ علامہ طنطاوی نے 'الجواہر فی تفسیر القرآن' لکھی اور مضامینِ قرآن کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆۔۔۔ اردو تفسیروں میں تفسیر اشرفی (زیر تبصرہ)، علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کی تفسیر 'البیان' (جو نہایت جامع تفسیر ہے۔ مگر اس کا صرف ایک پارہ لکھا جا سکا، کاش یہ تفسیر مکمل ہوگئی ہوتی تو یہ تفسیر تمام تفاسیر پر فائق ہوتی)، پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی 'ضیاء القرآن' (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صوفیاء کے مسلک کو اجاگر کیا گیا ہے)، حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی 'تفسیر نعیمی' (جو بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے پر پہنچے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا)، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ کی تفسیر 'تبیان القرآن' (دورِ آخر میں لکھی گئی تفاسیر میں سب سے فائق ہے۔ موصوف نے مذاہب اربعہ، احکام، عقائد، شانِ نزول، اور دیگر کئی ضروریات ومباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے)۔

اردو مترجمین ومفسرین میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جنکے تراجم وتفاسیر کی بوالعجبیاں نا قابل بیان ہیں۔ تاہم انکا مختصر تذکرہ، زیرِ تبصرہ تفسیر کے حسنِ کلام وآداب کو سمجھنے کیلئے، خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

۔۔۔ ابو الاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' چھ جلدوں پر محیط ہے۔ اس میں کئی مقامات پر مقامِ نبوت کے آداب واحترام کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس طرح ایک امتی کو اپنے نبی سے جو عقیدت ومحبت

ہونی چاہئے، اس کا مصنف اس سے محروم ہے۔ یہ وہابی عقائد کی زبردست ترجمان ہے۔

---مفتی محمد شفیع کی 'معارف القرآن' آٹھ جلدوں میں ہے، جو درحقیقت اکابر علماءِ دیوبند کا شاہکار ہے۔ ترجمہ، شیخ محمود الحسن کا ہے۔ اور خلاصہ ءِ تفسیر، شیخ اشرف علی تھانوی کا 'بیان القرآن' ہے۔ بنام 'معارف ومسائل' تفسیر خود مفتی محمد شفیع کی ہے۔ اس میں دیوبندی رنگ کو خوب اجاگر کیا گیا ہے۔

---امین احسن اصلاحی نے 'تدبرِ قرآن' سے موسوم، 'فہم القرآن' کو نو جلدوں میں واضح کیا ہے۔ ادبِ جاہلیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے نظر آرہے ہیں۔ احادیث، آثارِ صحابہ، اقوال تابعین اور متقدمین کی تفسیروں کا ذکر نہیں۔ صرف اور صرف، اپنی ذاتی رائے کو اہمیت اور باوزن بنانے میں ساری صلاحیت بروئے کار لاکر یہ ثابت فرمارہے ہیں کہ---

---ع--- مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

اس طویل وعریض تمہید کے بعد آیئے زیرِ تبصرہ تفسیر مسمّی بہ 'تفسیر اشرفی' کو بہ نظر غائر ملاحظہ فرمانے سے پہلے یہ جان لیں کہ تفسیر قرآن کیلئے کم از کم کتنے علوم وفنون کی ضرورت ہے؟---

﴿۱﴾---علم لغت ﴿۲﴾---صرف ونحو ﴿۳﴾---معانی (بیان وبدیع)

﴿۴﴾---علم حدیث ﴿۵﴾---اصولِ فقہ ﴿۶﴾---علم کلام

﴿۷﴾---علم القراءۃ ﴿۸﴾---ناسخ ومنسوخ کا علم

---یعنی آیاتِ قرآنیہ کے وضع معنی، اعراب وحرکات، فصاحت وبلاغت، حقیقت ومجاز، شانِ نزول، عام وخاص، مطلق ومقید، اوامر ونواہی اسکے ساتھ ہی آدابِ بارگاہِ الوہیت ورسالت کا ہونا اور جاننا از حد ضروری ہے، کیونکہ مندرجہ بالا علوم سے ناآشنائی کی صورت میں بزعمِ خویش 'مترجم ومفسر' خود گمراہ ہوگا اور قارئین کو بھی گمراہ کرے گا۔

قرآنِ کریم کے ترجمہ وتفسیر سے متعلق امام احمد رضا قادری، بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں 'قرآنِ عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکالنا، عام کو نامقدور ہے۔ اسلئے قرآنِ کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے'---(اوّل)

---مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ---﴿الحشر: ۷﴾

'جو کچھ دیدیا تم کو رسول نے، تو لے لو اور جس سے روک دیا تمہیں، تو رک جاؤ' ﴿معارف القرآن﴾

---اقول: لو، صیغہ امر کا ہے۔اور امر، وجوب کیلئے ہے۔تو پہلی قسم واجباتِ شرعیہ ہوئی۔---اور باز رہو، نہی ہے۔اور نہی، منع فرمانا ہے۔ یہ دوسری قسم، ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ اگر چہ قرآنِ مجید میں سب کچھ ہے۔---

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴿النحل:۸۹﴾

'اے محبوب، ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شئے، ہر چیز، ہر موجود کا روشن بیان ہے' ﴿معارف القرآن﴾

---مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی۔---ولہذا فرمایا۔--

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴿النحل:۴۴﴾

'اے محبوب، ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کیلئے بیان فرمادو جو کچھ انکی طرف اترا ہے' ﴿معارف القرآن﴾

---یعنی اے محبوب تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی، اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو۔لہٰذا آیہ کریمہ اولیٰ میں، نَزَّلْنَا عَلَيْكَ فرمایا، جو خاص حضور کی نسبت ہے۔اور کریمہ ثانیہ میں، نُزِّلَ اِلَيْهِمْ فرمایا، جو نسبت امت ہے۔---

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿النحل:۴۳﴾

'علم والوں سے پوچھو جو تمھیں نہ معلوم ہو' ﴿معارف القرآن﴾

---حاشیہ میں فرمایا اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے۔---

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ ---الآیہ ﴿النحل:۴۳-۴۴﴾

---'معالم التنزیل' کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

اَقُوْلُ هٰذا مِنْ مَحَاسِنِ نَظْمِ الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ اَمَرَ النَّاسَ اَنْ يَّسْئَلُوْا اَهْلَ الْعِلْمِ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَاَرْشَدَ الْعُلَمَاءَ اَنْ لَّا يَعْتَمِدُوْا عَلٰى اَذْهَانِهِمْ فِيْ فَهْمِ الْقُرْآنِ بَلْ يَرْجِعُوْا اِلٰى مَا بَيَّنَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَرَدَّ النَّاسَ اِلَى الْعُلَمَاءِ وَالْعُلَمَاءَ اِلَى الْحَدِيْثِ وَالْحَدِيْثَ اِلَى الْقُرْآنِ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى فَكَمَا اَنَّ الْمُجْتَهِدِيْنَ لَوْتَرَكُوْا

الْحَدِیْثَ وَرَجَعُوْا اِلَی الْقُرآنِ فَضَلُّوْا کَذٰلِكَ الْعَامَّةُ لَوْ تَرَکُوا الْمُجْتَهِدِیْنَ وَرَجَعُوْا اِلَی الْحَدِیْثِ فَضَلُّوْا وَلِهٰذَا قَالَ الْاِمَامُ سُفْیٰنُ بْنُ عُیَیْنَةَ اَحَدُ اَئِمَّةِ الْحَدِیْثِ قَرِیْبُ زَمَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ وَالْاِمَامُ الْمَالِكُ. اَلْحَدِیْثُ مُضِلَّةٌ اِلَّا لِلْفُقَهَاءِ نَقَلَهٗ عَنْهُمُ الْاِمَامُ ابْنُ الْحَاجِ مَکِّیٌّ فِیْ مَدْخَلٍ

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ علماء سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے ہیں۔ اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے بیان فرمایا اسکی طرف رجوع لائیں۔ تو لوگوں کو علماء کی طرف پھیرا اور علماء کو حدیث کی طرف اور حدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔ تو جس طرح مجتہدین اگر حدیث چھوڑ دیتے اور قرآن کی طرف رجوع کرتے تو بہک جاتے۔ یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع لائیں تو ضرور ہی گمراہ ہو جائیں۔ اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہا جو کہ امام اعظم و امام مالک کے زمانہ کے قریب، حدیث کے اماموں میں سے تھے، فرمایا کہ 'حدیث بہت گمراہ کر دینے والی ہے مگر فقہاء کو' اسے ابن حاج مکی نے 'مدخل' میں نقل فرمایا۔

۱۸۵۷ء جس کو انگریز، غدر اور مسلمان، انقلاب کے نام سے جانتے ہیں، میدانِ سیاست میں مغلیہ خاندان کا آخری چراغ بھی بجھ چکا تھا۔ لیکن اتنے مصائب و آلام کے باوجود مسلمانوں کا رشتہء غلامی گنبد خضراء کے مکینِ مقدس ﷺ سے بہت گہرا تھا۔ یہ وہی مضبوط رشتہ تھا جہاں ہر مسلمان اپنی ساری تلخیاں بھلا کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو جایا کرتا تھا۔ مسلمان، جو سیاسی طور سے ٹوٹ چکے تھے، لیکن اتحادِ مذہب، اور اتحادِ فکر کی وجہ سے، کسی بھی وقت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے تھے۔ انگریز کی شاطرانہ چالیں محسوس کر رہی تھیں کہ اب اگر مسلمان متحد ہو گئے، تو ان کے عروج و اقبال کی ساری کہانیاں، قصہء پارینہ بنکر بکھر جائیں گی۔

لہٰذا 'divide and rule' کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے، نہ یہ کہ سیاسی، بلکہ مذہبی اور فکری طور پر بھی انہیں توڑنے لگا۔ قرآنِ کریم کے اہم مقامات پر علماء دیوبند اور ان کے متبعین، تحریف و تبدیل کر کے انگریزوں کے دست و بازو بنے۔ نام نہاد علماء کے زبان و قلم سے امکانِ کذبِ باری

تعالیٰ، امتناعِ نظیر رسالت، علمِ غیب اور حاضر و ناظر، وغیرہ کے مسائل اٹھائے گئے۔ جس سے انگریز کو اپنی پالیسی کے بروئے کار لانے میں تقویت ملی اور وہ مسلمانوں کو آپس میں دست بہ گریباں کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن ایک فریق ایسا تھا جو انگریزوں کے قابو نہ آسکا اور اس کے سارے منصوبے خاک میں ملانے لگا۔۔۔ وہ کون لوگ تھے؟ وہ کیسے لوگ تھے؟۔۔۔ آیئے۔۔۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی زبانی معلوم کریں۔۔۔

۔۔۔ 'تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی قدیم روش پر قائم رہا۔ اور اپنے کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا، زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے'۔

﴿حیات شبلی: از علامہ سید سلیمان﴾

ان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور دیگر علماء سرفہرست ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان و قلم سے ایمان و عقائد کا زبردست تحفظ فرمایا۔ بہ ذاتِ خود میدان عمل میں اتر کر مسلمانانِ ہند کیلئے خضر طریق بنے۔ اور علماء، صوفیاء، مریدین، اور شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی۔ اس خصوص میں آپ کے ہونہار تلامذہ نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انہیں خطوط کی نشاندہی فرمائی جو آقائے کائنات ﷺ اور آپ کے آل و اصحاب کا ہے۔

خداوند قدوس کی ہزاروں رحمتیں ہوں، حضور محدثِ اعظمِ ہند قدس سرہٗ پر، کہ آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت یا بہ لفظ دیگر مذہب اسلام پر اٹھنے والے ہر فتنوں کا، اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ، مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ جان جوکھوں میں ڈال کر، آرام و آسائش سے کوسوں دور رہ کر، قوم مسلم کی فلاح و بہبودی کیلئے کوشاں رہے۔ چاہے وہ میدانِ علم و حکمت ہو یا تدبر و سیاست، ہر جگہ اور ہر موڑ پر آپ 'مؤید من اللہ' ہی رہے۔ تائید الٰہی کا ہی ثمرہ تھا کہ تقریباً پانچ ہزار غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے لوگوں کے ایمان و عقائد کو سنوارنے کیلئے ترجمہ و تفسیر قرآن کی شکل میں ایک بہترین سرمایہ دیا، جو ضروریاتِ دین کی مکمل تعلیم ہے۔

ذیل میں آپ سے پیشتر کے نادار مترجمین و مفسرین کا، جنھوں نے رسول دشمنی میں کھلم کھلا قرآن کریم کی تحریف کی، مختصراً ذکر کردیا ہے۔ جن میں قاسم نانوتوی صاحب، بانیٔ دارالعلوم دیوبند، سرفہرست ہیں۔ اور ان کے متبعین میں مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی عبدالماجد دریابادی، ڈپٹی نذیر

احمد، اور مودودی صاحب وغیرہ بہت ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے مزعومات کو اسی نہج پر قائم رکھا ہے، جس پر بانئ دارالعلوم دیوبند، رہ چکے ہیں۔ اساطین اہلسنّت نے کئی بار انکی توجہ مبذول کرائی کہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں، اور اپنی تحریروں کو واپس لے لیں۔ اپنی کتابوں سے گستاخانہ اور کفریہ تحریریں حذف کر کے اللہ اور اسکے رسول سے معافی مانگ لیں۔ بجائے ندامت و پشیمانی کے، وہ تاویلاتِ باطلہ کا سہارا لے کر بیٹھ گئے اور آج تک اپنے انہیں جرموں پر ثابت اور قائم ہیں۔ ان متاخرین میں سب سے زیادہ بے باک، اور مسائل کی غلط بیانی میں سب سے زیادہ جری، ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں۔

بہتر تو یہ تھا کہ ہم اِن نادار مترجمین ومفسرین قرآن کا ذکر ہی نہ کرتے، مگر دل یہ چاہتا ہے کہ اگر حقائق سامنے رکھ دیئے جائیں تو انصاف پسند قاری کیلئے حق کو پہچاننا مشکل نہ ہوگا اور زیرِ تبصرہ ترجمہ وتفسیر کی حسن وخوبی ابھر کر خوب سامنے آسکے گی۔ چونکہ ہم امریکہ کے ماحول میں رہ کر یہ تحریر پیش کررہے ہیں اور اسی امریکہ میں ایسے نادار مترجمین ومفسرین قرآن کے آلہء کار اور دائرۂ اثر میں رہنے والے لوگ، جس طرح سے لوگوں کے ایمان وعقائد کو مجروح کررہے ہیں، اسکو سامنے رکھ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ، صبر کی آہ بھرتے ہوئے، انکے چند اقتباسات، ذیل میں ہم اپنے قارئین کے سامنے رکھتے چلیں۔ تاکہ ناداروں کی ذہنی ساخت اور لوگوں کو گمراہ کردینے والی تحریروں سے عوام الناس آگاہ ہوسکیں۔۔۔لہٰذا۔۔۔

مودودی صاحب کی تحریروں کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

☆۔۔۔سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں توہین آمیز الفاظ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

'کہ فرعون کا مطلب یہ تھا، کہ اگر واقعی موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کے بادشاہ نے اپنی جانب سے اسکے ہاں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا، تو اسے خلعتِ شاہی ملا ہوتا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اسکے ساتھ آئے ہوتے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ، 'ایک ملنگ ہاتھ میں لاٹھی لیے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں رب العلمین کا رسول ہوں'۔ ﴿ترجمان القرآن: مئی ۱۹۶۵ء﴾

☆۔۔۔سیدنا یونس علیہ السلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے: 'قرآن کے ارشادات اور صحیفہء یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہء

رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئیں تھیں۔ اور غالباً انھوں نے بے صبر ہو کر، قبل از وقت، اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا'۔ ﴿تفہیم القرآن: جلد دوم، صفحہ ۳۹۲﴾

☆۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام کی بارگاہ میں کچھ اس طرح گویا ہوئے: 'کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت، اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں۔ تا کہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں'۔ ﴿تفہیمات: جلد دوم، صفحہ ۵۷﴾

☆۔۔۔مقامِ نبوت و رسالت، دوسری جگہ ان لفظوں میں سمجھایا جا رہا ہے: 'کہ شیطان کی شرارتوں کا ایسا کامل سدِّ باب کہ اسے کسی طرح سے گھس آنے کا موقع نہ ملے، انبیاء علیہم السلام بھی نہ کر سکے۔ ہم تو کیا چیز ہیں کہ اس میں پوری طرح کامیاب ہونے کا دعویٰ کر سکیں'۔ ﴿ترجمان القرآن: جون ۱۹۶۴ء﴾

☆۔۔۔قرآن کریم کے تعلق سے اپنے موقف کی وضاحت اسطرح کی: 'قرآن حکیم نجات کیلئے نہیں بلکہ ہدایت کیلئے کافی ہے'۔ ﴿تفہیمات: صفحہ ۳۲﴾

☆۔۔۔صاحب قرآن ﷺ کے تعلق سے اپنے نظریہ کا اظہار: 'محمد ﷺ ہی وہ ایلچی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون بھیجا'۔ ﴿کلمہ طیبہ کا معنی: صفحہ ۹﴾

☆۔۔۔حضور ﷺ کے تعلق سے دوسری جگہ لکھا: 'یہ قانون جو ریگستان عرب کے ایک ان پڑھ چرواہے نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس میں کہیں کوئی منطقی بے ربطی اور کسی تناقض کی جھلک پائی جاتی ہے؟'۔ ﴿پردہ: صفحہ ۱۵۰﴾

مودودی حقائق: صفحہ ۱۲۶ پر لکھا ہے: 'ہر شخص خدا کا عبد ہے، مومن بھی اور کافر بھی۔ حتیٰ کہ جس طرح ایک نبی، اسی طرح شیطانِ رجیم بھی'۔

مندرجہ بالا اقتباسات کی عبارتوں سے مودودی ذہنیت، ان کی شریعت، عبادت، اور اعتقاد کے بارے میں کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مزید تفصیلات کیلئے شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ کے رسائل (اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب، اور دین اور اقامت دین) کا مطالعہ قارئین کیلئے بہت ایمان افروز ثابت ہوگا۔ میں نے 'نادار' کا لفظ اسلئے استعمال کیا ہے تا کہ مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں آپ ان کی شخصیت کا بھر پور جائزہ لے سکیں۔ بہتر تو یہی تھا، کہ جو شخص اللہ و رسول، ایمان اور عقائد۔۔۔نیز۔۔۔ضروریات

دین کو سمجھتا ہی نہیں، اسے کم از کم ان مباحثِ نفیسہ سے کنارہ کش ہوکر، اپنے ایمان وعقائد کی خیر منانی چاہئے تھی۔ لیکن اپنی غلطیوں پر ندامت کے بجائے، اصرار دیکھ کر، سمجھ میں آرہا ہے کہ۔۔۔

۔۔۔ع۔۔۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔۔۔

خیال رہے کہ مودودی صاحب خود ہی نیم چڑھے وہابی ہیں لیکن ان کی شوخیاں یا۔۔۔ دیکھ کر اکابر علماء وہابیہ نے ان سے کنارہ کشی کرلی۔ ممکن ہے کہ حق واضح ہوجانے کے بعد اور دیگر افراد بھی انکی کشتیوں سے چھلانگ لگادیں۔

۔۔۔سردست مودودی صاحب کے تعلق سے چند اکابر علماء دیوبند کے بیانات ملاحظہ فرمالیں:

﴿۱﴾۔۔۔مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ: 'میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا' ﴿اشرف السوانح: صفحہ ۱۴﴾

﴿۲﴾۔۔۔حسین احمد مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ: 'اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت، نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہیں۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہوجائیگا کہ مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں۔ بلکہ وہ خلافِ سلف صالحین ایک نیا مذہب بنارہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو دوزخ میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں' ﴿مودودی دستور اور عقائد: صفحہ ۲۶﴾

﴿۳﴾۔۔۔قاری محمد طیب، مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں: 'جماعت اسلامی کے جدید فقہیات اور تفقہ کی فرعیات پڑھ کر افسوس ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا فقہ تیار ہورہا ہے اور پرانے فقہ کا لباس اتار کر پھینکا جارہا ہے' ﴿جماعت اسلامی کا شیش محل: صفحہ ۱۱﴾

ایسی زہر آلود فضا میں ایمان وعقیدہ کا شجر کبھی بار آور نہیں ہوسکتا، جب تک کہ کوئی شخص ان علماءِ راسخین کی تحریروں کو نہیں پڑھ لیتا جنکے سینے، محبت رسول ﷺ کا مدینہ ہیں۔ اور وہ منشاءِ خدا و رسول۔۔۔نیز۔۔۔منشاءِ قرآنی پر مکمل آگاہی رکھتے ہوں۔ آیات کی مراد، مطالبہ اور مفاہیم کی واقفیت ۔۔۔نیز۔۔۔ذخیرۂ احادیث وتفاسیر بھی ذہن نشین ہو، تاکہ 'مفسر ومترجم' ان آیات کا منشاء ومراد قارئین تک پہنچادے۔ یہ خیال رکھنا از حد ضروری ہے کہ ترجمہ نگار کے قلم وزبان سے ایسی بات نہیں نکلنی چاہئے

کہ جس سے آیات واحادیث کا اختلاف، یا آیات کا آیات سے تناقض، یا ترجمہ کی وجہ سے آیات و عقائد کا تصادم ہوتا ہو۔ ان تمام مقامات پر ایک موید من اللہ مترجم یا مفسر ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

---آیئے زیر بحث تفسیر، تفسیر اشرفی کے چند ایمان افروز حصوں کو پڑھیں:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

'آؤ اس سے کہیں، اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اے میرے مہربان! اے میرے بخشنے والے! اے میرے مالک! ہم اقرار کرتے ہیں کہ **(تجھی کو ہم پوجیں)** یہ ہے ہمارا وہ عقیدۂ توحید جس کو ہم نے کلمہ توحید سے پایا اور مانا۔ اور اسکے خلاف کو ہم شرک جانتے ہیں۔ بس توحید یہی ہے کہ تجھی کو ہم پوجیں۔ توحید نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ۔ یا اللہ! ہمارا بھروسہ تجھی پر ہے **(اور تیری ہی مدد چاہیں)** یہ ہے ہمارا وہ توکل جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیاء، انبیاء نے جو کچھ مدد فرمائی اور فرمارہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی۔ جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اس کے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا'۔

---**اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ** کے تحت آپ فرماتے ہیں:

یا اللہ! ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں، بس اپنے کرم سے **(چلا ہم کو)** اس **(راستہ)** پر جو تجھ تک پہنچا ہے، موجود بھی ہے۔ بالکل **(سیدھا)** بھی ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت کے تحت، کوئی کہتا ہے: ہمیں سیدھا راستہ دکھا (مودودی)، کسی نے کہا: بتلا ہم کو راہ سیدھی (محمود الحسن)، کسی نے لکھا: دکھا ہم کو راہ سیدھی (شاہ رفیع الدین)، کوئی بولا: ہم کو دین کا سیدھا راستہ دکھا (ڈپٹی نذیر احمد)---ہمیں تسلیم کہ ھدایۃ کے معانی میں اِیْصَالُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ اور اِرَاءَۃُ الطَّرِیْقِ دونوں ہیں، مگر چونکہ یہاں ھدایۃ کی اضافت پروردگار کی طرف کی جارہی ہے جہاں زیادہ مناسب اِیْصَالُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ یعنی 'چلانا' ہے۔ یعنی جب ہم اسلام پر ہوتے ہوئے خدا سے دعا کریں گے، تو یوں کہنا کہ 'دکھا ہم کو سیدھا راستہ' یا 'دکھا ہم کو

راہ سیدھی' کے کیا معنی ہوں گے؟ ہمارا اسلام پر ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمیں اپنے کرم سے سیدھا راستہ دکھا چکا۔ ہاں البتہ یہ دعا کرنا کہ اب ہمیں اس سیدھے راستہ پر' چلا' بھی، تاکہ ہم منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں، بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی حضرت کی تفسیر مذکورہ سے ظاہر ہے۔

۔۔۔ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** کے تحت فرماتے ہیں:

(نہ ان) یہودیوں اور یہود منشوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق، توہین انبیاء، اور ظلم کی وجہ سے (غضب فرمایا گیا جن پر)۔

یہود دنیا کی ایک تاجر قوم ہیں، تجارت کے علاوہ رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بالعموم مفسرین **اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** کی تفسیر میں یہود اور **ضَآلِّيْنَ** کی تفسیر میں نصاریٰ کو لاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سا جرم ہے جسکی وجہ سے یہ قوم مستحق غضب ہوئی؟ نادار مفسرین اسکے جواب میں خاموش ہیں۔ جبکہ محدثِ اعظم قدس سرہ مطالعہ قرآنی واحادیث نبوی ﷺ کا عطرِ تحقیق یوں پیش کرتے ہیں کہ، قتلِ ناحق، توہین انبیاء اور ظلم کی وجہ سے غضب فرمایا گیا۔ آپ پوری تفسیر پڑھتے چلے جائیں، مابین قوسین ترجمہ اور بقیہ حصہ تفسیر کا ہے۔ لیکن اس مختصر سی تفسیر میں ضروریات دین کا ہر مسئلہ ہمیں مل جاتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ سورہ بقرہ میں منافقین کے احوال وواقعات قرآن کریم کچھ اسطرح بیان فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

﴿البقرہ:۱۴﴾

اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لاچکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لاچکے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض (بنا رہے تھے) انھیں۔ اللہ بنا رہا ہے اور وہ انھیں ڈھیل دے رہا ہے تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔ ﴿مولوی عبدالماجد دریابادی﴾

تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں کہ' مطلب یہ ہوا کہ عوامِ منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں، باقی مسلمانوں کے

بنانے کیلئے ،ان کی سی کہہ دیتے ہیں ۔۔۔استہزاء کے معنی تمسخر کرنے ،ہنسی اڑانے ،اور بنانے کے، ہیں۔۔ اَللّٰہُ یَسْتَهْزِئُ یعنی ان کے تمسخر کو انھیں پر پلٹے دیتا ہے۔مجازات ،سزا ،معاوضہ کے موقع پر لغت عرب میں یہ محاورہ عام ہے کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دیدیا جاتا ہے۔اَیْ یُجَازِیْهِمْ جَزَاءَ لَهْزُوِ (راغب) مثل قول نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَیْ جَازَا هُمْ جَزَاءَ النِّسْیَانِ (ابن قتیبہ) جزَا الِاسْتِهزاء بِاِسْمِهٖ کَمَا جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ (بیضاوی)۔۔۔

ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔۔۔'تو اے خداوندان پر ہنسے گا تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادیگا' ﴿زبور:۹:۸ ۷﴾ میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹے ماروں گا ﴿امثال:۱:۲۶﴾'۔۔۔یہ تھے جناب عبدالماجد دریابادی صاحب ،جو ذاتِ باری ﷻ کی طرف 'بنانے' کی نسبت کررہے ہیں۔اوراپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کیلئے دیگر آسمانی صحیفوں کا حوالہ بھی دے رہے ہیں۔

موصوف ہی کو نہیں بلکہ آپ کے دیگر ہم مذہب وہم مشرب علماء کو یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے تھا کہ آپ ترجمہ وتفسیر قرآن کررہے ہیں اردو زبان میں ،جہاں ان لفظوں کا استعمال ایک شریف اور مہذب آدمی بھی اپنے لئے پسند نہیں کرتا ،اسے آپ بارگاہ رب العزۃ کیلئے کیوں استعمال کررہے ہیں؟اور بجائے ندامت وپشیمانی کے ،گستاخی میں اتنی جراءت !کہ دیگر صحائف کا حوالہ بھی دے رہے ہیں۔جن کے بارے میں آپ کے بھی سارے علماء متفق ہیں کہ وہ صحائف محرف ہیں۔

اسی جماعت کے ایک دوسرے ذمہ دار مترجم ومفسر جناب ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی ہیں۔ انھوں نے بھی اسی سے ملتا جلتا ترجمہ کیا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نے دوسرے کا چربہ کیا ہے۔ ترجمہ کی عبارت کچھ یوں ہے کہ۔۔۔'اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لاچکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لاچکے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ،ہم تو صرف بناتے ہیں'(یہ لوگ مسلمانوں کو کیا بنائیں گے حقیقت میں) اللہ انکو بناتا ہے اور انکو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے ٹامک ٹوئے مارا کریں۔'

محترم قارئین !مندرجہ بالا حصہ کو پڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور بتائیں کہ یہ چربہ ہے یا سرقہ؟یا کچھ اور؟خط کشیدہ عبارت کو پڑھیں اور۔۔۔

ع--- کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

---کہاں قرآنِ مجید، فرقانِ حمید، کلامِ رب العزۃ اور کہاں ٹامک ٹوئے مارنا اور اللہ کا 'بنانا'؟

اب ذرا محدث اعظم ہند قدس سرہ کو ملاحظہ فرمائیں: آیات کے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ:

' (اور جب) کعب بن اشرف، ابو بردہ، ابن السواد شامی، عبد الدار جہمی، اور عوف ابن عامری وغیرہ منافقین (ملے) صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم، علی مرتضٰی، وغیرہ (مسلمانوں کو) اور کہا کہ آپ تو صدیق ہیں، پیغمبر اسلام کے یارِ غار، بڑی شان والے ہیں۔ کیا کہنا ہے عمر کا، فاروق ہیں، کفر و کفار سے بیزار ہیں۔ اللہ اللہ! علی شیر خدا ہیں، حیدرِ کرار ہیں۔ اور علی مرتضٰی کے کہنے پر، کہ تم بھی واقعی مسلمان ہو جاؤ (بولے ہم) تو سچائی کے ساتھ (ایمان لاچکے)۔ ہمارے اور آپ کے ایمان میں کوئی فرق نہیں (اور جب) وہی منافقین (اکیلے ہوئے) اور تنہائی میں (اپنے شیطانوں) شریر سرداروں (کے پاس) پہنچے تو (کہنے لگے کہ) ہماری ان باتوں سے اثر نہ لو تم خوب جانتے ہو کہ (بیشک ہم تمھارے) ہی (ساتھ ہیں) اور ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ تم کو ہماری مذاق کی عادت معلوم ہے۔ مسلمانوں میں جو باتیں ہوئیں اس میں (بس ہم تو) ان سے اپنی عادت کے موافق (ہنسی مذاق کرنے والے ہیں) اور جو کچھ کہا مذاق میں کہا۔ یوں لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی، مذاق کر کے مسلمانوں کو ذلیل کر رہے ہیں (حالانکہ اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں) کہ دنیا میں مسخرے کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھ دیکھ کر ذلیل ہوں (اور) اللہ ہنسی مذاق نہیں کرنے دیتا بلکہ (ڈھیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی) بدزبانی، چھیڑ چھاڑ اور (سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور اپنی ذلت کا سامان زیادہ سے زیادہ جمع کرتے رہیں۔

کیا اس کو تائید الٰہی نہ کہا جائے؟ کہ آپ لفظ استہزاء کی اتنی حسین توضیح پیش فرما رہے ہیں کہ جس سے نہ تو بارگاہِ الوہیت میں کہیں گستاخی ہو رہی ہے اور نہ ہی کہیں لفظوں کا غلط استعمال ہوا ہے۔ منظر کشی کچھ اس طرح فرما رہے ہیں جیسے کہ لوگوں کو چشم دید سا بتا اور سنا رہے ہیں۔ جس سے آیت کا حسن اور کلام کی معنویت کا نکھار دوبالا ہو گیا ہے اور دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ بارگاہ رسالت کے بارے میں ان حضرات کا نظریہ کیا ہے؟ مندرجہ ذیل سطور کو پڑھ لیں اور اندازہ لگائیں کہ

ع--- یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ ﴿البقرہ: ۳۵﴾

'اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے' ﴿عبدالماجد دریابادی﴾

ترجمۂ مذکورہ کے بعد تفسیر میں آیۃ کے آخری حصہ سے بحث کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں مِنَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہوگا؟ اسی غلطی والے مفہوم کا ایک اور مقام پر اعادہ کر رہے ہیں۔ ---من جملہ ان میں سے---

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ﴿طٰہٰ: ۱۲۱﴾

اور ادم سے اپنے پروردگار کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے ﴿عبدالماجد دریابادی﴾

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ﴿طٰہٰ: ۱۱۵﴾

'اور بہت زمانہ قبل ہم ادم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی'

مذکورہ بالا ترجمہ اور تفسیر پڑھ کر ایک عام قاری کیا یہ رائے قائم نہیں کرے گا کہ معاذ اللہ! انبیاء کرام بھی گنہگار ہوتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ترجمہ میں لفظ 'گنہگار' کا اضافہ، چہ معنی دارد؟ لفظ 'گنہگار' مذکورہ بالا آیت میں کس حصہ کا ترجمہ ہے؟ یہ خود ہی سورۂ طٰہٰ کے ترجمہ و تفسیر میں واقعہ سیدنا آدم علیہ السلام میں لکھتے ہیں کہ ہم نے 'ان میں ارادہ ہی نہ پایا' یعنی 'گناہ کا قصد انھوں نے کیا ہی نہیں' ---یعنی جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ بقول عارف رومی

---ع--- بود آدم دیدۂ نور قدیم ---موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

یعنی آدم علیہ السلام نور قدیم کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت اسکو برداشت نہیں کر سکتی بلکہ وہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے۔

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بارگاہ نبوت کے آداب کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔

اس مقام پر یہ خیال بے ساختہ پریشان کرتا ہے کہ، کیا انبیاء کرام سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟
اس سلسلہ میں مختصراً عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔علامہ قرطبی نے بڑی عمدگی سے اس مسئلہ کو حل کیا ہے
۔۔۔فرماتے ہیں کہ:

اِنَّھُم مَعصُومُونَ مِنَ الصَّغَائِرِ کُلِّھَا کَعِصمَتِھِم مِنَ الکَبَائِرِ اَجمَعِھَا
یعنی تمام فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے
ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔

۔۔۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اور اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی بھی اطاعت لازم آئیگی۔جس سے ہدایت کا سارا نظام درہم برہم ہو جایگا۔
اس پر بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ قرانِ کریم، احادیث اور روایات میں کئی مقامات پر ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں، اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے، ایسی صورت میں عصمتِ انبیاء کا قول کیوں کر صحیح ہوگا؟

جواباً عرض ہے کہ روایاتِ احادیث میں سے تمام واقعات، 'اخبارِ آحاد' سے مروی ہیں۔۔۔ اور یہ روایات ضعیف، وساقط الاعتبار ہیں۔لیکن قرآنِ کریم میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی طرف جو عصیان، غوایت، یا ذنب، کی نسبت ہے وہ سہو، نسیان، ترکِ اولیٰ یا اجتہادی خطاء پر محمول ہے۔اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کا توبہ اور استغفار، در حقیقت ان کا کمالِ تواضع، انکسار، اور امتثالِ امر پر محمول ہے۔کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔عصمت انبیاء، کے تعلق سے مختصراً قرآنِ کریم کا مطالعہ کریں تو مندرجہ ذیل امور سمجھ میں آتے ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔اگر انبیاء کرام سے عیاذاً باللہ! صدورِ گناہ ہوتا، تو ان کی اتباع حرام ہوتی۔جبکہ ان کی اتباع واجب ہے۔۔۔ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ ﴿ال عمران:۳۱﴾

'اعلان کردو کہ اگر دوست رکھتے ہو اللہ کو تو پیچھے پیچھے چلو میرے، دوست رکھے گا تم کو اللہ اور بخشدے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۲﴾---جس شخص سے گناہ کا صدور ہو اس کی شہادت بلا تحقیق، قبول کرنا جائز نہیں۔ جبکہ اس پر اجماعِ امت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

---اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴿الحجرات:۶﴾

'اے ایمان والو اگر لے آیا تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو، تو خوب تحقیق کرلو' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۳﴾---فاسق نبوت کا اہل نہیں---ارشاد ہے:

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿البقرہ:۱۲۴﴾

'فرمایا، نہ پہنچے گا میرا مضبوط عہد، اندھیر والوں کو' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۴﴾---اگر نبی سے، معاذ اللہ، گناہ صادر ہوں تو ان کو ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی۔ جبکہ انبیاء کرام کو ایذا پہنچانا حرام ہے---ارشادِ خداوندی ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴿الاحزاب:۵۷﴾

'بلاشبہ جو دکھ دیں اللہ اور اسکے رسول کو، پھٹکار دیا انہیں اللہ نے دنیا و آخرت میں' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۵﴾---انبیاء کرام اللہ کے مخلص بندے ہیں---ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ ﴿ص:۴۵﴾

'اور یاد کرو ہمارے بندے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کو، بازوؤں والے اور آنکھوں والے، بیشک کندن کر دیا تھا انھیں' ﴿معارف القرآن﴾

---دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ ﴿ص:۸۲-۸۳﴾

'بولا پھر تو تیری عزت کی قسم، ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو، مگر تیرے کھرے بندوں کو' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۶﴾---گنہگار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی عزت افزائی فرمائی ہے:

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿ص:۴۷﴾

'اور بیشک وہ ہمارے یہاں چنے ہوئے بہتر لوگوں سے ہیں' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۷﴾۔۔۔انبیاء کرام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر وہ خود گناہ کریں، تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔۔۔ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿الصف:۳﴾

'نہایت ناگوار ہے اللہ کے نزدیک کہ کہو وہ جسے خود نہ کرو' ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔حالانکہ اللہ رب العزۃ، انبیاء علیہم السلام سے راضی ہے۔۔۔ارشاد فرماتا ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ﴿الجن:۲۶﴾

'وہ غیب کا جاننے والا ہے۔تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو، مگر جسے چن لیا رسول سے' ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔اس آیۃ میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں۔

﴿۸﴾۔۔۔معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا، تو وہ مستحق عذاب ہوتے۔۔۔ارشاد ہے:

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ﴿النساء:۱۴﴾

اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی، اور بڑھ جائے اس کی حد بندیوں سے، ڈال دے گا اس کو جہنم میں، ہمیشہ رہنے والا اس میں ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں، اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

﴿۹﴾۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہونگے۔فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔۔۔ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾

﴿آل عمران ۳۳﴾

'بیشک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان پر' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۱۰﴾۔۔۔معاذ اللہ اگر انبیاء علیہم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی، کیونکہ انکی اتباع واجب ہے۔ جبکہ دوسرے دلائل سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے۔ سو لازم آئیگا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی ہو اور حرام بھی۔ اور یہ اجتماع ضدین ہے، جو کہ باطل ہے۔

'تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ'

ان تمام اعتراضات اور جوابات سے بالاتر ہو کر، حضرت محدثِ اعظم قدس سرہ کا یہ ترجمہ اور تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

(اور) حضرت آدم کا ادھر یہ واقعہ ہوا کہ (فرمایا ہم نے کہ اے آدم رہو) سہو (تم) خود (اور تمہاری بی بی) حوا بھی (جنت) سدا بہار باغ (میں)، یہ تم دونوں کا گھر ہے۔ (اور دونوں کھاتے رہو اس) جنت (سے بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں ہے (جہاں چاہو) یہ سارا باغ تمہارا ہے (اور) اسکا خیال رکھو کہ (قریب نہ جانا) اور سایہ سے بچتے رہنا (اس) خاص گیہوں یا انگور کے (شجر کے) تم کو اسکی ہوا نہ لگنے پائے کیوں (کہ) اسکے پاس پھٹکے تو (ہو جاؤ) گے (اندھیر والوں سے) تم نبی، معصوم ہو، نافرمانی تم سے متصور نہیں، مگر اپنے آرام کو چھوڑ دینا تمہارے لیے کیا کم اندھیر کی بات ہے؟

﴿تفسیر اشرفی﴾

۔۔۔انصاف سے بتائیں کہ کیا کوئی اعتراض بارگاہ الوہیت، یا بارگاہ رسالت میں وارد ہوتا ہے؟ اور اس حُسنِ تفسیر کی تعبیر کیلئے، نصرت خداوندی اور تائید ربانی سے، نیچے کا کوئی لفظ لغت میں ہے؟ ترجمہ و تفسیر قرآن میں جو چیز بہت ہی اہمیت کی حامل ہے وہ ہے نصرت خداوندی۔ اگر مترجم یا مفسر تائید ربانی سے محروم ہے تو وہ عربی سے اردو تو بنالیگا، لیکن مطالبہ قرآنی اور روح ترجمہ سے بہت دور ہوگا۔ اور ایسی تفسیروں کے مطالعہ سے قارئین کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچے گا۔۔۔

پوری امید ہے کہ تفسیر ھٰذا کے قارئین اس تفسیر اشرفی کی خصوصیات کے قائل ہو چکے ہونگے۔

اتنی شاندار تفسیر صرف پہلے پارے تک محدود رہتی، یہ تفسیر کے تعلق سے اردو زبان کے قارئین کی بدنصیبی ہی ہوتی کیونکہ تفسیر کا کام مکمل کرنے سے پہلے ہی حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔۔۔

یہ ہماری اور اہل اسلام کی خوش نصیبی ہے کہ 'تفسیر اشرفی' کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے پروردگارِ عالم نے اسی خانوادہ سے اس مقدس شخصیت کا انتخاب فرمایا جس کو دنیا نے نہ صرف شیخ الاسلام اور رئیس المحققین مانا بلکہ عملاً یہ مشاہدہ کرلیا کہ حضرت مفسر موصوف عصر حاضر کے نائبِ غوث اعظم قدس سرہ ہیں۔۔۔تفسیری مراحل کو اس عمدگی سے نبھایا جارہا ہے جو حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ کا ہے۔

چنانچہ تفسیر کے مطالعہ کے دوران قاری کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ 'تفسیر اشرفی' کے دونوں مقدس مفسرین کی تفسیروں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا جس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت مفسر زید مجدہ بیک وقت جانشین ابوحنیفہ، فن حدیث کے بالغ نظر محدث، اور ساتھ ہی ساتھ غواص بحر معرفت ہیں۔۔۔

یہ سطور کسی جوش عقیدت کے تحت سپرد قرطاس نہیں کی گئیں ہیں۔

۔۔۔آیئے چند مناظر کی سیر کرتے ہیں:

۔۔۔﴿۱﴾۔۔۔

﴿۱﴾۔۔۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ ۔۔۔الی آخر الایۃ ﴿البقرہ:۱۴۵،۱۴۶﴾: عبدالماجد دریابادی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔

'اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنھیں کتاب مل چکی ہے، ساری ہی نشانیاں لے آئیں، جب بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں ۔۔۔اور اگر کہیں آپ انکی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں بعد اسکے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو یقیناً آپ بھی ظالموں میں شمار ہونگے۔' ﴿صفحہ ۴۶﴾

﴿۲﴾۔۔۔دیوبندی دنیا کے حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔

'اور اگر آپ انکے نفسانی خیالات کو اختیار کرلیں، آپ کے پاس علم آنے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔' ﴿صفحہ ۵۶﴾

﴿۳﴾۔۔۔ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔

'اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، انکی خواہشات کی پیروی کی، تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔۔۔تفسیر میں موصوف رقم طراز ہیں، تمہارا کام تو یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے، سب سے بے پرواہ ہوکر صرف اسی پر سختی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اس سے ہٹ کر کسی کو راضی کرنے کی فکر کروگے تو اپنے پیغمبری کے منصب پر ظلم کروگے اور اس نعمت کی ناشکری کروگے جو دنیا کا امام بنا کر ہم نے تمہیں بخشی ہے۔' ﴿تفہیم القرآن: صفحہ ۱۲۳﴾

کاش یہ مفسرین اپنی تفسیری کاوشوں کو منظر عام پر لانے سے پیشتر معتمد اور مستند تفاسیر سے تائیدی عبارت لے لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔۔۔لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔۔۔وجہ ظاہر ہے۔۔۔کیونکہ آیاتِ مذکورہ کے تعلق سے اگر تائیدی روایات لاتے، تو دنیائے اسلام پھر عشق رسول ﷺ کے سہارے ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتی۔۔۔لیکن ان حضرات کو وہ سب کچھ کرنا تھا جس سے امت مسلمہ افتراق و انتشار کا شکار رہے۔۔۔آیئے چند معتمد تفاسیر کا مطالعہ کرتے چلیں۔

تفسیر جلالین۔۔۔مذکورہ آیت کے تحت مفسر فرماتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ اَیْ مُحَمَّدًا **كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ** بِنَعْتِهٖ فِیْ كُتُبِهِمْ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ: لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِیْنَ رَاَیْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ اِبْنِیْ وَ مَعْرِفَتِیْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ **وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ** نَعْتَهٗ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ** هٰذَا الَّذِیْ اَنْتَ عَلَیْهِ ﴿صفحہ ۲۸﴾

۔۔۔صاوی علیٰ تفسیر الجلالین قولہ:

(وَمَعْرِفَتِیْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ) سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِاَنَّ مَعْرِفَتِیْ بِاِبْنِیْ ظَنِّيَّةٌ لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ غَيْرِیْ وَاِنَّمَا مَعْرِفَتِیْ بِمُحَمَّدٍ فَهِيَ عَنِ اللّٰهِ، وَاَیُّ خَبَرٍ اَصْدَقُ مِنْ خَبَرِ اللّٰهِ؟ ﴿صفحہ ۱۲۵﴾

۔۔۔حاشیہ الجمل علی الجلالین:

'قَالَ ذٰلِكَ لَمَّا سَاَلَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَهٗ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْزَلَ عَلٰی نَبِيِّهٖ **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** الْاٰيَةَ فَكَيْفَ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَا

عُمَرُ لَقَدْ عَرِفْتُهُ حِيْنَ رَأَيْتُهُ كَمَا اَعْرِفُ اِبْنِیْ وَمَعْرِفَتِیْ بِاِبْنِیْ بِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ مِنْ مَّعْرِفَتِیْ بِاِبْنِیْ فَقَالَ عُمَرُ: فَكَيْفَ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّه رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا وَقَدْ نَعَتَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ كِتَابِنَا، وَلَا اَدْرِیْ مَا تَصْنَعُ النِّسَاءُ فَقَبَّلَ عُمَرُ رَأْسَهُ وَقَالَ: وَفَّقَكَ اللّٰهُ يَا ابْنَ سَلَامٍ فَقَدْ صَدَّقْتَ قَوْلَهُ: (وَمَعْرِفَتِیْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ) اَیْ مِنْ مَعْرِفَتِیْ لِاِبْنِیْ لِاَنِّیْ لَسْتُ اَشُكُّ فِیْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ نَبِیٌّ، وَاَمَّا وَلَدِیْ فَلَعَلَّ وَالِدَتُهُ خَانَتْ ﴿صفحہ۱۷۹﴾

۔۔۔ان تمام معتمد اور مستند تفاسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے، حضرت مفسر زیدمجدہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

(اور اگر لاتے تم ان) بغض وعناد رکھنے والے یہودیوں (کے پاس جن کو) اللہ تعالیٰ (کتاب دے چکا ہی ہے) پہلے ہی سے دے چکا ہے اور انھیں پوری حقیقت سے آگاہ فرما چکا ہے، اسکے باوجود جو تم سے روبہ کعبہ ہونے کی حقیت وحقیقت سمجھنے کی بات کرتے ہیں اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایک دو نہیں ساری کی (ساری نشانی) خواہ وہ از قسم معجزہ ہو۔۔۔یا۔۔۔حجت وبرہان قاطع، اسکے باوجود وہ (نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی) اسلئے کہ وہ جو تمہاری پیروی نہیں کررہے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کسی شبہ میں ہیں، جسکو حجت ودلیل سے زائل کردیا جائے، بلکہ وہ جو کچھ کررہے ہیں، از راہ عناد، دشمنی کے طور پر کررہے ہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔انھیں اپنی کتابوں سے یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔

اپنے کو ناحق سمجھنے کے باوجود انکو یہ لالچ ہے کہ آپ انکے قبلے کو اپنا قبلہ بنالیں، یہاں تک کہ انکے بعض نبی کریم ﷺ سے کہہ پڑے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت ہو جائیں تو ہم آپ کو وہ نبی تسلیم کرلینگے جسکے ہم منتظر ہیں۔مگر انکے اس طمع کی جڑ اس فرمان سے کاٹ دی گئی کہ نہ تو وہ تمہارے قبلہ کے پیرو ہیں (اور نہ تم انکے قبلہ کے پیرو ہو)، گو یہودیوں کا قبلہ اور تھا۔۔۔اور۔۔۔نصاریٰ کا اور۔لیکن باطل ہونے میں دونوں متحد ہیں، گویا دونوں ایک ہیں۔اب جو کسی باطل قبلہ کا پیرو نہیں تو وہ دونوں میں سے کسی کے قبلہ کا پیرو نہیں ہوسکتا (اور نہ خود ان میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے)۔

یہود، نصاریٰ کے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔ جب یہ اپنے عناد ومخالفت پر اتنے متصلب ہیں کہ آپس ہی میں قبلہ کے معاملے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو انکی مخالفت صرف آپ ﷺ ہی سے نہیں رہ گئی۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔اے محبوب آپ انکی مخالفت کا خیال نہ فرمائیں اور اپنے کو رنجیدہ خاطر نہ کریں۔
اے محبوب قبلہ کا معاملہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ اگر۔۔۔بفرض محال۔۔۔اس معاملے میں آپ نے بھی انکی خواہشوں کی پیروی کی تو آپکا بھی شمار اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں میں ہو جائے گا۔۔۔مگر چونکہ۔۔۔ آپ نبی ہیں اور نبی کی ذات صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے، تو اس سے ایسا جرم سرزد ہو، یہ تو ناممکن ہے۔
۔۔۔لہٰذا۔۔۔آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب کا رخ آپ کی طرف ہے، مگر مخاطب آپ کی امت ہے، جسکے آپ والی و مالک و نگہبان ہیں۔ **(اور) اب (اگر کوئی تمہارا ہو کر)** آپ کو اپنا نبی ورسول مان کر، آپ کا امتی ہو کر اور آپ کے دین پر ایمان لاکر **(پیروی کرے ان)** یہودیوں **(کی خواہشوں کی)** اور انکے کہنے پر کعبہ سے رخ پھیر کر بیت المقدس کو قبلہ بنالے **(بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس)** کعبہ کے قبلہ ہونے اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا **(علم)** جسکو آپ نے سب تک پہنچا بھی دیا اور دلائل و براہین کے ساتھ واضح بھی فرمادیا، **(تو بیشک وہ تمہارا)** امتی **(اس صورت میں)** اطاعت رسول کی **(حد سے)** نکل کر نافرمانی کی حد میں داخل ہو جانے والوں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے **(بڑھ جانے والوں سے ہے)**۔
(جن کو ہم نے کتاب دی ہے) علماء اہل کتاب **(پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو)** کہ وہ نبی برحق ہیں، امام قبلتین ہیں، تمام آسمانی صحیفوں کی بشارتوں کا مرجع ہیں اور یہ پہچان ایسی ویسی پہچان نہیں، بلکہ ایسا پہچانتے ہیں **(جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں)** اسی لئے انھیں آپ ﷺ کی رسالت پر کسی طرح کا اشتباہ نہیں، جیسے انھیں اپنے بچوں کے تعلق سے کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔
انسان خود اپنے آپ کو بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے بخلاف اپنی اولاد کے، کہ انھیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ ہم اپنے بچوں سے زیادہ نبی کو جانتے ہیں، اسلئے کہ ہمیں محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کبھی بھی شک نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف بچوں کے تعلق سے ماں کی طرف سے خیانت کا امکان شک کا باعث ہوسکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپکی اس بات پر آپکی پیشانی کو چوم لیا۔
(اور بے شک ان) علماء اہل کتاب **(میں سے ایک)** بڑا **(گروہ)** جس نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ حسد وعناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے **(حق)** نبی کے نبی برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے، اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ

(کوضرور چھپاتا ہے)۔وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ (جانتے بوجھتے)۔

---﴿ب﴾---

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ ---حرام فرمادیا ہے اس جانور کو---جو ذبح کیا گیا غیر خدا کا نام لیتے ہوئے---ترجمہ اور حسن تفسیر پر گزارشات پیش کرنے سے پیشتر میں یہ چاہوں گا کہ آیت مذکورہ میں مترجمین اور نادار مفسرین کی ناداریاں ملاحظہ ہوں---

﴿۱﴾---اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو---

﴿ترجمہ: مودودی صاحب﴾

---اس آیت کی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں کہ 'اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہے۔اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر کے پکایا جائے---حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا کوئی اور کھانے کی چیز، در اصل اسکا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ ہی نے وہ چیز ہم کو عطا کی ہے۔لہٰذا اعترافِ نعمت، یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان پر لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے---اس کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا، یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اسکی بالاتری بھی تسلیم کررہے ہیں۔اور اس کو بھی منعم سمجھتے ہیں۔ ﴿صفحہ ۱۳۵﴾

﴿قارئین کرام مذکورہ بالا عبارت اور آیت کریمہ کے حکم میں تضاد واضح طور پر محسوس کرسکتے ہیں﴾

---شیخ اشرف علی تھانوی صاحب اپنے ترجمۂ قرآن میں اس مقام کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کیلئے نامزد کردیا گیا ہو'۔ مولوی عبدالماجد دریابادی صاحب اس مقام پر اپنے شیخ کی موافقت میں لفظ بلفظ ساتھ دے رہے ہیں، ملاحظہ ہو: 'اور جو جانور غیر اللہ کیلئے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے'---﴿یہ عبارت بہ نسبت پہلی کے زیادہ واضح ہے۔﴾

قارئین کرام مذکورہ بالا عبارات اور عبارت سے مستفاد احکام، مندرجہ بالا مفسرین کے ذہن وفکر کی مکمل عکاسی کررہے ہیں---

تفسیر جلالین ﴿صفحہ۲۲﴾ اسی آیت کریمہ کے تحت ہے:

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَیْ ذُبِحَ عَلٰی اِسْمِ غَیْرِہٖ وَالْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَکَانُوْا یَرْفَعُوْنَہٗ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِهَتِهِمْ

جلالین کی مذکورہ بالاعبارت کے تحت جمل میں ہے ﴿صفحہ۲۰۷﴾:

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ مَا مَوْصُوْلٌ بِمَعْنَی الَّذِیْ وَمَحَلُّهَا النَّصْبُ عَطْفًا عَلَی الْمَیْتَةِ، وَبِہٖ قَائِمٌ مَّقَامَ الفَاعِلِ لِاُهِلَّ الْبَاءُ بِمَعْنٰی فِیْ، وَلَا بُدَّ مِنْ حَذْفِ مُضَافٍ اَیْ فِیْ ذِبْحِہٖ لِاَنَّ الْمَعْنٰی وَمَا صِیْحَ فِیْ ذِبْحِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ

آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

'وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا'۔

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ ﴿احکام القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۲۵﴾

ان معتمد تفاسیر کی روشنی میں حضرت مفسر مدظلہ کی تفسیر، آیت کریمہ کا صحیح محل، اور قادر الکلامی ملاحظہ ہو۔ (یہ یاد رہے کہ حضرت مفسر مدظلہ کی تفسیر کی تائید سورہ الانعام آیت ۱۱۸ وغیرہ سے بھی ہو رہی ہے)۔

حضرت فرماتے ہیں: (اور) اسکے سوا حرام فرمادیا (اس جانور) کے گوشت (کو جو ذبح کیا گیا) بتوں، دیوی دیوتاؤں۔۔۔ الغرض۔۔۔ ذبح کے وقت ذبح کرتے ہوئے کسی بھی (غیر خدا کا نام لیتے ہوئے)۔

مختصر لفظوں میں حضرت مفسر مدظلہ کا معنی خیز مطلب اور اس سے مستفاد حکم بیان کرنا آپ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسکا خراج ہر اہل علم وقلم سے آپ لیتے رہیں گے۔

---﴿ ج ﴾---

قرآن کریم کی تفہیم کیلئے حضرت مفسر مدظلہ کا ایک اور دلنشین انداز بیان ملاحظہ ہو:

(اے ایمان والو! داخل ہو) جاؤ (اسلام میں پورے پورے) یعنی شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام کو دل سے قبول کرلو اور ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے انھیں احکام کو اپناؤ اور ان پر عمل کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق اور تمہاری خواہش کے مطابق ہوں اور ان

احکام کونظر انداز کردواوران پرعمل نہ کرو جوتمہاری خواہش کے مطابق نہیں۔

یادرکھو کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، اس کے اپنے عقائد ہیں، اسکا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اپنے نظریات ہیں، اور یہ انسان کی ذہنی ،روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں، جبکہ اسے ماننے والے اسے پورا کا پورا اپنالیں، اوراس کے تمام ضابطوں اور قوانین پرعمل پیرا ہوجائیں۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کوقبول کرلینے کے بعد بعض باتوں پرعمل کرنے کے تعلق سے سابق شریعتوں میں سے کسی شریعت کالحاظ کیاجائے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام جیسے عظیم صحابی بھی حضور آیۂ رحمت ﷺ سے ہفتہ کی تعظیم اوراونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی تحریم کے تعلق سے شریعت موسویہ پرعمل کرنے کی اجازت حاصل نہ کرسکے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو! مکمل اسلام کواپنالواوراس پر ثابت قدم ہو(اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی) ان راستوں پر نہ چلو جوشیطان کے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا ہے اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کرے، اسلئے کہ (بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے)۔

---﴿ د ﴾---

سورہ مذکورہ کی آیت ۲۲۱ کے ضمن میں ملاحظہ ہو:۔۔۔

(اور) فرمایا (مت نکاح کروشرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں) وہ مشرکہ حسن وجمال والی ہو۔۔۔یا۔۔۔دولت وثروت والی ہو۔۔۔یا۔۔۔آزاد ہو۔۔۔الغرض۔۔۔کچھ بھی ہومگر جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، (اور) اسکے برعکس (یقیناً ایمان والی لونڈی) خواہ وہ غریب ہو، خوبصورت نہ ہو، بایں ہمہ وہ (بہتر ہے) اس خوبصورت مالدار اور آزاد (شرک والی) کافرہ (سے، گو) وہ (شرک والی) کافرہ حسن وجمال اور کثرت مال کی وجہ سے، (تمہیں اچھی لگے)۔۔۔یونہی ۔۔۔محتاط ہوجاؤ (اوراپنی لڑکیوں کومشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں) سچے دل سے مسلمان نہ ہوجائیں (اور) جان لو کہ (بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے) خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مال دار نہ ہو (ہر مشرک سے گووہ تمہیں) اپنے حسن وجمال اور مال ومنال کی وجہ سے (اچھا لگے)۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرکہ عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو اسلئے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا۔ اگر چہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک شوہر یا بیوی متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو، تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسلام نے مسلمانوں اور سارے کافروں کے درمیان مناکحت کا معاملہ بالکل ہی منقطع کر دیا۔ ایمان کی سلامتی اور کفر کے خطرات سے بچنے کا یہی صاف اور سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میاں بیوی میں وہ کون ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانا نہ چاہتا ہو، تو شادی ہو جانے کی صورت میں (وہ) شرک و کفر والیاں اور شرک و کفر والے (لوگ) اپنی باتوں سے ۔۔۔یا۔۔۔ اپنی محبت میں اسیر کر کے ۔۔۔یا۔۔۔ اپنی صحبت و قربت کا اثر ڈال کر اس کفر و شرک کی طرف (بلائیں) گے، جو تم کو (جہنم کی طرف) لے جانے کا سبب ہوگا۔ اور جب تک تم انکے پورے طور پر ہم خیال نہیں ہو جاؤ گے، اس وقت تک وہ لوگ مختلف نرم ۔۔۔یا۔۔۔ گرم طور و طریقہ اپنا کر تم کو کافر بنانے کی جدو جہد کرتے رہیں گے، (اور اللہ) تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی اور پھر اپنے اولیاء کے ذریعہ تم کو (بلائے) اور بلاتا رہے گا اور ان عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کی دعوت دے بھی رہا ہے اور دیتا بھی رہے گا، جو تمہیں (جنت اور بخشش کی طرف) لے جانے کے اسباب ہیں، خود اسکے (اپنے حکم) ارادہ (سے اور) اپنی شان کریمی سے (صاف صاف بیان فرمائے) حلال و حرام کے احکام کو واضح کر دینے والی (اپنی آیتوں کو لوگوں) کے فائدے (کیلئے) تا (کہ اب) تو وہ کچھ (سبق لیں) اور نصیحت و ہدایت حاصل کریں۔

آیت مبارکہ کی توضیح و تشریح میں اسلاف کرام سے لیکر اب تک بہت ہی گرم و سرد، علمی اور قلمی معرکہ آرائی ہوتی رہی ہے۔۔۔ بعض علماء نے اس آیت کے عموم سے اہل کتاب کو نکال دیا ہے، لقولہ تعالیٰ **وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** چنانچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں رہنے والے بہت سے حضرات نے اپنی رشتہ داریاں، شادی بیاہ وغیرہ شہریت کے حصول یا اپنی خواہشات کے پیش

نظر، غیر مسلموں سے کر رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کی واضح ہدایات کے باوجود ان حضرات نے تاویل کا سہارہ لیا اور آج تک اسی پر قائم ہیں۔ حضرت مفسر مدظلہ نے قرآنِ کریم کی تعلیمات کے پیش نظر جو اصلاحی طریقہ اختیار فرمایا ہے، وہ قابل رشک ہی نہیں، لائق تقلید بھی ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر کا صفحہ نمبر ۲۶۴۔ اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے۔۔۔ خطرات سے بچنے کا صرف یہی سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

--- ﴿ ۵ ﴾ ---

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۔۔الخ (کوئی زبردستی نہیں دین میں) اس مقام پر علماء تفسیر نے بڑی طول طویل بحثیں فرمائی ہیں۔ عصر حاضر کے نابغہ روزگار محقق علامہ سعیدی مدظلہ نے یہ بحث بہت ہی عمدگی سے طے کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

'کیا دین اسلام قبول کرنے میں جبر کا نہ ہونا مشروعیت جہاد کے خلاف ہے؟ میں اس اشکال کے جواب پر کئی دن غور کرتا رہا، میں نے اس سوال کے جواب کی تلاش کیلئے قدیم اور جدید معتمد تفاسیر کو دیکھا، لیکن میں نے دیکھا کہ کسی نے بھی اس کو حل نہیں کیا اور مدافعانہ جنگ اور جزیہ کے اختیار سے اصل اشکال کو ٹالنے، دفع وقتی اور فرار کی کوشش کی۔ بہرحال میرے ذہن میں جو جواب آیا، وہ میں نے لکھ دیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے، تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے، تو یہ میری فکر کی کمی ہے اور آئندہ آنے والے علماء کیلئے دعوت فکر ہے۔' ﴿تبیان القرآن: صفحہ ۹۸۲﴾

حضرت مفسر مدظلہ نے تفاسیر قدیمہ معتبرہ کو مدنظر رکھ کر جو فیصلہ فرمایا، وہ اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ حاشیہ جلالین زیر بحث آیہ کریمہ:

هٰذِهِ الْاٰيَةُ دَلِيْلٌ وَاضِحٌ عَلٰى اَنَّ الْاِسْلَامَ لَمْ يَقُمْ بِالسَّيْفِ وَاِنَّمَا قَامَ بِالدَّلِيْلِ وَالْبُرْهَانِ وَالسَّيْفُ كَانَ لِمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنَ الْوَثْنِيِّيْنَ اَوْلِمَنْ لَمْ يَدْفَعْ بِهٖ مَعَ يُسْلِمُ الْجِزْيَةِ وَ يُنْفَذُ لِاَحْكَامِ الذِّمَّةِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ تَعَالٰى وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۔۔الخ

---مختصر لفظوں میں حضرت مفسر مدظلہ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:---

'اس مقام پر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کیلئے آمادہ کرنا اور اسکو مجبور کرنا جس میں درحقیقت اس کیلئے کوئی بھلائی نہ ہو، یہی وہ اکراہ ہے جو ناپسندیدہ ہے۔اب اگر کسی ایسے کام کیلئے مجبور کیا جائے جس میں خیر ہی خیر ہے، تو یہ بظاہر صورتاً اکراہ تو ہے، مگر حقیقتاً اکراہ نہیں اور ظاہر ہے کہ دین اسلام از اول تا آخر خیر ہی خیر ہے، تو اس خیر کل کیلئے حقیقی اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی اس خیر کل کیلئے حقیقی اکراہ کی ضرورت نہیں---

ناظرین کرام! مذکورہ بالا گزارشات کو مدنظر رکھ کر اگر آپ حضرت کی اس مبارک تفسیر کا مطالعہ کرینگے، تو آپ حسن قرآنی کے جلوہ ہائے رنگا رنگ سے اپنے قلوب واذھان کو منور ومجلّٰی فرمائیں گے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اس تفسیر کے مفسر مدظلہ نے آیت قرآنی کو اپنے لفظوں میں اس طرح بیان فرمایا جس سے ایک عالم، منتہی طالب علم، ایک مفکر اور دانشور، ماہر وکیل، نکتہ شناس جج، قادرالکلام خطیب اور نباض فطرت شاعر، ہر شخص اپنے حسب استعداد استفادہ کرسکتا ہے---اور کرتا ہے---بانی ،ادارہ گلوبل اسلامک مشن، محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی کو پروردگار عالم جزائے خیر سے نوازے جنھوں نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس کیا اور عالم اسلام کیلئے عموماً اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے طلبہ کیلئے خصوصاً اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر اس مایہ ناز تفسیر کی اشاعت کو پایہ، تکمیل تک پہنچانے کا بیڑہ اٹھایا---

اس خصوص میں حضور شیخ الاسلام کی تحریروں کو جمع کرنا، کمپیوٹر کی کتابت کیلئے عزیزم منصور احمد اشرفی سلمہ کو تاکیداً بٹھا کر، ترجمہ، قرآن اور تفسیر قرآن کو حسین ترین ڈیزائنوں میں تبدیل کرنا اور طباعت کے مراحل کو طے کرنے کیلئے بہ نفس نفیس پاکستان کا سفر کرنا، امریکہ کے دینی اور مذہبی حلقوں میں اہلسنت وجماعت کی نمائندگی کرنا یا بالفاظ دیگر حضور شیخ الاسلام کی نیابت کرنا، یہ وہ مہمات ہیں جنھیں سر کرنا عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے---علاوہ ازیں---جیلوں میں قیدیوں کو کتابوں کے ذریعے اسلام سے روشناس کرانا اور اپنے پُر از حکمت خطبات سے دعوت اسلام دینا۔ اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ پر اٹھنے والے سوالات کے مثبت اور دندان شکن جواب دینا، یہ موصوف کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جو

لائق تعریف ہی نہیں، قابل تقلید بھی ہیں۔

درحقیقت حضور شیخ الاسلام کی عبقری شخصیت اور روحانی نیابت کیلئے ایسی ہی اہم شخصیت درکار تھی جسے ہم آسمانِ غیب سے پروردگارِ عالم کا عطیہ کہہ سکتے ہیں۔ ہم وابستگانِ سلسلہ کی دلی آرزو ہے کہ حضور شیخ الاسلام کا سایۂ عاطفت تا قیامِ قیامت ہمارے سروں پر دراز رہے اور تفسیر کی تکمیل نیز آپ کے فیوض و برکات فزوں تر ہوں۔۔۔

اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِجَاہِ حَبِیْبِکَ طٰہٰ وَ یٰسٓ

فقیر، ابوالفضل
محمد فخر الدین علوی

۱۶ جمادی الثانی، ۱۴۲۹ھ ۔۔۔ بمطابق ۔۔۔ ۲۰ جون، ۲۰۰۸ء

مختصر تذکرۂ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

نام: سید محمد اشرفی جیلانی　　لقب: محدث اعظم ہند

ولادت: ۱۵ ذوالقعدۃ ۱۳۱۱ھ ---بمطابق--- ۱۸۹۴ء یوم چہارشنبہ

جائے ولادت: قصبہ جائس، رائے بریلی، یوپی، انڈیا

والد گرامی: رئیس الحکماء، حضرت علامہ سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی قدس سرہ

والدہ ماجدہ: سیدہ محمدی خاتون بنت اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ

جد مکرم: حضرت مولانا سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ

ناناجان: محبوبِ ربانی، مرشد الانام، اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ

آپ کی رسم بِسْمِ اللہ ۹ ربیع الاول، ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ نے صرف چھ ۶ مہینے ہی میں بغدادی قاعدہ اور پارہ عم ختم کروایا۔ پھر انتیس ۲۹ دن ہی میں باقی پارے بھی پوری روانی سے ختم کرادیے۔ پانچ ۵ سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم ختم فرمالیا۔ مزید بنیادی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی جو درس نظامیہ کے اعلیٰ پائے کے معلم تھے اور مشہور ترین طبیب حاذق بھی۔

آپکی ذہانت اور فہم وادراک باعث حیرت تھی جس پر اہل علم انگشت بدنداں تھے۔ آپ نے اعلیٰ تعلیم برصغیر کے مشہور مدرسہ نظامیہ فرنگی محلی لکھنؤ میں پائی اور صرف چودہ ۱۴ سال کی عمر میں تمام درسیات نظامی وعلوم عربیہ کی تحصیل سے فارغ ہوکر سند فضیلت حاصل کی۔ وہاں سے علیگڑھ، پیلی بھیت، بریلی شریف اور پھر بدایوں کا رخ فرمایا۔ یوں آپ نے بحرالعلوم حضرت علامہ مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ فرنگی محلی، استاذ زمن حضرت علامہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی، حضرت علامہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ، اور حضرت علامہ مولانا مقتدر اعظم شاہ مطیع الرسول قادری قدس سرہ سے اکتساب فیض کیا۔ اور پھر علمی تشنگی آپکو قافلہ سالار عشق ووفا، اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ تک لے آئی، جہاں آپ نے جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ بطور تحدیث نعمت آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایہ حیات ہوگئیں۔

علیگڑھ میں منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھیں، پیلی بھیت اور بدایوں سے سندحدیث حاصل کی اور صرف سترہ ۱۷ سال کی عمر میں محدث اعظم ہند کا لقب حاصل کیا۔ آپ اپنے ماموں جان، سلطان المناظرین، شہزادۂ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں، حضرت اقدس مولانا سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی قدس سرہ سے بیعت وخلافت یافتہ تھے۔ ۱۹۱۵ء میں بائیس ۲۲ سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی پوتی اور اپنے ماموں جان اور مرشد برحق کی شہزادی کے ساتھ عقد نکاح ہوا۔

آپ نے عقلیات ونقلیات کے جملہ علوم وفنون میں امتیازی شان حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں دلی میں علامہ سید محمد میر صاحب علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں 'مدرسۃ الحدیث' قائم فرما کر بارہ ۱۲ سال وہاں درسِ حدیث کا فریضہ انجام دیا۔ یہاں رسالہ قشیریہ، قانونِ شیخ جیسی کتابوں کے ساتھ ہی تصوف و طب کی بھی تدریس جاری رکھی۔ پھر آپ دہلی سے کچھوچھہ مقدسہ تشریف لائے اور اپنے نانا قدس سرہ کے قائم کردہ جامعہ اشرفیہ میں منصب شیخ الحدیث پر مسند نشین ہوئے اور زمانہء طویل تک درس دیتے رہے۔ ساتھ ہی فتاویٰ لکھتے رہے۔ آپ نے ہر فن میں کسی نا کسی انداز میں اپنی شان کے جوہر دکھائے۔

آپ نے پانچ ۵ مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی۔ اسکے علاوہ روحانی وتبلیغی سرگرمیوں کے تحت عراق، بیت المقدس، دمشق، مصر، یمن، عدن، سیلون، رنگون، برما، ڈھاکہ، کلکتہ، پاکستان، غزنی، کابل، اور ہندوستان کے کونے کونے کا طویل ترین سفر فرمایا۔ سال کے گیارہ ماہ مسلسل سفر میں گزارتے، صرف ماہِ رمضان المبارک اور محرم الحرام کے آخری عشرہ میں کچھوچھہ شریف قیام فرماتے۔

آپ نے دینی وقومی خدمات کے ضمن میں الجمہوریۃ الاسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف، آل انڈیا سنی جمیعۃ العلماء، الجمیعۃ الاشرفیہ کی صدارت اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، دارالعلوم اشرفیہ بہرائچ، دارالعلوم فاروقیہ بنارس جیسے سینکڑوں تعلیمی اداروں کی تاسیس وسرپرستی فرمائی۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں کچھوچھہ شریف سے 'ماہنامہ اشرفی' جاری فرمایا اور شدھی، قادیانی اور وہابی تحریکات کی بیخ کنی کی۔ پانچ ہزار سے زائد غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا اور لاکھوں بندگانِ خدا کو چہار سلاسل مقدسہ سے منسلک کیا۔ سو سے زیادہ کتابیں ورسالے تصنیف فرمائے۔ آپکا سب سے بڑا کارنامہ قرآن عظیم کا سلیس اردو میں ترجمہ فرمانا ہے۔ اسکے علاوہ آپکی پہلے پارے کی تفسیر بھی ہے جو منظر عام پر آچکی ہے اور یہاں بھی پیش نظر ہے۔

اس سے پہلے کہ آپ تفسیر قرآن مکمل فرماتے، ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ، آپکا وصال ہوگیا۔ آپکی نماز جنازہ امام اہلسنّت، غوثِ زماں، شیخ المشائخ علامہ مولانا سید محمد مختار اشرف، سجادہ نشین، خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف، نے پڑھائی۔ آپ کچھوچھہ شریف ہی میں آرام فرما ہیں۔ آپکا سالانہ عرس ہر سال کچھوچھہ شریف میں پورے وقار واحترام کے ساتھ ۱۵، ۱۶ رجب المرجب کو منایا جاتا ہے۔ رئیس المحققین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دام فیوضہم وظلہم علینا آپ کے جانشین ہیں۔

سید الواعظین، امام الخطباء، حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ اپنے زمانے میں فائق الاقران رہے۔ عالم باعمل، حب نبوی ﷺ سے سرشار اور علمی وجاہت کا کوہِ گراں تھے۔ معاصرین نے بالاتفاق آپ کو 'محدث اعظم ہند' کا خطاب دیا۔ خدائے پاک نے اس لقب کو اتنی شہرت بخشی کہ آپکا لقب آپ کے نام سے زیادہ مشہور ہوا۔ آپ شعروسخن میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ آپکا مجموعہ کلام 'فرش پر عرش' آپکی فصاحت وبلاغت کی منہ بولتی تصویر اور عشق رسول ﷺ اور بزرگانِ دین کے ساتھ آپ کی والہانہ عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان کے گوشے گوشے میں تبلیغ دین کیلئے تشریف لے گئے مگر ساتھ ہی ساتھ تصنیف وتالیف کا کام جاری رکھا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ 'قرآن کے صحیح مفہوم ومطلب سے دنیاوالوں کو خبردار کرنے کی ضرورت کو سید محمد محدث علیہ الرحمہ نے شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور دینی وتبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کا قصد فرمالیا۔ ترجمہ فرمانے کا کیا نرالا انداز تھا، تبلیغی پروگرام میں کوئی کمی نہیں، ایک عالم اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں، مستند ومعتمد علیہ تفاسیر کا اچھا خاصا ذخیرہ جوانکے ساتھ رہتا ہے نگاہوں کے سامنے ہے، ترجمہ بولتے جارہے ہیں، وہ لکھتا جارہا ہے۔ ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے ترجمہ لکھا رہے ہیں، گاڑی پر سفر کررہے ہیں ترجمہ بول رہے ہیں، اور رمضان کے موقع پر مکان آئے ہوئے ہیں اور اس دینی کام میں مصروف ہیں۔ چھ ذوالحجۃ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ﴿ماہنامہ آستانہ: کراچی ۱۹۹۵ محدث اعظم نمبر﴾

آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر چنے گئے۔ کانفرنس کے تحت اجمیر شریف کے ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا

'میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کریگی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری، اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بناء پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کی چڑ ہے، اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے۔ اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے پورا نہیں کرتا؟ اب رہا پاکستان، کارِ سنیاں است'۔ ﴿مولانا محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس: مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء، صفحہ ۳۰۶﴾

معارف القرآن پر تقدیم قلمبند فرماتے ہوئے، حضور مسعود ملت قدس سرہ فرماتے ہیں: 'اس وقت محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا سراپا سامنے ہے، آیئے ماضی کے جھروکے سے انکی زیارت کریں۔ خاندانی جاہ وجلال، بادشاہوں کی اولاد، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے چشم و چراغ، بلند وبالا قامت، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی، سر پر تاج نما کلاہ سمنانی، تن بدن پر عبا اور قبا، ہاتھ میں عصائے دراز، زرنگار، مستانہ چال، جھوم کر چلتے ہوئے جب جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تو معلوم ہوتا تھا کہ شیر کچھار سے نکل رہا ہو۔ بھیڑ چھٹتی چلی جاتی اور وہ آگے بڑھتے چلے جاتے۔ آواز ایسی جیسے ہاتف غیبی عالم بالا سے بول رہا ہو، گفتگو کا ٹھہراؤ، تقریر کا رچاؤ، باتوں کی گھن گرج اور گونج، جیسے بادل گرج رہا ہو، جیسے بجلی کڑک رہی ہو، جیسے مینہ برس رہا ہو۔۔۔ دور سے دیکھئے تو رعب ودبدبے سے دیکھا نہ جائے، پاس بیٹھئے تو باتوں سے پھول جھڑتے دیکھئے۔ محبانِ رسول کیلئے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخانِ رسول کیلئے نشتر کی چبھن۔۔۔ تقریر میں قرآنی اسرار و معارف کا دریا بہاتے، لوگ سن سن کر حیران و ششدر رہ جاتے۔ تقریر سے پہلے اپنے خاص انداز میں عربی خطبہ ارشاد فرماتے، ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ۔ نعت منشور کا سما بندھ جاتا، دل کھنچنے لگتے۔ روح پر کیف وسرور کا عالم تاری ہو جاتا۔ پھر تلاوت فرماتے، تقریر فرماتے، دھیرے دھیرے آگے بڑھتے یہاں تک کہ تقریر سے علم و دانش کے فوارے پھوٹنے لگتے۔ جب وہ تقریر کرتے محفل پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی باتیں کرتا نظر نہ آتا، سبھی انکو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے، گستاخانِ رسول ﷺ پر ہیبت طاری ہو جاتی، بلاشبہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ معنوی جلال و جمال کا حسین پیکر تھے۔ پھر ان جیسا نہ پایا، پھر ان جیسا نہ دیکھا۔

﴿معارف القرآن، تقدیم، ۲۰۰۰ء، از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ﴾

محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی

مختصر تذکرۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین دامت برکاتہم العالیہ

حضور شیخ الاسلام اپنے مجموعہ ءکلام کو اپنے والد بزرگوار کے نام انتساب کرتے وقت فرماتے ہیں۔۔۔انکے نام جنکے فیضانِ نظر نے آدابِ زندگی اور خدمت لوح وقلم کا شعور عطا کیا۔۔۔حضور شیخ الاسلام کی پوری حیات کا مطالعہ کرتے چلے جایئے، آپ محدث صاحب کے اسی فیضانِ نظر کو کارفرما پائینگے۔تو آیئے ملاحظہ ہو مختصر تذکرۂ حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ۔

نام: سید محمد مدنی اشرفی جیلانی القاب: شیخ الاسلام والمسلمین ورئیس المحققین

ولادت: یکم رجب، ۱۳۵۷ھ۔۔۔بمطابق۔۔۔ ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء

جائے ولادت: کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد، یوپی، انڈیا

والد بزرگوار: حضور سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ محدث اعظم ہند قدس سرہ

والدہ محترمہ: مخدومہ سیدہ فاطمہ بنت سلطان المناظرین قدس سرہ

نانا: سلطان المناظرین، شہزادۂ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں، حضرت اقدس مولانا سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی قدس سرہ

دادا: رئیس الحکماء، حضرت علامہ سید نذر اشرف، فاضل کچھوچھوی علیہ الرحمہ

کچھوچھہ شریف، علم وعرفان اور طریقت ومعرفت کے اعتبار سے ایک ایسا علاقہ ہے، جہاں ایک سے ایک صوفی وعارف پیدا ہوئے جنکے فیوض وبرکات کے قصے آج بھی زبان زد خاص وعام ہیں۔ اسی سرزمین سے سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی شخصیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

آپکا سلسلہ نسب حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔آپ کا گھرانہ ولیوں کا گھرانہ ہے، جہاں ظاہری علوم کے بیشمار ہمالیہ اور باطنی علوم کے ان گنت بحر بیکراں موجود ہیں۔شجاعت حیدری، وفائے حسینی، شانِ دستگیری، قوت جہانگیری، وصف بادشاہی، تاج سلطانی، کلاہِ سمنانی، سیاحت کے انداز، اور اشرفی لقب جہاں سے وراثت میں ملتے ہیں۔خانوادۂ اشرفیہ کے ہر فرد کو لیتے چلے جایئے، حقیقت کی روشنی میں جب انکے فضائل و کمالات کا مطالعہ کرینگے، تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جائیگی کہ یہ گھرانہ جہاں شیخ الاسلام نے آنکھ کھولی، ہمیشہ ہی غیر معمولی طور پر روحانی اور علمی اہمیت وافادیت کا حامل اور تصوف وطریقت اور

معرفت وحقیقت کا مرکز رہا ہے۔ آپکے والد ہوں یا دادا، آپکے نانا ہوں یا انکے والد بزرگوار، آپکی والدہ محترمہ ہوں یا دادی صاحبہ، سب آسمانِ اشرفیہ کے وہ چاند تارے ہیں جنکی چمک کبھی ماند نہ پڑیگی۔

خدائے علیم وخبیر جب اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے دین کی خدمت کیلئے کسی کو چن لیتا ہے، تو انکو مددگار ومعاون رفیق حیات بھی عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو محدث صاحب سے جب دین کی وہ خدمت لینا منظور ہوئی، جس میں وہ شروع سے لیکر حیات کے آخری لمحہ تک مصروف رہیں گے، تو انکو ایک ایسی رفیقہء حیات عطا فرمائی جائیں جو آپکی اولادِ امجاد کی اسطرح تربیت و پرورش فرماسکیں کہ جو اپنے والد کا مشن لیکر کامیابی سے آگے بڑھیں۔۔۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔۔۔ لہٰذا والدہ محترمہ کی آغوش میں حضور شیخ الاسلام کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپکی والدہ محترمہ انتہائی جاہ وجلال اور فضل و کمال کی خاتون تھیں۔ شہزادگان کی تعلیم وتربیت اور نظم وضبط کی پاسداری میں مخدومہ سیدہ فاطمہ صاحبہ کا کلیدی رول رہا ہے۔ محدث صاحب تبلیغی سرگرمیوں کے تحت زیادہ وقت سفر میں یعنی گھر سے باہر رہتے مگر بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں محترمہ مخدومہ صاحبہ نے کبھی کمی نہ آنے دی۔

یوں آغوشِ مادری سے ہوتے ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف میں پائی اور پھر چودہ سال کی عمر میں والد بزرگوار نے دارالعلوم اشرفیہ، مبارکپور میں داخل کروادیا۔ یہاں آپ نے درس نظامی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو کی بیشمار کتابیں پڑھیں اور اپنے استاد حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پورا پورا اکتسابِ فیض کیا۔ اسکے علاوہ آپ نے اسلامی فلسفہ اور سائنس کا بھی گہرا مطالعہ جاری رکھا۔ اس سلسلہ میں جامع معقولات حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ اور مفکر اسلام علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی صاحب علیہ الرحمہ آپکے استاد رہے۔

طالب علمی کے زمانے کا ہر لمحہ آپ نے گہرے مطالعے میں صرف کیا اور دوسرے معاملات سے کوئی خاص شغف نہیں رکھا۔ شعبان ورمضان کی چھٹیوں میں گھر آجانے کے باوجود آپکے مطالعہ میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ ماہِ رمضان میں حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی گھر میں موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انکی زیرنگرانی تحصیل علم ہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

اس مقام پر قارئین کو بزرگوں کی دور اندیشی، دین اسلام کی خدمت کو جاری رکھنے کی خواہش اور حقیقت حال کے انکشاف کا ذکر کرتے ہوئے ہم ایک اہم بات باور کرانی ضروری سمجھتے ہیں جو 'حیات محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ مولانا ذاکر حسین اشرفی' میں، بحوالہ 'الخطبۃ الاشرفیہ' موجود ہے:

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے فرمایا: '۔۔۔میری اسی ۸۰ برس کی کمائی میں صرف 'دو ۲ چیزیں' ہیں جنکی قیمت کا اندازہ اگر آپ میری نگاہ سے کرینگے تو ہفت اقلیم کی تاجداری ہیچ نظر آئیگی، یہ میری بڑی قیمتی کمائی ہے، جس پر مجھ کو دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں فخر ہوگا جسکو میں کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کرسکتا تھا لیکن آج اعلان حق کیلئے میں اپنی ساری کمائی نذر کر رہا ہوں۔ میرا اشارہ پہلے اپنے لخت جگر اور نور العین مولانا الحاج ابوالمحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی، پھر اپنے نواسہ وجگر پارہ مولانا الحاج ابوالحامد سید محمد محدث اشرفی جیلانی کی طرف ہے۔ ان دونوں کی ذات میری ضعیفی کا سرمایہ ہے۔ آج ان جگر کے ٹکڑوں کو نذر پیش کرتا ہوں کہ اعلانِ حق میں آخری ساعت تک سنت واہلسنت کی خدمت جو سپرد کی جائے اس میں میری تربیت وحقوق کا حق ادا کریں۔'

محدث اعظم ہند قدس سرہ نے خود بھی اس تربیت کا حق ادا کیا، اور اس کام کو مزید آگے بڑھانے کیلئے اپنے ہونے والے جانشین کو، کوہِ ہمالیہ بنا کر کھڑا کردیا اور وہ تمام آدابِ زندگی سکھادیئے جنکی کل انکو 'لوح وقلم' کی خدمت میں ضرورت پیش آنے والی تھی۔ والد بزرگوار نے حضور شیخ الاسلام کو اپنی سنت پر عمل کرنیکا حکم دیتے ہوئے آپکے ماموں، نبیرۂ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ، حضرت سید مختار اشرف، اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ المعروف بہ سرکارِ کلاں سے بیعت کا حکم دیا۔ اس بیعت کی بشارت حضور شیخ الاسلام بھی خواب میں پاچکے تھے۔ حضور سرکارِ کلاں قدس سرہ نے آپکو خلافت سے بھی نوازا۔۔۔ پھر کیا تھا۔۔۔ زمانے نے تھوڑے ہی عرصے میں ان دو عظیم ہستیوں 'محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور سرکارِ کلاں علیہ الرحمہ' کا حسین سنگم حضور شیخ الاسلام کے پیکر میں ملاحظہ فرمالیا۔

ابھی آپکی طالب علمی ہی کا زمانہ تھا کہ ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ کو والد ماجد نے اس جہانِ فانی سے کوچ فرمالیا۔ اتنے بڑے سانحے کے باوجود صبر ورضا کے اس پیکر نے آغوشِ مادر میں ایک مرتبہ پھر پناہ لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنے کو سنبھالا، بلکہ پورے خانوادۂ محدث اعظم ہند کی سرپرستی کو بخیر وخوبی انجام دیا۔ والد بزرگوار کے چہلم پر انکی جانشینی کا تاج زیب تن کرنے کے باوجود، آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کیلئے جامعہ اشرفیہ مبارکپور لوٹے اور جنوری ۱۹۶۳ء میں وہاں سے فراغت پر سند حاصل کی۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۴ء کو آپ کا نکاح دوست پور، ضلع سلطان پور کے سید اختر حسین صاحب کی صاحبزادی مخدومہ سیدہ شمیمہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا سے ہوا۔ آپکا نکاح آپکے ماموں جان و پیر ومرشد حضور سرکارِ کلاں قدس سرہ نے پڑھایا۔

اپنے والد بزرگوار کی طرح حضرت نے اپنی حیات کا ہر لمحہ دین اسلام کیلئے وقف کردیا جسکی

پوری تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔۔۔جیسا کہ شہزادہ اور جانشین محدث اعظم ہند ہونے کی شان کے لائق تھا، آپ ایک ہی وقت میں منقولات و معقولات پر کامل دسترس رکھنے والے عالم، بین الاقوامی سطح کے خطیب اور تفقہ فی الدین میں منفرد، مسند رشد وہدایت کی زینت اور معتبر ادیب و شاعر بھی ہیں۔ جب آپ نے تبلیغ اسلام وخدمت مسلک حقہ کی غرض سے دنیائے خطابت میں قدم رکھا تو فن خطابت کو چار چاند لگاتے ہوئے جلد ہی اپنے کو صف اول کے خطیبوں میں شمار کروالیا۔

خانقاہی ذمہ داریاں، انتظامات معمولاتِ آستانۂ عالیہ، اندرون و بیرون ملک جس میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ، وغیرہ ممالک شامل ہیں کے سفر کی سالانہ مصروفیات، مریدین ومعتقدین کے ایک جم غفیر کی ظاہری و باطنی تربیت کے انتظامات اور خاص طور پر انڈیا اور برطانیہ میں قائم شدہ محدث اعظم مشن کی سرپرستی اور دیکھ بھال، یہ وہ مصروفیات ہیں کہ جنہیں تمام تر خوش اسلوبیوں کے ساتھ سرانجام دینا، آج کے دور میں ایک بہت ہی بڑی کرامت ہے جو فضل خداوندی بوسیلۂ حُبِّ مصطفیٰ ﷺ آپ کو حاصل ہے۔

تبلیغی مساعی میں خطابت اور سفر کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ جب جب ضرورت پیش آئی اور موقع ملا، حضرت نے نوکِ قلم سے بھی دین متین اور مسلک حقہ کی خدمت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور نہایت ہی محققانہ انداز میں معاملات کو سلجھا کر مسائل کا شرعی حل علماءِ امت اور عوامِ اہلسنّت کے سامنے پیش کیا۔۔۔چنانچہ غزالیٔ دوراں، حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (بانیٔ مدرسہ انوار العلوم، ملتان، پاکستان) نے آپکی تصنیف، 'وڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال' کے سلسلے میں آپ کو رئیس المحققین کے خطاب سے نوازا۔

۱۹۷۴ء میں آپ نے برطانیہ کا تبلیغی دورہ شروع کیا۔ برسہا برس کی انتھک محنت کے بعد، جسکا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا، آپ نے دین اسلام کے تعلق سے برطانیہ کے بے آب و گیاہ صحراء کو سنت واہلسنّت کے ایک نخلستان میں تبدیل کردیا۔ جہاں سنیوں کی ایک مسجد اور مرکز بھی نہیں تھا اور وہابیت اور نہ جانے کیا کیا، لوگوں کے دلوں کی زمین کو بنجر بنانے میں لگی ہوئی تھی، وہاں آپ نے ہزاروں نہیں، لاکھوں کے دلوں کو پھر سے حضور ﷺ کی محبت کا گنجینہ بنادیا اور انکا رشتۂ غلامی ہمیشہ کیلئے مضبوطی سے گنبد خضریٰ سے منسلک کردیا۔ آج سنی مراکز ومساجد جگہ جگہ بیشمار نظر آتے ہیں۔ انگلینڈ میں رہنے والے اور اس کاوش سے متاثر ہوکر یورپ کے دوسرے ملکوں کے مسلمان اور انکی نسلیں تادم

آخر حضور شیخ الاسلام کی مرہونِ منت رہیں گی۔۔۔ اسطرح آپ نے ہم شبیہ غوث الاعظم اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی اس تربیت کا جوآپکے والد بزرگوار سے ہوتی ہوئی آپکے حصے میں آئی، کما حقہ حق ادا کردیا۔ محدث اعظم مشن جسکی شاخیں انگلینڈ میں جابجا ہیں، آپکی سرپرستی میں دین اسلام کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں جنکے ذریعے محدث صاحب کا فیضانِ نظر حضور شیخ الاسلام کی دوراندیش تربیت کے وسیلے سے آپکے مریدین ومعتقدین تک پہنچتا رہیگا۔

امریکہ اور کینیڈا ایک وسیع وعریض براعظم پر مشتمل ہے جہاں کام کرنے کیلئے علیحدہ سے ایک عمر خضر درکار ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے ۱۹۹۰ء سے یہاں کا دورہ شروع کیا اور بڑے بڑے شہروں میں جاکر اپنی خطابت کا لوہا منواتے ہوئے یہاں بھی سنیت کا گلشن آباد کرنے کیلئے تخم ریزی کردی ہے اور اسی فیضانِ نظر سے جس سے آپکو خدمت لوح وقلم کا شعور ملا، ایسے خلفاء کو سیراب کردیا ہے جو انشاء اللہ ایک دن یہاں ایک نئی دنیا بسادینگے۔ گلوبل اسلامک مشن پر حضور شیخ الاسلام کے کرم کی تفصیل آپ عرضِ ناشر میں پہلے ہی ملاحظہ کرچکے ہیں۔۔۔ اس مضمون کا عنوان 'مختصر تذکرہ شیخ الاسلام' ہے ورنہ آپکے تعلق سے حقیقت کی روشنی میں دفتر کے دفتر پڑ ھے جاسکتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ آپکی خطابت سے دل کو منور ومجلیٰ فرمانے کے ساتھ ساتھ آپکی کتابوں سے بھی اپنے ایمان وعقیدہ کو تقویت بخشے۔

وہ کون سی نگاہیں ہوتی ہیں جن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔۔ وہ کون سا حسن ہوتا ہے جو ہمیشہ کیلئے آنکھوں میں سما جاتا ہے۔۔ وہ کون سا اخلاق ہوتا ہے جو دل میں ہمیشہ کیلئے گھر کرلیتا ہے۔۔ وہ کون سا کردار ہوتا ہے جو انسان کو ہمیشہ کیلئے اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔۔ وہ کون سا رنگ ہوتا ہے جس میں ہر ایک اپنے کو رنگ لینے کی خواہش کرتا ہے۔۔ وہ کون سا کلام ہوتا ہے جو انسان سنتے ہی کلام والے پر فریفتہ ہوجاتا ہے۔۔۔ وہ شان والا کون ہوتا ہے جسکی غلامی شاہی سے افضل ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ کون سا چہرہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔۔۔ ان سب سوالات کے جوابات حاصل کرنے کیلئے حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی دست بوسی وقدم بوسی ضروری ہے۔ اللہ ﷻ ہماری عمریں بھی آپکے نصیب کردے کہ بیکار چیزیں کسی کام آجائیں۔۔۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزۃ حضور شیخ الاسلام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور تفسیر ھذا کی تکمیل کے راستے سے ہر مشکل کو دور فرمادے۔

﴿ آمین! بجاہِ النبیِّ الکریمِ وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین ﴾

محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منظور ہے گذارش احوال واقعی

حَامِدًاوَ مُصَلِّیًا وَ مُسلِمًا

والد بزرگوار مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے اپنے ترجمہ قرآن الموسوم بہ معارف القرآن کی تکمیل کے بعد اس پر خود ہی تفسیری حاشیہ نگاری کا ارادہ فرمایا اور پھر حاشیہ نگاری میں بھی ایک جدید اسلوب کی طرح ڈالی اور اسطرح تین پارے مکمل فرمالئے۔اس میں سے بھی ہمیں صرف ایک ہی پارہ مل سکا۔ باقی دو پارے کیا ہوئے؟ کہاں گئے؟ کس نے دبالیا؟ یہ خدا ہی بہتر جانے۔خدا کالاکھ لاکھ شکر ہے کم از کم ایک پارہ کا تفسیری حاشیہ ہم کو حاصل ہوگیا۔جس کو گلوبل اسلامک مشن، انک ﴿نیویارک، یوایس اے﴾ نے شائع کر کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کرلیا۔

اس ایک پارہ ہی کا دیکھ لینے والا حاشیہ نگاری کے سلسلے میں حضور قبلہ گاہی قدس سرہ کی طرز تحریر اور اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقف ہوجاتا ہے۔پھر اسکی روشنی میں کوئی صاحب علم اس کام کو آگے بڑھاسکتا ہےاور پورے معارف القرآن کی اس نہج پر تفسیر مکمل کرسکتا ہے۔۔۔ہاں۔۔۔یہ ضرور ہے کہ یہ محنت کا کام ہےاور اس کیلئے کافی فرصت درکار ہے۔۔۔چنانچہ۔۔۔اپنی عدیم الفرصتی اور کثرت مشاغل کے باعث میں نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دے سکنے والے جن جن دوسرے مقتدر علماء کرام سے اس کام کی گزارش کی، تو سب نے اپنی عدیم الفرصتی کے سبب اس عرض کو قبول کرنے سے اپنی معذرت پیش فرمادی۔

میں نے اپنے برادر طریقت، عزیز القدر، محمد مسعود احمد، سہروردی، اشرفی سلمہ کو بھی ذمہ داری دی کہ آپ پاکستانی جلیل القدر علماء کرام میں سے کسی سے بھی یہ کام کرائیں تو ضرور کرائیں۔مگر وہ تو میرے ہی پیچھے پڑگئے اور مجھ جیسے عدیم الفرصت خانہ بدوش اور پرندوں کی زندگی گزارنے والے 'جو کبھی اس شاخ پر، کبھی دوسری شاخ پر اڑتا پھرے' سے اصرار کرنے لگے کہ یہ کام میں ہی شروع کروں اور اپنی بات میں زور پیدا کرنے کیلئے یہ بھی کہہ گئے کہ پاکستان کے بھی بہت سارے علماء

کرام کی خواہش ہے کہ یہ کام میں ہی انجام دوں۔انھوں نے صرف زبانی عرض ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی اس بات کو 'تفسیر اشرفی' ﴿پہلا پارہ﴾ میں چھپوا بھی دیا۔

اب جو اسکو دیکھتا ہے تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ 'تفسیر کا کام کہاں تک ہوا؟' سب کو میں یہی جواب دیتا رہا کہ ابھی تو میں نے شروع بھی نہیں کیا۔آخر میں مجھے سوچنا پڑا کہ یہ جواب میں کب تک دیتا رہونگا، پھر میں نے اس کام کیلئے فضا بنانی شروع کردی۔۔۔چنانچہ۔۔۔میں نے اپنے طوفانی سفر کو کافی حد تک مختصر کردیا اور دھیرے دھیرے اور بھی مختصر کردینے کا موڈ بنالیا ہے۔۔۔فی الحال۔۔۔جلسہ و جلوس سے اپنے کو الگ کرلیا ہے۔اب سوچ لیا ہے کہ ادہر اُدہر کا خاموش اور صرف احباب سے ملنے وملانے والا دورہ بھی اس انداز سے کرنا ہے کہ اپنے تحریری کام میں رکاوٹ نہ ہو۔

یہ تو رہا گفتگو کا ایک رخ، جس سے میری عدیم الفرصتی اور پھر اس سے کسی نہ کسی حد تک چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کا اظہار ہوتا ہے۔۔۔مگر۔۔۔اسکا دوسرا رخ جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ میری علمی بے بضاعتی ہے۔مجھ جیسا ایک عوامی خطیب، جس کے مخاطبین میں علوم دینیہ سے بے بہرہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، اس سے ان مدرسین اور مصنفین کا کام لینا، 'پڑھنا پڑھانا، لکھنا لکھانا، جن کی فطرت ثانیہ بن گئی ہو اور جن کے شب و روز علوم وفنون پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ میں گزر رہے ہوں'، یقیناً ایک حیرتناک اور پوری نا ہو سکنے والی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔

ایسی صورت میں احباب کے اصرار کے جواب میں میرے لئے صرف یہی گوشہ نکلتا ہے کہ میں بنام تفسیر اپنی طرف سے نئی تحقیقات وتاویلات کرنے سے گریز کروں اور صرف معتبر تفاسیر سے نقل اقوال پر اکتفاء کروں۔۔۔چنانچہ۔۔۔اس تفسیری حاشیہ نگاری میں میں نے مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کر رکھا ہے۔

﴿۱﴾۔۔۔کہیں کہیں معتبر تفاسیر کا خلاصہ پیش کیا ہے اور کہیں کہیں اسکا پورا اقتباس من وعن نقل کردیا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اس میں جو کچھ ہے وہ کسی نہ کسی تفسیر سے ماخوذ ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔فقہی، کلامی اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا۔اسلئے کہ بنیادی طور پر یہ کاوش ان کیلئے ہے جو ارباب فضیلت نہیں ہیں۔۔۔بلکہ۔۔۔متوسط درجے کی علمی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔بالکل ہی علم نہیں رکھتے۔

﴿۳﴾۔۔۔اختلافی احکام ومسائل میں حنفی فقہ کو سامنے رکھ کر وضاحت کی گئی ہے۔دلائل و

براہین سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔مقصد صرف قرآن کریم کی تفہیم ہے۔۔۔لہٰذا۔۔۔اس قدر اختصار نہیں کہ بات واضح نہ ہو سکے اور اس درجہ تفصیل نہیں کہ آیات کو سمجھنے کے تعلق سے جسکی ضرورت نہیں۔

۔۔۔الختصر۔۔۔میرا یہ تفسیری حاشیہ دراصل معتبر کتب تفاسیر کا میرا حاصل مطالعہ ہے، جسکے گہر ہائے آبدار کو میں نے مخدوم الملت قدس سرہ کے اسلوب نگارش کی پیروی کرتے ہوئے ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔ بس صرف یہ 'پرو دینے والا عمل' میرا ہے، باقی اس میں جو کچھ ہے وہ سب جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات وارشادات ہیں۔

میں نے کتب تفاسیر میں سے جن جن سے استفادہ کیا ہے، اس میں سے کسی بھی کتاب کا حوالہ نہیں پیش کیا ہے۔ اسلئے کہ انکی تحقیقات پر مکمل اعتماد کر لینے کے بعد اور ان کو اپنے قلم سے پیش کر دینے کے بعد اب وہ خود، ہمارے اپنے مسلک کا حصہ ہو گئیں۔ تو جو مجھ پر اعتماد کریں گے وہ بغیر حوالہ اسے قبول فرمالینگے اور جن کو اس تفسیری حاشیہ کی کسی بات پر اعتراض ہوگا، تو انکے اعتراض کا تیر براہ راست میرے سینے پر لگے گا اور وہ خود اکابرین سے نامزد کر کے بدگمان ہونے سے بچ جائینگے۔

اب میں اپنے تمام قارئین اور احباب و اکابرین سے گزارش کرونگا کہ وہ میری صحت و عافیت کیلئے دعا فرماتے رہیں تا کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ ہوتا رہے اور اسکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔۔۔نیز۔۔۔رب کریم جو کچھ میں کر چکا ہوں اسے قبول فرمائے اور میرے لئے توشہء آخرت بنائے اور آگے باقی کام کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿امین﴾

يَا مُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰه وَ يٰس بِحَقِّ نٓ وصٓ وَ بِحُرُمَتِ حَبِيْبِكَ وَنَبِيِّكَ سَيِّدِنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

فقط

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی

ابوالحمزہ [دستخط] اشرفی جیلانی غفرلہ

جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡفَاتِحَۃِ

قرآنِ پاک کی سب سے پہلی سورہ، جس کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی ہوا۔ اس میں سات آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو چالیس حروف ہیں۔ جس کی کوئی آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ۔۔

اس کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔۔۔ کہ ایک روایت میں وحی کا سلسلہ اسی سے شروع ہوا ہے۔

دوسرا نام: فاتحۃ الکتاب ہے۔۔۔ کیونکہ قرآنِ کریم اسی سے شروع کیا گیا ہے۔

تیسرا نام: اُم القرآن ہے۔۔۔ کیونکہ سارے قرآن کے مضامین کی بنیاد اس میں لکھی گئی ہے۔

چوتھا نام: سورۂ کنز ہے۔۔۔ کیونکہ سارے قرآن کی دولت کا خزانہ یہی ہے۔

پانچواں نام: سورۂ کافیہ ہے۔۔۔ یعنی نماز میں دوسری سورتوں کے بدلے میں اس کو پڑھنا کافی ہے، لیکن اسکے بدلے میں کسی سورہ کو نہیں پڑھا جاسکتا۔

چھٹا نام: سورۂ وافیہ ہے۔۔۔ کہ جب یہ سورہ نماز میں پڑھی جائے گی تو پوری پڑھی جائے گی، صرف دو تین آیتوں پر اکتفا نہ کیا جائے گا۔

ساتواں نام: سورۂ شافیہ ہے۔۔۔ کہ اس کو پڑھ کر دم کرنے سے بیماریاں دور ہوتی ہیں۔

آٹھواں نام: سورۂ شفا ہے۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے شفا ملتی ہے۔

نواں نام: سبع مثانی ہے۔۔۔ کیونکہ سات آیتیں ہیں اور نماز کی ہر رکعت میں اکی تکرار ہوتی رہتی

ہے۔دسواں نام: سورۂ نور ہے۔۔۔کہ اس کے سارے مضامین نور ہی نور ہیں۔

گیارھواں نام: سورۂ رقیہ ہے۔۔۔کیونکہ زہر کے اتارنے میں یہ سورۂ کریمہ منتر کا کام کرتی ہے۔

بارہواں نام: سورۂ حمد ہے۔۔۔کیونکہ اسکی ابتداء حمدِ الٰہی سے ہے۔

تیرھواں نام: سورۂ دعا ہے۔۔۔کیونکہ اس میں بہترین دعاء سکھائی گئی ہے۔

چودھواں نام: سورۂ تعلیم المسئلہ ہے۔۔۔کیونکہ بے شمار مسائل عقائد و اعمال کے اس میں موجود ہیں۔اور تمامی مسائل کی اس میں بنیاد رکھی گئی ہے۔

پندرہواں نام: سورۂ مناجات ہے۔۔۔کیونکہ اس سورۃ کریمہ کا سارا مضمون بندے کی اپنے رب سے مناجات ہے۔

سولھواں نام: سورۂ تفویض ہے۔۔۔کیونکہ اس سورۂ کریمہ میں بندہ اپنے آپ کو بالکل اپنے رب کے سپرد کر دیتا ہے۔

سترھواں نام: سورۂ سوال ہے۔۔۔کیونکہ بندہ اس سورۂ شریفہ کی تلاوت کے وقت پورا سائل ہو جاتا ہے۔

اٹھارھواں نام: ام الکتاب ہے۔۔۔کیونکہ ہر آسمانی کتابوں کا جوہر اس میں ہے۔

انیسواں نام: فاتحۃ القرآن ہے۔۔۔کیونکہ قرآن کی ابتداء اسی سے ہے۔یہ نام اور دوسرا نام فاتحۃ الکتاب ایک ہی وجہ سے ہے۔

بیسواں نام: سورۃ صلواۃ ہے۔۔۔کیونکہ نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی ہے۔

آیاتُہَا ۷ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — رُکُوۡعُہَا ۱

آیات سات — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — رکوع ۱

ایسی نامور سورۂ شریفہ کو یا یوں کہیے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کو، میں شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) اپنے سب بندوں پر ہے۔ اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔ اس نے اپنے کرم سے ہم کو یہ سکھلایا اور سورۂ کریمہ کو یوں شروع فرمایا کہ کہا کرو کہ:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱

ساری حمد اللہ ہی کیلئے پروردگار سارے جہانوں کا ●

(ساری) خوبیاں، اچھائیاں، برتریاں، (حمد) صرف مخصوص (اللہ ہی کیلئے) ہے۔ خواہ وہ میری حمد ہو یا دوسروں کی، گناہ گاروں کی ہو یا نیکوکاروں کی، اولیاء کی ہو یا انبیاء کی، یا پیکر حمد سید الانبیاء کی۔ وہ اللہ جو پالنے والا اور (پروردگار) اس جہاں کا، اُس جہاں کا، غرض (سارے جہانوں کا) ہے۔

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲

بڑا مہربان بخشنے والا ●

اور اپنے سب بندوں پر (بڑا مہربان) ہے اور مومن ہو یا کافر، سب پر مہربانی فرماتا ہے اور قیامت کے دن مسلمانوں میں گناہ گاروں کو وہی (بخشنے والا) ہے۔

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝۳

مالک روز جزا کا ●

وہی ہے جو قیامت کے دن سب کو دکھلائی پڑے گا کہ وہی اور صرف وہی (مالک روز جزا کا) ہے اور کوئی اس دن ملکیت کا دعویدار نہیں ہے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُؕ۝۴

تجھی کو ہم پوجیں اور تیری ہی مدد چاہیں●

آؤ! اس سے کہیں، اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار، اے میرے مہربان، اے میرے بخشنے والے، اے میرے مالک، ہم اقرار کرتے ہیں کہ (تجھی کو ہم پوجیں) یہ ہے ہمارا وہ عقیدۂ توحید جس کو ہم نے کلمہ توحید سے پایا اور مانا۔ اور اسکے خلاف کو شرک جانتے ہیں۔ بس توحید یہی ہے کہ تجھی کو ہم پوجیں۔ توحید نہ اس سے کم ہے نہ کچھ زیادہ۔ یا اللہ! ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے (اور تیری ہی مدد چاہیں) یہ ہمارا وہ توکل ہے جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیاء، انبیاء نے جو کچھ مدد فرمائی اور فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی۔ جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اسکے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَۙ۝۵

چلا ہم کو راستہ سیدھا●

یا اللہ! ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں، بس اپنے کرم سے (چلا ہم کو) اس (راستہ) پر جو تجھ تک پہنچا ہے۔ موجود بھی ہے۔ بالکل (سیدھا) بھی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬

راستہ اُن کا کہ انعام فرمایا تو نے جن پر●

وہ (راستہ انکا) راستہ ہے جو آج نیا نہیں ہے۔ اس پر چلنے والے چلا گئے۔ اور ایسا سیدھا ہے، کہ وہ تجھ تک پہنچے اور ایسا پہنچے (کہ انعام فرمایا تو نے جن) کے خدارسیدہ ہونے (پر) اور تیرے انعام فرمانے ہی سے جانا کہ وہ راستہ اچھا ہے۔ وہ تیرے انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کا راستہ ہے۔

ع١

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

نہ اُن کا کہ غضب فرمایا گیا جن پر اور نہ گمراہوں کا●

(نہ ان) یہودیوں اور یہود منشوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق، توہینِ انبیاء اور ظلم کی وجہ سے (غضب فرمایا گیا جن پر) (اور نہ) عیسائیوں اور عیسائیت نواز، اللہ کو چھوڑ دینے والے (گمراہوں کا) اور تیرے غضب فرمانے اور گمراہ قرار دینے سے ہی، ہم نے جانا کہ یہ راستہ برا ہے۔

اے اللہ اس دعا کو قبول فرمالے!

۲۸۶ آیاتہا — بسم اللہ الرحمن الرحیم — ۴۰ رکوعاتہا

آیات ۲۸۶ — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — رکوع ۴۰

قرآنِ کریم کی اس سورہ کو جو مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی، سوا **اتَّقُوْا يَوْمًا** سے **تُرْجَعُوْنَ** تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی، اس میں (۲۸۶) دوسو چھیاسی آیتیں، (۴۰) چالیس رکوع، (۶۱۲۱) چھ ہزار ایک سو اکیس کلمے، (۲۵۵۰۰) پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں۔ اس میں ہزار کاموں کا حکم ہے، ہزار باتوں سے روکا گیا ہے، ہزار حکمتیں سکھائی گئی ہیں اور ہزار خبریں دی گئی ہیں، جسکے پڑھنے میں بڑی برکت ہے، شیطان اس سے بھاگتا ہے، اسکے پڑھنے سے قرآن ہمیشہ یاد رہتا ہے، جسکی آیتیں قبر کے سرھانے اور پائینتی پڑھنے کا حکم ہے۔ اور زمانۂ حجاج ابن یوسف میں دوسری سورتوں کے ساتھ اس کا بھی نام رکھا گیا اور اس کو سورۂ بقرہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں گائے کا ایک ایسا اہم واقعہ موجود ہے جو دوسری سورتوں میں نہیں ہے۔ ایسی مبارک سورہ کی تلاوت کی جاتی ہے (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾

ال م •

جسکی ابتدا یوں ہے کہ عربی زبان میں حروف ہجا میں سے (ال م) بھی ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

وہ کتاب کہ کسی قسم کا شک نہیں جس میں، ہدایت ہے ڈر جانے والوں کیلئے •

اور رسول کریم ﷺ سے جو وعدہ فرمایا گیا تھا، کہ تمہیں ایک انمٹ کتاب دوں گا اور بنی اسرائیل سے بھی یہ وعدہ ہو چکا تھا جس کے وہ منتظر تھے، اور مدینہ طیبہ میں بہت آباد تھے۔ بس (وہ) شاندار (کتاب) یہی قرآنِ کریم ہے اور یہی ایک ایسی کتاب ہے (کہ) جسکے کلامِ الٰہی ہونے میں، تحریف سے پاک ہونے میں، تبدیل سے مبرا ہونے میں، حدِ اعجاز تک پہنچنے میں، معجزہ ہونے میں (کسی قسم

کاشک نہیں) شک کا کوئی جنس اس میں نہیں پایا جاتا۔ جو اس میں کسی قسم کا شک رکھتا ہے، تو یہ شک رکھنے والے کا جرم ہے۔ یہی کتاب ہے (جس میں) شک کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ فرمانِ ہدایت ہے، بلکہ خود سراپا (ہدایت ہے) ہر اللہ سے (ڈرجانے والے کیلئے) خواہ وہ آج موجود ہوں یا آئندہ ڈرجانے والے ہوں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

جو مان جائیں بے دیکھے اور ادا کرتے رہیں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

اور اس سے جو دے رکھا ہے ہم نے، خرچ کریں ●

انکی پہچان یہ ہے کہ (جو مان جائیں) اللہ کو، فرشتوں کو، جنت وجہنم کو، آسمانی کتابوں کو، تمام اللہ کے رسولوں کو، قیامت کے دن کو، حشر ونشر کو، ثواب وعذاب کو (بے دیکھے) اپنے نبی سے ان غیبوں کو سنا، غیب کا علم ہوا اور پھر اسے تسلیم کرلیا۔ لیکن ایمان ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ نیک کام بھی کریں (اور ادا کرتے رہیں نماز کو) (اور) صرف جسمانی عبادت ہی کافی نہ سمجھیں، بلکہ (اس) مال (سے جو دے رکھا ہے ہم نے) جس کو ہم نہ دیتے تو وہ کسی تدبیر سے نہ پاتے، ہماری راہ میں (خرچ کریں) زکوٰۃ دیں، صدقہ دیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

اور جو مان جائیں جو کچھ اتارا گیا تمہاری طرف اور جو کچھ اتارا گیا تمہارے پہلے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور آخرت پر وہی یقین بھی رکھیں ●

(اور جو) اسے بھی (مان جائیں جو کچھ اتارا گیا تمہاری طرف) اے میرے رسول! یعنی قرآن شریف کے کسی نقطے سے، اور تمہاری شریعت کے کسی مسئلے سے جنہیں انکار نہ ہو (اور) اُسے بھی مان لیں (جو کچھ اتارا گیا تمہارے پہلے) کہ وہ سب اللہ کا نازل کردہ ہے۔ گو اس میں تحریف کردی گئی ہے، اور

قرآنِ کریم انکا ناسخ ہوگیا ہے (اور) ان میں یہ خصوصیت بھی ہو کہ (آخرت پر) کہ قیامت ہوگی، حساب وکتاب ہوگا، ثواب وعذاب ہوگا، اوراسکی ساری تفصیلات پر (وہی یقین بھی رکھیں)۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

وہ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے، اوروہ ہی کامیاب ہیں●

(وہ) ہی (ہیں) جو (ہدایت پر) ہیں۔اور یہ دولت انہیں کا حصہ ہے (اپنے پروردگار کی طرف سے) اوران پر خدا کا یہ فضل ہے کہ (وہی کامیاب ہیں) نجات پائے ہوئے ہیں اور بامراد ہیں۔ یہ ساری خوبیاں عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب ہی میں نہیں، بلکہ تمام اصحابِ رسول ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔اور یہی اہل جماعت کا دین ومذہب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

بیشک جنھوں نے جنم کا کفر کمایا یکساں ہے ان پر، کیا ڈرایا تم نے انہیں یا نہ ڈرایا انہیں، وہ ماننے والے ہی نہیں●

(بیشک) مدینہ کے یہودیوں میں سے کعب ابن اشرف اور یحیٰی ابن اخطب، وجدی ابن اخطب وغیرہ اور مکہ کے بت پرستوں میں سے عتبہ وشیبہ وولید وغیرہ، غرض (جنھوں نے) بھی (جنم کا کفر کمایا) کہ کافر ہی جئیں اور کافر ہی مریں (یکساں ہے ان پر) کوئی حالت ہو (کیا ڈرایا تم نے انھیں یا نہ ڈرایا انھیں) خواہ اللہ کا ڈرانھیں سناؤ، خواہ نہ سناؤ، تمھیں تو تبلیغ کا ثواب ملا، لیکن وہ نفع پانے سے محروم ہی رہے۔ کہ (وہ ماننے والے ہی نہیں) ماننے کی اہلیت وہ کھو چکے ہیں اور سچائی قبول کرنے کی صلاحیت برباد کر چکے ہیں۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ

مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر اوران کی سماعت پر، اوران کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے،

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اورانہیں کیلئے عذاب ہے بہت بڑا●

ان کو سمجھ لو کہ (مہر لگادی اللہ نے اُن کے دلوں پر) کہ دل قبولِ حق سے محروم ہوگیا ہے (اور

اُنکی سماعت پر) کہ آوازِ حق سننے سے بہرے بن گئے ہیں (اور اُن کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے) اندھوں کو حق سوجھائی نہیں پڑتا (اور انہی) جیسوں (کیلئے) خدا کا (عذاب ہے) وہ بھی معمولی عذاب نہیں، بلکہ (بہت بڑا) جسکی سختی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸

اور عامیوں میں سے کوئی کوئی کہتا ہے کہ "مان چکے ہم لوگ اللہ کو اور پچھلے دن کو" حالانکہ نہیں ہیں وہ ماننے والوں سے ●

(اور) جاہلوں (عامیوں میں سے) جو سوجھ بوجھ نہیں رکھتے (کوئی کوئی) مثلاً عبداللہ ابن ابی اور جد بن قیس اور معتبہ ابن قشیر وغیرہ بکتا رہتا ہے، اور یہ زبان سے (کہتا ہے کہ مان) تو (چکے ہم لوگ اللہ کو) اس پر ایمان لے آئے (اور پچھلے دن کو) قیامت پر بھی ایمان لا چکے (حالانکہ) سچ یہ ہے کہ (نہیں ہیں وہ ماننے والوں سے) ماننا دل کا کام ہے، زبان کا نہیں ہے۔ جو انکی زبان پر ہے، اسکا دل میں کوئی اثر ہی نہیں ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو۔ اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو، اور محسوس نہیں کرتے ●

وہ تو بس (دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو) اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے رسولِ پاک کو دھوکا دیدیا، تو بس، اللہ کو دھوکا دیا (اور مسلمانوں کو) صدیق اکبر، فاروقِ اعظم و دیگر صحابہ کو (اور) واقعہ یہ ہے کہ وہ (نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو) اپنے فریب میں خود ہی پھنسے ہیں (اور) پلّے سرے کے احمق ہیں کہ وہ اسکو (محسوس) ہی (نہیں کرتے) کہ اللہ 'عالم الغیب والشہادۃ' ہے، اس سے انکی دل کی باتیں کیسے چھپ سکتی ہیں۔ اپنے پیغمبروں کو اس نے انکے دلوں کے خطرے سے آگاہ کر رکھا ہے، تو انھیں بھی کیا دھوکا ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کو انکے رسول ﷺ نے انکا سارا حال بتادیا ہے۔ تو جب وہ کچھ چھپا ڈھکا رکھتے نہیں، تو دھوکا کس کو دیں گے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰

انکے دلوں میں بیماری ہے، تو بڑھنے دیا انہیں اللہ نے بیماری میں، اور انہیں کیلئے عذاب ہے دُکھ والا، کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ●

بات یہ ہے کہ (انکے دلوں میں) کفر ونفاق کی (بیماری ہے) جنم سے، (تو بڑھنے دیا انھیں اللہ نے) انکے جی بھر (بیماری میں) کہ بیمار رہنا ہی چاہتے ہیں، تو خوب بیمار رہیں (اور انہیں) جیسوں (کیلئے) خدا کا (عذاب ہے)۔ کیسا؟ کہ (دکھ والا) دردناک، یہ سزا بالکل ٹھیک ہے، کیوں (کہ وہ جھوٹ بولتے) رہتے (تھے) اور بالکل غلط اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب بھی کہا گیا ان کے بھلے کو کہ نہ فساد ڈالو زمین میں، بولے کہ "ہمیں تو درستی کرنے والے ہیں" ●

(اور جب بھی کہا گیا) یہودیوں وغیرہ سے (ان) ہی (کے بھلے کو) کہ امن وامان سے رہیں (کہ نہ فساد ڈالو) اپنی (زمین میں) اور آبادی میں۔ تو جواب میں (بولے کہ ہمیں تو) امن کے حامی اور لیڈر راور وطن کی (درستی کرنے والے ہیں)۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

سن لو کہ بیشک! وہی فسادی ہیں، لیکن وہ محسوس نہیں کرتے ●

خبردار، (سن لو! کہ بیشک وہی) اور صرف وہی (فسادی ہیں) گڑبڑ مچاتے رہتے ہیں (لیکن وہ محسوس نہیں کرتے) سوجھ بوجھ بالکل نہیں رکھتے۔ جانور کیا، پتھر کی طرح بے حس محض ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

اور جب بھی کہا گیا انکے بھلے کو کہ "مان جاؤ جیسا مان چکے سب لوگ" بولے "کیا ہم مانیں جیسا کہ مانا ہے بیوقوفوں نے؟"

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

سن رکھو! کہ بلاشبہ وہی بیوقوف ہیں، لیکن نادانی کرتے ہیں ●

(اور جب بھی کہا گیا) اور سمجھایا گیا (انکے بھلے کو) کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں (کہ) اب تم بھی (مان جاؤ) ایمان قبول کرلو (جیسا مان چکے) عبداللہ ابن سلام اور انکے ساتھی (سب لوگ) تو جواب میں (بولے) کہ (کیا ہم مانیں) ایمان لے آئیں اسی طرح، (جیسا کہ مانا ہے) ان سب (بیوقوفوں نے) عقل وعلم والوں کو بیوقوف قرار دے رہے ہیں۔ کان کھول کر

(سن رکھو کہ بلاشبہ وہی) اور ہاں وہی (بیوقوف) واحمق (ہیں، لیکن) وہ خود ہی (نادانی کرتے ہیں) اور اپنی جہالت دکھاتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ

اور جب ملے مسلمانوں کو، بولے "ہم ایمان لا چکے" اور جب اکیلے ہوئے اپنے شیطانوں کے پاس،

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہنے لگے کہ "بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں بس ہم تو ہنسی مذاق کرنے والے ہیں"●

(اور جب) کعب ابن اشرف، ابو بردہ اسلمی، ابن السواد شامی، عبدالدار جہمی اور عوف ابن عامری وغیرہ منافقین (ملے) صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ وغیرہ (مسلمانوں کو) اور کہنے لگے کہ اخاہ! آپ تو صدیق ہیں، پیغمبر اسلام کے یارِ غار، بڑی شان والے ہیں۔ کیا کہنا ہے عمر کا، فاروق ہیں، کفر و کفار سے بیزار ہیں۔ اللہ اللہ علی شیر خدا ہیں، حیدرِ کرار ہیں۔ اور علی مرتضیٰ کے کہنے پر کہ تم بھی واقعی مسلمان ہو جاؤ (بولے ہم) تو سچائی کے ساتھ (ایمان لا چکے) ہمارے اور آپ کے ایمان میں کوئی فرق نہیں (اور جب) وہی منافقین (اکیلے ہوئے) اور تنہائی میں (اپنے شیطانوں) شریر سرداروں (کے پاس) پہونچے تو (کہنے لگے کہ) ہماری ان باتوں سے تم اثر نہ لو، تم خوب جانتے ہو کہ (بیشک ہم تمہارے) ہی (ساتھ ہیں) اور ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ تم کو ہماری مذاق کی عادت معلوم ہے۔ مسلمانوں میں جو باتیں ہوئیں اس میں (بس ہم تو) ان سے اپنی عادت کے موافق (ہنسی مذاق کرنے والے ہیں) اور جو کچھ کہا مذاق میں کہا۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی مذاق کر کے مسلمانوں کو ذلیل کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ خود ذلیل کرتا ہے انھیں اور ڈھیل دیتا ہے انھیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ●

حالانکہ (اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں) کہ دنیا میں مسخرے کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھ دیکھ کر ذلیل ہوں (اور) اللہ ہنسی مذاق نہیں کرنے دیتا، بلکہ (ڈھیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی) بدزبانی، چھیڑ چھاڑ اور (سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور اپنی ذلت کا سامان زیادہ سے زیادہ جمع کرتے رہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ

یہ وہ ہیں جنھوں نے خریدا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، تو نہ فائدہ دیا اُن کی تجارت نے

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

اور نہ تھے وہ اس راہ سے آگاہ ●

(یہ) سارے کافر (وہ ہیں جنھوں نے خریدا) کفر اور (گمراہی کو، ہدایت کے بدلے) اللہ نے جو ہدایت فرمائی اس کو دے ڈالا اور جس کو گمراہی بتایا اسے خرید لیا (تو) اس کا انجام یہ ہوا کہ (نہ فائدہ دیا ان کی تجارت نے) اور بالکل خسارے میں پڑ گئے (اور) خسارہ کی وجہ ظاہر ہے کہ (نہ تھے وہ اس) تجارتی (راہ سے آگاہ) نہ ان کو یہی معلوم تھا، کہ ہدایت کتنی قیمتی چیز ہے اور نہ اس کا اندازہ تھا، کہ گمراہی میں کتنے عیب ہیں۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

اُنکی مثال جیسے اُسکی مثال، جس نے روشن کی آگ، تو جب خوب روشن کر دیا اُسکے سب گرد و پیش کو، چھین لیا اللہ نے اُنکی روشنی کو

وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ⑰

اور چھوڑ دیا انھیں اندھیریوں میں کہ انھیں کچھ نہ سوجھے ●

(ان کی مثال جیسے) بالکل (اس) شخص (کی مثال) ہے (جس نے) اندھیرا مٹانے کیلئے (روشن کی آگ) کہ اسکی روشنی میں چلے (تو) اس روشنی نے (جب خوب روشن کر دیا) اور اچھی طرح چمکا دیا (اس کے سب گرد و پیش کو) ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی، جس طرح کہ اسلام نے اپنے نور سے سارے عالم کو منور فرما دیا، کہ اچانک (چھین لیا) اور ضبط کر لیا (اللہ نے ان کی روشنی کو) (اور) ہر طرف سیاہی دوڑ گئی اور اندھیرا چھا گیا، تو (چھوڑ دیا انہیں) اللہ تعالیٰ نے اسی (اندھیریوں میں) تا (کہ انہیں) راستہ (کچھ) بھی (نہ سوجھے) فتح اسلام پر کچھ رائے ہو اور عارضی شکست پر کچھ رائے، حق بات پر جمے رہنا نہ بھائے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑱

بہرے، گونگے، اندھے، تو وہ نہیں ہیں باز آنے والے ●

ان کے کان ہیں، لیکن جب پیغامِ حق سننے کا حق ادا نہیں کرتے، تو (بہرے) ہیں۔ حق کا سچا اقرار نہیں کرتے، تو (گونگے) ہیں۔ حق کو دیکھ نہیں سکتے، تو (اندھے) ہیں (تو وہ) سچائی کی طرف آنے کی استعداد کھو چکے ہیں اور کبھی بھی اپنی گمراہیوں سے (نہیں ہیں باز آنے والے)۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم

یا جیسے بارش ہو آسمان سے، جس میں تاریکیاں ہیں اور کڑک ہے اور چمک ہے، ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

کڑکے سے موت سے بچنے کو، اور اللہ گھیرے میں لیے ہوئے ہے کافروں کو●

(یا) اسے یاد کرو! کہ دو شخص مدینہ طیبہ سے مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگے اور راستے میں بارش، بجلی، کڑک اور تاریکی میں پھنس گئے۔ اور لوٹ کر اپنی پریشانیاں بیان کیں۔ کہ کان میں انگلیوں کی ڈاٹ لگانے پر بھی پناہ نہ ملتی تھی۔ اور ہم اگر اپنے کفر پر رہتے تو موت سے چھٹکارا نہ ملتا اور اسی حال میں مر جاتے۔ بس یہود، منافقین اور کفار کی یہی مثال ہے، کہ (جیسے بارش ہو آسمان سے) جیسے اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی بارشِ رحمت ہے (جس میں تاریکیاں ہیں) جس کو کفر و ضلالت کی تفصیل سمجھو (اور کڑک ہے) حق میں ہیبت ہوتی ہے (اور چمک ہے) کہ ہدایت کی راہ روشن ہوتی ہے۔

اب جو کفار اس میں پھنسے، تو انکا یہ حال ہے کہ (ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو) ڈاٹ لگانے کیلئے (اپنے کانوں میں) بار بار کے (کڑکے سے) ہیبت اسلام اور شوکت دین کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس میں انھیں اپنی موت نظر آتی ہے۔ اسی لئے وہ بدحواسی کی حرکت کرتے ہیں (موت سے بچنے کو) ڈر لگا ہے، کہ کہیں مر نہ جائیں (اور اللہ) اپنے (گھیرے میں لئے ہوئے ہے) اور اس طرح سے (کافروں کو) گھیرے ہے کہ انکے نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ

بجلی چھینے لیتی ہے اُنکی آنکھوں کو، جب تیز روشنی ڈالی اُن کیلئے چل پڑے اُس میں، اور جب اندھیرا ڈالا اُن پر کھڑے رہ گئے،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ ع

اور اگر چاہتا اللہ یقیناً چھین لیتا اُنکی سماعت اور اُنکی آنکھیں۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

وہ اس حال میں ہیں کہ (بجلی چھینے لیتی ہے اُن کی آنکھوں کو) چکا چوند سے آنکھیں اندھی ہوئی جا رہی ہیں (جب) بجلی کوندی اور (تیز روشنی ڈالی، اُن) کے دکھائی پڑنے (کیلئے) تو دو قدم (چل پڑے اُس) کی روشنی (میں اور جب) کوند جاتی رہی اور بجلی نے بجھ کر (اندھیرا ڈالا) اور تاریکی چھا گئی (اُن پر) تو کھڑے کے (کھڑے رہ گئے) (اور) یقیناً اُنکی بے ایمانیاں اور بد اعمالیاں اُنکی

مستحق تھیں، کہ (اگر) ان کو سزا دینے کیلئے (چاہتا اللہ) تو (یقیناً چھین لیتا) اور ختم کر دیتا سخت کڑکوں سے (ان کی سماعت) کو، تو وہ بہرے ہو جاتے (اور) بجلیاں کوندا کر (اُن کی آنکھیں) تو وہ اندھے ہو جاتے۔ کیونکہ اللہ کے چاہنے پر کوئی روک ہو سکتی ہے۔ جبکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر) جو کچھ وہ چاہ لے، سب پر (قدرت والا ہے) اُس کو کر سکتا ہے۔ بے اُسکے چاہے، کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے چاہنے پر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اُس کے جیسا کوئی دوسرا ہو یا اس میں جھوٹ وغیرہ کا عیب ہو، تو ایسا ہونا محال ہے۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ یکتا رہے، ہر عیب سے پاک رہے، تو ایسا ہونا ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾

اے لوگو، پوجو اپنے پروردگار کو جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور اُنھیں جو تمہارے پہلے ہوئے، کہ امید رکھ سکو کہ ڈرنے لگو گے●

(اے) مومن و کافر سب (لوگو پوجو) اور صرف (اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کو) پوجو، کہ اسکے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔ معبودیت کا اعتقاد رکھ کر، اُس کا قرب چاہنے کیلئے جو کرو، وہی تمہاری پوجا ہے۔ تم اپنے پالنے والے اللہ کے احسانات تو دیکھو، کہ وہی ہے (جس نے پیدا فرمایا تمہیں) (اور) صرف تمہیں کو نہیں بلکہ (اُنھیں) بھی (جو تمہارے پہلے) ساری کائنات میں پیدا (ہوئے) ہیں۔ اس عبادت کی بدولت، تم اس قابل ہو گے (کہ امید رکھ سکو، کہ ڈرنے لگو گے) اور خدا کا خوف تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گا۔

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو قبہ، اور اتارا آسمان سے پانی کو،

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

پھر نکالا اس سے کئی پھل غذا تمہارے لیے، تو نہ بناؤ اللہ کیلئے مدمقابل جب کہ تم خوب جان رہے ہو●

یہ تمہارا پروردگار ہی ہے (جس نے بنایا) اپنے لئے نہیں، اُسے کیا ضرورت ہے؟ بلکہ (تمہارے لئے) اپنے کرم سے (زمین کو فرش) کہ ساری زمین تمہاری آنکھوں کے سامنے بچھی ہوئی ہے (اور آسمان کو قبہ) بے ستون کا گنبد (اور) پھر کرم پر کرم ہے، کہ (اُتارا) برسایا بادلوں کو بنا کر

(آسمان) کی طرف (سے پانی کو) اور اتنا ہی نہیں بلکہ (پھر نکالا) پیدا فرمایا (اُس) بارش (سے کئی) طرح طرح کے مختلف (پھل) تا کہ کھانا اور (غذا) مہیّا فرمادے (تمہارے لئے) (تو) دانائی سے کام لو۔ اور ہرگز (نہ بناؤ) اپنی من گڑھت سے (اللہ کیلئے) کوئی بھی (مدِّ مقابل) برابری والا (جب کہ تم) خود بھی اچھی طرح سے (خوب جان رہے ہو) کہ خالق کی برابری کا کوئی مخلوق ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جس کو تم برابر والا بنائے ہو، سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اور اگر ہو تم کسی شک میں اس سے جو اتارا ہم نے اپنے خاص بندہ پر، تو لے آؤ ایک ہی سورت اس کی طرح،

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور دہائی دو اپنے ساختہ مددگاروں کی، اللہ کو چھوڑ کر، اگر تم ہو سچے ●

(اور اگر ہو تم) اے منکرو! کسی قسم کے (کسی شک میں اُس) قرآن کی طرف (سے) (جو اتارا) ہے (ہم نے اپنے خاص بندہ) محمد، رسول اللہ ﷺ (پر) جو اپنے بندہ ہونے میں بے مثل و یکتا ہے۔ جس کی عبدیت تک دوسرے کی رسائی نہیں (تو) پھر سامنے آؤ، اور ذرا (لے) تو (آؤ) پورا قرآن نہیں، بلکہ بس (ایک ہی سورت) فصاحت و بلاغت، حکمت و روحانیت، تقدیس رفعت، غیب کی خبر دینے میں (اُس) قرآن کی کسی سورت (کی طرح) (اور) تمہاری جان، اپنی طاقت سے، یہ باہر ہو تو اس مشکل میں خوب (دہائی دو) اور معبود جان کر پکارو، فریاد کرو، اور مدد مانگو (اپنے ساختہ) معبودوں (مددگاروں کی) جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے (اللہ کو چھوڑ کر) اُس معبود برحق کی معبودیت سے منحرف ہو کر۔ (اگر) قرآن و رسول و معبود پر جب سے انکار کر دینے میں (تم ہو) اے دنیا بھر کے کافرو (سچے)۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ

پس اگر تم نہ کر سکے۔۔ اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو ڈرو آگ کو، وہ جس کا ایندھن انسان

وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور سنگین مورتیاں ہیں، تیار کر رکھی گئی ہے کافروں کیلئے ●

(پس) یاد رکھو کہ (اگر تم نہ کر سکے) (اور) یہ بھی یاد رکھو، ہم صاف بتائے دیتے ہیں کہ قیامت

تک تم (ہرگز نہ کرسکوگے) (تو) تم خود ہی اپنی ہڈیوں، بوٹیوں پر رحم کھاؤاور (ڈرو) جہنم کی (آگ کو) جو بھڑک رہی ہے۔ (وہ) جہنم (جسکا) جلانے کیلئے (ایندھن) تم (انسان) ہو (اور) تمہاری (سنگین مورتیاں ہیں) جن کو پوجنے کیلئے تم نے تراش لیا ہے۔ اس جہنم کی آگ کو یہ نہ سمجھنا، کہ ابھی آئندہ پیدا کی جائیگی۔ بلکہ وہ تو پہلے ہی سے (تیار کر رکھی گئی ہے) تم سب (کافروں کیلئے)۔ اس میں کوئی بدنصیب مسلمان، اگر کسی بداعمالی سے گیا، تو بالآخر نکال لیا جائیگا، اور کافروں کا تو وہ گھر ہی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور خوش خبری دو اُنھیں جو مان گئے اور کئے کرنے کے لائق کام، کہ بیشک اُنھیں کیلئے ہیں جنتیں، بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ

جب دئے گئے اس میں سے کوئی پھل غذا کو، کہہ پڑے کہ یہ وہی ہے جو دئے گئے تھے ہم پہلے سے،

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

حالانکہ دئے گئے تھے وہ ہم شکل۔ اور اُنھیں کیلئے اس میں بیبیاں ہیں پاک دامن، اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

اس موقع پر کافر لوگ بھی سن لیں (اور) خاص طور پر (خوش خبری) سنا (دو) مسلمانوں کو (انہیں جو مان گئے) اللہ اور رسول کو (اور) اسی پر نہیں رہ گئے۔ بلکہ کام (کئے) اور کیسے کام کئے؟ جو (کرنے کے لائق کام) ہیں۔ جس میں نالائقی اور بدی نہ ہو۔ بلکہ نیک ہی نیک ہو۔ ایسے لیاقت والوں سے کہہ دو (کہ بیشک) وشبہ (انہیں کیلئے ہیں) بغیر کسی پریشانی کے (جنتیں) سدابہار باغ، کیسے شاداب، کہ (بہہ رہی ہیں جن کے) درختوں اور مکانات کے (نیچے) شراب، شہد، دودھ، پانی، کی بے مثل (نہریں) اسکے پھلوں کا یہ حال ہے کہ (جب دیئے گئے) اور اُنھوں نے پایا (اُس) جنت (میں سے کوئی پھل) اور یہ پھل دیا گیا انکی (غذا کو) کہ خوب جی بھر کے کھائیں اور مزے پائیں، تو بے ساختہ وہ (کہہ پڑے کہ یہ) پھل تو بالکل ٹھیک (وہی) پھل (ہے جو) ابھی ابھی (دیئے گئے تھے ہم) اور ہم اُسکو کھا چکے ہیں، (پہلے) ہی (سے) (حالانکہ) واقعہ یہ ہے کہ جو پہلے (دیئے گئے تھے وہ) اور وہ کھا بھی چکے، وہ اور تھا اور یہ اور ہے۔ البتہ دونوں (ہم شکل) ہیں تاکہ نئی نئی شکل کو دیکھ کر کسی پھل کے کھانے میں ازراہِ بشریت جھجھک نہ ہو اور نیا نیا ذائقہ پاکر اور زیادہ خوشی ہو۔ اور جنت میں مکانات، نہریں، پھل، یہی نہیں ہیں، بلکہ (اور) بھی ساز وسامان ہے۔

چنانچہ (اُنہی) جنتیوں (کیلئے اُس) جنت (میں بیبیاں ہیں) حوریں اور اُنکی دنیا والی نیک بیبیاں، سب کی سب خوبصورت، نیک سیرت، پاکیزہ، زنانہ نجاستوں سے (پاکدامن) (اور) جنت کو کبھی فنا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ رہے گی۔ اور (وہ) جنتی بھی فنا نہ ہوں گے بلکہ (اُس) جنت (میں) یہ جنتی لوگ (ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

بے شک اللہ قابلِ شرم نہیں قرار دیتا اس کو کہ ضرب المثل بیان فرمائے مچھر کی، بلکہ اس سے بڑھی۔ کہ پس جو مسلمان ہیں

فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا

وہ تو جانتے ہیں کہ بیشک یہ ٹھیک ہے انکے پروردگار کی طرف سے، اور جو کافر ہے تو وہ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا مطلب رکھا اللہ نے اس

مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّ یَهۡدِیۡ بِهٖ کَثِیۡرًا ؕ وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾

ضرب المثل سے، وہ گمراہی میں رہنے دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتیروں کو، اور نہیں گمراہی میں رہنے دیتا، مگر نافرمانوں کو ●

اور اے یہودیو، منافقو، کافرو! قرآن میں ضرب المثل دیکھ کر منھ کیا بگاڑتے ہو؟ اور اعتراض کیوں کرتے ہو؟ ضرب المثل بیان کرنا، موعظ و نصیحت اور تعلیم و حکمت اور درس و عبرت میں مؤثر اور اہل بیان کا دستور چلا آرہا ہے۔ اور (بیشک اللہ) تعالیٰ بھی (قابل شرم نہیں قرار دیتا) اور قابل جھجھک نہیں جانتا، (اس) بات (کو کہ ضرب المثل بیان فرمائے) بڑی چیز کی، یا چھوٹی چیز کی، یہاں تک کہ (مچھر کی، بلکہ اس سے) بھی (بڑھی) چڑھی کی، روشنی بارش کی، خواہ مکھی مکڑی کی، (کہ پس) انکے سننے والوں میں (جو مسلمان ہیں) اللہ و رسولوں کو مان چکے ہیں (وہ تو) بغیر کسی شک و شبہ کے (جانتے ہیں کہ بیشک، یہ) مثال بالکل (ٹھیک ہے) اور یہ (انکے پروردگار) ہی (کی طرف سے) ہے۔

(اور جو کافر ہے) اور اللہ و رسول کے انکار پر یہ جمے رہے، ان سے اسکا کچھ جواب تو ہو نہیں سکتا۔ (تو وہ) منھ بگاڑ کر (پوچھا کرتے ہیں کہ کیا مطلب رکھا) ہے (اللہ نے اس ضرب المثل) کے بیان کرنے (سے)۔ ضرب المثل میں کیا رکھا ہے؟ یہ تو بیکاری بات ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ (وہ) اللہ تعالیٰ (گمراہی میں رہنے دیتا ہے)، (اس) قرآن کے انکار کردینے کی وجہ (سے بہتیروں کو) کہ اپنی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (اور ہدایت) بھی (دیتا ہے بہتیروں کو) جو ہدایت کی تڑپ رکھتے ہیں (اور) دستورِ الٰہی یہ ہے کہ (نہیں گمراہی میں رہنے دیتا مگر) بس (نافرمانوں کو) جو نہ کہا سنیں اور نہ سنا قبول کریں۔ اور ہر فرمان کا انکار ہی کرتے رہیں اور اُس کے خلاف ہی چلیں۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۖ وَيَقْطَعُوْنَ

جو توڑتے رہیں اللہ کے عہد کو اس کے مضبوط ہونے کے بعد، اور کاٹتے رہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس کو، حکم دیا اللہ نے جسکے لئے کہ ملایا جائے، اور فساد ڈالیں زمین میں، وہی خسارہ والے ہیں●

اور (جو توڑتے رہیں) دوسروں ہی کے نہیں بلکہ خود (اللہ کے عہد کو) اللہ سے عہد کریں اور پھر توڑ بھی دیں (اس کے مضبوط ہونے) اور پکا عہد کر لینے (کے بعد) یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید شدید فرمائی ہے۔ (اور) یہ بدعہد، اسی پر صبر نہ کریں بلکہ (کاٹتے رہیں) (اس) چیز (کو) (حکم دیا اللہ نے جس کیلئے کہ ملایا جائے)، نہ رشتوں کی پرواہ، نہ مسلمانوں کی دوستی کا لحاظ، نہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی کا۔ جمعیت بندی، فرقہ تراشی ہی کرتے رہیں (اور) ان سب پر، ان کا مشغلہ یہ ہے کہ (فساد ڈالیں زمین میں) شورش اور فتنہ سے، سنسنی پیدا کر کے امن عامہ میں خلل ڈالیں، کہ اہل وطن رسولِ پاک تک نہ جائیں، اور قرآن نہ سنیں، اور تباہ بنے رہیں۔ وہ سب کا نقصان چاہتے ہیں حالانکہ وہ کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ اپنی ان حرکتوں کے سبب سے بس خود (وہی خسارہ والے ہیں) نہ دنیا میں چین پائیں، نہ آخرت میں نجات ملے، تو سارا نقصان اُنھیں کا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

کیسے منکر ہو اللہ کے، حالانکہ تم بے جان تھے، تو حیات دی تمہیں، پھر موت دے گا تمہیں، پھر جلائے گا تم کو

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

اے کافرو! بڑے تعجب کی بات ہے کہ آخر تم لوگ (کیسے منکر ہو اللہ کے) (حالانکہ) تم کو سوچنا چاہئے اور دیکھ بھی رہے ہو کہ (تم) مردہ اور جسم (بے جان تھے) آگ، پانی، مٹی، ہوا، میں تھے۔ پھر غذا بنے۔ پھر خلطوں کی صورت پائی۔ پھر نطفہ کی شکل ہوئی۔ لوتھڑا سے بوٹی اور بوٹی سے سارا جسم ہوا۔ مگر کیا اللہ کی قدرت ہے کہ جسم میں جان نہ تھی (تو) اس نے جان عطا کی اور (حیات دی تمہیں) اور ظاہر ہے کہ جو زندہ کر سکتا ہے، وہ مار بھی سکتا ہے۔ چنانچہ (پھر) وہی (موت دے گا تمہیں) اور بے مارے جلانے والا مار کر بھی جلا سکتا ہے۔ چنانچہ قبر میں سوال کرنے کیلئے، اور حشر میں حساب

کتاب کیلئے (پھر) اللہ تعالیٰ (جلائے گا تم کو)۔

غرض (پھر) پھرا کر (اسی کی طرف) تم لوگ سب کے سب (لوٹائے جاؤ گے) یہ ہونا ہے۔ خواہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے۔ اور بھلا مسلمانو! تم کیسے ان اندھے کافروں کی طرح اللہ کا انکار کر سکتے ہو۔ ان کافروں کو سوجھے یا نہ سوجھے، مگر اللہ کے فضل سے تم کو تو صاف نظر آ رہا ہے، کہ جسم بے جان تھے، تو زندہ ہوئے، پھر مرنا ہے، پھر زندہ ہوگے اور اپنے رب کے پاس لوٹو گے۔ اور اسکی نعمتوں کو جی بھر کر خوب لوٹو گے۔ تم سے انکار کی امید رکھنا کافروں کی بڑی حماقت ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

وہ ہے جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف، تو ہموار کیا انھیں

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

سات آسمان۔ اور وہ ہر معلوم کا علم والا ہے ●

سب کو یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ (وہ ہے جس نے پیدا فرمایا) اپنے لئے نہیں، بلکہ (تمہارے لئے جو کچھ) جمادات، نباتات، حیوانات، وغیرہا (زمین میں ہے) سب کا (سب) اور (پھر) اسنے چاہا کہ آسمان پیدا فرمائے، تو (توجہ فرمائی آسمان) کے پیدا کرنے (کی طرف) اور پیدا فرمایا (تو) یونکہ (ہموار کیا انھیں) ٹھیک گنتی میں (سات آسمان) (اور) اب کس کو شبہ ہوسکتا ہے کہ ساری مخلوق کو ایسی حکمتوں کے ساتھ پیدا فرمانے والا، اتنی عظیم قدرت والا، جو ہے (وہ) یقیناً (ہر معلوم کا) جس سے علم متعلق ہو سکے، جاننے والا اور اس کا (علم) رکھنے (والا ہے)۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا

اور جب فرمایا تمہارے پروردگار نے فرشتوں کیلئے کہ "بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ،" عرض کرنے لگے کہ "کیا بنائے گا

مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

تو اس میں جو فساد مچائے اس میں اور خون ریزی کرے۔ حالانکہ ہم پاکی بیان کریں تری حمد کے ساتھ

وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور تقدیس کرتے رہیں تیری۔" فرمایا "بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے" ●

(اور) اگر بھولے ہو، تو یاد کرو (جب) کہ (فرمایا) تھا (تمہارے پروردگار) اللہ تعالیٰ (نے)

اوراعلان فرمادیا تھا(فرشتوں کیلئے) کہ وہ جان لیں اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔اعلان یہ تھا(کہ بیشک میں) اب پیدا فرمانے والا ہوں اور(بنانے والا ہوں زمین میں) برسرزمین (ایک خلیفہ)، جو میرے احکام کو جاری کرے اور حکومت وتصرف میں میری نیابت کرے۔تو سارے فرشتے دریافت حکمت کیلئے (عرض کرنے لگے) کہ یہ اعلان ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔کیوں (کہ کیا بنائے گا) اور پیدا فرمائے گا(تو اس) زمین (میں) ایسے کو(جو فساد مچائے اور خوں ریزی کرے)؟ جیسا کہ تونے پہلے جنوں کو پیدا فرمایا تھا،جن کی فساد انگیزی وخون ریزی پر تیرا عذاب نازل ہوچکا ہے،اور تیرے حکم سے ہم انکو پہاڑوں اور جزیروں میں ڈھکیل کر کرچکے ہیں۔اسکا تو ہمیں خیال بھی نہیں ہوسکتا۔اور خلیفہ تو وہ ہوسکتا ہے جو ہروقت تیری یاد میں لگارہے۔تسبیح وتقدیس اور تیری حمد کے سوا اسکا کوئی کام نہ ہو۔تو پھر ہمارے ہوتے،کون خلیفہ ہوگا؟ (حالانکہ) ہمارا دائمی شغل یہ ہے کہ (ہم پاکی بیان کریں تیری حمد کے ساتھ) سبحان اللہ،الحمدللہ،ہمارا رات دن کا وظیفہ ہے(اور) ہرگھڑی ہم (تقدیس کرتے رہیں تیری) 'سبوح،قدوس' کی رٹ لگاتے رہیں۔فرشتوں کے اس بیان پر اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ خلافت کا استحقاق صرف عبادت ہی پر ہے یا علم ودانائی پر بھی ہے؟اور میرے خلیفہ سے کیسے کیسے شاندار کام ہوں گے،اسکا علم تم سے کتنا زیادہ ہوگا،اسکی خبر تم کو نہیں ہے۔اور (بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ) بھی (تم نہیں جانتے)۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ

اور سکھا دیا آدم کو سب کے نام،سارے کے سارے،پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر،پھر فرمایا کہ "بتاتو دو مجھے ان سب کے نام

هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اگر ہو سچے"●

چنانچہ اس حقیقت کو نمایاں فرمانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم پر کرم فرمایا۔(اور) اُنکی برتری کیلئے (سکھادیا آدم کو) جمادات،نباتات،حیوانات،انسان،آسمان وزمین کی تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے (سب کے نام) ایک ایک چیز دکھاکر،کیا نام ہے اسکا،کیا کام ہے اسکا،کیا انجام ہے،ہر ایک کے خواص (سارے کے سارے) بتادیا،یاد کرادیا،(پھر) اپنی قدرتِ کاملہ سے (پیش کیا ان) سب (کو فرشتوں پر) ان کو سب دکھایا (پھر فرمایا کہ) ذرا (بتاتو دو مجھے ان سب) چیزوں (کے نام) الگ الگ (اگر) اس خیال میں،کہ تم سے زیادہ علم والا مخلوق میں کوئی نہ ہوگا تم لوگ (ہو سچے)۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾

عرض کرنے لگے "پاکی ہے تیری، نہیں ہے کچھ علم ہمیں مگر جو کچھ سکھادیا تو نے ہمیں بے شک تو ہی علم والا حکمت والا ہے" ●

سارے فرشتے (**عرض کرنے لگے**) یا اللہ (**پاکی ہے تیری**) ہر عیب سے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ (**نہیں ہے کچھ علم ہمیں**) نہ علم پر ہم کو ناز ہے۔ ہمیں کسی بات کی خبر نہیں (**مگر جو کچھ سکھادیا تو نے ہمیں**) ہم کو جو کچھ معلوم ہوا وہ تیری تعلیم سے معلوم ہوا۔ تو کچھ نہ بتاتا، تو ہم کچھ بھی نہ جانتے۔ تو نے جو کچھ بتادیا، اس کو تیری عطا سے ہم نے جانا (**بیشک تو ہی علم والا**) ہے کہ سارا علم تیرا ہے۔ اور تعلیم تیری مرضی پر ہے۔ جس کو جو چاہے تو سکھادے، بتادے اور علم والا بنائے، اس بارے میں تیرا انتخاب حکمت سے خالی نہیں۔ اور تو ہی (**حکمت والا**) بھی (ہے)۔

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

فرمایا کہ "اے آدم بتاتو دو انہیں ان سب کے نام"۔ تو جب بتادیا انھیں ان سب کے نام، فرمایا "کیا نہیں فرمادیا تھا میں نے تمہیں کہ

اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

بلاشبہ میں ہی جانتا ہوں غیب کو آسمانوں اور زمین کے، اور جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو" ●

اب اللہ تعالیٰ نے (**فرمایا کہ اے آدم**) تم (**بتاتو دو انہیں**) اور فرشتوں کو سکھادو (**ان سب**) چیزوں (**کے**) مفصل، الگ الگ (**نام**) اور کام وغیرہ۔ چنانچہ حضرت آدم نے بتایا (**تو جب بتادیا انہیں ان سب**) چیزوں (**کے نام**) وغیرہ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے (**فرمایا**) کہ اے فرشتو (**کیا نہیں فرمادیا تھا میں نے**) پہلے ہی (**تمہیں**) کہ کسی کو غیب کا علم کسی اور طریقے سے ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک میں نہ بتادوں۔ کیوں (**کہ بلاشبہ میں ہی جانتا ہوں غیب کو آسمانوں**) کے (**اور زمین کے**) جس کو میں نے نہیں بتایا، اس کا غیب دانی کا دعویٰ جھوٹا ہے، وہ نجومی ہوں، یا کاہن ہوں، کچھ بھی ہوں۔ اور جن کو واقعی غیب کا علم حاصل ہوا، جیسے حضرت آدم کو دیکھ رہے ہیں، تو وہ میرے سکھانے، بتانے، عطا فرمانے سے ہوا (**اور**) اے فرشتو! میں اسے بھی (**جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو**) صاف صاف زبان سے کہہ کر، کہ انسان فتنہ فساد ڈالے گا (**اور جو کچھ چھپاتے ہو**) دل میں، یہ سوچ کر کہ خلافت کے مستحق تم ہی ہو سکتے ہو، تم سے افضل کوئی نہیں ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

اور جب حکم دیا ہم نے فرشتوں کیلئے سجدہ کرو آدم کو، تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے،

اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٘ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

اُس نے انکار کیا اور بڑا بنا، اور ہو گیا کافروں سے ●

(اور) ہاں تم یاد کرو اس واقعہ کو (جب حکم دیا) تھا (ہم نے فرشتوں) کو، انکی بہتری (کیلئے)، اور فرمایا تھا کہ (سجدہ کرو آدم کو، تو سب نے سجدہ کیا) فرشتوں میں سے کسی ایک نے بھی سرتابی نہ کی۔ اور سو یا پانچ سو برس تک سجدہ میں پڑے رہے (سوا ابلیس کے) کہ ملائکہ تک پہنچنے کو پہنچا، مگر جب یہ حکم سنا، تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور سجدہ کرنے سے صاف (اس نے انکار کیا اور) باوجودیکہ بڑا نہ تھا، مگر غرور میں آ کر (بڑا بنا)، جسکے نتیجہ میں مردود ٹھہرا (اور ہو گیا کافروں سے) ایک نبی کی تعظیم سے انکار کیا تو کافر ہو گیا۔ کہ یہ انکار، توہین ہے۔ اور نبی کی توہین، کفر ہے۔

وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪

اور فرمایا ہم نے کہ اے آدم، رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور دونوں کھاتے رہو اس سے بے کھٹکے جہاں چاہو،

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾

اور قریب نہ جانا اس شجر کے، کہ ہو جاؤ اندھیر والوں سے ●

فرشتوں اور ابلیس کا اس طرف یہ واقعہ ہوا (اور) حضرتِ آدم کا ادھر یہ واقعہ ہوا کہ (فرمایا ہم نے کہ اے آدم رہو) سہو (تم) خود (اور تمہاری بی بی) حوا بھی (جنت) سدا بہار باغ (میں) یہ تم دونوں کا گھر ہے (اور دونوں کھاتے رہو اس) جنت (سے بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں ہے (جہاں چاہو) یہ سارا باغ تمہارا ہے (اور) اس کا خیال رکھو کہ (قریب نہ جانا) اور سایہ سے بچتے رہنا (اس) خاص گیہوں یا انگور کے (شجر کے) تم کو اس کی ہوا نہ لگنے پائے۔ کیوں (کہ) اس کے پاس پھٹکے، تو (ہو جاؤ) گے (اندھیر والوں سے)۔ تم نبی معصوم ہو، نافرمانی تم سے متصور نہیں، مگر اپنے آرام کو چھوڑ دینا تمہارے لئے کیا کم اندھیر کی بات ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

پس پھسلا دیا دونوں کو شیطان نے اس سے۔ تو نکالا دونوں کو اس گھر سے جس میں وہ تھے۔ اور حکم دیا ہم نے کہ نیچے اتر جاؤ،

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝

تمہارا بعض بعض کیلئے دشمن ہے۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ اور رہن سہن ہے کچھ مدت تک ●

ابلیس سے حضرت آدم کا آرام میں رہنا دیکھا نہ گیا، اس کی برداشت سے باہر ہوگیا، کہ حضرت آدم کو رفیقۂ حیات، بی بی حوا ملیں اور دونوں جنت کی بہاروں میں عیش کررہے ہیں۔ اس نے ان دونوں سے ملنے کی راہ نکالی اور دروازۂ جنت پر دونوں کو اپنی ترکیبوں سے پالیا۔ اور پہلے بی بی حوا، پھر حضرت آدم سے، گندم نما جوفروش بن کر، بولا کہ آپ اس درخت کا پھل کھالیں۔ اسکا پھل کھانے والا ہمیشہ جنت میں رہے گا اور صفِ ملائکہ میں داخل ہوجائے گا۔ ورنہ آپ لوگ 'ملاءِ اعلیٰ' سے دور کردیئے جائیں گے اور مقامِ قرب چھن کر، مبتلائے فراق ہوں گے۔ اس پر اس نے اللہ کے نام پاک کی قسم بھی کھالی۔ حضرت آدم کی شان پاک کے خلاف تھا کہ وہ 'ملاءِ اعلیٰ' کے فراق کو پسند فرماتے اور یہ بھی پسند نہیں ہوسکتا تھا کہ کسی قسم کھانے والے کو جھوٹا فرمادیں۔ چنانچہ معصومانہ نیک نیتی کے ساتھ ابلیس کے کہے کو خیر خواہی پرمبنی قرار دیا۔

اس طرح ابلیس اپنی چال چلا گیا **(پس پھسلادیا)** پھسلا پھسلا کر (دونوں کو شیطان) مردود (نے) (اس) جنت یا شجر (سے) حضرت آدم تو بے گناہ کے بے گناہ ہی رہے۔ انکی نیت کسی گناہ کہ نہ ہوئی، نہ ہوسکتی تھی۔ یہ **(تو)** شیطان کی حرکت نے **(نکالا دونوں کو اس گھر)** جنت (سے) (جس میں وہ تھے) مگر شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام رہا۔ اُسکی اس آرزو کو خاک میں ملادیا گیا کہ وہ جھوٹ بول کرسچا حضرت آدم وحوا کی نگاہ میں رہ جائے۔ اس بات کو دکھادیا گیا (اور حکم دیا ہم نے کہ نیچے) زمین پرتم سب لوگ، جواس کہنے میں شریک تھے، کہ درخت کا پھل کھانے والا ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جس نے اسکو کسی وجہ سے مان لیا تھا، اب یہاں سے نکل کر (اتر جاؤ) اور اپنی آنکھوں سے شیطان کا جھوٹ دیکھو۔ اور اپنی زندگی کے واقعات میں خود تجربہ ومشاہدہ کرلو، کہ (تمہارا بعض بعض کیلئے دشمن ہے) تاکہ کبھی اس جھوٹ، شیطان کے کہے کو نہ مانو۔

ابلیس کی یہ آرزو بھی پوری نہ ہوئی کہ حضرت آدم کو کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملے اور نہ یہی آرزو پوری ہوئی کہ انھیں جنت میں آنا میسر نہ ہو (اور) صاف کہہ دیا گیا کہ (تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے) سارے آسمان اور تارے زمین ہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور زمین، آدم و بنی آدم کیلئے پیدا کی گئی

ہے (اور) یہ خیال نہ کرنا کہ زمین پر ہمیشہ رہنا ہے اور جنت سے آدم و بنی آدم کی ہمیشہ کے لئے محرومی ہے۔ بلکہ وہاں بس (رہن سہن ہے) برائے نام، صرف (کچھ) قدرے قلیل (مدت تک) کیلئے۔

چاردن کی زندگی کے بعد پھر جنت کا دروازہ ہر مستحق کیلئے کھلا ہے۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۳۷﴾

پس پالیا آدم نے اپنے پروردگار سے خاص کلمے۔ تو درگزر فرمادیا انھیں۔ بے شک وہی درگزر فرمانے والا بخشنے والا ہے ●

حضرت آدم تو زمین پر پہلے وہاں اترے جس کو لوگ جزیرۂ 'سراندیپ' یا 'لنکا' کہتے ہیں اور بی بی حوا وہاں اتریں جس کو جدہ کہا جاتا ہے۔ اور فراقِ 'ملاءِ اعلیٰ' میں حضرت آدم اتنا روئے ـــ اتنا روئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے حضرت یعقوب اور سارے دنیا بھر کے رونے والوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ روئے، جس پر صدیاں گزر گئیں۔ تین سو برس تک آسمان کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔ انکے قدم سے زمین کی بار بڑھ گئی اور زمین کے پھول مہکے، مگر حضرت آدم کا جی نہ بہلا۔

یہ ادا بندگی کی ایسی پسندیدہ ہوئی کہ انکی مقبولیت ظاہر کردی گئی (پس پالیا آدم نے) اچھی طرح سے سیکھ لیا اور یاد کرلیا (اپنے پروردگار سے) تھوڑے سے چند (خاص کلمے) اور کہنے لگے کہ:

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾ ﴿الاعراف:۲۳﴾

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنۡ تَغۡفِرَلِیۡ اَسۡئَلُكَ

بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيۡكَ اَنۡ تَغۡفِرَلِیۡ خَطِيۡئَتِیۡ

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنا بگاڑ ڈالا اور اگر تو نے نہ بخشا ہم کو، اور رحم نہ فرمایا ہم پر، تو ہم ہوں گے گھاٹے والوں سے میں محمد ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے بندہ محمد ﷺ کے وسیلہ اور ان کی بزرگی کے طفیل کہ میری لغزش کو معاف فرمادے

انھیں یاد آ گیا تھا کہ جب انکے بدن میں روح داخل ہوئی اور آنکھ کھلی تو ساقِ عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی لکھا تھا۔ لہٰذا انکی وجاہت و کرامت کا وسیلہ پکڑا (تو) اپنے محبوب کا وسیلہ سن کر اللہ تعالیٰ نے (درگزر فرمادیا انھیں) جمعہ کے دن انکی توبہ سچی تھی، خوشامد، ندامت، عزمِ ترک کے ساتھ توبہ بھی، اور ایسی توبہ پر (بیشک وہی) اللہ تعالیٰ (درگزر فرمانے والا) اور (بخشنے والا ہے)۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ

ہم نے حکم دیا کہ نیچے اتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب۔ پھر اگر آئے تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت، تو جس نے

تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

پیروی کی میری ہدایت کی، تو نہ کوئی خوف ہے اُس پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں ●

اتارنے کے موقع پر (ہم نے) یوں (حکم دیا) تھا (کہ نیچے) زمین پر (اتر جاؤ اس جنت) کی بلندی (سے) صرف حضرت آدم و بی بی حوا ہی نہیں، بلکہ انکے دشمن بھی (سب کے سب) (پھر) یاد رکھو ہم قانونِ ہدایت برابر بھیجتے رہیں گے۔ لہٰذا (اگر آئے تمھیں میری طرف سے کوئی ہدایت) جو میرے انبیاء لاتے رہیں گے (تو) یاد رکھو کہ (جس نے پیروی کی) غلام بن کر نبی کے پیچھے رہا، اور تعمیل کرتا رہا (میری ہدایت کی، تو نہ کوئی) آئندہ کیلئے (خوف ہے اس پر) کسی خطرہ کا اندیشہ ہی نہیں (اور نہ وہ) کسی گذشتہ بات پر (رنجیدہ ہوں) انکی دنیا بھی بھلی اور آخرت بھی بھلی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

اور جنھوں نے انکار کر دیا اور جھٹلایا ہماری آیتیں، وہ جہنم والے ہیں، وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

(اور جنھوں نے انکار کر دیا اور جھٹلایا ہماری آیتیں) احکام و کتب، صحیفوں، انبیاء اور رسولوں، انکے معجزوں کو نہ مانا تو وہ کافر ہیں۔ اور جتنے کافر ہیں (وہ جہنم والے ہیں) اور صرف چندروزہ نہیں بلکہ (وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) ان کی نجات ہی نہ ہو سکے گی۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری نعمت کو! جو انعام فرمایا تھا میں نے تم پر اور پورا کرو میرا عہد،

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

کہ میں پورا کردوں تمہارا عہد۔ اور بس مجھی کو تو ڈرا کرو ●

(اے اولادِ یعقوب) یہودیو، میرا احسان مانو اور (یاد کرو میری) دی ہوئی (نعمت کو) (جو) محض اپنے کرم سے (انعام فرمایا تھا میں نے تم) یہودیوں (پر) اب بھی اگر تم اپنا مخالفانہ کاروبار بدل دو (اور پورا کرو میرا عہد) جو میں نے مضبوطی کے ساتھ تم سے لیا تھا، تو یاد رکھو (کہ میں) بھی (پورا کردوں

تمہارا عہد) جو میں نے تم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (اور) تمہاری ساری بدعہدی کی بنیاد اس پر ہے کہ مجھ سے نڈر ہو چکے ہو۔ اگر وفادار بننا منظور ہو تو (بس مجھ ہی کو تو ڈرا کرو) پھر تمہیں کسی کا ڈر نہ رہ جائیگا۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

اور مان جاؤ جو کچھ اتارا میں نے تصدیق کرنے والا اسکا جو تمہارے پاس ہے، اور نہ ہو سب سے پہلے انکار کرنے والے اس سے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؗ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور نہ لو میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت۔ اور مجھی کو تو ڈرتے رہو ●

(اور) کب تک انکار پر ضد کرتے رہو گے۔ اگر اپنا بھلا چاہو، تو (مان جاؤ جو کچھ اتارا میں نے) یہی قرآن جو میرے رسول پر اتارا گیا۔ کیسا قرآن؟ جو (تصدیق کرنے والا اس) توریت (کا جو تمہارے پاس) حضرت موسی کا دیا ہوا (ہے)۔ دونوں میں توحید الٰہی و نعت رسولِ پاک برابر موجود ہے اور شرعی قوانین ملتے جلتے ہیں (اور) تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ (نہ ہو سب) کافروں (سے پہلے) محض دشمنی کی بنا پر (انکار کرنے والے اس) قرآن و توریت و پیغمبر اسلام وغیرہ (سے)۔
مشرکین مکہ نے انکار کیا تو نادان تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ تم جان بوجھ کر انکار کرو گے، تو دانستہ منکرین کی ابتدا کرو گے۔ اور اپنی ٹولی میں جو تمہاری وجہ سے انکار کریں گے، انکی فہرست کا سرنامہ تمہارا نام ہوگا۔ اور اپنی نسل کیلئے، جو تمہاری وجہ سے کفر پر رہ جائیں گے، تم پہلی بنیاد بنو گے (اور) یہ تمہارا رویہ کتنا برا ہے کہ چار چار سیر جو اور چار چار چادروں کیلئے توریت میں تحریف کرو۔ نعت رسولِ پاک نکال دو اور میرے رسول کو دجال بتا کر توریت میں جو ذکرِ دجال ہے اس کا مصداق ٹھہراؤ۔ امیروں کی خاطر سے قانونِ شریعت بدل کر ان سے آسانی برتو۔ اور غریبوں پر سختی کرو۔ اور صرف چندہ وصول کر کے پیٹ بھرنے کی لالچ میں پیغمبر اسلام کا کہا نہ مانو۔ اور ڈر جاؤ کہ اس طرح تمہاری چندہ خوری جاتی رہے گی۔
اس کمینہ پن اور مجرمانہ زندگی کو چھوڑ دو، اور اب سے (نہ لو میری آیتوں کے بدلے) دنیاوی (تھوڑی قیمت) کہ ساری دنیا بھی آخرت کے مقابلہ میں ایک بے مقدار و بے حقیقت چیز ہے (اور) اے کعب ابن اشرف اور اے سارے یہودیو، تم ایک دوسرے کو ڈرو اور نہ بھوک اور منصب کو ڈرو، تم اپنا بھلا چاہو تو بس، (مجھی کو تو) ہمیشہ (ڈرتے رہو) کہ پھر ہر خوف سے محفوظ ہو جاؤ گے اور میرا خوف تم کو میرے رسول کا نیازمند بنا دے گا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

اور نہ ملاؤ حق کو باطل سے۔ اور نہ چھپاؤ حق کو، جب کہ تم جان بوجھ رہے ہو●

(اور) ہوش سے کام لو۔ اور کبھی (نہ ملاؤ حق) میرے رسول (کو باطل) دجال (سے) (اور) حق پوشی بہت بڑا جرم ہے۔ تم لوگ (نہ چھپاؤ حق) نعتِ رسول (کو) (جب کہ) بے خبر نہیں ہو بلکہ (تم جان بوجھ رہے ہو) اور ایسا جانتے ہو کہ ان ہی رسول کے وسیلہ سے اپنی فتحمندی کی دعائیں کرتے تھے اور فتحمند ہوتے تھے۔ اب انکے قدم آ گئے تو تم نادانی کرنے لگے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾

اور ادا کرتے رہو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ کو اور رکوع کر و رکوع کرنے والوں کے ساتھ●

(اور) اللہ کے فرائض اب سے پورا کرتے رہو، یوں کہ (ادا کرتے رہو) پابندی کے ساتھ (نماز کو) (اور) سال بسال (دیتے رہو زکوٰۃ کو) نماز تو پڑھو (اور رکوع کرو) مگر تنہا مناسب نہیں، بلکہ (رکوع کرنے والوں) کی جماعت (کے ساتھ)۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾

کیا حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو خود اپنے کو، حالانکہ تم تلاوت کرو کتاب کی، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے●

تم لوگ بھی عجیب ہو۔ جب اے کعب ابن اشرف اور سارے یہودیو، تم سے پوچھا گیا، رسول پاک کے بارے میں تو پہلا جواب تمہارا یہ تھا کہ لوگو یہ رسول برحق ہیں، انکی اتباع کرو۔ اور جب تمہارے اتباع کی نوبت آئی تو مکر گئے۔ تو (کیا حکم دیتے ہو) دوسرے (لوگوں کو نیکی کا) کہ اتباع رسول کریں اور نیک ہو جائیں (اور) اپنے حق میں (بھول جاتے ہو خود اپنے کو) اور اتباع کے بجائے انکار کرتے ہو (حالانکہ) تم جاہل نہیں ہو بلکہ (تم تلاوت) کیا (کرو) اپنی (کتاب) توریت (کی)۔ اس نادانی کا کیا ٹھکانا ہے (تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے)؟ معمولی انسان کی سمجھ بوجھ بھی کھو چکے ہو۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۴۵﴾

اور مدد مانگو صبر سے اور نماز سے۔ اور بے شک وہ ضرور بوجھ ہے مگر خشوع والوں پر●

(اور) یاد رکھو کہ تم کو ہر حال میں مدد گار کی ضرورت ہے۔تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ہر حال میں (مدد مانگو) خواہش کو دبا کر، پابندئ شریعت کو برداشت کرکے، گناہوں سے بچنے کی مشقت قبول کرکے، روزہ رکھ کر، اور ہر قسم کے (صبر سے اور نماز) کی پابندی (سے) خواہ کتنا ہی گراں گزرے۔ اگر صبر و نماز کو اپنا مددگار بنالیا اور ایسے صابر اور نمازی ہوگئے کہ تم صبر و نماز کے پیکر بن گئے، تو اب تم کو مددگار کی تلاش نہ ہوگی بلکہ مدد کے متلاشی تم کو تلاش کریں گے۔ (اور) نماز میں گرانی کون سی ہے؟ ہاں (بیشک وہ ضرور) گراں گزرتی ہے اور (بوجھ ہے) کاہلوں اور بے خوفوں کے حق میں (مگر خشوع والوں پر) بالکل آسان اور پھول کی طرح ہے۔ انکی بندگی فروتنی و عجز پسندی کو بھلی لگتی ہے۔

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۵

جو سمجھیں کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے پروردگار کے اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ●

یہ خشوع والے وہ ہیں (جو) خوب اچھی طرح سے (سمجھیں) بوجھیں، یقین کریں (کہ بیشک) انھیں مرنا ہے، پھر حشر کے دن اٹھنا ہے، اور اس دن (وہ ملنے والے ہیں) لذتِ دیدار پانے کیلئے (اپنے پروردگار کے) حضور (اور) انھیں اس دنیا کی تنگی میں ہمیشہ گرفتار رہنا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے فضل سے (بیشک وہ) بالآخر (اسی) اللہ تعالیٰ (کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میری نعمت کو، جو انعام فرمایا تھا میں نے تم پر اور بے شک میں نے ہی بڑھایا تھا تم کو زمانہ بھر پر ●

(اے اولادِ یعقوب) یہودیو! (یاد کرو میری) اس (نعمت) واحسان (کو) بھی (جو انعام فرمایا تھا میں نے تم) لوگوں کے بزرگوں (پر) (اور) تمہارے پاس 'پدرم سلطان بود' کی جو حکایتیں ہیں، تو خوب سمجھ لو کہ (بیشک میں نے ہی بڑھایا تھا) اور بلند رتبہ کیا تھا (تم) لوگوں کے بزرگوں (کو) انکے (زمانہ بھر پر) کہ انبیاء و سلاطین ہوتے تھے۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

اور ڈرو اس دن کو کہ نہ بدلہ ہو کوئی کسی ناکس کا کچھ، اور نہ قبول کی جائے کسی ناکس کی سفارش،

وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور نہ لی جائے اس ناکس سے رشوت، اور نہ وہ مدد دیے جائیں ●

(اور ڈرو) اور سوچ کر ٹھہراؤ (اس) قیامت کے (دن کو) جس دن مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ تمہاری کوئی بگڑی بنائے۔ تمہارے عوض کچھ بھگتے۔ تم خود اپنی آنکھ سے دیکھ لوگے (کہ) قیامت کے دن (نہ بدلہ ہو کوئی) مسلمان (کسی ناکس) کافر (کا کچھ) اور اگر تم میں سے ایک نے دوسرے کی سفارش کی، تو تم سب لوگ ناکس کے ناکس ہو (اور) تم دیکھو گے کہ قیامت کے دن (نہ قبول کی جائے کسی ناکس) کافر (کی) کوئی (سفارش) کہ ہر کافر شفاعت کرنے اور شفاعت کیے جانے سے محروم ہے۔ (اور) اگر تم اپنی کچہریوں کا انداز دیکھ کر خیال کرو کہ رشوت سے کام چل جائے گا، تو یاد رکھو قیامت کے دن تم خود دیکھو گے، کہ (نہ لی جائے اس ناکس) کافر (سے) کوئی (رشوت) گو اپنے برابر کا ہیرا، یا قیمتی سے قیمتی چیز دینا چاہے، (اور) اسکا بھی موقع نہ ہوگا کہ تمہیں مددگاروں کی کمک پہنچے، کیونکہ کافروں کیلئے یہ طے ہے، کہ نہ کسی کی مدد کر سکیں اور (نہ وہ مدد دیے جائیں)۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

اور جب نجات دلائی تھی ہم نے تم کو فرعونیوں سے۔ جو دیا کریں تم کو برا دکھ، ذبح کر دیا کریں تمہارے بیٹوں کو

وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

اور زندہ رکھ چھوڑیں تمہاری عورتوں کو، اور تمہاری اس حالت میں آزمائش رہی تمہارے پروردگار کی طرف سے، بہت بڑی ●

اے یہودیو! یاد کرو (اور) میرا احسان مانو۔ کتنا بڑا ہمارا کرم تھا (جب نجات دلائی تھی ہم نے تم) لوگوں کے مورثوں (کو) ظالم اور بے رحم (فرعونیوں) ولید ابن مصعب، شاہ مصر کے حوالی موالی (سے) تمہیں معلوم ہے کہ فراعنہ مصر میں سے اس فرعون نے، جو حضرت موسیٰ کے زمانہ کا فرعون کہلاتا ہے اور جس کی عمر چار سو برس کی ہوئی، اس نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ چلی جس نے قوم فرعون، قبطیوں کے گھر پھونک دیے اور بنی اسرائیل، اولاد یعقوب کے گھر محفوظ رہے اور اس کو تعبیر دی گئی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا، جو قوم فرعون کو تباہ کردے گا۔ اور بنی اسرائیل کو بلند رتبہ بنا دے گا۔

چنانچہ اپنے کرتا دھرتا لوگوں سے مشورہ کرکے، اس نے چاہا کہ اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے۔ ایک سال کے بچے چھوڑے جائیں تو دوسرے سال کے بچے مار ڈالے جائیں۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ اور ساری قوم کی یہ پہچان ہوگئی کہ (جو دیا کریں تم کو برا دکھ) دکھ تو سبھی برے ہیں، مگر وہ ہر دکھ سے برا دکھ پہنچاتے رہے۔ انکے اس بے رحمانہ ظلم کو دیکھو کہ (ذبح کر دیا کریں) بے دریغ (تمہارے بیٹوں کو) اور ترس نہ کھائیں (اور زندہ رکھ چھوڑیں) اپنی لونڈی بنانے کیلئے (تمہاری) قوم کی (عورتوں کو) (اور) سمجھ لو کہ (تمہاری اس) سب (حالت میں) وہ زمانۂ عیش و عشرت ہو یا عہد تکلیف و مصیبت ہو (آزمائش) تمہاری ہوتی (رہی) (تمہارے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کی طرف سے) اور آزمائش معمولی نہیں، بلکہ (بہت بڑی)، اندازہ سے باہر۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب پھاڑ دیا تھا ہم نے تمہارے سبب دریا کو تو بچا لیا ہم نے تمہیں اور ڈبو دیا ہم نے فرعونیوں کو، اور تم دیکھ رہے ہو●

(اور) اے یہودیو! ہمارا کتنا بڑا احسان ہوا تھا (جب) بنی اسرائیل کو لے کر حضرت موسیٰ مصر سے ہجرت کر کے چلے جا رہے تھے اور فرعونیوں نے انکو پکڑنے کیلئے فرعون کی سرکردگی میں دھاوا کیا تھا۔ اور راستہ میں جب وہ دریا پڑا، جسکا نام 'بحرِ قلزم' 'دریائے اساف' ہے، بنی اسرائیل ڈر رہے تھے کہ پیچھے فرعون کی لاکھوں فوج ہے اور سامنے دریا ہے اور حکم الٰہی سے حضرت موسیٰ نے اپنا عصا مارا، تو سب نے دیکھا کہ اس وقت (پھاڑ دیا تھا ہم نے تمہارے) موروثوں کے (سبب) کہ بے خوف نکل جائیں اور ایسا پھاڑا تھا (دریا کو) کہ دونوں جانب پانی کی دیوار تھی جسکے درمیان خشک زمین چار فرسخ کی نکل آئی تھی (تو بچا لیا ہم نے تمہیں)۔ فرعون اور سارے فرعونی، جو لاکھوں تھے، سامانِ جنگ کے ساتھ نر گھوڑوں پر سوار تھے، دریا کا یہ نقشہ دیکھ کر فرعون نے ڈینگ ماری کہ میری ہیبت سے دریا پھٹ گیا ہے۔ مگر کسی کی ہمت اس میں اترنے کی نہ پڑتی تھی۔ جبرئیل امین ایک مادہ گھوڑی پر نمودار ہوئے اور دریا میں اترے، تو فرعون کا گھوڑا بھی روکے نہ رکا اور پھاند پڑا۔ پھر بے تحاشہ سارے فرعونیوں کے گھوڑے بھی کود پڑے (اور) دریا کے دونوں کناروں کو ملا کر (ڈبو دیا ہم نے) سارے (فرعونیوں کو) وہ کچھ بہت دور نہیں جا چکے تھے۔ اتنے فاصلہ پر وہ ڈبوئے گئے تھے کہ تمہاری نگاہ ان تک پہنچے (اور تم) انھیں ڈوبتے ہوئے اپنی آنکھ سے خود (دیکھ رہے ہو)۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱

اور جب کہ وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کا۔ پھر بت بنالیا تم نے گؤ سالے کو ان کے بعد، اور تم اندھیر والے ہو●

(اور) اے یہودیو اس واقعہ کو بھی سوچو اور یاد کرو (جب کہ وعدہ دیا) تھا (ہم نے موسیٰ کو) کہ (چالیس رات کا) چلہ کر کے کوہِ طور پر آؤ اور ہمارا فرمان لے جاؤ (پھر) قبیلہ، سامرہ کا سنار 'میخا' نام نے سب کے زیورات کو جو قبطیوں سے ملے تھے کہہ کہہ کر اکٹھا کیا کہ یہ مالِ غنیمت ہے اور شریعت موسیٰ میں مالِ غنیمت کا استعمال حرام ہے۔ اور اس گئو سالہ پرست قوم کے آدمی نے زیورات کو گلا کر گئو سالہ کا بُت بنایا۔ اس نے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ روح الامین گھوڑے پر سوار ہیں اور گھوڑے کی ٹاپ جہاں پڑتی ہے، زمین کا ذرّہ ذرّہ زندگی پاجاتا ہے۔ وہ خاک اسکے پاس تھی جس کو گئو سالہ کے بت میں ڈال دی، تو وہ آواز دینے لگا۔ اور اُس کو اُس نے اللہ موسیٰ قرار دیکر، حضرت ہارون اور اُنکے بارہ ہزار رفیقوں کے سوا (بت بنالیا تم) سب (نے) اس (گئو سالے کو) حضرت موسیٰ کی موجودگی میں نہیں، بلکہ (انکے) طور پر جانے کے تیسرے یا چوتھے عشرہ کے (بعد) (اور تم) خود اپنے ہی حق میں بڑے ہی (اندھیر) ڈال دینے (والے ہو)۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۲

پھر معاف فرمادیا ہم نے تم سے اس کے بعد۔ کہ اب شکر گزار ہو●

اب ہمارا کرم دیکھو کہ (پھر) جب حضرت موسیٰ کوہِ طور سے مع 'الواحِ توریت' کے لوٹے اور اس واقعہ کو دیکھا اور جلال سے بھر گئے اور ہمارے حکم سے تمہارا قتل عام ہونے لگا تو حضرت موسیٰ سے دیکھا نہ گیا اور دست بدعا ہوئے تو (معاف فرمادیا ہم نے) اور سزا اٹھالی (تم سے اس) تمہارے جرم شدید، بت پرستی (کے بعد) (کہ) بارہا نافرمانی کر چکے اور سزا پاتے رہے، (اب) تو (شکر گزار) ہو جاؤ۔

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝۵۳

اور جب کہ دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق ناحق کا امتیاز، کہ تم لوگ اب راہِ راست پر آجاؤ●

(اور) اے یہودیو! اس سلسلہ میں اس واقعہ کو یاد کرو (جبکہ دی) تھی (ہم نے) کوہِ طور پر بلا کر (موسیٰ کو کتاب) توریت، جس میں ہدایت وضلالت کی تفصیل ہے (اور حق، ناحق کا امتیاز) ہے (کہ) ابھی تک (تم لوگ) بھٹکتے رہے ہو۔ تو (اب راہِ راست) پاکر اس (پر آجاؤ)۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے کہ اے میری قوم بے شک تم نے اندھیر کردیا خود اپنے لیے اپنے بت بنالینے سے گوسالہ کو، تو متوجہ ہو جاؤ

اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ

اپنے پیدا کرنے والے کی طرف، کہ قتل کر ڈالو اپنوں کو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

پس توبہ قبول فرمالی تمہاری، بیشک وہی توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اور) اسی واقعہ کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ (جب کہ) کوہِ طور سے واپسی پر گئوسالہ پرستی دیکھی تھی تو (کہا) تھا (موسیٰ نے اپنی قوم کے) فائدہ کے (لئے) اور اعلان کیا تھا (کہ اے میری قوم بیشک تم نے) بہت بڑا (اندھیر کردیا خود اپنے لئے) کسی کا کچھ نہ بگڑا، خود تمہارا بگڑا، تمہارے (اپنے بت بنا لینے سے) تصویر (گئوسالہ کو) ایسا مشرکانہ جرم کر ڈالا ہے (تو) اس کے سوانجات کی کوئی صورت نہیں کہ (متوجہ ہو جاؤ اپنے پیدا کرنیوالے) اللہ تعالیٰ (کی طرف)۔ سچے دل سے توبہ کرو اور اسکے حکم کے سامنے گردن ڈالدو۔ (کہ قتل کر ڈالو) اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر خود (اپنوں کو)۔ ہر گئوسالہ پرست گردن جھکا کر کھڑا ہو جائے اور جو اس جرم میں نہ تھا وہ گردن کاٹتا چلا جائے۔

توبہ کا (یہ) طریقہ رہ گیا ہے جو نہایت (بہتر ہے تمہارے لئے) اسی میں تمہارا بھلا ہے کسی اور کے نہیں، بلکہ خود (تمہارے پیدا کرنے والے) اللہ تعالیٰ (کے نزدیک) کیونکہ ایمان لانے کے بعد تم گئوسالہ پرستی کے سبب مرتد ہو چکے۔ اور مرتد کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک، باوجود توبہ کے قتل ہے۔ چنانچہ مجرموں نے ایسا ہی کیا اور دوزانوں بیٹھ کر گردن جھکادی اور قتل عام ہوتا رہا۔ مگر کسی نے سر نہ اٹھایا نہ جنبش کی، یہاں تک کہ ستر ہزار کو، ان بارہ ہزار نے، جو حضرت ہارون کے ساتھی تھے اور گئوسالہ پرستی میں شریک نہ تھے، قتل کر ڈالا۔ اس منظر سے حضرت موسیٰ وحضرت ہارون کے رحم وکرم میں جوش آ گیا۔ دست بہ دعا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اب بچے ہوؤں پر رحم فرمائے (پس) بنی اسرائیل کے اس توبہ کے انداز اور حضرت موسیٰ وہارون کی دعا کی بدولت (توبہ قبول فرمالی تمہاری) اللہ تعالیٰ نے۔ مقتولوں کو شہادت کا درجہ بخشا اور جو بچ گئے انھیں معاف فرمادیا اور بخش دیا (بیشک وہی) اللہ تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا، بخشنے والا ہے) جسکی توبہ وہ نہ قبول فرمائے تو پھر کون قبول کرے اور جسکی توبہ وہ قبول فرمائے اُسے کوئی رد نہیں کر سکتا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب تم لوگ بولے تھے کہ اے موسیٰ ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو، یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو علانیہ،

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

پس پکڑا تم لوگوں کو کڑکتی بجلی نے، اور تم دیکھ رہے ہو●

(اور) اس واقعہ کا اہم حصہ وہ بھی ہے (جب) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ نے ستر آدمیوں کو چنا تھا۔ اوران سے روزہ رکھوا کر، کپڑے پاک صاف کرانے کے بعد، کوہ طور پر لیکر چلے کہ گئوسالہ پرستوں کیلئے عذر خواہ ہوں۔ وہاں پہنچتے ہی ایک ابر کا پایہ کھڑا ہوگیا جس میں حضرت موسیٰ داخل ہوگئے اوران ستر لوگوں کو بھی بلایا جو اس میں داخل ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے۔۔۔ حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔

اس وقت انکے چمکتے چہرہ پرنگاہ ڈالنا بشر کی طاقت سے باہر تھا، لہٰذا پردہ ڈال لیا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب نے سُنا، مگر اے یہودیو کتنی بڑی یہ تمہاری شرارتِ آبائی ہے کہ (تم لوگ بولے تھے کہ اے موسیٰ) آج ہم اس مقام میں ہیں جہاں پہنچ کر کوئی آدمی دل سے مان جانے کے سوا آپ کے خلاف شک بھی عمر بھر نہیں کرسکتا۔ مگر ہم لوگوں کو پوچھیئے تو صاف بات یہ ہے کہ (ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو)۔ اے حضرت موسیٰ (یہاں تک کہ) اپنی انہی آنکھوں سے اسی مقام پر اچھی طرح (ہم دیکھ لیں) گے (اللہ) تعالیٰ (کو علانیہ) صاف صاف، جیسے ہم ایک دوسرے کو دیکھا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی سن کر بھی، حضرت موسیٰ کے نہ ماننے کی دھمکی انتہا درجہ کی مجرمانہ بغاوت اور سرکشی تھی۔ (پس) اس جرم کی سزا میں (پکڑا تم لوگوں کو کڑکتی) ڈراونی، جھلسا دینے والی (بجلی نے) جس میں پڑکر تم لوگ اس طرح مرگئے، کہ ایک ایک مرتے جارہے ہو (اور تم) ایک دوسرے کو مرتے ہوئے (دیکھ) بھی (رہے ہو)۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر اٹھایا ہم نے تمھیں بعد تمہاری موت کے، کہ اب شکر گزار ہو●

تم تو اس قابل نہ تھے کہ تم پر ترس کھایا جاتا۔ مگر حضرت موسیٰ کو خیال آیا کہ یہاں سے تنہا قوم کے پاس جاکر کیا صورت ہوگی۔ انھوں نے انکار کی کافرانہ دھمکی کا کچھ خیال نہ کیا اور رحم سے کام لیکر

دست بہ دعا ہوئے ۔ یہ دعا مقبول بندہ کی دعا تھی ۔ چنانچہ قبول ہوئی (پھر) کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کے کہنے سے (اٹھایا) زندہ کھڑا کر دیا (ہم نے تم کو بعد تمہاری موت کے) کہ بالکل مر چکے تھے، حکمت یہ تھی (کہ) ابھی تک کفرانِ نعمت کرتے رہے ہو۔ تو (اب) کسی طرح (شکر گزار ہو) جاؤ۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوا مِنْ

اور سائبان کیا ہم نے تم پر ابر کو، اور اُتارا تم پر من اور سلویٰ کو، کہ کھاؤ

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾

پاکیزہ چیزوں سے جو دیا ہم نے تمہیں، اور انھوں نے نہیں اندھیر میں ڈالا ہم کو، لیکن وہ لوگ خود اپنے کو اندھیر میں ڈالتے تھے ●

(اور) مصر سے دوبارہ نکلنے، دریا سے پار ہونے پر یہ واقعہ کا حصّہ بھی خاص ہے کہ جب تم لوگ اے یہودیو! ایک چٹیل گرم میدان میں پہنچے، جہاں نہ کوئی سایہ تھا، نہ کچھ کھانے کو تھا۔ تم اس سفر سے یوں ہی گھبرائے ہوئے تھے اور مصر کی جدائی کا قلق رکھتے تھے، کہ فرعونیوں کے بعد اس پر مفت کا قبضہ کر چکے تھے، اور چین کر رہے تھے۔ چنانچہ قدم قدم پر حضرت موسیٰ سے ایسے سوالات کرتے تھے کہ کسی طرح یہ سفر ملتوی ہو جائے۔ اس عذابی گرم چٹیل کو پا کر تم کو موقع ملا کہ واپسی کیلئے عذر کرو۔ کہ نہ یہاں سایہ ہے نہ کچھ کھانے کو ہے۔

چنانچہ تم نے یہ کہہ بھی ڈالا (اور) تمہارے عذر کو ختم کرنے کیلئے حضرت موسیٰ کی دعا سے (سائبان) کی طرح سایہ گستر (کیا ہم نے تم) لوگوں کے مورثوں (پر) سفید رنگ کے (ابر کو)۔ یوں دھوپ سے پناہ دی (اور) تمہارے کھانے کو کچھ نہ تھا تو (اتارا تم) لوگوں کے مورثوں (پر) بے مشقت کی غذا (من) ترنجبین شیریں کی طرح ایک چیز (اور) بٹیر وغیرہ کی طرح پرند (سلویٰ کو) اس حکم کے ساتھ (کہ کھاؤ) اور بس کھاؤ (پاکیزہ چیزوں) من وسلویٰ (سے جو دیا ہم نے تمہیں) اور کھانے کے سوا کچھ اٹھا کر نہ رکھو۔ روز جو ملے کھا جایا کرو۔ ہاں سنیچر کے دن تم کو کچھ نہ ملے گا۔ مگر جمعہ کو اتنا ملے گا کہ سنیچر کیلئے رکھ دو گے، تو تمہارا کام چل جائے گا۔ اور کسی دن بھی دوسرے دن کیلئے مت رکھنا۔ مگر اے یہودیو! تم سے اس بارے میں بھی صبر نہ ہو سکا اور تمہارے مورثوں نے روزانہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ جو دوسرے دن سڑ جاتا تھا اور کھانے کی سڑنے کی ابتدا انہی سڑی لوگوں سے پڑی۔

بالآخر من وسلویٰ کی نعمت بے مشقت سے محروم ہو گئے۔ کتنی بڑی بات اندھیر کی ان سے ہوئی،

لیکن ہمارا کیا بگڑا (اور) سچ یہ ہے، کہ (انھوں نے) اس حرکت سے (نہیں اندھیر میں ڈالا ہم کو) اور وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں (لیکن) ہاں (وہ لوگ خود اپنے کو) اپنے کرتوت سے (اندھیر میں ڈالتے تھے) اور خود اپنی ہی کو بگاڑتے تھے۔

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور جبکہ حکم دیا ہم نے کہ داخل ہو جاؤ اس آبادی میں پھر کھاتے رہو اس سے جہاں چاہو بے کھٹکے، اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے،

وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور عرض کرو کہ معافی ہو، ہم بخش دیں گے تمہیں تمہاری خطاؤں کو، اور قریب ہے کہ ہم زیادہ دیں احسان والوں کو●

(اور) اس سفرنامہ کا یہ حصہ یاد رکھو کہ حضرت موسیٰ کا منشاء تھا کہ شہر 'اریحا' کو جس پر قوم عاد میں سے بچے ہوئے 'عمالقہ' آباد تھے اور 'عوج بن عنق' انکا حکمراں تھا۔ اسکو بنی اسرائیل فتح کر کے وہاں سے کفر کو مٹا کر آباد ہو جائیں اور سرزمین شام کے سبزہ زاروں میں چین کریں۔ اور یہ بھی منشاء تھا کہ شہر بیت المقدس میں، جوان کا قبلہ تھا، حاضر ہوں اور آج تک شامت اعمال سے جو خطائیں کرتے رہے ہیں اس پر مغفرت کے طالب ہوں۔ چنانچہ یاد کرو (جب کہ) اس منشاء کی تکمیل کیلئے (حکم دیا ہم نے کہ) اے بنی اسرائیل بے دھڑک (داخل ہو جاؤ اس) شہر کی (آبادی میں) (پھر) مالکانہ شان سے (کھاتے رہو اس) کی پیداوار (سے) جس وقت اور (جہاں چاہو بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں (اور داخل ہو) تو بہ کے (دروازہ میں) عاجزانہ شکل میں (سجدہ کرتے ہوئے) (اور) یوں (عرض کرو) دعا مانگو (کہ معافی ہو)۔ یہی لفظ کہو یا استغفار ایسی کرو، بسم اللہ شریف، کلمہ، توحید، پڑھو کہ تمہاری معافی ہو جائے۔ تمہارے اس انداز بندگی کو دیکھ کر (ہم بخش دیں گے تمہیں) اور معاف کر دیں گے (تمہاری خطاؤں کو) اتنا ہی کرم نہیں بلکہ اگر تم لوگ سراپا اخلاص و پیکر احسان ہو گئے تو ہم یہ کرینگے کہ (اور) زیادہ کرم فرمائیں گے۔ اسے یاد رکھو کہ (قریب ہے کہ ہم زیادہ دیں احسان والوں کو)۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ

تو بدل ڈالا جنھوں نے اندھیر کر رکھا تھا بات کو اسکی دوسری بولی سے جو سکھائی گئی تھی انھیں، تو اتارا ہم نے اُن پر

ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

جنھوں نے اندھیر مچایا تھا عذاب کو آسمان سے، کہ وہ نافرمانی کرتے جارہے تھے●

ربع

مگر بنی اسرائیل شرارت پر اتر آئے (تو) اس وعدہ وکرم سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا بلکہ سرکشی کرتے ہوئے (بدل ڈالا جنھوں نے اندھیر کر رکھا تھا) ہماری (بات کو) ہماری تعلیم کے خلاف (اسکی دوسری بولی سے جو سکھائی گئی تھی انھیں)۔ حکم ہوا تھا 'حِطَّةٌ' کا، وہ مسخروں کی طرح 'حِنْطَةٌ، حَبَّةٌ فِیْ شَعْرَةٍ'، گیہوں گیہوں بالیوں کے دانے بکنے لگے (تو) اس نافرمانی پر (اتارا ہم نے ان) ظالموں (پر) (جنھوں نے) اس قسم کا (اندھیر مچایا تھا عذاب)، طاعون (کو آسمان سے) جس سے ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ یہ سزا اسلیئے دی گئی (کہ وہ نافرمانی کرتے جارہے تھے) بار بار نافرمانی کرتے جارہے تھے۔ بار بار نافرمانی کرتے، حکم کے خلاف چلتے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

اور جبکہ پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کیلیئے، تو فرمایا ہم نے کہ مارو اپنے عصا سے پتھر کو۔ پس پھوٹ نکلے اس سے

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ

بارہ چشمے۔ ٹھیک جان لیا سب لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ کو۔ کھاتے رہو اور پیتے رہو

رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

اللہ کی روزی سے، اور نہ پھرتے رہو زمین میں فساد مچاتے●

(اور) اس ناپاک حرکت سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ریگستان میں پانی نہ تھا۔ بنی اسرائیل نے حضرتِ موسیٰ سے عرض کیا کہ ہم پیاس سے مرے جارہے ہیں، تو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی درخواست سن کر (جب کہ پانی مانگا موسیٰ نے) اور پانی کیلیئے دعاء کی (اپنی قوم کیلیئے) کہ انھیں پانی دیا جائے (تو فرمایا ہم نے کہ) یہ تمہارے پاس بارہ اُبھار رکھنے والا پتھر ہے تم (مارو اپنے عصا سے) اس (پتھر کو) حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(پس پھوٹ نکلے اس) پتھر (سے) ہر اُبھار سے ایک ایک، کل (بارہ چشمے) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور فطرت ایسی تھی کہ ایک گھاٹ سے سب پانی پینے پر اکٹھا نہیں ہوسکتے تھے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ کے معجزے سے ہر قبیلہ کیلیئے عصا مارنے پر پانی نکل آتا اور پھر خشک ہوجاتا تھا۔ جب پانی پہلے ٹپکے، پھر بہنے لگے، تو بغیر کسی اختلاف کے (ٹھیک جان لیا) تھا (سب) بنی اسرائیل کے (لوگوں نے) ہر ہر قبیلہ نے (اپنے اپنے گھاٹ کو) جہاں سے وہ پانی لیا کریں۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا

کہ من وسلویٰ کو خوب (کھاتے رہو) (اور) اپنے اپنے گھاٹ سے سیراب ہوکر پانی (پیتے رہو) اس میں تمہاری تو کچھ بھی کمائی اور مشقت کا دخل ہی نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ (اللہ کی روزی سے) ہے (اور) اپنی چال چلن ٹھیک کرلو اور آئندہ (نہ پھرتے رہو زمین میں فساد مچاتے) کہ جہاں جاؤ سنسنی پیدا نہ کرو، اور بھلے مانسوں کی طرح زندگی گزارو۔ مگر اے یہودیو! تم اس کھانے پینے کی بے مشقت نعمت کی قدر نہ کر سکے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

اور جب عرض کیا تھا تم نے کہ اے موسیٰ ہرگز نہ صبر کریں گے ہم ایک غذا پر، تو پکاریئے ہمارے لیے اپنے پروردگار کو کہ نکالے

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

ہمارے لیے جو اگایا کرتی ہے زمین، ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ

انھوں نے کہا کہ کیا بدل کر لینا چاہتے ہو اس کو جو کمتر ہے اس سے جو بہتر ہے؟ اتر و مصر کسی شہر میں تو بے شک

لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

تمہارے لیے ہے جو کچھ تم نے مانگا۔ اور چھاپ دی گئی ان پر رسوائی اور غربت، اور لوٹے وہ غضب الٰہی میں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

یہ اس لیے کہ بلاشبہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے انبیاء

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۟

کو ناحق۔ یہ غضب اس لیے کہ گناہ کیا انھوں نے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ●

(اور) تم کو یاد کرنا چاہئے (جب عرض کیا تھا) اس عیش وعشرت کے خلاف (تم) لوگوں کے مورثوں (نے) اور کہا تھا (کہ اے موسیٰ) نہ تو کلیم اللہ، نہ تو رسول اللہ، بلکہ جیسے ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہیں۔ اسی بدتمیزی اور بے تعظیمی کے ساتھ پکارا اور کہا کہ (ہرگز نہ صبر کریں گے ہم ایک) قسم کی (غذا پر) کہ بس اسی پر ہمیشہ اکتفا کریں (تو) دعا کیجئے اور (پکاریئے ہمارے) فائدہ کے (لئے) اللہ تعالیٰ (اپنے پروردگار کو کہ) پیدا فرمایا کرے اور (نکالے ہمارے لئے) وہ کھانے کی چیزیں (جو) آسمان سے نہیں گرتی ہیں، بلکہ اُسے (اُگایا کرتی ہے زمین) وہ کہ پیداوار ہو، جیسے

(ساگ) پات (اور ککڑی) کھیرا (اور گیہوں) جو (اور مسور) ماش (اور پیاز) لہسن وغیرہ۔ حضرت موسیٰ کو تمہاری جدت پسندی کیسے پسند آتی (انھوں نے) تمہاری اصلاح کیلئے (کہا کہ) ذرا سوچو تو کہ کیا مانگ رہے ہو؟

(کیا بدل کر لینا چاہتے ہو اس) زمین کی پر مشقت پیداوار (کو جو) پسینہ بہا کر، بوٹی گلا کر، دھوپ سہ کر، بھوکے رہ کر، پیدا کی جاتی ہے۔اور (کمتر ہے اس) مفت آسمانی نعمت (سے جو) بالکل بے مشقت ہے اور (بہتر) بھی (ہے)۔تم لوگوں کا دماغ ایسا ہی ٹل گیا ہے تو جاؤ (اترو) ہمارے (مصر) میں غرض (کسی شہر میں) (تو) ہل بیل سے لگو، کھیت جوتو، (بیشک) وہاں محنت ومشقت کرنے پر (تمہارے لئے) وہ ترکاری، اناج پیدا ہونے والی (ہے جو کچھ) زمین کی پیداوار مجھ سے (تم نے مانگا) ہے۔

ایسے بدبخت، بدتمیز، آسمانی برکتوں سے گھبرا اٹھنے والی قوم، یہود، کو سخت سزا دی گئی (اور چھاپ دی گئی ان) یہودیوں (پر) دنیا میں (رسوائی)۔عالم کی نظر میں ذلیل رہیں۔اور جو کام کریں اس میں رسوا ہوں۔بے کسی سہارے کے کہیں پناہ نہ پائیں (اور غربت) کہ فتنوں پر کمائی اڑا دیں اور چین کی روٹی نہ کھا سکیں (اور) اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے بُرے کرتوت سے (لوٹے وہ) یہودی (غضب الٰہی میں) ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے (یہ) سزا انکو (اسلئے) دی گئی (کہ بلاشبہ وہ) ہمیشہ سے (انکار کرتے رہتے تھے) اور اب بھی انکار کرتے رہتے ہیں (اللہ کی آیتوں کا) حضرت موسیٰ سے لے کر پیغمبر اسلام تک، اور توریت سے لیکر قرآنِ پاک تک، کسی کو بھی نہ مانا اور نہ مانتے ہیں۔

(اور) کیسے ظالم و مجرم ہیں کہ، ماوشما کا کیا ذکر ہے، یہ لوگ (قتل کرتے) رہتے تھے (انبیاء کو) مثلاً حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب وغیرہ کو۔حد ہوگئی کہ ایک دن میں ستر ستر انبیاء کو شہید کر ڈالا (ناحق)۔جو کسی طرح حق ہو ہی نہیں سکتا اور جسکے حق وجواز کیلئے کوئی راہ نہیں نکل سکتی (یہ) اللہ کا (غضب اسلئے) ہے (کہ) اللہ وانبیاء کا (گناہ کیا) تھا (انہوں نے)۔اللہ کے حکم کو ٹالتے تھے اور انبیاء کو اپنے جیسا بشر قرار دے کر پکارتے، انکے قتل کو عوام کے قتل کے برابر جانتے، انکی نبوت کی برتری معمولی چیز سمجھتے (اور) ہر ہر بات میں (حد سے بڑھ جاتے تھے)۔

یہودیوں کی شرارتوں اور کافرانہ خباثتوں کا جو کچھ تذکرہ ہو چکا ہے یا قرآن میں آئندہ ہو، اسکو سن کر کافروں کا کوئی طبقہ یہ نہ سمجھ لے کہ اب ان کیلئے رحمت خداوندی سے مایوس

ہوجانے کے سوا کوئی راہ نجات کی باقی نہیں رہی ہے۔ یہ تذکرے صرف اسلئے ہیں کہ اس قسم کی کافرانہ جرأتوں سے کوئی دوبارہ کام نہ لے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہوا ہے، جو چاہے مستحق بنکر رحمت کو حاصل کرلے اور نجات پاجائے۔ یہ اسلام اور اسلام کے پیغمبر، اسی رحمت ونجات کا پیغام اور پیغمبر ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

بے شک مسلمان قوم اور یہودی قوم اور عیسائی قوم اور صابی قوم، جو اب واقعی مان گیا اللہ اور پچھلے دن کو

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

اور کئے کرنے کے لائق کام، تو انھیں کیلئے ہے انکا ثواب انکے رب کے پاس، اور نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں ●

چنانچہ (**بیشک مسلمان قوم**) نام کے مسلمان ہوں یا کام کے (**اور یہودی قوم**) سچے ہوں یا جھوٹے (**اور عیسائی قوم**) پکے ہوں یا کچے (**اور صابی قوم**) نیچری، لامذہب ہوں یا کوئی کفری دین کے پابند ہوں، غرض کوئی کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو ان میں سے (**جو**) (**اب**) پیغمبر اسلام کے آنے کے بعد، ان کا پیغام سن کر، قبول کرکے اسی کی روشنی میں (**واقعی**) سچے دل سے (**مان گیا اللہ**) تعالیٰ کو، جو اسلام کا سب سے پہلا سبق ہے اور جس پر سارے اسلام کی تعمیر ہے (**اور پچھلے دن**) روز قیامت (**کو**) جو اسلامی تعلیم میں باب عقائد کا آخری مسئلہ ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم کو اول سے آخر تک قبول کرلیا۔ اور یقین کرلیا کہ اللہ واحد ویکتا ہے، اسکے سوا کوئی نہ قدیم ہے، نہ معبود ہے، اس نے ہماری ہدایت کیلئے انبیاء بھیجے۔ انبیاء تک اس کا پیغام لے کر فرشتے آتے ہیں۔

انبیاء کے پاس صحیفے، کتابیں اتریں، نیکی وبدی کا پیدا کرنے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کو مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب ہوگا۔ جنتی جنت، جہنمی جہنم پائیں گے۔ مگر ان ایمانیات کو مان کر نہیں رہ گیا بلکہ اس نے حسن عمل دکھایا (**اور کئے**) تو (**کرنے کے لائق کام**) کئے جیسے حضرت سلمان فارسی، کہ تلاش حق کو نکلے، تو یہودیوں میں بسے، عیسائیوں میں گھسے، دہریوں سے ملے، یہاں تک کہ اسلام کو پایا۔ اور پکے سچے مسلمان ہوگئے۔

اسی طرح جو اہل باطل سے پلٹتے مسلمان ہوجائے اور جو پلٹتے ہی مسلمان ہو، وہ ایمان ہی پر موت پاجائے، کہ مدار نجات سب کیلئے اسی خاتمہ بالخیر پر ہے (**تو**) اس کی گذری ہوئی بے دینی یا

بد دینی کی پکڑ نہ ہوگی اور اس کی بدی وفتنہ پردازی کی سزا نہ دی جائے گی بلکہ انکے اسلام قبول کرنے کے بعد (انھیں کیلئے ہے ان کا ثواب) ایمان وحسن عمل کا (ان کے رب کے پاس) اسلام انکے نامہء اعمال کی سیاہی کو اس طرح دھودے گا کہ اب انکے زمانہء جاہلیت کے کرتوت کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہ رہے گا (اور) اب (نہ کوئی) آئندہ کا (خوف ہے ان پر) کہ قیامت کے دن کچھ بھگتنا پڑے (اور نہ) اب (وہ) کسی گذری زندگی کے خیال سے (رنجیدہ ہوں) اور جن لوگوں نے پیغمبر اسلام کو پایا، جیسے حضرت سلمان فارسی وحضرت ابوذر غفاری وغیرہ انکی خوش نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔

لیکن جس نے نہ پایا تھا اور مر گیا، مگر تلاشِ حق میں وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ اللہ تعالیٰ کو مان گیا۔ اور قیامت کے دن کو تسلیم کرلیا اور کسی پیغمبر سے باخبر نہ ہوسکا، جیسے حبیب نجار، قیس ابن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، بحیرا راہب وغیرہ۔ جو لوگ اس تقریباً چھ سو برس کے اندر تھے، جبکہ وحی کا آسمان سے اترنا یک قلم بند تھا تو وہ جس حد تک پہنچے اس کا تقاضہ ہے کہ بابِ نجات ان کیلئے بند نہیں ہے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ

اور جبکہ لیا تھا ہم نے تم لوگوں کا مضبوط عہد اور اٹھا کر کردیا تمہارے اوپر طور کو، کہ لو جو کچھ دے رکھا ہے ہم نے تمہیں مضبوطی سے

وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾

اور یاد کرلو جو کچھ اس میں ہے، کہ تم ڈرنے لگو●

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جب کہ) تمہارے مورثوں سے (لیا تھا ہم نے تم لوگوں) کے مورثوں (کا مضبوط) تاکید شدید کے ساتھ (عہد) (اور) عہد لینے کا طریقہ یوں اختیار کیا کہ (اٹھا کر کردیا) فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اٹھائیں اور کردیں (تمہارے) مورثوں کے سروں کے (اوپر طور کو) فرشتے پہاڑ کو اٹھائیں اور سروں پر لٹکائیں (کہ) اگر اے بنی اسرائیل اپنا بھلا چاہتے ہو اور پہاڑ سے پس جانا نہیں چاہتے، تو بس ابھی ابھی لے (لو جو کچھ دے رکھا ہے ہم نے تمہیں) کتاب توریت وشریعت موسیٰ کو پوری (مضبوطی سے) کہ نہ کبھی ایمان میں خلل آنے پائے، اور نہ عمل میں کوئی خامی ہو (اور) اچھی طرح سے (یاد کرلو) رٹ لو، سمجھ لو، سیکھ لو، (جو کچھ اس میں) موجود (ہے) اس میں تمہارا ہی بھلا ہے (کہ تم) اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ سے (ڈرنے لگو)۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

پھر پلٹ گئے تم اس کے بعد۔ تو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، ضرور تم ہوتے خسارہ والوں سے●

اس وقت تو اے یہودیو، تم نے اپنی جان بچانے کیلئے عہد کرلیا، لیکن (پھر پلٹ گئے تم اس) عہد و معاہدہ (کے بعد) نہ توریت کی پرواہ کی، نہ شریعت کا پاس کیا، اور غنڈہ پن کرنے لگے۔ اس جسارت پر اگر تم کو فوراً جہنم میں جھونک دیا جاتا تو تم اس کے پورے مستحق ہو چکے تھے مگر یہ (تو) جب ہوتا کہ (اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا) یہ (فضل تم پر) بھی کہ عذابِ جہنم کو حشر پر رکھ دیا ہے۔ اور دنیا میں توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ (اور اس) اللہ تعالیٰ (کی رحمت) خاتم الانبیاء و رحمۃ للعٰلمین کی ذات، جن کی موجودگی میں عذاب کا زمین پر آنا بند ہو گیا ہے، تو (ضرور) اے یہودیو (تم ہوتے) نہایت بدتر (خسارہ والوں سے)۔ تم سے بڑھ کر کوئی گھاٹے میں نہ ہوتا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

اور یقیناً تم جان چکے ہو انھیں، جو حد سے بڑھ گئے تھے تم میں سے سنیچر کے بارے میں، تو فرما دیا ہم نے انھیں کہ "ہو جاؤ بندر ذلیل"●

(یقیناً تم جان چکے ہو انھیں) اور تمہیں انکا علم یقین حاصل ہے (جو حد) قانون (سے بڑھ گئے تھے تم میں سے) اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، جس سے کھیلا کرتے تھے (سنیچر کے بارے میں)۔

قانون تھا کہ سنیچر کے دن مچھلی کا شکار نہ کھیلو، انھوں نے دیکھا کہ سنیچر ہی کے دن مچھلیاں دریا کے کنارے آ کر اچھلتی ہیں اور پھر دوسرے دن سے جمعہ تک پانی کی تہہ میں چھپی رہتی ہیں۔ انھوں نے جمعہ کے دن دریا کے کنارے کنارے گڈھے کھودے اور دریا سے گڈھوں تک نالیاں بنا دی۔ سنیچر کے دن مچھلیاں اچھلتی نالیوں کے راستہ سے گڈھوں میں گرتی تھیں اور اتوار کے دن وہ لوگ جا کر مچھلیوں کو پکڑتے اور کام میں لاتے۔ انکی بستی کا نام ایلہ تھا۔ اُس میں اس مسئلہ میں تین جماعتیں تھیں۔ ایک ان نیکوکاروں کی، جو خود شکار اس طرح نہ کھیلتے اور کھیلنے والوں کو منع کرتے تھے۔ دوسری ان بزدلوں اور غفلت شعاروں کی، کہ گو خود نہ کھیلتے، مگر کھیلنے والوں کو منع نہ کرتے۔ تیسری ان غنڈوں اور نافرمان سرکشوں کی، جو بے دھڑک یہ شکار کھیلتے، اور سمجھتے کہ ہم قانون کے اندر اندر جرم کر رہے ہیں۔ ابتداء میں تو وہ چاہتے رہے کہ قانون کے اندر ہی یہ جرم رہے، لیکن جرم نے اپنی خاصیت دکھائی تو اب یہ دیکھ کر کہ انکی کوئی پکڑ نہ ہوئی، سنیچر کے دن ہی آزادانہ شکار کھیلنے لگے۔ اس پر حضرت داؤد نے دعائے عذاب کی۔

اور بالآخر ہوا (تو) یہ ہوا کہ (فرمادیا ہم نے انھیں) ان دس ہزار کو چھوڑ کر جو نیکو کار تھے (کہ) تم انسانیت چھوڑ چکے ہو، تو انسانی شکل بھی چھوڑ و، اور (ہو جاؤ) اسی وقت (بندر) کی شکل میں (ذلیل) رسوائے عالم لوگ، تمہاری ذلت پر انسانیت کو شرم آتی ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

تو بنادیا ہم نے اس کو عبرت ان کیلئے جو موجود ہوں اور جو بعد کو ہوں اور نصیحت ڈر جانے والوں کیلئے●

وہ لوگ بندر ہو گئے اور تین دن تک زندہ رہ کر مر گئے (تو بنادیا ہم نے اس) واقعہ مسخ صورت (کو) درس و (عبرت ان) بستیوں (کیلئے جو) اس وقت (موجود) وآباد (ہوں اور جو) اس عہد کے (بعد کو) آباد (ہوں) (اور) اس میں بہت بڑی (نصیحت) ہے اللہ تعالیٰ سے (ڈر جانے والوں)، سچے مسلمان ہو جانے والوں (کیلئے) کہ ان سے ایسی بے جابات نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ کا حکم توڑیں، یا توڑنے والوں کو منع نہ کریں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ

اور جبکہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے کہ بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ "ذبح کرو گائے کو"، بولے"،کیا آپ بناتے ہیں ہمیں مسخرہ؟"

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

جواب دیا، کہ "پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں ہو جاؤں نادانوں سے"●

(اور) اور یہودیو، عامیل کا واقعہ مشہور ہی ہے، کہ جس عورت سے اس نے شادی کی، اس کا چچازاد بھائی بھی اسے اپنے لئے چاہتا تھا، اپنی ناکامی پر جھلایا اور عامیل کو بے گناہ قتل کر ڈالا۔ اسے اس بات کی بھی لالچ تھی کہ عامیل سرمایہ دار ہے، اس کی دولت کا وہ اس کے بعد حقدار ہے۔ جس سے خوب عیش کرے گا۔ اس قتل نے تمام بنی اسرائیل میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ قاتل خود تو مدعی بن گیا، اور سارے قبیلوں میں ایک دوسرے پر الزام رکھنے کا فتنہ بڑھ گیا۔

بالآخر معاملہ حضرت موسیٰ کے فیصلہ میں آیا۔ تو تم کو یاد ہوگا (جبکہ) فیصلہ کیلئے (کہا موسیٰ نے اپنی قوم) کی بھلائی (کیلئے کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (حکم دیتا ہے تمھیں) اے سارے بنی اسرائیل (کہ ذبح کرو گائے کو) اور اسکی بوٹی مقتول کے جسم سے مس کر دو، وہ خود زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتادے گا۔ بنی

اسرائیل یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گئے اور زبانِ نبوت کی پاکیزگی کے خلاف (بولے) کہ (کیا آپ بناتے ہیں ہمیں مسخرہ)؟ مذاق کر رہے ہیں؟ گائے اور اسکی بوٹی سے، اور قاتل کے پتہ چلانے سے کیا واسطہ ہوسکتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے انکی اس شوخی کا مقدس (جواب دیا) (کہ) معاذ اللہ (پناہ مانگتا ہوں اللہ) تعالیٰ (سے) اس بات سے (کہ میں ہوجاؤں نادانوں سے) اور مذاق کرنے لگوں اور فیصلے کے موقع پر سوال کا اسکے موافق جواب نہ دوں۔ تم لوگ یقین رکھو کہ تمہارے سوال کا وہی جواب ہے، جو خدا کا حکم میں نے تم کو سنا دیا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ

سب کہنے لگے کہ پکاریئے ہمارے لیے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمیں کہ وہ کیسی ہو۔ جواب دیا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ

عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

وہ ایسی گائے ہے کہ نہ بڈھی بہلا ہے اور نہ بچھیا او سر ہے، جوان دونوں کے درمیان۔ اب کر ڈالو جو کچھ حکم دیے گئے ہو ●

اگر بنی اسرائیل میں اطاعت کی سعادت ہوتی تو وہ کسی گائے کو ذبح کر کے حضرت موسیٰ کے اس معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تماشہ دیکھ لیتے۔ مگر روحِ اطاعت کے مردہ ہونے اور گائے ذبح کرنے سے بچ نکلنے کی شامت سوار ہوئی تو (سب کہنے لگے کہ پکاریئے ہمارے لئے) اور کہیئے (اپنے پروردگار کو کہ) گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، تو یہ بھی صاف صاف (بیان فرمادے ہمیں کہ وہ) گائے (کیسی ہو)؟ سوال کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ جواب میں کچھ مزید پابندی بڑھادی جائے تاکہ بیجا سوال کی عادت چھوٹے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اس سوال کا (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ وہ) جسکے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے (ایسی گائے ہے کہ نہ بڈھی بہلا ہے) کہ جوانی سے اتر گئی ہے اور بچہ نہ دیا (اور نہ بچھیا او سر ہے) کہ ابھی گابھن ہونے کے قابل نہ ہو۔ بلکہ (جوان دونوں کے درمیان) بہت زیادہ پوچھ گچھ چھوڑ دو اور (اب کر) ہی (ڈالو جو کچھ تم حکم دیے جاتے ہو) اور حیلے بہانے سے باز آجاؤ۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ

سب نے عرض کیا کہ پکاریئے ہمارے لئے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمیں کہ کیا رنگ ہے اسکا۔ جواب دیا کہ

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ﴿٦٩﴾

بیشک وہ فرماتا ہے کہ بیشک وہ گائے ہے زرد رنگ والی، تیز ہے اسکا رنگ، بھلی لگتی ہے دیکھنے والوں کو●

کاش وہ کسی جوان گائے کو ذبح کرڈالتے تو وہی کافی ہوتا۔ مگر شامت اس کو کہتے ہیں کہ پھر ایک سوال نکالا اور (سب نے عرض کیا کہ پکاریئے) اور دوبارہ کہیۓ (ہمارے لئے اپنے پروردگار کو) تا (کہ) وہ (بیان فرمادے ہمیں کہ) جوان گائیں بہتیری ہیں۔ ہمیں جسے ذبح کرنے کا حکم ہے، آخر (کیا رنگ ہے اسکا)؟ ایسے ضدیوں کو مزید پابند کرنے کیلئے حضرت موسیٰ نے (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ بیشک وہ) گائے ایسی (گائے ہے) کہ رنگت میں وہ (زرد رنگ والی) ہے اور زردی میں (تیز) گہرا (ہے اس کا رنگ) جو کوئی اسے دیکھتا ہے تو (بھلی) خوبصورت (لگتی ہے دیکھنے والوں کو)۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ

سب بولے کہ پکاریئے ہمارے لئے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمارے لئے کہ کون سی وہ گائے ہے،

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر، اور یقیناً ہم اگر اللہ نے چاہا ٹھیک راہ پاجانے والے ہیں●

اگر اس موقع پر کسی زرد رنگ کی گائے وہ ذبح کرڈالتے تو کام ہوجاتا۔ مگر شامت پر شامت آئی، تو پھر سہ بارہ سوال کی سوجھی اور (سب بولے کہ پکاریئے ہمارے لئے اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کو) (کہ) ہم سے گائے ذبح کروانی ہے تو بالکل صاف (بیان فرمادے ہمارے لئے کہ) آخر (کون سی وہ گائے ہے) جس کو ہم ذبح کریں۔ کیونکہ زرد تیز رنگ کی بھی کئی گائیں ہیں اور (بیشک) جس کو ذبح کرنا ہے وہ (گائے مشتبہ ہوگئی ہم پر) ہمیں اس خاص گائے کا ایسا مکمل پتہ دے دیا جائے کہ پھر دوسری گائے میں اسکا نشان نہ ملے (اور یقیناً) اگر اس خاص گائے کا نشان مل گیا تو (ہم، اگر اللہ نے چاہا، ٹھیک راہ) کو جلد (پاجانے والے ہیں) اور جو حکم دیا گیا ہے اسکی تعمیل کرنے والے آپ ہم کو دیکھیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ

جواب دیا کہ بیشک وہ فرماتا ہے - وہ گائے ہے نہ جفاکشی والی کہ جوتے زمین اور نہ سینچے کھیت کو، تندرست،

لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

کوئی داغ نہیں جس میں، سب بولے اب لائے آپ ٹھیک بات، پھر سب نے ذبح کیا اُسے، اور تیار نہ تھے کہ کریں ●

ان سوالات کی بھرماراور شوخیوں کا جواب یہی تھا، کہ انکو ایسا پابند کردیا جائے کہ سوال کرنے کا مزہ پا جائیں اور چونکہ اس سوال میں 'انشاء اللہ' بھی انکی زبان پر آ گیا ہے، اسکی برکت سے اب جو جواب دیا جائے وہ ایسا آخری جواب ہو کہ پھر انھیں کوئی سوال سوجھائی نہ دے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ نے (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ وہ) صرف ایک ہی گائے ہے جو اپنی بیان کردہ عمر اور رنگت کے باوجود ایسی (گائے ہے) جو (نہ) تو (جفاکشی والی) ہل میں چلنے والی ہے (کہ جوتے زمین) کو (اور نہ) سینچائی اور آبپاشی کے کام میں لگائی گئی ہے کہ (سینچے کھیت کو) بالکل تیار (تندرست) ہے۔ اسکے جسم میں ایک رنگ کے سوا (کوئی داغ) دوسرے رنگ کا (نہیں) ہے (جس میں)۔

یہ گائے صرف ایک تھی اور وہ ایک مرد صالح کے یتیم کی تھی۔ جب اس کا آخری وقت ہوا اور بچہ کی یتیمی میں کام آنے کیلئے اسکے پاس اس گائے کے سوا کچھ نہ تھا۔ تو اس نے اپنے اللہ کے سپرد اس بچہ کو کیا اور کہا کہ یا اللہ یہ گائے اس بچہ کیلئے چھوڑ کر اس کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ وہ بچہ ماں کی پرورش میں رہا اور ماں کی اطاعت میں بے مثل ثابت ہوا۔ اسکے بڑے ہونے پر ماں نے بتایا کہ جنگل میں جا کر اپنی اس گائے کو لے آئے، جو اسکے باپ نے اس کیلئے چھوڑا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا تھا۔ وہ بچہ جنگل گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر گائے کو آواز دی، تو وہ آ گئی۔ گائے کی آواز ظاہر کرتی تھی کہ وہ بچے کو اوپر سوار کرانا چاہتی ہے۔ مگر چونکہ ماں نے اس کا حکم نہ دیا تھا، لہٰذا وہ سوار نہ ہوا۔ اسکی اس ادا نے گائے کو مسخر کردیا۔ ایک دن ماں نے لڑکے سے کہا کہ اس گائے کو نرخ بازار پر تین دینار میں بیچ ڈالو۔ مگر جو خریدار ہو اس سے کہہ دینا کہ ماں کی مرضی پر اس خرید و فروخت کا دارومدار ہے۔

بازار میں ایک فرشتہ ملا اس نے تین کے بجائے چھ دینار قیمت لگائی، مگر اس شرط پر کہ

ماں کی مرضی پر موقوف نہ رکھے۔ لڑکے نے نہ مانا، اور ماں سے سارا حال جاکے کہا، اس نے کہا کہ چھ دینار میں بیچو، مگر پھر بھی معاملہ میری مرضی پر ختم ہوگا۔ بازار میں پھر فرشتہ ملا اور بارہ دینار قیمت لگائی۔ مگر اس شرط پر کہ ماں کی مرضی پر موقوف نہ رکھو۔ لڑکے نے اس کو نہ مانا اور پھر ماں سے سارا ماجرا جاکر کہہ دیا۔ ماں نے کہا، اب تم اس فرشتے سے جاکر کہو کہ میں اس گائے کو بیچوں یا نہ بیچوں؟ چنانچہ لڑکے نے یہی کیا اور فرشتے نے بتایا کہ اس کو بنی اسرائیل خریدیں گے، حضرت موسیٰ کی ضمانت میں بیچو اور قیمت میں اس قدر سونا لو جو گائے کی کھال کو بھر دے۔

اس گائے کو بنی اسرائیل نے پایا تو (سب بولے) کہ اے حضرت موسیٰ (اب لائے آپ ٹھیک) ایسی (بات) کہ ہم ذبح کی جانے والی گائے کو بغیر کسی شبہ کے پاگئے۔ انھوں نے دام پوچھا، تو اس کی کھال بھر سونا لڑکے نے بتایا۔ وہ کرتے تو کیا کرتے، ساری قوم کی دولت اکٹھا کی اور خود فقیر ہو گئے اور کھال کو سونے سے بھر دینے کو منظور کرلیا، جس کی ضمانت حضرت موسیٰ نے لی۔ اس طرح وہ گائے بنی اسرائیل کی ملکیت ہو چکی تو (پھر سب نے ذبح کیا اُسے) حالانکہ ان کے بار بار کے سوال سے (اور) گائے کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ جانے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ (تیار نہ تھے کہ) اس کام کو (کریں)۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور جبکہ قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک جان کو پھر ایک دوسرے پر ٹھیلا تم نے اس بارے میں، اور اللہ ہے ظاہر فرمانے پر اسے جو تم چھپاتے تھے●

(اور) اے یہودیو! یہ واقعہ قتل 'عامیل' ہی کا ضروری حصہ ہے کہ (جب کہ قتل کر ڈالا تھا تم) لوگوں کے ایک فرد 'عامیل' کے چچازاد بھائی (نے) اُسی 'عامیل' کی (ایک جان کو) پھر قاتل ہی نے خون کا دعویٰ کیا اور دوسروں کو قاتل بتایا۔ جن کو قاتل بتایا تھا وہ اوروں کو قاتل بتانے لگے اور بنی اسرائیل کے تمام قبیلوں میں یہ نزاع فتنہ بن گئی۔ کیسی مجرمانہ چال تھی، کہ قتل کیا (پھر ایک دوسرے پر ٹھیلا تم نے)۔ ہر ایک جرم سے بری بننے لگا اور دوسرے کو مجرم بتانے لگا (اس) قتل کے (بارے میں) انکا مقصد تو یہ تھا کہ قاتل چھپا کا چھپا رہ جائے (اور اللہ ہے ظاہر فرمانے پر اسے جو تم) لوگ (چھپاتے تھے)۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ

پس حکم دیا ہم نے کہ مارو مقتول کو اسکے ایک ٹکڑے سے، اسی طرح زندہ فرمادے اللہ مردوں کو،

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں کہ اب تم عقل سے کام لو●

منشاءِ الٰہی تھا کہ قاتل کو ظاہر ہی کردیا جائے (پس حکم دیا ہم نے کہ) گائے کو ذبح کرکے (مارو مقتول) کی لاش (کو اس) گائے (کے) گلے، زبان، دمچی یا کسی عضو کے (ایک ٹکڑے) اور بوٹی (سے)۔ جب بنی اسرائیل نے یہی کیا تو عامیل زندہ ہوگیا اور اپنے قاتل، چچازاد بھائی کا نام بتایا اور سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوجاتا ہے۔ جو لوگ مرنے کے بعد زندگی کو نہیں مانتے، بنی اسرائیل کی عینی شہادت سے یقین کرلیں کہ (اسی طرح زندہ فرمادے اللہ) تعالیٰ (مردوں کو) انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات سے دنیا میں اور اپنی قدرتِ کاملہ سے حشر کیلئے (اور) اللہ تعالیٰ (دکھاتا ہے تمہیں) اے یہودیو، اس قسم کی (اپنی نشانیاں کہ) ابھی تک حماقت کرتے رہے تو (اب) سے (تم عقل سے کام لو) اور بے عقلی چھوڑ کر اس کے وفادار کامل ہوجاؤ۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر سخت ہوگئے تمہارے دل اس کے بعد تو وہ جیسے پتھر ہیں، بلکہ اور زیادہ سخت۔ اور بے شک کچھ پتھر ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا

کہ پھوٹ نکلتی ہیں جن سے نہریں۔ اور بیشک کچھ پتھر ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو نکل پڑتا ہے اس سے پانی۔ اور بیشک کچھ پتھر

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ہیں کہ گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف سے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم کرو●

مگر اے یہودیو کیسی بدبختی تمہاری ہے کہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھا مگر (پھر) بھی (سخت ہوگئے تمہارے دل اس کے بعد تو وہ) دل نہیں بلکہ (جیسے پتھر ہیں) اور پتھر کیا (بلکہ اور زیادہ سخت)۔ پتھر کے متعلق حدیثوں میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام پر ایمان لایا، ان کا کلمہ پڑھا، ان پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا (اور) اتنا تو ساری دنیا دیکھتی ہے کہ (بیشک کچھ پتھر ہیں) اس قسم کے فیض رساں (کہ پھوٹ نکلتی ہیں جن سے نہریں) پتھر میں شگاف پڑا، اس سے پانی کا دہانہ کھلا، اور بڑھ کر نہر کی صورت میں ہوگیا

(اور بیشک کچھ پتھر) اس قسم کے (ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں) اور شگاف پڑ جاتا ہے (تو) رِس رِس کر (نکل پڑتا ہے اس سے پانی) اور اس سے بھی لوگ کچھ نہ کچھ فائدہ پاتے ہیں (اور بیشک کچھ پتھر) اس قسم کے (ہیں) کہ گو پانی کا کوئی فیض ان میں نہ ہو مگر وہ اپنے خالق و مالک کو ایسا ڈرتے رہتے ہیں (کہ) اس کا حکم پاکر (گر پڑتے ہیں) چوٹی سے وادی میں گرتے پڑتے آجاتے ہیں (اللہ کے خوف سے) (اور) تمہارے دل ایسے گئے گذرے ہیں کہ جن میں سوا غفلت، کچھ نہیں ہے۔ اے غافلو! تم غفلت سے کام لو تو اس کو سمجھ رکھو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ ہرگز (غافل اس سے جو) بھی (تم) کیا (کرو) وہ تمہاری ہر چال کو جانتا ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

تو کیا تم لوگ لالچ کرتے ہو اسکی کہ یہ سب مان جائیں تمہیں؟ حالانکہ بیشک انکی جمعیت والے تھے کہ سنا کریں اللہ کے کلام کو،

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر کچھ کا کچھ کر دیں اس کو اسکے بعد کہ وہ سمجھ چکے ہیں اسے، اور وہ دانستہ کیا کریں ●

اے مسلمانو! بولو (تو) کہ (کیا) اپنے پیغمبر کی امید کی طرح (تم لوگ) بھی (لالچ کرتے ہو اسکی) اور جی جان سے چاہتے ہو (کہ یہ سب) یہودی لوگ (مان جائیں تمھیں) اور تمہاری طرح سے مسلمان ہو جائیں (حالانکہ) حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پر جو ۷۰/ستر لوگ گئے تھے ان سے لیکر آج تک یہودیوں کی خمیر دیکھ رہے ہو کہ (بیشک ان) ہی (کی جمعیۃ) اور پارٹی (والے تھے) اور ہیں (کہ) سننے کو تو (سنا کریں اللہ کے کلام) توریت (کو) مگر۔

(پھر) جس سے رشوت پائیں اسے اسکی جیسی بتائیں اور جس سے کچھ نہ پائیں اسکو دھمکی کی بات سنائیں اور توریت والی بات سب سے چھپا ڈالیں۔ یوں (کچھ کا کچھ کر دیں اس) توریت (کو) اور یہ حرکت نا سمجھی میں نہیں، بلکہ (اس کے بعد کہ وہ سمجھ) بھی (چکے ہیں اسے) کہ توریت میں کچھ ہے اور وہ کچھ اور بک رہے ہیں (اور) انکا یہ رویہ کسی غلط فہمی سے بھی نہیں ہے بلکہ (وہ) یہ سب (دانستہ) خوب جان بوجھ کر ان حرکتوں کو (کیا کریں)۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّ

اور جب ملے مسلمانوں کو کہنے لگے کہ ہم ایمان لا چکے۔ اور جب اکیلا ہوا انکا کوئی کسی کے پاس، بکنے لگے کہ کیا بتا دیا کرتے ہو

ثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾

انھیں جو کچھ کھولا اللہ نے تم پر، تاکہ ہرادیں تم کو اس سے تمہارے پروردگار کے یہاں، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے ●

(اور) زمانہ، نزولِ قرآن میں سب کا چشم دید ہے کہ (جب) یہ یہودی کہیں بھی (ملے مسلمانوں) صحابہ رسول (کو) تو (کہنے لگے کہ ہم) تو تمہاری طرح (ایمان لا چکے) اور پیغمبر اسلام کو مان لیا، وہ حق ہیں، تم لوگ حق پر ہو، انکے فضائل وخصائص صاف صاف توریت میں موجود ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو مسلمانوں سے کہا (اور جب اکیلا ہوا انکا کوئی کسی کے پاس) تو اس تنہائی کی صحبت میں انکے سردار لوگ (بکنے لگے کہ) توریت میں پیغمبر اسلام کے جو فضائل ہیں اس کو تم کیوں ان لوگوں سے کہہ دیا کرتے ہو، یہ تمہاری کتنی بڑی غلطی ہے۔ سوچو کہ (کیا بتا دیا کرتے ہو انھیں جو کچھ کھولا) صاف صاف (اللہ) تعالیٰ (نے تم پر تاکہ) وہ لوگ حجت پکڑیں اور دلیل لائیں اور (ہرادیں تم کو اس سے) اس دنیا سے لیکر (تمہارے پروردگار کے یہاں) تک (تو کیا) ہار خود چاہتے ہو، اور (عقل سے کام نہیں لیتے)۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپائیں اور جو کچھ ظاہر کریں ●

کوئی ان یہودیوں سے پوچھے کہ (کیا یہ لوگ) اتنا بھی (نہیں جانتے کہ) وہ چھپائیں یا ظاہر کریں، اگر کوئی نہیں جانتا تو (بیشک اللہ) تعالیٰ تو (جانتا ہے جو کچھ) بھی (وہ چھپائیں) فضائل محمدیہ ﷺ کو (اور جو کچھ) بھی عوام اسے (ظاہر) کر دیا (کریں)۔ اُسی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان باتوں کی اطلاع دیدی اور پیغمبر نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا، تو اب یہودیوں کے چھپانے سے کیسے کچھ چھپ سکتا ہے۔ وہ صرف اپنے جاہل عوام ہی کو دھوکے میں رکھ سکتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

اور انکے بعض ان پڑھ ہیں، نہیں سمجھتے کتاب کومگر رٹے ہوئے الفاظ اور اوہام اور وہ نہیں ہیں مگر یہ کہ وہم پرستی کریں ●

(اور اُن) یہودیوں (کے) اندر (بعض) ایسے بھی ہیں جو بالکل (ان پڑھ ہیں)، نہ لکھنا جانیں نہ پڑھنا وہ لوگ ذرا بھی (نہیں سمجھتے کتاب) توریت (کو)، کہ آخر اس میں کیا فرمایا گیا ہے اس بارے میں۔ اُن کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں ہے، (مگر) بس زبان پر (رٹے ہوئے) بعض توریت کے (الفاظ) (اور) چالاک سرداروں کے دماغ میں ڈالے ہوئے (اوہام) جسکی کوئی سند نہیں محض بے تحقیق باتیں ہیں۔ (اور وہ) جاہل لوگ کچھ بھی تو (نہیں ہیں مگر) اُن کا کام (یہ) رہ گیا ہے (کہ) بے دلیل سنی سنائی باتوں پر (وہم پرستی) کیا (کریں)۔ یہ جاہل تو اپنی جہالت کی سزا ضرور ہی بھگتیں گے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا

تو ہلاکی ہے انکے لیے جو لکھیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے، پھر دعویٰ کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تا کہ لیں اسکے بدلہ

بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

تھوڑی سی قیمت، تو ہلاکی ہے انکے لیے اس سے جو لکھا انکے ہاتھوں نے، اور ہلاکی ہے انکے لیے اس سے جو کمائی کریں ●

مگر جن لوگوں نے فریب دے رکھا ہے۔ اُنکا حشر (تو) سخت عذاب اور (ہلاکی ہے اُن کے لئے جو) توریت کے اصل الفاظ کو بدل دیں اور اس کے بجائے (لکھیں) اپنے جی سے (کتاب) توریت (کو اپنے) ہی (ہاتھوں سے) جس کو ان سے پہلے کسی ہاتھ نے توریت میں نہیں لکھا تھا۔ مثلاً۔ توریت میں تو یہ مضمون لکھا تھا کہ پیغمبر آخرالزماں کا حلیہ ہے، موزوں قد، روشن خد، چشم سرگیں، زلف عنبریں، یہودیوں نے اس کو توریت سے کاٹ کر یہ مضمون لکھ دیا کہ، دراز قد، کنجی آنکھ، پریشاں بال، جو توریت میں دجال کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ دجالی حلیہ پیغمبر کا ہو ہی نہیں سکتا۔ عوامِ یہود چونکہ اُس حلیہ کو، پیغمبر اسلام میں نہیں پاتے تھے، لہٰذا آپ کو پیغمبر آخرالزماں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اور یہی یہودی سرداروں کا، اس تحریف سے منشا بھی تھا۔ مگر کتنی بڑی جسارت تھی کہ لکھیں خود ہی اپنے دل سے (پھر دعویٰ کریں کہ یہ) ہماری من گڑھت نہیں ہے، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) ہی کہا گیا (ہے)۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے عوام ان کے قابو سے باہر نہ ہوسکیں، اور وہ اپنے دستور کے موافق

ان سے چندہ وغیرہ خوب کماتے کھاتے رہیں۔

چنانچہ ساری یہ مجرمانہ حرکتیں اسی لئے تھیں (تا کہ لیں اسکے بدلہ) دنیا کی (تھوڑی سی) ذلیل وبے مقدار (قیمت)۔ پیٹ پالنے اور روپیہ کمانے کا یہ کتنا بُرا طریقہ ہے (تو) سخت عذاب اور (ہلاکی ہے اُن کیلئے اُس) مضمون کی وجہ (سے جو) بالکل غلط (لکھا اُن) یہودیوں (کے ہاتھوں نے) (اور) سخت عذاب و (ہلاکی ہے اُن) یہودیوں (کیلئے اُس) اُن کی آمدنی (سے جو) وہ اس طریقہ سے (کمائی کریں)۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا

اور کہہ گزرے کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ، مگر چند دن کو، پوچھو کہ کیا لے رکھا ہے تم لوگوں نے اللہ کے یہاں کوئی عہد؟

فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

تواب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ اپنے عہد کو، یا بک رہے ہو اللہ پر جس کو تم خود نہیں جانتے ●

حرکتیں تو اُسی قسم کی کمینہ پن کی ہیں (اور) اس پر مزاج ایسا ہے کہ اپنے لئے ڈینگ لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی (**کہہ گذرے کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو**) جہنم کی (**آگ**) (**مگر**) بس گنتی کے (**چند دن کو**) جو کم سے کم 'سات دن' اور زیادہ سے زیادہ 'چالیس دن'۔

سات دن اس حساب سے، کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے، ہر ہزار میں سے ایک دن لیا جائے گا۔ اور چالیس دن اس حساب سے، کہ ہمارے مورثوں نے جس چلہ میں گئو سالہ پرستی کی تھی وہ چالیس دن تھی۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ چالیس دن، ہم کو جہنم میں رہنا ہوگا۔ پھر اس سے نکال لئے جائیں گے۔ بعض چالیس کا حساب یوں بتاتے تھے کہ ہمارے مورثوں کی ایک خطا پر اللہ تعالیٰ نے چالیس دن تک عذاب دینے پر قسم کھالی ہے۔ بس اسی قسم کو اتارنے کیلئے، وہ ہم کو صرف چالیس دن جہنم میں رکھے گا اور پھر جنت دے دیگا۔

ان فرضی حساب بتانے والوں سے ذرا یہ تو (**پوچھو کہ**) اے یہودیو! یہ تو بتاؤ کہ (**کیا لے رکھا ہے**) اور اقرار کرلیا ہے (**تم لوگوں**) اور تمہارے مورثوں (**نے اللہ**) تعالیٰ (**کے یہاں کوئی**) وعدہ، و(**عہد**) وپیمان۔ توریت بھر میں کہیں کوئی اس کا نشان بھی ہے، شریعت موسیٰ میں کہیں اسکا کچھ پتہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے عہد کرلیا (**تواب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ**) تعالیٰ (**اپنے عہد کو**)۔ اس

میں شک نہیں کہ عہد الٰہی کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ عہد جھوٹ ہوجائے گا اور جھوٹ کا امکان بھی وعدۂ الٰہیہ میں نہیں ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ وعدہ وعہد، تم کو کس دلیل سے معلوم ہوا؟ (یا) سچی بات تو یہ ہے کہ (بک رہے ہو) محض بے دلیل، بے ثبوت (اللہ) تعالیٰ (پر) ایسی من گڑھت بات، (جس) کے ٹھیک ہونے (کو تم خود) بھی (نہیں جانتے)۔ جاہلوں کو تو کسی بات کا بھی علم نہیں اور جو علم والے ہیں وہ اپنی من گڑھت کو خوب جان رہے ہیں۔ اور ڈینگ کی درستگی کے بارے میں وہ علم کہاں سے رکھیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

ہاں ہاں جس نے کمایا برائی کو اور گھیر لیا اُسے اس کے جرم نے، تو وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

جہنم والے ہیں۔ وہی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ●

(ہاں ہاں) جنتی، جہنمی، کو اللہ تعالیٰ سے سننا چاہتے ہو، تو اسکا فرمان سنو، کہ (جس نے) اپنے کسب وخواہش سے (کمایا) شرک وکفر کی (بُرائی کو) (اور) اس سے کبھی باز نہ آیا، بلکہ (گھیر لیا اسے اسکے جرم) کفر وشرک (نے) جس سے مرتے دم تک چھٹکارا نہ ملا، اور شرک وکفر کی وجہ سے اسکے کسی فعل کو نیک نہ قرار دیا گیا (تو) اے یہودیو! اپنے انجام کو کہ (وہ جہنم والے ہیں)۔ اور ایسے نہیں کہ چند روز اس میں رہ کر پھر نکل پڑیں، بلکہ (وہی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹

اور جو مسلمان ہوگئے اور کیے کرنے کے قابل کام، وہ جنت والے ہیں۔ وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

(اور) اے یہودیو! سنو کہ تم کو جنت سے کیا واسطہ، وہ تو ان کیلئے ہے (جو مسلمان ہوگئے) یہودیت، نصرانیت، بت پرستی اور ہر قسم کے کفر وشرک کو ٹھکرایا، اور پیغمبر اسلام کے وفادار ہوگئے۔ ان کو مانا (اور) ان کی ہدایت پر چلے اور (کیے) ایسے کام جو (کرنے کے قابل کام) ہیں۔ ایسے نیکیوں والے (وہ) ہیں، جو صحیح طور پر (جنت والے ہیں) (وہی) اور صرف وہی (اس) جنت (میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ

اور جب کہ لیا ہم نے مضبوط عہد اولاد یعقوب کا کہ نہ پوجیں اللہ کے سوا، اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا

بھلائی کرنے کا، اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں سے، اور بولا کرو لوگوں کی بھلائی کیلئے اچھی بولی، اور ادا کرتے رہو

الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

نماز کو، اور دیتے رہو زکوۃ کو۔ پھر پلٹ گئے تم لوگ مگر تھوڑے تم میں سے، اور تم لوگ روگردانی کرتے رہنے والے ہو ●

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جبکہ لیا) تھا (ہم نے) پختہ اور (مضبوط عہد) سارے (اولاد یعقوب کا)۔ عہد قدیم سے لیکر آج تک، یہودیوں کو سخت تاکید کے ساتھ حکم دیا تھا (کہ نہ پوجیں اللہ کے سوا)۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(اور) معبودِ برحق کے اس حق کو ادا کرنے کے ساتھ، حکم دیا گیا تھا کہ (ماں باپ سے) جو تمہاری پیدائش اور وجود کے وسیلہ ہیں (بھلائی کرنے کا)۔ غلام بنے رہو، فرماں برداری کرو، حاضر خدمت رہو، ادب آداب بجالاؤ، حاجتیں پوری کرتے رہو، انکے غم وغصہ کو سہو، اور خود انکی کسی سختی پر اُف نہ کرو، فرائض وواجبات کے سوا، جسکو وہ چھوڑنے کو کہیں چھوڑ دو، اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو، تو انکے ہر فرمان کی تعمیل کرو، وہ گنہگار ہوں تو سلیقہ کے ساتھ انکو گناہ سے بچنے کی تلقین کرو، وہ معاذ اللہ کافر ہوں، تو نرمی کے ساتھ انکو مسلمان بنانے کی ہر کوشش کو انجام دو، (اور) انھیں ماں باپ کی وجہ سے جو رشتہ دار ہوں، ان رشتہ داروں اور (قرابت والوں) سے بھی نیک برتاؤ کرو، کہ تمہارے ماں باپ کے رشتہ دار ہیں۔ (اور) اسی کے ساتھ (یتیموں) سے اچھا سلوک کرو۔ جو نابالغ ہیں اور باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے۔ اب اسکا کوئی باپ جیسا مربی وخیر خواہ نہ رہا، تو تم لوگ سب اسکے باپ بن جاؤ۔

(اور) اسی کے ساتھ (مسکینوں سے) بھی نیک سلوک کرتے رہو، کہ وہ تو اب خانماں برباد اور نادار ہو چکے ہیں۔ ان کی خبر گیری تم سب کو کرنی ہے (اور) یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی بولی پر قابو رکھو۔ اور (بولا کرو) تو (لوگوں کی بھلائی کیلئے) بولا کرو۔ جس بولی کو کہا جاسکے کہ (اچھی بولی) ہے، حمد الٰہی کی بولی، نعت رسول کی بولی، تعظیم شعائر اللہ کی بولی، خوف الٰہی پیدا کرنے والی بولی، نیکی کی طرف جھکا دینے والی بولی، برائیوں سے نفرت پیدا کر دینے والی بولی، اللہ تعالیٰ کا نام لو، تو صرف اللہ صاحب نہ کہا کرو، کہ اتنا تو ہر کافر بھی کہہ دے گا، بلکہ کم سے کم اللہ تعالیٰ تو کہو۔ رسول کا نام لو، تو صرف نبی صاحب

نہ کہو، کہ اتنا تو ہر کافر بھی کہہ دیتا ہے، بلکہ درود شریف اور بلند خصوصیات والے الفاظ سے نام لو۔ اور انکی خوبیوں کی برتری بیان کرتے رہو، چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

(اور) بھلائی کرنا اور اچھی بولی بولنا اس کو تو تم خود بھی جانتے ہو، اسکی تفصیل تمہارے عرف ورواج میں موجود ہے، اور تمہارا عرف ہی حجت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں تمہارا جاہلانہ دستور، بالکل غلط ہے۔ اسکا طریقہ یہی ہے کہ (ادا کرتے رہو نماز کو) جس طرح انبیاء ادا کرتے رہے۔ (اور دیتے رہو زکوٰۃ کو) جس طرح ہماری شریعتوں میں حکم ہے۔ تم لوگوں نے ان احکام کو پایا اور عہد بھی کیا، مگر (پھر پلٹ گئے تم لوگ) سب کے سب، (مگر تھوڑے تم میں سے) جیسے عبداللہ ابن سلام اور انکے رفقاء (اور) تمہاری سرشت کی تاریخ ہے۔ ظاہر ہے کہ (تم لوگ) ہمیشہ سے (روگردانی کرتے رہنے والے ہو) بغیر روگردانی کے تمہارا جی نہیں بھرتا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

اور جبکہ لیا ہم نے مضبوط عہد تمہارا کہ نہ بہاؤ خون اپنوں کا، اور نہ نکال باہر کر دیا کرو تم اپنوں کو اپنی

دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

آبادیوں سے۔ پھر اقرار کر لیا تم نے اور تم خود چشم دید سا جانتے ہو●

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جب کہ لیا) تھا (ہم نے) تاکید شدید کے ساتھ (مضبوط عہد تمہارا) تمہارے مورثوں کے زمانے سے اب تک، (کہ نہ بہاؤ خون اپنوں کا)۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو (اور نہ نکال باہر کر دیا کرو تم اپنوں کو) نہ تو کسی کو اسکے گھر سے زبردستی نکالو، نہ ایسا ظلم کرو کہ وہ مجبور ہو کر نکل جائے (اپنی آبادیوں سے)۔

اگر باہم خونریزی و ظلم پر اتر آ ؤ گے تو اتفاق کی جگہ باہمی نفاق پیدا ہوگا، اور قومی شیرازہ بکھر جائے گا۔ پھر جو دشمن چاہے گا اس سے فائدہ اٹھا کر ساری قوم کو دبا لے گا، اور تم سے کچھ کرتے نہ بنے گا۔ تم نے ان احکام کو سنا (پھر اقرار) بھی (کر لیا تم نے) کہ ان احکام کی پوری پابندی کی جائے گی (اور) اے یہودیو! یہ واقعہ ایسا ہے کہ اپنے بارے میں (تم خود) ہی دیکھ رہے ہو اور اپنے مورثوں کے بارے میں اس کو (چشم دید سا جانتے ہو) اس کی روایت تمہارے پاس تواتر کے ساتھ موجود ہے: جس سے انکار کرنا، آنکھ دیکھے سے انکار کرنے کے، برابر ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ

پھر تمہیں وہ ہو کہ قتل کرواپنوں کو، اور نکال باہر کرتے رہو ایک فریق کو اپنے ان کی بستیوں سے۔

تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِؕ وَ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ

مدد کرتے رہو ان کے خلاف گناہ اور ظلم میں۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی، مال دے کر چھڑا لیتے ہو انہیں، حالانکہ

مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍۚ

حرام ہے تم پر ان کا نکال باہر کرنا۔ تو کیا مانا کرو کچھ کتاب کو، اور انکار کر دیا کرو کچھ کا؟

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

تو کیا سزا ہے اس کی جو کرے یہ تم میں سے، مگر رسوائی دنیاوی زندگی میں، اور قیامت کے دن

یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝

ڈھکیل دیے جائیں سخت تر عذاب کی طرف۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے رہو●

مگر اب یہ دیکھو کہ **(پھر تمہیں وہ ہو)** کہ مدینہ میں دو جمعیۃ قائم ہے۔ ایک بنی اوس کی، دوسری بنی خزرج کی۔ اور دینی طور پر تم کو ان دونوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ تم اہل کتاب ہو، وہ بت پرست ہیں۔ تمہارا دین انبیاء لے کر آئے، ان کا دین ان کے دماغی اوہام کی پیداوار ہے۔ ایسے کھلے ہوئے اغیار سے محض نفع دینا، اور تمنائے نمائندگی کیلئے تمہارا طریقہ یہ ہے کہ تم میں کچھ لوگ بنی نضیر ہیں اور کچھ لوگ بنی قریظہ ہیں۔ ان میں سے بنی نضیر، خزرج کی پارٹی کے ممبر بن گئے اور بنی قریظہ نے بنی اوس کی پارٹی میں داخلہ کرالیا۔ بنی اوس اور بنی خزرج میں دھینگا مشتی، جھگڑا لڑائی، اٹھا پٹک، پہلے ہی جاری تھا۔

جب دیکھو میدانِ جنگ سامنے ہے اس میں تم لوگ اپنی اپنی پارٹی کے حق میں، اپنے دین کو بھلا کر رہے اور جنگ میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی، کہ۔۔۔ تمہارے ہاتھ سے تمہارے دین کو ماننے والا قتل نہ ہو۔ بلکہ مشرکین کے ساتھ تم بھی عادی ہو گئے **(کہ قتل کرو اپنوں کو)** اپنے ہاتھ سے خود اپنے دین والے کو قتل کر ڈالو **(اور نکال باہر کرتے رہو ایک فریق کو)** جو خود تمہارے **(اپنے)** دین کا ہے **(ان کی بستیوں)** اور گھروں **(سے)** اور مجرمانہ عادت کے مطابق **(مدد کرتے رہو)** اپنی اپنی مشرک پارٹی کی **(ان)** بیچارے اپنے دین والوں **(کے خلاف گناہ)** حکم الٰہی توڑنے **(اور)** ان مشرکین کے **(ظلم)** کرنے **(میں)**۔

مشرکین کے رنگ میں رنگ اٹھے ہو اور ان کے جور و ستم کے آلۂ کار بن چکے ہو **(اور)** خاتمہ،

جنگ پر (اگر آئیں تمہارے پاس قیدی) کوئی یہودی جس کا دین تمہارا دین ہے، اور جس کو چھڑانا تمہارے لئے دینی حکم ہے، تو اس وقت تم کو اپنا دین یاد آتا ہے، اور (مال دے کر چھڑا لیتے ہو انھیں)۔ اور ڈینگ مارتے ہو کہ حکم توریت سے یہ مالی قربانی کرتے ہو (حالانکہ) اگر تم میں کتابِ الٰہی کا کچھ بھی پاس ہوتا، تو اس میں تو صاف موجود ہے کہ (حرام ہے تم پر انکا) سرے سے (نکال باہر کرنا) ہی۔ تو پھر تم نے انھیں کیوں ستایا اور ظلم کرنے لگے، کہ انھیں قیدی ہونا پڑا (تو) اے یہودیو (کیا) تم لوگوں نے یہی رویہ پسند کر لیا ہے کہ (مانا کرو کچھ) مسئلوں میں (کتاب) توریت (کو) جس کے ماننے اور کرنے میں تمہارے ذاتی مفاد اور جمعیۃ کے مفاد کو چنداں نقصان نہ ہو، (اور انکار کر دیا کرو کچھ) مسائل (کا) جس میں تمھیں اپنی ذاتی غرض اور جمعیۃ کی غرض بگڑتی نظر آئے۔

یہ طریقہ اسی کا ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حرامِ قطعی کو حلال جانے، اور حرامِ قطعی کو حلال جاننا کفر ہے۔ (تو) اے یہودیو تم ہی بتاؤ کہ (کیا سزا ہے اس) مجرم کافر (کی جو) کافروں کے میل جول سے حرام قطعی کو حلال جان کر (کرے یہ) خطرناک جرم (تم) یہودیوں آسمانی دین رکھنے والوں (میں سے) انکی سزا کیا ہوسکتی ہے؟ (مگر) یہ کہ (رسوائی) میں پڑے رہیں اپنی (دنیاوی زندگی میں)، نگاہوں سے گر جائیں اور کافروں کی خوشامد، غلامانہ کرتے رہیں۔

چنانچہ بنی قریظہ کی جمعیۃ قتل ہوئی اور قید میں ڈالی گئی۔ اور بنی نضیر کی پارٹی جلاوطن ہوگئی۔ یہ حشر تو دنیا میں ہوا (اور قیامت کے دن) ان کی سزا یہی طے ہے، کہ (ڈھکیل دیئے جائیں) جہنم کے (سخت تر عذاب کی طرف) (اور) اے یہودیو! تم کس بھول میں پڑے ہو اور کیا سمجھ رہے ہو، کہ تمہارے کرتوت پر اللہ تعالیٰ کی نظر نہیں ہے؟ یاد رکھو! کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر اس) تمہارے کردار (سے جو) بھی تم (کرتے رہو)۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ

وہ ہیں جنھوں نے مول لیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے، تو نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾ ع

اُن سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں ●

اس کو تمہارے ایک ایک کام کی پوری خبر ہے۔ سب لوگ اچھی طرح پہچان لیں، کہ ایسے

نامہ اعمال والے (وہ ہیں جنھوں نے مول) لے (لیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے)۔ دنیا کی لذت اور آخرت کی لذت جمع کیسے ہو۔ انھوں نے آخرت کی لذت کو چھوڑ دیا اور دنیا کی لذت کو خریدا۔ یہاں کا آرام واقتدار پسند کیا اور وہاں کی راحت سے بے پرواہ ہوگئے۔ (تو) جو انکا جی چاہتا ہے وہی برتاؤ ان سے آخرت میں کیا جائے گا۔ کہ (نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب) آخرت کو (اور) چونکہ وہ کفر پسندی سے کافر ہو چکے اور کافر اس دن نہ کسی کی مدد کر سکیں اور (نہ وہ مدد کئے جائیں) لہٰذا بے یارومددگار رہیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

اور یقیناً ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور لگاتار بھیجے ہم نے ان کے بعد بہت رسول۔ اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

مریم کو روشن نشانیاں اور تائید فرمائی ہم نے انکی روح القدس سے۔ تو کیا جب لایا تمہارے پاس کوئی رسول وہ جس کو نہیں چاہتا

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

تم لوگوں کا نفس، تم لوگ غرور کرنے لگے۔ تو کسی کو تم نے جھٹلا دیا، اور کسی کو شہید کر ڈالو●

(اور) اے یہودیو! ہمارا اکرم بالائے کرم دیکھو، کہ (یقیناً ہم نے دی موسیٰ کو کتاب) توریت، ایک ایک آیت یا ایک ایک سورت کی طرح نہیں، بلکہ ایک ہی دفعہ میں پوری توریت دیدی (اور) انکی شریعت کو چلاتے رہنے کیلئے (لگاتار بھیجے ہم نے) یکے بعد دیگرے آتے رہے (ان کے بعد) حضرت یوشع بن نون اور حضرت اشموئیل وحضرت داؤد اور حضرت سلیمان وحضرت ایلیا وحضرت حزقیل وحضرت الیاس وحضرت یونس وحضرت زکریا وحضرت یحییٰ وغیرہ (بہت)، تقریباً چار ہزار (رسول) اور جب وقت آیا کہ شریعت موسیٰ کی مدت ختم کردی جائے اور دوسری شریعت بھیجی جائے تو ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمایا۔

(اور دیں ہم نے) انھیں حضرت (عیسیٰ فرزند مریم کو) مردوں کو زندہ کرنے، اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے، غیب کی خبر بتانے، انجیل کی برکت لانے کی (روشن نشانیاں اور تائید فرمائی ہم نے ان کی) اور قوت بخشی (روح القدس سے)۔ انکا 'روح اللہ' لقب ہوا، اور روح الامین انکے ہر وقت، یوم ولادت سے تینتیس برس کی عمر تک، جب کہ وہ آسمان پر اٹھالئے گئے، ساتھ رہے۔

مگر اے ظالم یہودیو! تم اپنی شامت پر شامت دیکھو کہ کسی طرح تم اپنے انکار کی عادت کو نہ چھوڑ سکے۔
(تو) تمہارے موروثی نامہء اعمال سے خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ (کیا جب) بھی (لایا تمہارے پاس کوئی) بھی (رسول وہ) خدا کا پیغام (جس کو) کسی طرح (نہیں چاہتا تم لوگوں کا نفس) تو (تم لوگ) عادی ہو گئے ہو کہ بس فوراً (غرور کرنے لگے) اور پیغام لانے والوں کو دیکھا (تو کسی کو تم نے جھٹلا دیا اور) زیادہ زور دکھانے پر آؤ تو (کسی کو شہید کر ڈالو؟)۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اور بکنے لگے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں۔ بلکہ ملعون کیا ان کو اللہ نے انکے کفر کی وجہ سے، تو کچھ ہی انکے ایمان لائیں●

(اور) ہر نبی کے پیغام کو اور پیغمبر اسلام کے پیغام کو سن کر کچھ نہیں تو، یہی (بکنے لگے کہ) ہمیں آپ اپنا پیغام کیوں بیکار سناتے ہیں۔ کیونکہ (ہمارے دل) تو (غلاف میں ہیں)، وہاں تک کسی پیغام کے گھسنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور اس میں خود سارے علم بھرے ہوئے ہیں۔ انکی یہ بکواس تو بے معنی ہے (بلکہ) سچ تو یہ ہے کہ (ملعون کیا) اور اپنی رحمت سے محروم قرار دیا (انکو اللہ) تعالیٰ (نے) خود (انکے کفر) کی کمائی (کی وجہ سے) (تو) ہمیشہ یہی ہوگا کہ دوسری قوموں کے اعتبار سے، تعداد میں، یہودیوں میں سے (کچھ ہی انکے ایمان لائیں) تو لائیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ

اور جب آ گئی انکے پاس کتاب، اللہ کے پاس سے تصدیق کرنے والی اسکی جو انکے پاس ہے، اور وہ تھے پہلے سے کہ فتح طلب کیا کریں

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

ان پر جنھوں نے کفر کیا تھا، تو جب آ گیا انکے پاس جن کو پہچان چکے تھے تو انکار کر دیا انکا۔ تو پھٹکار ہے اللہ کی انکار کر دینے والوں پر●

(اور) یہودی فطرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ (جب آ گئی ان کے پاس کتاب) قرآنِ کریم (اللہ) تعالیٰ (کے پاس سے)، وہ ایسی کتاب ہے جو (تصدیق کرنے والی) ہے (اس) توریت (کی جوان) یہودیوں (کے پاس) حضرت موسیٰ کی دی ہوئی (ہے)۔ (اور وہ) یہودی (تھے) اس زمانے کے (پہلے) ہی (سے کہ) جنگ کے وقت ہر مصیبت میں (فتح) ونصرت (طلب کیا کریں ان) سارے اپنے دشمن قبائل، اسد وغطفان ومزنیہ وجھفیہ وغیرہم مشرکین (پر) (جنھوں

نے کفر کیا تھا) اور یوں دعا کرتے تھے کہ **یااللہ! ہماری مدد فرما، نبی آخرالزماں کے وسیلہ سے، جنکی نعت شریف توریت میں موجود ہے۔ یااللہ! ہماری مدد فرما، اور فتح دے، نبی امی کے صدقہ میں۔** اور مشرکین کو دھمکیاں دیتے تھے کہ نبی آخرالزماں جلد تشریف لارہے ہیں، تاکہ ہماری تصدیق فرمادیں۔ اس وقت ہم تم کو اس طرح قتل کرڈالیں گے جیسے قوم عاد وارم قتل کیے گئے تھے۔

یا توان کا یہ اچھا حال تھا کہ پیغمبر اسلام کا وسیلہ پکڑتے، انکا صدقہ مانگتے، ان کی آمد آمد کا تذکرہ علی الاعلان کرتے، یا (تو) اب یہ بُرا حال ہے کہ (جب آگیا) پیغمبر اسلام (انکے پاس جن کو) یہ یہودی پہلے ہی سے خوب (**پہچان چکے تھے تو**) دیدہ ودانستہ (انکار کردیا انکا) (تو) ایسے نانبجاروں کو اسکے سوا کیا کہا جائے، کہ (**پھٹکار ہے اللہ**) تعالیٰ (کی) ان سب (انکار کردینے والوں) اور ہٹ دھرم یہودیوں (پر)۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ

کتنا برا دام ہے وہ کہ خریدا انھوں نے جس سے اپنے نفس کو، یہ کہ انکار کردیا کریں اسکا جو اتارا اللہ نے! حسد میں اسکے کہ اتارتا ہے اللہ

مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں سے۔ تو ہو گئے غضب بالائے

عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹۰

غضب میں۔ اور انکار کردینے والوں ہی کیلئے عذاب ہے رسوائی والا●

یہودیوں کا (**کتنا برا دام ہے**) یہ کیسی بدقسمتی ہے، کون سا دام (**وہ کہ خریدا انھوں نے جس**) دام (**سے اپنے نفس کو**) اور اسکی قیمت میں (**یہ**) کیا کریں (**کہ انکار کردیا کریں اسکا جو اتارا اللہ**) تعالیٰ (**نے**) محض بے دلیل، صرف اس (**حسد میں**) اور (اس) جلن (**کے**) سبب (**کہ**) وہ چاہتے کہ جو نبی ہو، وہ انہیں کی قوم بنی اسرائیل میں ہو۔ اور بنی اسماعیل وغیرہ میں کبھی نہ ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اسکا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا کوئی کیسے پابند کرسکتا ہے۔ اسکا دستور یہ ہے کہ (**اتارتا ہے اللہ**) تعالیٰ اپنے پیغام کو (**اپنے فضل سے، جس پر**) بھی وہ (**چاہے اپنے بندوں**) میں (**سے**)۔

یہودیوں کے اس کافرانہ بے وجہ انکار میں، ایک تو اللہ تعالیٰ کو پابند کرنے کا کفر ہے، دوسرے صرف اسی وجہ سے کلام الٰہی کا انکار، کافرانہ طرز عمل ہے۔ پھر پیغام الٰہی کا انکار کسی وجہ سے بھی ہو، خود

کفر ہے۔ پھر اس میں نبی کی نبوت کا انکار ہے، وہ بھی خود کفر۔۔۔ نبی میں ایک نہیں کتنے انبیاء کا انکار ہے، جو کفروں کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔ (تو) ان کفر بالائے کفر کی وجہ سے سارے یہودی (ہو گئے غضب بالائے غضب میں) دنیا و آخرت میں۔ (اور) یوں تو عذاب فاسقوں پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن ان (انکار کر دینے والوں ہی کیلئے) اس قسم کا (عذاب ہے) جو (رسوائی والا) ہے۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ

اور جب کہا گیا انکے بھلے کو کہ مان جاؤ جو کچھ اتارا ہے اللہ نے، جواب دیا کہ ہم مانتے ہیں جو کچھ اتارا گیا ہم پر اور انکار رکھتے ہیں

بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ

جو کچھ اسکے سوا ہے، حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے والا اسکے لئے جو انکے پاس ہے۔ جواب دو کہ پھر کیوں شہید کرنے کے عادی ہو

اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾

اللہ کے نبیوں کو پہلے سے، اگر تم تھے بڑے ایمان والے؟ ●

(اور) اس ڈھٹائی کو کیا کہا جائے کہ (جب) بھی (کہا گیا ان) یہودیوں (کے بھلے کو) اور سمجھایا گیا (کہ) تم بھی (مان جاؤ) سب مسلمانوں کی طرح (جو کچھ) قرآن میں (اتارا ہے اللہ تعالیٰ (نے)۔ تو اللہ تعالیٰ سے نڈر ہو کر یہودیوں نے (جواب دیا کہ ہم) بس وہی (مانتے ہیں جو کچھ) توریت میں (اتارا گیا) ہے (ہم) بنی اسرائیل (پر) (اور انکار رکھتے ہیں) قرآن سے اور (جو کچھ) بھی (اس) توریت (کے سوا ہے)۔ (حالانکہ وہ) قرآن، بلا شک وشبہ (حق ہے) یہودی لوگ خود بھی دیکھ رہے ہیں کہ قرآنِ پاک (تصدیق کرنے والا) ہے (اس) توریت و شریعت موسیٰ (کیلئے جو انکے پاس) حضرت موسیٰ کے زمانے سے (ہے)۔ اے پیغمبر اسلام انکی اس بولی کا (جواب دو کہ) بڑے توریت و شریعت موسیٰ کے ماننے والے رہے ہو، تو یہی بتا دو کہ (پھر کیوں) زمانہء موسیٰ سے (شہید کرنے کے عادی ہو اللہ) تعالیٰ (کے نبیوں کو پہلے) ہی (سے) (اگر) واقعی (تم) اپنے دعویٰ کے مطابق (تھے بڑے ایمان والے)۔

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اور یقیناً لائے تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں، پھر بت بنا لیا تم نے گئوسالہ کو ان کے بعد، اور تم لوگ اندھیر والے ہو●

(اور) اے یہودیو کیا بھول گئے کہ (یقیناً لائے تمہارے پاس موسیٰ) ہماری دی ہوئی (روشن نشانیاں) کھلے کھلے احکام، صاف صاف معجزات، تو (پھر) کیا تم نے کسی کو مانا؟ تم نے تو یہ کیا کہ (بت بنالیا تم نے گئوسالہ کو انکے) طور پر جانے کے (بعد) تم تو حضرت موسیٰ کے بھی کافر ہی رہے (اور) تمہاری موروثی تاریخ سے ظاہر ہے کہ (تم لوگ) عادی طور پر (اندھیر والے ہو) بے اندھیر مچائے تمہارا جی نہیں بھرتا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

اور جبکہ لیا ہم نے مضبوط عہد تمہارا اور اٹھا کر کر دیا تمہارے اوپر طور کو، کہ لو جو کچھ دیا ہے ہم نے تمہیں مضبوطی سے اور کان لگاؤ،

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

سب بولے کہ سنا ہم نے اور نہیں مانا، اور پلا دیے گئے اپنے دلوں میں گئوسالہ اپنے کفر کی وجہ سے۔

قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۟

کہہ دو کہ کتنا برا ہے حکم دیتا ہے تمہیں جس کا تمہارا ایمان، اگر تم ایمان والے ہو ●

(اور) اے یہودیو! کتنے بڑے ڈھیٹ ہو، یاد کرو (جب کہ لیا) تھا (ہم نے) تاکید شدید کے ساتھ (مضبوط عہد تمہارا اور) طریقہ یہ برتا کہ (اٹھا کر کر دیا تمہارے) موروثوں کے سروں کے (اوپر طور کو کہ) اپنی خیریت چاہتے ہو تو بس لے (لو جو کچھ دیا ہے ہم نے تمہیں) حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے، خوب اچھی طرح (مضبوطی سے اور) ہمارے پیغام پر اچھی طرح (کان لگاؤ) غور سے سنو، اس پر عمل کرو، ورنہ ابھی تم کو پیس کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ سر پر فرشتوں کا پہاڑ کو اٹھا کر لے آنے کا نقشہ، ایسا تھا کہ کوئی اور ہوتا تو اس کا دل ہل جاتا، اور وہ مخلص بندہ بن جاتا، مگر اے یہودیو! ذرا اپنے باپ دادا کو دیکھو، کہ اس موقع پر بھی (سب بولے) تو یہ بولے (کہ) پہاڑ کے ڈر سے سننے کو تو خوب (سنا ہم نے) (اور) اگر ماننے کو کہئے، تو ہمارے قول و فعل سے ظاہر ہے کہ ہم نے (نہیں مانا) (اور) اصل بات تو یہ تھی کہ (پلا دیئے گئے) تھے بنی اسرائیل (اپنے دلوں میں) گویا انکی گھٹی میں (گئوسالہ) پرستی پڑ گئی تھی محض (اپنے کفر کی وجہ سے)۔ یہودیوں سے یہ بھی ان کی ایمانی ڈینگ کے جواب میں (کہہ دو کہ) اگر تمہارا یہ طرز عمل، بہ تقاضائے ایمان تھا، تو (کتنا برا) کام (ہے)، وہ کام، (حکم دیتا ہے تمہیں جس کا تمہارا ایمان، اگر تم ایمان والے) بنتے (ہو)۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

پوچھو کہ اگر ہے تمہارے ہی لیے دارِ آخرت اللہ کے پاس خالص، سب کو چھوڑ کر،

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو آرزو کرو مرنے کی، اگر ہو سچے●

یہ یہودیوں نے خوب بے پر کی اڑا رکھی ہے کہ آخرت کی نجات صرف انھیں کیلئے ہے۔ اور کوئی نجات نہ پائے گا۔ بھلا ان سے (**پوچھو کہ اگر ہے**) صرف (**تمہارے ہی لئے دارِ آخرت**) کا عیش (**اللہ**) تعالیٰ (**کے پاس**) بلا شرکتِ غیرے (**خالص**) تمہارے لئے (**سب**) لوگوں (**کو چھوڑ کر**) تو پھر موت کا نام سن کر کیوں جھجک جاتے ہو؟ کیوں اس دعا پر، مسلمانوں کے سامنے آ کر راضی نہیں ہوتے۔ کہ یا اللہ! جو ناحق پر ہو اسکی موت آ جائے اور کیوں نہیں موت کی تڑپ رکھتے ہو، تا کہ عیش آخرت جلد پا جاؤ۔ تمہیں (**تو**) چاہیے کہ (**آرزو کرو مرنے کی اگر**) اپنے دعوے میں تم لوگ (**ہو سچے**)۔ مرنے کا شوق مسلمانوں میں دیکھو کہ راہِ خدا پر مرنے کیلئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں اور اس کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور زندگی صرف اتنے کیلئے پسند کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں جمع کر لیں اور زیادہ سے زیادہ توبہ کی دولت حاصل کر لیں۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہرگز آرزو نہ کریں گے اسکی کبھی ان جرموں کے سبب جو پہلے کر چکے انکے ہاتھ۔ اور اللہ جاننے والا ہے اندھیر مچانے والوں کو●

(**اور**) رہے اس بارے میں یہودی، تو ہم غیب کی خبر دیئے دیتے ہیں کہ (**ہرگز**) وہ لوگ (**آرزو نہ کریں گے اس**) موت (**کی کبھی**) کیوں؟ تو (**ان جرموں کے سبب جو پہلے**) ہی (**کر چکے**) تھے، (**ان کے ہاتھ**) (**اور**) وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ (**اللہ جاننے والا ہے**) ان سب (**اندھیر مچانے والوں کو**)۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ

اور ضرور پاتے رہو گے تم انکو سب سے زیادہ لالچی زندگی پر۔ اور ان سے جنہوں نے شرک کر رکھا ہے، چاہتا ہے ہر ایک انکا کہ کاش زندہ رکھا جائے

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۟

ہزار سال۔ حالانکہ دور کرنے والا نہیں ہے اس کو عذاب سے معمر ہو جانا۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ کرتوت کریں ●

(اور) یہ بھی غیب کی خبر سن لو، کہ اے مسلمانوں ہمیشہ (ضرور پاتے رہو گے تم ان) یہود یوں (کو سب) جہان بھر (سے زیادہ لالچی زندگی پر) (اور) یہ لالچ زندگی کی (ان) بت پرستوں (سے) بھی ہوتی رہے گی (جنھوں نے شرک کر رکھا ہے)۔ ان دونوں قوموں کا حال یہ ہے کہ (چاہتا ہے ہر ایک) شخص (ان کا کہ کاش) وہ کبھی نہ مرے اور (زندہ رکھا جائے) کم از کم (ہزار سال) تک۔ مشرکین عجم نے تو اپنا سلام بنا رکھا تھا کہ 'زہ ہزار سال' (حالانکہ) وہ کتنا بھی جئیں، پھر بھی (دور کرنے والا نہیں ہے اس کو عذاب) الٰہی (سے)، محض اس کا (معمر ہو جانا)۔ (اور) زیادہ جینے سے کیا ہوتا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں گے؟ یاد رکھیں کہ (اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے) انکی عمر کو نہیں بلکہ (جو کچھ) وہ (کرتوت کریں)۔ سارا مدار عمل پر ہے، عمر پر نہیں ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

کہہ دو کہ کون ہے دشمن جبرئیل کا، کہ بے شک اس نے تو اتارا اس کو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے، جو تصدیق کرنے والا ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۟

اس کا جو اسکے آگے ہے، اور ہدایت اور خوش خبری ہے مان جانے والوں کیلئے ●

کیسے احمق ہیں یہودیوں میں سے، عبد اللہ ابن صوریا اور اسکی بات ماننے والے لوگ، جو حضرت جبرئیل کو اپنا دشمن اس بناء پر کہتے ہیں کہ قوم یہود پر جتنے عذاب آئے، وہ حضرت جبرئیل ہی لائے۔ یہودیوں نے اپنے نبی سے سن لیا تھا کہ بیت المقدس کی فلاں قوم میں ایک شخص پیدا ہوگا جو لوٹ لیگا، اور یہودیوں کا قتل عام کرے گا۔ وہ لڑکا پیدا ہوا، اسکا نام 'بخت نصر' تھا۔

یہودیوں نے چاہا کہ اسکو بچپن ہی میں مار ڈالیں، لیکن جب، سب بہ ارادۂ قتل اس تک پہنچے، تو جبرئیل تھے جنھوں نے اس کو قتل سے بچا لیا۔ اور بالآخر اسکے ظلم سے یہودی خانماں برباد ہو گئے۔ اب بھی وہ جبرئیل ہی ہیں جو پیغمبر اسلام کے پاس آکر ہماری رسوائی کی داستان بتا جاتے ہیں، اور ہمارے بھید کو کھول دیتے ہیں۔ ہم لوگ تو میکائیل کو پسند کرتے ہیں اور جبرئیل کو جنم کا اپنا دشمن جانتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ضد میں وہ قرآن لیکر آتے ہیں، تو ہم دشمن کی لائی ہوئی کتاب کو نہ مانیں گے۔

ان احمقوں سے اے پیغمبر اسلام (کہہ دو کہ) اے یہودیو! آخر تم میں سے (کون ہے دشمن جبرئیل) کی معصوم ذات (کا)۔ آج تک جبرئیل نے جو کچھ کیا، از خود نہیں کیا، اپنے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے رہے اور اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہی ہیں۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے بلکہ دیکھ لو (کہ **بیشک اس**) جبرئیل (**نے تو اُتارا اس**) قرآن (**کو**) پڑھتے، سمجھاتے، یاد کراتے ہوئے، (**تمہارے دل**) حفظ منزل (**پر**) اپنی خودرائی سے نہیں بلکہ (**اللہ**) تعالیٰ (**کے حکم سے**)، تو ان سے دشمنی حماقت ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہوئی، اور پھر حضرت جبرئیل یہودیوں کے خلاف کیا لا رہے ہیں۔ وہ قرآن لائے تو ایسا (**جو تصدیق کرنے والا ہے اس**) توریت وانجیل وزبور وصحف انبیاء (**کا جو اسکے**) بہت (**آگے**) سے اللہ تعالیٰ کا اُتارا ہوا (**ہے**)۔

اپنی تصدیق کو لیکر آنے والے کو اپنا دشمن کہنا، پلّے سرے کی کافرانہ حماقت ہے (**اور**) اس قرآن میں کوئی گتھی اور تاریکی نہیں ہے، بلکہ وہ سراپا (**ہدایت**) ہے (**اور**) اس میں عذاب کا شائبہ بھی نہیں ہے، بلکہ عذاب سے بچانے کی ہر تدبیر اس میں ہے۔ وہ تو صاف صاف (**خوشخبری ہے**) سارے (**مان جانے والوں کیلئے**) ہدایت وبشارت کو عذاب سمجھنا، نرے پاگل کافر کا کام ہے۔ ذرا یہودیوں کی اس چالبازی کو دیکھو کہ اپنا دشمن نہ خدا کو زبان سے کہیں، نہ فرشتوں کو، نہ رسولوں کو، اور نہ میکائیل کو، صرف جبرئیل کو دشمن کہتے ہیں۔ حالانکہ جبرئیل کی دشمنی جس سبب سے بتاتے ہیں اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے بھی دشمن ہیں۔ اور فرشتوں، رسولوں، اور جبرئیل کے ساتھ میکائیل اور سارے مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے بھی دشمن ہیں۔ **ایک اللہ کے پیارے کا دشمن، سب کا دشمن ہے۔**

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ

جو ہوا دشمن اللہ اور اسکے فرشتوں اور اسکے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا،

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

تو بےشک اللہ دشمن ہے نہ ماننے والوں کا●

ان یہودیوں کو بتا دو کہ تم میں سے (**جو**) بھی (**ہوا دشمن اللہ**) تعالیٰ (**اور اسکے**) تمام (**فرشتوں اور اسکے**) سارے (**رسولوں اور**) خاص طور پر (**جبرئیل اور میکائیل کا**) کہ ان میں سے ایک کی بھی دشمنی دوسرے کے ساتھ دشمنی ہے (**تو**) خوب سمجھ رکھو کہ (**بیشک اللہ**) تعالیٰ بھی (**دشمن ہے نہ ماننے والوں کا**)۔

اللہ والے جتنے ہیں سب ایسے کافروں کے دشمن ہیں۔ یہودیت، اولیاء اللہ کی عداوت پر چل رہی ہے اور اولیاء اللہ کی منزلت دشمنانِ اولیاء کی عداوت سے ہے۔ حضرت عمر کا یہ بیان بالکل ٹھیک ہے، جب کہ وہ حسب عادت اپنی جائداد کی نگرانی کو جاتے ہوئے راستہ میں یہودیوں کے مدارس کے پاس ٹھہر گئے۔ اور یہودی انکو دیکھ کر کہنے لگے کہ مسلمانوں میں ہمارا محبوب تم میں سے زیادہ کوئی نہیں، ہماری بڑی آرزو ہے کہ آپ یہودی ہو جائیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ میرے ٹھہرنے سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھ کو تم سے کچھ بھی محبت، یا اسلام کی طرف سے ذرا بھی شبہ ہے۔ میں تو اسلئے ٹھہر جاتا ہوں کہ تم بولو اور میں سنوں، اور میرا ایمان بڑھتا جائے، کیونکہ تم کو نعت شریف بتانی پڑتی ہے اور پیغمبر آخر الزماں کا تذکرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور ہم توریت کے ان مضامین پر مزید اطلاع پا جاتے ہیں۔ یہودیوں نے ان سے کہا کہ ہمیں قرآن وغیرہ سے کوئی بحث نہیں، ہم تو جبرئیل کے لائے ہوئے پیغام کو سننا بھی نہیں چاہتے، وہ ہمارے دشمن ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ جبرئیل کا دشمن، اللہ اور سارے اللہ والوں اور میکائیل کا بھی دشمن ہے۔ قرآن بھی انکے اس بیان کو ٹھیک قرار دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور یقیناً اتارا ہم نے تمہاری طرف روشن آیتوں کو اور نہ انکار کریں ان کا مگر نافرمان لوگ ●

(اور) ابن صوریا، یہ کیا بکتا ہے؟ کہ قرآن میں کوئی پیغام ایسا نہیں، جو ہماری کتاب میں ہو، اور اس میں صاف صاف باتیں ہیں، حالانکہ (یقیناً اتارا ہم نے تمہاری طرف) قرآن میں صاف صاف (روشن آیتوں کو) کہ اندھوں کو بھی اسکی روشنی سوجھائی دے (اور) کسی کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے، یہاں تک کہ سارے جہاں میں (نہ انکار کریں ان) آیات (کا مگر) بس ضدی کافر (نافرمان لوگ) جو ہر فرمان کا انکار کردینے کے سوا شغل نہیں رکھتے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور کیا جب جب عہد کیا انھوں نے کسی معاہدے کا، توڑ پھینکا اس کو ایک جمعیت نے ان کی بلکہ انکے بیشتر ے مانتے ہی نہیں ●

(اور) مالک ابن صیف کس قدر منہ پھٹ بے شرم ہے، کہتا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کیلئے ہمارے

پاس کوئی عہد و معاہدہ نہیں ہے، کہ کوئی ان لوگوں سے پوچھے کہ (کیا) یہی طے کررکھا ہے انھوں نے کہ (جب جب) کوئی (عہد کیا انھوں نے کسی) بھی (معاہدہ کا) تو بس یہی کرتے رہے کہ (توڑ پھینکا اس) عہد (کو) اس طرح کہ (ایک جمعیۃ) اور ٹولی (نے ان کی) تو معاہدہ جان کر، مان کر، توڑ ڈالا، جو باقی بچے انھوں نے یہی نہیں کیا (بلکہ ان کے) اندر جو (بہتیرے) اور اکثریت والے کہے جاتے ہیں، انکی بے ایمانی بھی بڑھی چڑھی ہے کہ وہ معاہدہ ہونے کو (مانتے ہی نہیں)۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

اور جبکہ آگیا انکے پاس رسول، اللہ کے یہاں سے، تصدیق کرنے والا اس کا جوانکے ساتھ ہے تو پھینک ڈالا ایک جمعیت نے جو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱

دیے جاچکے تھے کتاب، اللہ کی کتاب کو اپنے پس پشت، گویا وہ جانتے ہی نہیں●

(اور) سارے یہودی کہا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماں اب آنے والے ہی ہیں، جو ہماری تصدیق فرمائیں گے، لیکن (جب کہ) اللہ تعالیٰ کے فضل سے (آگیا) قدمِ پاک (انکے پاس رسول) کا (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں سے) کیسا رسول؟ (تصدیق کرنے والا اس) توریت (کا جو ان) یہودیوں (کے ساتھ) اور پاس موجود (ہے) (تو پھینک ڈالا ایک جمعیۃ) اور ٹولی (نے) اس قومِ یہود سے (جو دیئے جاچکے تھے کتاب)، اور اہل کتاب کہلاتے تھے۔

پھینکا تو کس کو پھینکا؟ (اللہ) تعالیٰ (کی) نازل کی ہوئی (کتاب کو، اپنے پس پشت)۔ جنھوں نے توریت کے ان عہدوں کو توڑا جو نبی آخرالزماں کے بارے میں تھے۔ وہ توریت کے توڑنے والے بنے جنھوں نے قرآن کو یہ جانتے ہوئے، کہ اس میں توریت کی تصدیق ہے، نہ مانا۔ انھوں نے توریت جسکی تصدیق کی گئی ہے پھینک بہایا (گویا وہ) اس کو (جانتے ہی نہیں) کہ قرآن کتابِ الٰہی ہے اور توریت کی اس میں تصدیق ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

اور پیروی کی اس کی جو لکھا پڑھا کریں شیطان لوگ سلیمان کی سلطنت ہونے پر، حالانکہ نہیں کفر کا کام کیا سلیمان نے، لیکن

الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَۗ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ

شیطانوں ہی نے کفر کا کام کیا۔ سکھایا کریں لوگوں کو جادو اور جواُتارا گیا بابل میں دوفرشتوں

هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَؕ وَ مَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

ہاروت اور ماروت پر۔ اور وہ نہ سکھایا کریں کسی کو یہاں تک کہ کہہ دیا کریں کہ ہم بس بلا ہی ہیں،

فَلَا تَكْفُرْؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖؕ وَ مَا هُمْ

تو تم کفر کا کام نہ کرنا۔ تو وہ سیکھا کرتے ان سے جس سے جدائی ڈال دیں میاں اور اس کی بیوی کے درمیان۔ اور نہیں ہیں

بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْؕ

وہ بگاڑ سکنے والے اس سے کسی کا، مگر اللہ کے حکم سے۔ اور وہ لوگ سیکھا کرتے وہ جو نقصان دے انھیں اور نفع نہ دے انھیں۔

وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﳴ وَ لَبِئْسَ

اور یقیناً جان چکے تھے کہ بلا شبہ جس نے مول لیا اس کو، نہیں ہے اسکے لیے آخرت میں کچھ بھلائی۔ اور بیشک

مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

کتنا برا ہے وہ کہ خریدا جس سے انھوں نے اپنے نفس کو، اگر علم سے کام لیتے ●

(اور) اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر یہودیوں نے (پیروی کی اس) جادو ٹونے (کی جو) بڑی دلچسپی کے ساتھ شوق سے (لکھا پڑھا کریں شیطان لوگ) بالکل من گھڑت (سلیمان کی سلطنت ہونے پر) انکا یہ شغل اسی زمانہ میں تھا۔ انھوں نے جادو ٹونے کی پوتھیاں لکھ ڈالی تھیں، جو شیطانوں سے سیکھا تھا۔ حضرت سلیمان نے ان پوتھیوں کو ضبط کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا تھا۔ اور یہودیوں سے کیا دور، انھوں نے خود تخت کے نیچے دبا دیا ہو۔ کہ پھر وہاں سے نکال کر یہ شور مچا سکیں کہ یہ سب سحر سلیمانی ہے، جسکے زور پر وہ جنات اور انسان کو قابو میں لا کر سب پر حکومت وسلطنت کرنے لگے۔ چنانچہ یہودیوں نے ہمیشہ حضرت سلیمان کو نبی نہیں مانا اور جادوگر ہی کہتے رہے۔ انکے بڑے بڑے لوگوں نے زمانہ نزول قرآن میں کہہ دیا، کہ سلیمان جادوگر کو سلیمان نبی کہنا، پیغمبر اسلام کیلئے مقام تعجب ہے۔

وہ کہتے تھے کہ کافرانہ جادو حضرت سلیمان کا فعل ہے (حالانکہ نہیں کفر کا) کوئی (کام کیا سلیمان) نبی معصوم (نے) (لیکن) جو کچھ کیا وہ صرف (شیطانوں ہی نے کفر کا کام کیا) وہ ایسا جادو کرتے تھے جس میں کفر کی بولی تھی اور کفری عقیدہ رکھنا پڑتا تھا۔ اور شیطانوں کا طریقہ یہ تھا کہ (سکھایا کریں) ان یہودی جادو پسند (لوگوں کو جادو) یہودیوں کے جادو سیکھنے کا ایک سبب تو یہ تھا (اور)

دوسرا ذریعہ وہ ہوا (جو اتارا گیا) بطورِ الہام وتعلیم کے شہر (بابل میں) جو عراق، عرب کے صوبہ، کوفہ میں واقع ہے (دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر) جن کو آسمان پر 'عُزا' اور 'عُزایا' کہا جاتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے کفری جادو کو کفر قرار دیا ہے اور جس جادو میں کوئی کفر نہ ہو اس کو بھی حرام قرار دیا ہے اور ہر قسم کے جادو سے منع فرما دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جو موجود ہو اور جسکا ارتکاب ممکن ہو، اور پھر خوفِ خدا سے اس کا ارتکاب نہ کیا جائے، تو بندہ مستحق اجر ہو، اسلئے جادو کو ہاروت و ماروت کے ذریعے سے مخلوق فرما کر بھیجا (اور) انکا طریقہ یہ رہا کہ (وہ نہ سکھایا کریں) جادو (کسی کو) بھی، اسلئے کہ سیکھنے والا جادو کا ارتکاب کرے (یہاں تک کہ) سکھانے پر بڑی تاکید کے ساتھ سیکھنے والوں سے (کہہ دیا کریں کہ) سیکھتے تو ہو، مگر خوب سمجھ لو کہ تم لوگوں کیلئے (ہم بس بلا ہی ہیں)۔ اگر سیکھ کر اس سے بچنے کے بجائے اس کو کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں بری طرح پھنس جاؤ گے (تو) خوب یاد رکھو کہ یہ کفری جادو ہیں (تم) خدارا (کفر کا کام نہ کرنا)۔

یہودی جو سیکھنے پر آئے (تو) بس (وہ سیکھا کرتے ان) دونوں فرشتوں، ہاروت و ماروت (سے) ایسا جادو (جس سے جدائی ڈال دیں میاں اور اسکی بیوی کے درمیان) (اور) وہ تو یہی مانتے تھے کہ یہ ہمارے جادو ہی کا زور اور اسکی اپنی تاثیر ہے، کہ ہم اس سے دو ملے ہوئے دلوں کو جدا کر دیتے ہیں۔ اور ہر ایک کی بنی کو بگاڑ سکتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ (نہیں ہیں وہ بگاڑ سکنے والے اس) جادو (سے کسی کا) کچھ بھی، (مگر) جسکا کچھ بھی بگاڑ ہوتا ہے وہ (اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) ہوتا ہے۔ (اور وہ لوگ سیکھا) بھی (کرتے) تو (وہ) جادو ٹونا سیکھتے (جو نقصان) تو (دے انہیں) (اور) ذرا بھی (نفع نہ دے انھیں) کہیں اور کبھی۔ (اور یقیناً) سب سیکھنے والے اتنا اچھی طرح (جان چکے تھے کہ بلا) شک و (شبہ) ان میں سے (جس نے) بھی (مول لیا اس) جادو ٹونے (کو) تو (نہیں ہے اس کیلئے آخرت میں کچھ) بھی (بھلائی) اور اجر خیر (اور بیشک) معاذ اللہ (کتنا برا ہے وہ) کفری جادو (کہ خریدا جس سے انھوں نے) خود اپنے (اپنے نفس کو)۔ اپنی جان کی پرواہ نہ کی، اسکو دیا اور جادو لے لیا، مگر جان بوجھ کر بھی ان کا علم ان کے کام نہ آیا۔ وہ تو اس وقت کام کرتا (اگر) وہ اپنے (علم سے کام لیتے)۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

اور اگر بے شک وہ ایمان لاتے اور ڈرتے، تو ضرور ثواب بارگاہِ الٰہی کا بہتر ہے، اگر وہ جانتے ●

(اور اگر بیشک وہ) یہودی پیغامِ الٰہی پر (ایمان لاتے)، دل سے مان جاتے (اور) اللہ تعالیٰ سے (ڈرتے) رہتے، (تو) کھلی ہوئی بات ہے کہ (ضرور) بالضرور، وہ (ثواب) جو (بارگاہِ الٰہی کا) عطیہ ہے، دنیا بھر کی چیزوں سے بدرجہا (بہتر ہے)۔ یہ نیکی تو وہ اس وقت کرتے (اگر وہ) اس حقیقت کو (جانتے) ہوئے کہا مانے ہوتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا

اے مسلمانو! تم مت کہا کرو "راعنا" اور عرض کرو کہ "ہمیں دیکھئے" اور سنتے رہو۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اور کافروں کے لیے عذاب دکھ والا ●

(اے مسلمانو) تم لوگ مجلسِ نبوی میں جب تمہارے نبی کلام فرماتے اور کوئی لفظ تمہارے سننے سے رہ جاتا، تو بڑے ادب کے ساتھ اور نیک نیتی کے ساتھ تم کہتے تھے کہ 'راعنا'، اے حضور ہماری رعایت فرمائیے۔ تمہارا یہ طریقہ بہت پسندیدہ تھا، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس لفظ سے یہودیوں نے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کردیا ہے۔ ایک تو وہ زبان کو اینٹھ کر، 'راعنا' کو 'رَاعِیْنَا' کہتے ہیں، جسکے معنی ہیں، ہمارے چرواہے۔ دوسرے: یہ لفظ 'رعونت' سے بھی بنتا ہے اور محاورہ میں 'بیوقوف' کو کہہ دیا جاتا ہے۔ تیسرے: لغت یہود، 'عبرانی و سریانی' میں یہی لفظ گالی کے معنی میں پایا جاتا ہے۔

یہودیوں نے اس لفظ کو پایا، تو خوش ہوئے، کہ چھپ چھپ کر تو پیغمبرِ اسلام کو گالیاں دیتے ہی تھے، اب بالاعلان گالی بکنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ وہ اسی لفظ 'راعنا' کو بدنیتی سے گالی کے معنی میں محفلِ نبوی میں کہنے لگے۔ اور تم انکے اس جرم کو عام طور سے پکڑ نہ سکے۔ یہ چیز سعد ابن معاذ کو اسلئے محسوس ہوئی کہ یہودیوں کی لغت سے واقف تھے۔ اور اسی لئے انھوں نے یہودیوں سے صاف کہہ دیا کہ اگر محفلِ نبوی میں تم نے لفظ 'راعنا' کہا تو تمہاری گردن اڑا دونگا۔

اب یہ لفظ ایسا، کہ تم نیک نیتی سے، ادب سے، کہا کرتے تھے، مگر پیغمبرِ اسلام کے دشمن اور گستاخ اسی لفظ کو بدنیتی سے، توہین کیلئے بولنے لگے۔ اور جو لفظ ایسا ہو کہ گستاخ اپنے مقصد گستاخی

میں استعمال کر رہا ہو، اسے نیک نیتی سے، ادب کے ساتھ، کہنا بھی اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہیں ہے۔ تم لوگ ایسا لفظ چھوڑ دو جس کو توہین رسول میں استعمال کسی دشمن نے بھی کیا ہو۔ اور (تم مت کہا کرو) لفظ (راعنا) کو (اور) اگر اپنی طرف متوجہ کرنا ہو، تو یوں (عرض کرو کہ ہمیں دیکھئے) ہم پر نظرِ کرم فرمایئے، ہم پر توجہ فرمائی جائے، (اور) حتی الامکان اسکی نوبت ہی نہ آنے دو۔ اور کان لگا کر شروع سے پوری توجہ کے ساتھ اس طرح (سنتے رہو) کہ کوئی کلمہ سننے سے رہ نہ جائے (اور) توہین رسول کرنے والے (کافروں کیلئے) قیامت کے دن (عذاب) رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی کیسا؟ (دکھ والا)۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

نہیں چاہتے جنھوں نے کفر کیا ہے، اہل کتاب اور نہ بت پرستوں سے، یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بھتری

خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

تمہارے پروردگار کی۔ اور اللہ چن لیا کرے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے ●

یہ یہودی اور بت پرست لوگ، اپنے مطلب کیلئے کسی کسی مسلمان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں اور ہم مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ ہم بھی خوش رہیں، آپ بھی خوش رہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہاری خوشی و بہتری کے خیال سے یہ لوگ کڑھتے ہیں۔ چنانچہ ہرگز (نہیں چاہتے) یہ لوگ (جنھوں نے کفر کیا ہے)، نہ تو (اہل کتاب) کعب ابن اشرف کی طرح یہودیوں سے (اور نہ) ابوجہل کی پارٹی کے (بت پرستوں سے)، کیا نہیں چاہتے؟ (یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری) قرآنِ کریم اور تمہارے پیغمبر کی نبوت اور ہر قسم کی، ان کی بدولت نعمت و رحمت، جو کچھ بھی (تمہارے پروردگار کی) ہے۔ (اور) یہ لاکھ کچھ چاہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر کسی کا کیا دباؤ پڑ سکتا ہے۔ اسکا تو دستور ہے کہ (اللہ) تعالیٰ اپنی مرضی سے ہمیشہ ہی (چن لیا کرے، اپنی رحمت سے جسے چاہے) کسی کا اس میں کوئی اجارہ نہیں ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ بڑے بڑے فضل فرماتا رہتا ہے۔ کیونکہ وہی (بڑے فضل والا ہے)۔ جس پر جتنا بڑا فضل چاہے فرمادے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ

جب منسوخ قرار دیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیں اُسے، لے آئیں بہتر اس سے یا اُسی کے مثل۔ کیا معلوم نہیں کہ

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝

بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے؟ ●

یہ مشرکین کتنے بڑے احمق اور اندھے ہیں، ہر وقت دیکھا کرتے ہیں، کہ ہمارا کارخانہ، قدرت، نسخ سے بھرا ہے۔ رات کو دن سے اور دن کو رات سے، ہم منسوخ فرماتے رہتے ہیں۔ جاڑے کو گرمی سے اور گرمی کو جاڑے سے۔ اسی طرح خریف کو ربیع سے اور ربیع کو خریف سے۔ مرض کو تندرستی سے، تندرستی کو مرض سے۔ سایہ کو دھوپ سے اور دھوپ کو سائے سے، برابر منسوخ کرتے رہنا، دستورِ قدرت چلا آ رہا ہے۔ اور جس وقت جس کو ہم منسوخ کرتے ہیں، تو اس وقت اس کا منسوخ ہونا اور ناسخ کا پایا جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

یہ تو نظامِ عالم پر نظر کرنے سے صاف نمایاں ہوتا ہے۔ اب ہمارے قوانین میں دیکھو، تو حضرت آدم کی شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز تھا، جب اس جواز کی مدت ختم ہوگئی، ہم نے اسکو منسوخ کر دیا۔ حضرت نوح کی شریعت میں ہر جانور حلال تھا۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں کتنے جانور حرام کر دیئے گئے۔ ایک رسول کے بعد دوسرے صاحبِ کتاب رسول آنے پر، برابر دین سابق کے کچھ نہ کچھ احکام منسوخ ہوتے رہے، اور اس پر بھی وہ کچھ نہ بولے۔

اب جو قرآن میں دیکھا کہ آیاتِ منسوخہ بھی ہیں، جن کو دوسری آیتوں نے منسوخ کر دیا ہے، خواہ صرف تلاوت منسوخ ہو، خواہ صرف عمل کے حق میں منسوخ ہو، خواہ دونوں کیلئے منسوخ ہو، جیسے سورۂ احزاب کی کئی آیتیں۔ ابوامامہ ابن سہل اور کئی صحابہ ایسی سورۃ کو اس طرح بھول گئے تھے کہ ایک حرف بھی یاد نہ رہا، اور ان کو پیغمبر اسلام نے بتا دیا کہ اسکی تلاوت بھی منسوخ ہوگئی۔ اور یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ شریعت اسلامیہ عجیب ہے۔ آج کچھ حکم ہے اور کل کچھ حکم ہے۔

حالانکہ اس قسم کی تبدیلی پر ساری دنیا قائم ہے اور کارخانہ، عالم دیکھو یا قرآن کی آیتوں ہی کو دیکھو تو صاف ہمارا یہ دستور نظر آئیگا۔ کہ (جب منسوخ قرار دیں ہم کوئی آیت) کہ اب سے اس کا حکم یا تلاوت کرنا اٹھا لیا گیا ہے (یا بھلا دیں اسے) کہ کسی کو یاد ہی نہ رہ جائے، تو ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اس منسوخ کے بجائے، (لے آئیں بہتر) آسانی اور ثواب میں (اس) منسوخ (سے) (یا اسی) منسوخ (کے مثل) ثواب آخرت میں۔ (کیا) تم کو اور تمہاری امت کو اور جہان بھر کو (معلوم نہیں کہ بیشک) ایسا کرنا محض اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی قدرت کا اظہار ہے۔ اور (اللہ) تعالیٰ اپنے (ہر چاہے

پر) جو کچھ وہ چاہے (قدرت والا ہے) اسے کرسکتا ہے اور کر دیتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
کیا معلوم نہیں کہ بے شک اللہ، اسی کی ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی؟۔ اور نہیں تمہارا کوئی
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾
اللہ کا مدمقابل یاور اور نہ مددگار●

(کیا) کوئی ہے جس کو (معلوم نہیں کہ بیشک اللہ) تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ (اسی کی ہے حکومت) وسلطنت وملکیت وشاہی سارے (آسمانوں اور زمین) بھر (کی)۔ (اور نہیں) ہے (تمہارا اے کافرو (کوئی) بھی ان معبودوں میں سے جن کو تم نے (اللہ کا مدِ مقابل) گڑھ رکھا ہے کوئی (یاور اور نہ) کوئی (مددگار) قیامت کے دن۔

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ
یا کیا چاہتے ہو کہ پوچھ گچھ میں رکھو اپنے رسول کو، جس طرح سوال کیے گئے موسیٰ پہلے؟۔
وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾
اور جو بدل کرلے کفر کو ایمان سے، تو بے شک گم کردیا اس نے ہموار راستہ●

(یا) (کیا) سب کچھ جان بوجھ کر، پھر بھی چاہتے ہو کہ پیغمبر اسلام سے یہ کہہ کہہ کر کہ ہمیں آسمانی کتاب ایسی لاکر دیجئے جو یکبارگی اتری ہو۔ ہمارے سامنے فرشتے اور اللہ کو اس طرح لے آیئے کہ ہم صاف صاف دیکھ لیں، ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پیغمبر اسلام کی نبوت، روشن دلیلوں سے واضح ہوجانے پر بھی ایسے وہمی اور بے معنی سوال سے تم یہ (چاہتے ہو کہ) بس (پوچھ گچھ) ہی (میں رکھو اپنے) ان (رسول کو) جو سارے جہان کیلئے رسول ہیں۔ (جس طرح) تمہارے اگلوں کا ڈھنگ تھا۔ چنانچہ (سوال کیے گئے) خود (موسیٰ) بھی (پہلے) زمانے میں۔ اور ان سے کہا گیا کہ ہم تم کو نہ مانیں گے جب تک علانیہ تمہارے اللہ کو دیکھ نہ لیں۔ اس رویے سے تم یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں میں عام طور پر ان سوالات سے شکوک پیدا ہوسکیں۔ اور وہ بھی اس قسم کے، سوال لایعنی، پر سب کے سب اتر آئیں۔ لیکن خوب سمجھ رہے ہو کہ ایسے مہمل سوالات جو کرے (اور) اس جسارت کی بناء پر (جو بدل کرلے کفر کو ایمان سے) ایمان دے ڈالے اور اسکے بدلے میں کفر لے لے (تو بیشک گم کردیا اس) کفر کے خریدار (نے) سیدھا (ہموار راستہ) اسلام کا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ

چاہا بہتیروں نے اہل کتاب سے کہ کاش پھیر کر کر دیں تمہیں، تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر، حسد میں

عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا

اپنے، بعد اس کے کہ روشن ہو چکا انکے لئے حق۔ تو ہٹاؤ، اور درگذر و،

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

مسلمانو! کافروں کی یہ بدنیتی کہ تمہارے اسلام کو ختم کر دیں کوئی راز نہیں ہے۔ حذیفہ ابن یمان اور عمار ابن یاسر کو یہودیوں نے جنگ اُحد کے بعد انہیں مرتد کرنے کیلئے کہا تھا کہ اس لڑائی میں تمہاری شکست صرف اسلئے ہوئی، کہ تم حق پر نہ تھے۔ ہمارا دین حق ہے اس کو قبول کرلو۔ اس پر عمار ابن یاسر نے کہا کہ عہد توڑنے کے بارے میں تمہاری شریعت کیا کہتی ہے؟ وہ بولے یہ تو بڑا سخت جرم ہے۔ عمار نے کہا کہ ہم نے اپنے پیغمبر سے عہد کرلیا کہ زندگی بھر آپ سے کافر نہ ہوں گے۔ حذیفہ نے صاف کہہ دیا کہ ہم نے اپنے اللہ کو پروردگار، اور اپنے رسول کو رسول، اور اپنے اسلام کو اپنا دین ہونا، خوشی سے قبول کر رکھا ہے، وہ کسی عارضی شکست سے متاثر نہیں ہوسکتا۔

اس طرح (چاہا بہتیروں نے اہل کتاب) یہودیوں میں (سے) (کہ کاش پھیر کر کر دیں تمہیں، تمہارے ایمان لانے کے بعد، کافر) و مرتد، محض جلن اور (حسد میں اپنے) اور یہ سب حرکت (بعد اسکے) ہے (کہ) صاف صاف (روشن ہو چکا) خود (ان کیلئے) بھی امر (حق) جس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی (تو) تم اسکی کچھ پرواہ نہ کرو۔ (ہٹاؤ اور درگزر کرو) اور انتظار کرتے رہو (یہاں تک کہ لائے اللہ) تعالیٰ (اپنا حکم) اور عذاب اور ان سے جہاد کرنے کا فرمان۔ کہ بنی قریظہ کو قید اور قتل کی سزا دی گئی اور بنی نضیر کو ملک بدر کرا دیا گیا۔ (بیشک) جو کچھ ہوا وہ اللہ کی مشیت سے ہوا۔ اس نے چاہا کیا۔ اور (اللہ) تعالیٰ اپنے (ہر چاہے پر قدرت والا ہے) جو اس نے چاہا اسی کو کر دکھایا۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ

اور ادا کرتے رہو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور جو کچھ پہلے کر رکھو گے اپنے بھلے کو کوئی نیکی، پاؤ گے اس کو

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

اللہ کے یہاں۔ بے شک اللہ جو کچھ کرو دیکھنے والا ہے●

اور اے مسلمانو! تم ان کافروں کو جھک مارنے دو، (اور) اپنی بہتری کی فکر کرو۔ یونکہ (ادا کرتے رہو نماز کو) پانچوں وقت (اور) پابندی کے ساتھ (دیتے رہو) سال بہ سال (زکوۃ کو) بھی۔ اوراس بات کو بنی اسرائیل کیلئے رہنے دو کہ جب وہ یہودی کوئی گناہ کرتے تو انکوانکے دروازوں پر وہ گناہ لکھا ہوامل جاتا۔ جس سے اگر توبہ کرتے تو بھی انکے گناہ کولوگ جان جاتے، اور وہ رُسوا ہو جاتے۔ اور توبہ نہ کرتے تو عذابِ الٰہی ان پر اترتا۔ اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں انکی طرح رسوا کرنا نہیں چاہتا۔

تم خود اپنے گناہ پر نادم ہوجایا کرو (اور) تم اپنی نیکی بھی اپنے ہی تک رکھو، اوراس کو چھپاؤ اور خوب یقین کرلو کہ (جو کچھ) بھی تم نیکی (پہلے) سے (کررکھوگے) اوراپنے رب کے پاس بھیجے رہوگے، خود (اپنے) ہی (بھلے) اور فائدے (کو)، تو اس میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوئی، وہ (کوئی) بھی (نیکی) بڑی ہو یا چھوٹی ہو، تم ضرور (پاؤگے اس) نیکی کے ثواب (کو اللہ) تعالیٰ (کے یہاں) آخرت میں۔ اس کو کہیں لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ تم (جو کچھ) بھی نیکی (کرو) سب کا ہر وقت (دیکھنے والا) اور نگرانی فرمانے والا (ہے)۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ

اور دعویٰ کردیا کہ ہرگز نہ داخل ہونگے جنت میں مگر وہ، جو ہوگئے یہودی یا عیسائی لوگ۔ یہ ان کی خیالی گپیں ہیں۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾

جواب میں کہو کہ لاؤ اپنی دلیل، اگر ہو تم سچے●

(اور) کتنے بڑے یہ ڈھیٹ، یہ یہودی اور عیسائی ہیں۔ حد ہوگئی کہ یہ بھی (دعویٰ کردیا کہ) اور مسلمان بھی خواہ کچھ ہوجائیں، پھر بھی (ہرگز نہ داخل ہوں گے جنت میں) قیامت کے دن۔ کسی کو جنت نہ ملے گی (مگر) جنت پائیں گے تو (وہ جو ہوگئے یہودی) اور یہودیت پر مر گئے (یا) عیسائیوں کے نزدیک جو بن گئے (عیسائی لوگ)۔ یہ وحشیوں کی طرح الجھن والے سوالات کرنا، اپنے لئے جنتی ہونیکی ڈینگ مارنا، (یہ) جتنی باتیں ہیں، بس (ان) یہودیوں اور عیسائیوں (کی) بس (خیالی گپیں) اور بے دلیل باتیں اور دل خوش کن تمنائیں اور من گھڑت بکواسیں (ہیں)۔ ان لوگوں کے (جواب

میں کہو کہ) جنت کے تنہا اجارہ دار بنتے ہو، تو (لاؤ) تو سہی (اپنی دلیل) اور اجارہ داری کا پروانہ (اگر) اپنے خیال میں، اس بے بنیاد دعویٰ میں، (ہو تم) بڑے (سچے)۔

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪

لیکن ہاں، جس نے جھکا دیا اپنے رُخ کو اللہ واسطے اور وہ مخلص ہے، تو اسی کیلئے ہے اسکا ثواب اسکے پروردگار کے یہاں،

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور نہ کوئی ڈر ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

تمہارے پاس سند کہاں اور تم سچے کہاں کے؟ (لیکن ہاں) اگر سند والے سچے جنتیوں کو دیکھنا چاہتے ہو، تو سنو، کہ (جس نے) بھی عرب کا ہو یا عجم کا، اونچا سمجھا جاتا ہو یا نیچا، (جھکا دیا) اور نیاز مندی کے ساتھ، پوری یکسوئی سے سونپ دیا (اپنے رُخ) اور جذبۂ پرستاری (کو) مگر دکھاوے یا کسی دنیاوی لالچ میں نہیں، بلکہ محض (اللہ کے واسطے) اسکے سارے احکام کی بجا آوری کرنے لگا، (اور) پھر یہ بھی ہو کہ (وہ) اپنے اس طریقۂ کار میں (مخلص ہے) اور اپنے رب کو برابر پیش نظر رکھتا ہے۔

(تو) اے ڈینگ مارنے والو! سچ یہ ہے کہ (اسی کیلئے ہے اس) کی اس اسلامی زندگی (کا) سارا (ثواب) (اس) مسلمان (کے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کے یہاں) قیامت کے دن۔ (اور) وہی ہیں کہ (نہ) تو (کوئی ڈر ہے ان پر) قیامت میں (اور نہ وہ) دنیا میں کسی چیز کے ہونے، نہ ہونے، سے (رنجیدہ ہوں) ـ انکا دونوں جہان میں بھلا ہی بھلا ہے۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ

اور بولے یہودی لوگ کہ نہیں ہیں عیسائی لوگ کچھ۔۔ اور بولے عیسائی لوگ کہ نہیں ہیں یہودی

عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

لوگ کچھ۔۔ حالانکہ وہ سب تلاوت کریں کتاب کی۔ اسی طرح بول پڑے وہ جو علم نہیں رکھتے

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ان کی بولی جیسی۔ تو اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن، جس چیز میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے●

(اور) ان یہودیوں اور عیسائیوں کی باہمی کشمکش دیکھی جائے کہ مقام نجران کے عیسائی

لوگ بزمِ پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے تو ان سے مناظرہ کے نام پر لڑنے کو مقامی یہودی دوڑ پڑے۔ اور دونوں میں کج بحثیاں چل پڑیں۔تو (بولے یہودی لوگ) کے نمائندے (کہ نہیں ہیں عیسائی لوگ کچھ) نہ حضرت عیسیٰ نبی تھے، نہ انجیل آسمانی کتاب ہے۔ساری عیسائیت بے بنیاد ہے۔(اور) اسی طرح (بولے عیسائی لوگ) بھی (کہ نہیں ہیں یہودی لوگ کچھ) بھی۔نہ حضرت موسیٰ نبی تھے، نہ توریت آسمانی کتاب ہے۔ساری یہودیت بے بنیاد ہے۔(حالانکہ) یہ چوٹ چلنے والے (وہ) ہیں کہ (سب) کے سب برابر (تلاوت) کیا (کریں)، کسی نہ کسی شکل میں، جو اللہ کی (کتاب) انکے پاس بہ نام زد توریت وانجیل موجود ہے، ان دونوں (کی)۔

انجیل والے خود انجیل میں برابر دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی نبوت کا بیان اور ان کی شریعت کی پابندی کا ان کیلئے حکم موجود ہے۔توریت والے توریت میں پاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی، بحثیت نبی آنے، اور ان کی اطاعت واجب ہونے کا ذکر، صاف صاف موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر ان چوٹ کی باتیں کرنے والوں کی باطل پرستی کیا ہوسکتی ہے۔(اسی طرح) انکی دیکھا دیکھی یہاں تک نوبت آئی کہ (بول پڑے وہ) وہی بت پرست لوگ بھی (جو) سرے سے یقین سے خالی اور کسی بات کا کچھ (علم) ہی (نہیں رکھتے، ان) اہل کتاب (کی بولی جیسی) اور کہنے لگے ہمارے سوا کسی کو، 'بیکنٹھ' نہ ملے گا۔ (تو) اب اس ڈھٹائی اور بدلگامی اور منہ زوری کا (اللہ) تعالیٰ ہی (فیصلہ فرمائے گا اُن) سب (کے درمیان قیامت کے دن) جس (جس چیز) اور بات (میں) وہ لوگ اپنی زندگی میں خوامخواہ (جھگڑا) بکھیڑا (کیا کرتے تھے)۔ جنت اسی دن جس کو ملنی ہے ملے گی، تو سب آنکھ سے خود دیکھ لیں گے کہ انکا سارا دعویٰ انھیں کو جہنم لے گیا۔اور جن مسلمانوں کا جنت میں جانا گوارہ نہ تھا، وہی مسلمان جنت میں جا کر بسے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ

اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جس نے روک دیا اللہ کی مسجدوں کو کہ یاد کیا جائے ان میں اس کا نام، اور کوشش کی ان کی

خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ

ویرانی میں۔وہی ہیں کہ نہیں ہے اُن کو حق کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ڈرتے۔انھیں

فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انھیں کے لیے آخرت میں عذاب ہے، بہت بڑا●

اوران اہل کتاب کا، یہودی ہوں یا عیسائی، اسی طرح ان مشرکین کا کیا منہ ہے کہ وہ دین کا یا جنت کا نام لیں۔ ان سب کو معلوم ہے کہ 'ططوس رومی' نے بنی اسرائیل سے بیت المقدس میں جنگ کی تو انکے جوانوں کو قتل کرڈالا اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ توریت کو جلاڈالا۔ بیت المقدس کو کھود کر گرادیا۔ یہاں تک کہ اسلام آنے کے بعد، حضرت عمر ﷜ کی خلافت میں نئے سرے سے اسکی تعمیر کی گئی۔ اور جب بابل والا 'بخت نصر' مجوسی نے اپنے زمانے میں بنی اسرائیل سے جنگ کی تھی اور بیت المقدس کو ڈھایا تھا۔ تو چونکہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ نبی ابن زکریا نبی کو ان کے عہد میں شہید کرڈالا تھا۔ اسی ضد میں بخت نصر کی مدد یہودیوں کے خلاف، بیت المقدس کو ڈھانے میں، عیسائیوں نے کی تھی، ابھی کتنے دن کی بات ہے کہ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز ادا کرنے نہیں دیتے تھے۔ حج سے روک دیا تھا۔ یہ بھی تو عبادت گاہ کی ویرانی ہے کہ اس میں کسی کو عبادت سے روک دیا جائے۔

یہ ہیں اعمال ان اہل کتاب اور بت پرستوں کے۔ (اور) اب ان سے کہنے کی بات ہے؟ کہ (اس سے زیادہ اندھیر والا) غدار سرکش (کون) ہوسکتا (ہے) (جس) ظالم (نے) بالکل (روک دیا) خود (اللہ) تعالیٰ (کی مسجدوں) اور عبادت گاہوں (کو)۔ کس چیز سے روکا؟ اس سے (کہ یاد کیا جائے اُن) مسجدوں (میں اس) اللہ تعالیٰ (کا نام)۔ اس کا ذکر جلی ہو یا خفی۔ حلقہ میں ہو یا تنہا درس قرآن ہو، یا تعلیم حدیث، بیانِ موعظت و عبرت ہو یا تبلیغ فقہ و شریعت، توحید الٰہی کا بیان ہو یا نعت رسول ﷺ کا چرچا ہو۔ ہر دینی کام جو استحقاق ثواب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کی وہ عبادت ہے اور اسی کے حکم و شریعت کی اطاعت ہے۔ اور ہر عبادت الٰہی، بلاشک وشبہ ذکر الٰہی ہے۔ جس نے کسی عبادت سے روکا (اور) اس طرح (کوشش کی ان) مسجدوں (کی ویرانی میں، وہی ہیں کہ) جنت میں جانا تو بہت دور رہا، (نہیں ہے ان) ظالموں (کو) اس امر کا (حق کہ داخل ہوں ان) مسجدوں (میں) بھی (مگر) بس (ڈرتے ڈرتے)، چھپ کر کہ کوئی پہچان نہ لے ورنہ قتل کردیئے جائیں گے۔

چنانچہ یہ واقعہ کہ بیت المقدس کے ڈھانے کے بعد، باوجود اسکے قبلۂ اہل کتاب اور مقام حج اہل کتاب ہونے کے، اب تک کوئی رومی اور عیسائی آزادی کے ساتھ اس میں نہ جاسکا۔ ٹیکس کا خوف، قتل کا خوف، انکے بلادِ قسطنطنیہ و روم و عمور یہ نکل جانے کا ہراس، الگ سے مسلط رہا۔ اور کعبہ سے تو بت پرست ایسا نکالے گئے، کہ اب ان کا وہاں سایہ بھی نہیں جاتا۔ ان حرکتوں پر جنت کی ٹھیکیداری کتنی بڑی

ڈھٹائی ہے۔ انھیں جنت سے تو واسطہ نہیں البتہ (انھیں کیلئے) یہاں (دنیا میں) غلامی وقتل وقید وگمنامی اور طرح طرح کی (رسوائی ہے اور) آخرت کی پوچھو، تو (انھیں کیلئے آخرت میں) وہاں کا (عذاب ہے)۔ کیسا؟ (بہت) ہی (بڑا) جسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ہی کا ہے پورب اور پچھم، تو جدھر تم رخ بقبلہ ہو تو ادھر اللہ کا رخ ہے۔ بے شک اللہ وسعت دینے والا علم والا ہے●

(اور) اے مسلمانو! تمہارے قبلہ اور نماز کے بارے میں یہودی بکواس کریں تو تم کچھ نہ سنو۔ اگر ہم تمہارا قبلہ کچھ بھی مقرر نہ کریں اور عام اجازت دیں کہ جدھر چاہو اپنا رُخ کر کے مجھے پوجو، یا ہم ایک قبلہ مقرر کر دیں اور پھر بدل دیں یا تم قبلہ مقرر شدہ کو معلوم کرنے کی کوشش میں ناکام رہو اور غلط رُخ پر قبلہ جان کر نماز پڑھ لو یا دعا تم جس سمت چاہو ہاتھ اٹھا کر کرلیا کرو یا نمازِ نفل سواری پر پڑھو اور جدھر اسکا رُخ ہو اسی طرح پڑھتے رہو، تو یہودیوں کا اس میں کیا اجارہ ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے) خواہ (پورب) ہو (اور) خواہ (پچھم) اور تم کو اسی کی عبادت کرنی ہے (تو) اب کسی رُخ کو قبلہ جانتے ہوئے (جدھر تم رخ بقبلہ ہو) تم کو اگر اس کا یقین ہو چکا کہ تمہارا منہ قبلہ کی طرف ہے (تو) خواہ وہ رخ قبلہ کا رخ واقع میں نہ بھی ہو، پھر بھی تمہاری نیت اور کوشش کا یہ پھل ہے، کہ جدھر تمہاری توجہ ہے، (اُدھر) ہی (اللہ) تعالیٰ (کا رخ) اور توجہ (ہے)۔ اصل قبلہ کوئی در و دیوار نہیں ہے بلکہ ہمارا حکم اصلی قبلہ ہے۔ یہ آسانی اور گنجائش اگر تم کو اے مسلمانو ہم نے دی، تو یہودیوں سے نہ گھبراؤ اور بالاعلان کہو کہ (بیشک) ہمارا (اللہ) تعالیٰ ہم کو بہت بڑی (وسعت) اور سہولت (دینے والا ہے) اور ان وسعتوں کی حکمتوں کا (علم) رکھنے (والا) وہی (ہے)۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور کہہ پڑے کہ رکھ لیا ہے اللہ نے اولاد، سبحان اللہ، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسکے پجاری ہیں●

ذرا ان یہودیوں کو دیکھو کہ حضرت عُزیر کو کہتے ہیں کہ اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور عرب کے بت پرست کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ کفری بول کے بولنے والے کیا بولے (اور) کس طرح (کہہ پڑے کہ رکھ لیا ہے اللہ نے اولاد) اسکے بیٹے

بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں (سبحان اللہ) وہ پاک ہے کہ اسکے بیٹے یا بیٹیاں ہوں (بلکہ اسی) اللہ تعالیٰ (کا) سب کچھ مخلوق و مملوک (ہے) (جو کچھ) بھی (آسمانوں اور زمین میں ہے سب) اسی اللہ تعالیٰ کے بندے، مخلوق، مملوک، فرمانبردار، اور (اسکے پجاری ہیں)۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بیٹا بیٹی مانے جائیں تو وہ ایسے کیوں ہونے لگے، وہی سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

بے اصل و بے مثل ایجاد فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا۔۔ اور جب طے فرمالیا کسی امر کو، تو بس حکم دیتا ہے اسے کہ "ہوجا" تو وہ ہوجاتا ہے ●

اس طرح نہیں کہ دنیا کا کوئی تخم تھا، کوئی بنیاد تھی، اسکو بڑھا کر سارا جہان بنادیا۔ اور اس طرح بھی نہیں کہ آسمان وزمین کوئی پہلے سے موجود تھا، اس کو نقل کر کے اس آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ بلکہ وہ تو (بے اصل و) بنیاد اور (بے مثل) سابق کہ بالکل نیست سے ہست کر کے (ایجاد فرمانے والا) ہے (آسمان اور زمین کا)۔ اسکا یہ کام بالکل انوکھا ہے اور بطور بدعت۔ اور اولاد کا ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا تخم موجود ہو۔ اور جب کوئی شئے ہے کہ اس کا تخم نہ ہو تو پھر کوئی شئے اسکی اولاد نہیں ہوسکتی۔ اولاد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ باپ کے نطفے سے درجہ بدرجہ بڑھتے بڑھتے پیدا ہو، اور تدریجی ترقی کرتا رہے۔ (اور) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کارخانہ یہ ہے، کہ (جب) اس نے (طے فرمالیا کسی امر کو) اور ارادہ کرلیا کہ فلاں چیز ہوجائے (تو) آہستہ آہستہ تدریجی طور پر نہیں، بلکہ (بس حکم) دیئے (دیتا ہے اسے کہ ہوجا تو وہ) جسکے ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اسکی مشیت کے مطابق (ہوجاتا ہے) جب ساری مخلوق کا ہونا اس طرح پر ہے، تو اسکی اولاد کوئی نہیں ہوسکتی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

اور بولے جو علم نہیں رکھتے کہ کیوں نہیں مخاطب فرماتا ہمیں اللہ یا آملتی ہم کو کوئی پہچان۔ اسی طرح

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ

بولے تھے جو ان کے پہلے سے ہوئے انھیں کی بولی جیسی۔ ملے جلے رہے ان سب کے دل۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

بیشک ظاہر فرمادیا ہم نے آیتوں کو اس قوم کیلئے جو یقین رکھیں ●

(اور) یہود تو یہود، عیسائیوں اور بت پرستوں میں سے بھی یہ کفری بول (بولے) یہ سب کے

سب (جو) سرے سے (علم) ہی (نہیں رکھتے)۔ یہودیوں کو اپنے توریت ہی کی خبر نہیں اور عیسائیوں کو اپنی انجیل ہی کی خبر نہیں اور بت پرستوں کو علم سے کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔ انکی ایک کفری بولی یہ ہے (کہ) اے پیغمبر اسلام، اللہ تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا ہے تو ایسا (کیوں نہیں) ہوتا کہ وہ (مخاطب فرماتا ہمیں) بھی، اور براہِ راست ہم سے بھی بات چیت کرتا (اللہ) تعالیٰ، اور کہہ دیتا کہ ہمارے پیغمبر ہیں، تو آپ پر ہم ایمان لے آتے (یا) یہی ہوتا کہ (آملتی ہم کو) صاف صاف آپ کی (کوئی) ایسی (پہچان) کہ پھر آپ کے رسول ہونے میں ہمیں کوئی شک نہ رہ جاتا۔ اگر ہم دیکھ پاتے کہ نہ مانیں گے، تو ابھی ہم پر یہ عذاب اترنے والا ہے، تو پھر ہمیں ماننے کے سوا کیا چارہ کار تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست بات چیت کرنے کا مطالبہ اور اسکے عذاب کی فرمائش کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ (اسی طرح) سے وہ کفار بھی (بولے تھے جوان کے پہلے سے ہوئے) انکی بھی بولی (انھیں کی بولی جیسی) تھی۔ انھوں نے بھی حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم آپ کو نہ مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں گے۔ ایک عذاب کے بعد دوسرے عذاب کی فرمائش ان کا بھی دستور تھا۔ کفر نے اِن کو اور اُنکو ہم رنگ بنا رکھا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آج کے کافر پہلے کے کافروں سے، گو ایک دوسرے سے زمانہ میں دور ہیں، لیکن جہاں تک کفر کا اثر ہے، (ملے جلے) اور یکساں (رہے ان سب کے دل) جیسے مشترکہ سازشوں میں ہر سازشی کے دل ملے جلے رہتے ہیں۔ اگر انکو تمہارے پہچاننے کا شوق ہوتا، تو ایک نشانی کیا، بلکہ (بیشک) وشبہ صاف صاف (ظاہر) وعیاں (فردیا ہم نے) تمہاری پہچان کیلیے بے شمار (آیتوں) اور نشانیوں (کو)۔ مگر یہ وہمی وشکی تو اندھے ہیں۔ انکے پاس وہم وشک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہماری ظاہر کی ہوئی نشانیوں سے فائدہ پانا (اس قوم کیلیے) ہے (جو) وہم وشک کے شیطان سے دور رہیں۔ اور اپنے پاس (یقین) کی دولت (رکھیں)۔ جس بات کا یقین ہوجائے، اسکے خلاف خواب تک نہ دیکھیں۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾

بیشک ہم نے بھیجا تم کو بالکل حق، خوش خبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور نہ پوچھے جاؤ گے اہل جہنم کے بارے میں ●

تم وہ نہیں ہو کہ کوئی آئے تو نشانی آ کر تمہاری تائید کرے، تو ماننے کے قابل ٹھہرو۔ بلکہ (بیشک ہم نے) تو (بھیجا ہے تم کو بالکل حق) تمہارے ساتھ حق ہے، تمہارا دین حق ہے، تم خود سراپا حق ہو،

جو آیت ونشانی تمہاری تائید کرے تو اسکی وجہ سے سچ ہو جائے اور جو آیت یا نشانی تمہارے خلاف ہو وہ خود جھوٹ ہے۔ تم اب کسی تائید کے محتاج نہیں ہو بلکہ ہر نشانی اپنے سچ ہونے کیلئے تمہاری تائید کرنے کی محتاج ہے۔ اگر انکے پاس یقین ہوتا تو تم کو مانتے۔ اور بجائے اسکے تم سے نشانیاں مانگتے، یہ جس نشانی کو تمہاری تائید میں پاتے اسکو اسلئے سچ جانتے کہ وہ حق کی تائید میں ہے۔ ہم نے تم کو کسی تائید سے بالاتر رکھا ہے۔ اور اپنے فرمانبرداروں، چاہنے والوں کو (خوش خبری سنانے والا)۔

(اور) اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے (اور نہ) تو قیامت کے دن تم (پوچھے جاؤ گے اہل جہنم کے بارے میں) کہ تمہاری تبلیغ کے باوجود انھوں نے کیوں نہ مانا اور کیوں جہنمی ہوئے؟ اور نہ تمہیں سے کسی کو حق ہے کہ کسی کے بارے میں یہ سوال کرے کہ وہ جہنم میں گیا کہ نہیں؟ جب تم نے تبلیغ کردی تو ماننے والا خود ہی جنتی ہو گیا اور جس نے نہ مانا وہ آپ ہی جہنم میں گیا۔ اس بارے میں کسی قسم کا سوال بالکل بیکار ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ

اور ہرگز نہ خوش ہونگے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ، یہاں تک کہ پیروی کرو ان کے دین کی۔ کہہ دو کہ بیشک اللہ کی ہدایت

هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ

ہی ہدایت ہے۔ اور بے شک اگر پیروی کر سکتے تم ان کی خواہشوں کی، بعد اس کے جو آ ملا تم کو

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

علم، نہ ہوتا تمہارے لیے اللہ والوں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار●

(اور) یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ کہنا کہ آپ ہمارے ساتھ مروّت برتیں اور اپنی سختیاں ڈھیلی کردیں اور مل جل کر رہیں، رواداری سے کام لیں تو ہم ایک قوم بن کر امن وامان سے رہیں۔ یہ بالکل فریب اور دھوکہ کی باتیں ہیں۔ یاد رکھو! کہ (ہرگز خوش نہ ہونگے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ) زندگی بھر قیامت تک (یہاں تک کہ) تم خود ہی (پیروی کرو انکے دین) اور دھرم (کی)۔

وہ تو اس فکر میں لگے رہیں گے کہ تم کو مرتد بنائیں، شدھی کریں، تو انکے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔ ورنہ لاکھ ان سے ملنے کیلئے ناک رگڑ دیا کرو، وہ کبھی خوش نہ ہوں گے۔ ان سے تم انکی اس بے جا خواہش کے جواب میں صاف صاف (کہہ دو کہ) تم جس لالچ میں پڑے ہو اس سے منہ دھو رکھو۔ تم

گمراہ ہو۔ تمہارے پاس ہدایت کہاں۔ ہمارے پاس تو اللہ کی ہدایت موجود ہے اور (بیشک اللہ کی ہدایت ہی، ہدایت ہے) وہ اس قسم کی بیجا تمنا خواہ تم سے رکھیں، خواہ تمہاری برسر ہدایت امت سے، سب حماقت (اور) نری حماقت ہے۔ امید اس سے رکھی جا سکتی ہے جس سے امید رکھنے کا امکان ہو۔ تمہاری ذات میں تو اس کا امکان بھی نہیں۔

کیونکہ (بیشک اگر پیروی کر سکتے تم ان کی خواہشوں کی) اور ایسا کرنا 'عصمت نبوت' کی وجہ سے محال نہ ہوتا۔ اور یہ پیروی ہوئی کب؟ (بعد اسکے جو آ ملا تم کو علم) اور یقین جو کسی ذی ہوش انسان سے بھی ممکن نہیں کہ حق پر یقین پا جانے کے بعد گمراہ ہو سکے۔ تو ظاہر ہے کہ (نہ ہوتا تمہارے لئے اللہ والوں سے) جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں، جو نفوس قدسیہ اللہ کی طرف اور اس کی اجازت سے خلق میں تصرف کرتے رہتے ہیں، بے یاروں کی یاوری کرتے ہیں، بے مددگاروں کی مدد کرتے ہیں، اور جن کو قرآن کی زبان میں مِنَ اللّٰهِ کہا جاتا ہے وہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہلانے والی ہستیوں سے نہیں ہیں، جو سب کی سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ بلکہ وہ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی طرف سے ہیں۔ 'شعائر اللہ' یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت رکھتے ہیں۔

ان جنتیوں اور مقدس طبقہ میں سے (کوئی یار اور نہ کوئی مددگار) کیونکہ کافروں کی یاوری کرنا اور انکی مدد کرنا انکا کام ہی نہیں۔ خصوصاً قیامت کے دن، کہ وہاں بے یار و مددگار رہنا صرف کافروں ہی کیلئے ہے۔ اور تمہارا یہ حال ہے کہ طبقہء مِنَ اللّٰهِ میں سے فرشتے ہوں، انبیاء ہوں، صدیقین ہوں، شہداء ہوں، صالحین ہوں، سب تمہارے دین کی مدد میں موجود ہیں۔ تو اب تم ان میں سے نہیں رہے کہ جن سے دین کفر کے قبول کرنے کی توقع جائز ہو۔ اب یہود و نصاریٰ نے جو خواہش کی ہے وہ ایک محال سی چیز ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت کی بات ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

جن کو دی ہم نے کتاب، تلاوت کیا کریں جو اس کی تلاوت کا حق ہے۔ وہی مانیں اسے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جو انکار کر دے اس کا، تو وہی خسارہ والے ہیں●

ان یہودیوں اور عیسائیوں میں سے وہ (جن کو دی) تھی (ہم نے کتاب) اور وہ عادی تھے

کہ (تلاوت کیا کریں) اس کتاب کی بغیر کسی حرف کو بدلے ہوئے (جو اس) کتاب (کی تلاوت کا حق ہے) کہ ایک زیر، زبر نہ بدلنے پائے اور ایک حرف اِدھر سے اُدھر نہ ہونے پائے۔ کسی لفظ میں کاٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور وہ چالیس اہل سفینہ جو جعفر ابن ابی طالب کی سرکردگی میں حاضر دربارِ نبوی ﷺ ہوئے تھے، جن میں بتیس حبشہ کے تھے اور آٹھ شام کے راہب تھے۔ جن میں 'بحیرا راہب' بھی تھے (وہی) لوگ ہیں جو اپنے اس رویہ کے بدولت (مانے اسے اور جو) اس چال کا نہیں ہے اور (انکار کردے اس کا) (تو) تمہارا کیا بگڑا؟ (وہی) خود (خسارہ والے ہیں)۔

توریت جاننے والا جو پیغمبر اسلام پر ایمان لایا، کیونکہ توریت میں ان کا بیان ہے اور ان پر ایمان لانے کا حکم ہے اور مسلمان کیلئے تو ظاہر ہے کہ جو قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا کرے اور بغیر کسی ہیر پھیر کے تم کو اسی طرح مانے جس شان کے ساتھ تمہیں قرآن میں ماننے کا حق ہے، تو وہی سچے مسلمان ہیں۔ اور جو تمہارے ماننے میں کچھ بھی بے دلی، مردہ دلی اور تنگ نظری سے کام لے، تو اسی کا اس میں خسارہ ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میری نعمت کو، جو انعام فرمایا میں نے تم پر،

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور بے شک میں نے ہی بڑھا دیا تھا تم کو زمانہ بھر پر ●

(اے) مدینہ میں رہنے والے (اولادِ یعقوب) تم سن چکے کہ تمہارے مورثوں پر ہمارے کیسے کیسے احسانات ہوئے اور وہ کیسی کیسی غداریاں کرتے رہے۔ اب پھر ان سب کا خلاصہ اور نچوڑ مختصر طور پر یاد رکھنے کیلئے، آخر میں سن لو کہ (یاد) کیا (کرو میری) ہر اس (نعمت کو جو انعام فرمایا) تھا (میں نے تم) لوگوں کے مورثوں (پر) (اور) یاد رکھو کہ (بیشک میں نے ہی بڑھا) چڑھا (دیا تھا تم) لوگوں کے مورثوں (کو) ان کے (زمانہ بھر پر)۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

اور ڈرو اُس دن کو کہ نہ بدلہ ہو کوئی کسی ناکس کا کچھ، اور نہ قبول کی جائے کسی ناکس کی رشوت،

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور نہ کام آئے کسی ناکس کے کوئی سفارش، اور نہ وہ مدد دیے جائیں ●

(اور) اس نصیحت کو نہ فراموش کرنا کہ (ڈرواس) قیامت کے (دن کو)۔ ایسا دن (کہ نہ بدلہ ہو کوئی) ناکس (کسی ناکس کا کچھ) بھی کہ کوئی بھی کافر کسی بھی کافر کا عوض ہو سکے (اور نہ قبول کی جائے) قیامت کے دن (کسی ناکس) کافر (کی) کوئی (رشوت) کہ مال دے کر جان بچا سکے (اور نہ کام آئے کسی ناکس) کافر (کے کوئی) اور کسی کی بھی (سفارش اور نہ وہ) ناکس کافر کسی قسم کی (مدد دیئے جائیں)۔ لہٰذا اے یہودیو! جب تک اپنے کفر سے باز آ کر اسلام کو قبول نہ کرو گے، بالکل امید نہ رکھو کہ کسی صورت سے بھی آخرت کے عذاب سے نجات پا سکو گے۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

اور جبکہ جانچا ابراہیم کو انکے پروردگار نے چند باتوں میں، تو سرانجام دیا انھیں، فرمایا کہ بیشک میں کردینے والا ہوں تمھیں لوگوں کیلئے پیشوا۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

عرض کی "اور میری نسل سے؟" فرمایا نہ پہنچے گا میرا مضبوط عہد اندھیر والوں کو●

بنی اسرائیل کے واقعات سے اب ذرا یہ دیکھو کہ وہ ابراہیم جو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل، سب کے مورثِ اعلیٰ تھے، اور جن سے یہودیوں، نصرانیوں، بلکہ مشرکوں کو بھی عقیدت مندی ہے۔ جن کو اپنی اپنی زبان میں کوئی ابراہیم، کوئی 'ابرہام' اور کوئی 'برہما' کہتا ہے۔ انکی پیدائش تو مقامِ 'سوس' کی ہے، جو سرزمین 'اہواز' کی ایک مشہور آبادی ہے۔ انکے والد انھیں اپنے ہمراہ 'بابل' لے گئے تھے جہاں 'نمرود' کی حکومت تھی اور وہیں بس گئے۔ انکے حالات کو سنو اور دیکھو، کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ تمام کفاران سے، باوجود عقیدت کے، کس قدر دور ہیں۔ اور مسلمان اور مسلمانوں کا ایمان ان سے کتنا قریب ہے، کہ اسلام نے انہی باتوں کا حکم دیا ہے۔

(اور جب کہ جانچا) حضرت (ابراہیم کو ان کے پروردگار نے) گنتی کی (چند باتوں میں) ۔۔۔ مثلاً: نبوت سے پہلے ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھنا، اور یکے بعد دیگرے ہر ایک کی الوہیت کو باطل کر دینا۔ اور نبوت کے بعد اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اپنے پروردگار کے حکم سے قربان کرنے کا حکم بجالانا۔ اور انھیں حکم دیا گیا تھا کہ عجمیوں کے انداز سے ممتاز رہنے کیلئے مونچھ کترایا کریں اور داڑھی لٹکی رکھیں، کہ مردانہ شکل وصورت میں زیبائش پیدا ہو۔ مسواک کریں، کلی کریں، ناک میں پانی ڈال کر صاف کریں، تاکہ منہ اور ناک میں صفائی رہے۔ منہ کی صفائی سے کھانا اپنی لذت دے اور بیماریوں سے حفاظت ہو۔ ناک کی صفائی سے میل دور رہے۔

یہ بھی حکم دیا تھا کہ ناخن ترشوالیں، کہ اس میں انگلیوں کی آرائش ہے۔ ناخن بڑھنے سے میل جمتی ہے اور دیکھنے والے کو اس سے گھن لگتی ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہاتھ، پاؤں، گھائیوں کو دھولیا کریں اس میں آرائش بھی ہے اور گندگی سے حفاظت بھی ہے۔ یہ بھی حکم دیا تھا کہ بغل کے بال صاف کرالیں اور موئے زیرِ ناف کو بھی دور کرتے رہیں، کہ اس سے طبیعت کی پاکیزگی اور احساس کی لطافت ظاہر ہوتی ہے۔ پانی سے استنجا کا حکم ہوا تھا تا کہ بدن گندگی سے پاک صاف رہے۔ ختنہ کا حکم دیا گیا تھا کہ وہاں ختنہ نہ ہونے پر جو میل اور گندگی جمع ہوتی ہے، ایسی صورت نہ ہونے پائے۔ اور سر میں مانگ نکالنے کا بھی حکم دیا تھا، کہ چہرے کی زیبائش بڑھ جائے۔ ان حکموں کو حضرت ابراہیم اس طرح بجا لاتے تھے جس طرح فرض کو ادا کرنے کا حق ہے۔

اپنے رب کا حکم پایا (تو سرانجام دیا **انھیں**) اور پوری تعمیل کر کے دکھادیا۔ اب اے غیر مسلمو! دیکھو کہ حضرت ابراہیم کو تم اپنا کہتے ہو، لیکن جو ان کا طریقہ تھا وہ تمہارا طریقہ نہ رہ گیا۔ اور مسلمانوں کو دیکھو کہ ان تمام چیزوں کو انجام دینا اپنے لئے سنت جانتے ہیں اور اپنے دین کو ابراہیمی ملت قرار دیتے ہیں۔ انھیں حضرت ابراہیم کا واقعہ ہے کہ ان سے **(فرمایا)** تھا اللہ تعالیٰ نے **(کہ)** اے ابراہیم **(بیشک)** وشبہ **(میں کردینے والا ہوں)** اور بنانے والا ہوں **(تمہیں)** عام **(لوگوں کیلئے)** ایسا **(پیشوا)** جسکی اطاعت واجب ہو۔ اور بغیر اس کی پیروی کے نجاتِ آخرت نہ حاصل ہو۔ اس خوشخبری کو سن کر حضرت ابراہیم کو اولاد یاد آئی۔ چنانچہ **(عرض کی)** کہ مجھ پر تو بڑا کرم ہوا **(اور)** جو **(میری نسل سے)** ہوں گے، ان کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے **(فرمایا)** کہ جو میرا مضبوط عہد تم سے ہے وہ تمہاری خاطر سے تمہاری نسل سے بھی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ **(نہ پہنچے گا)** یہ **(میرا مضبوط عہد)** تمہاری نسل میں **(اندھیر)** مچانے **(والوں کو)** کہ امامت کافروں کو نہیں مل سکتی۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

اور جب کہ بنایا ہم نے اس گھر کو مرکز ثواب لوگوں کیلئے اور پناہ۔ اور بنالو مقام ابراہیم کو

مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ

جانماز۔ اور تاکیدی حکم بھیجا ہم نے ابراہیم واسمٰعیل کی طرف، کہ تم دونوں پاک وصاف رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۞

اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع والوں سجدہ والوں کیلئے ●

(اور) یہ زمانہ تھا (جب کہ بنایا) تھا (ہم نے) خدا کے (اس گھر) کعبہ شریف اور اسکے سارے حرم (کو) ہر طرف سے آنے والوں، حج کرنے والوں، اور اہل ذوق وشوق کیلئے ایسا (مرکز)، جہاں آئیں اور (ثواب) لوٹیں۔ایک بات تو یہ یہاں حاصل ہو (لوگوں کیلئے اور) دوسری بات یہ ہو کہ یہی گھر ان کیلئے دارالامن اور (پناہ) گاہ ہے۔اے پیغمبر اسلام! تم سے حضرت عمر جو یہ عرض کر رہے ہیں کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دے دیجئے، تو اس کو منظور کرلو۔اور اپنی امت سے کہہ دو کہ شوق سے (بنالو مقام ابراہیم کو جانماز) یہیں ہر طواف کے بعد دو رکعت واجب ادا کیا کرو۔اور ساری نمازیں مقام ابراہیم کے حرم میں ادا کرتے رہو۔

اسی حرم میں کعبہ ہے، ہر نماز میں اسی کی طرف رُخ رکھو۔اسی حرم ابراہیمی میں عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ ہے۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کی جگہیں ہیں، یہاں دعا کرتے رہو اور مناسک حج ادا کرو۔سارے حرم ابراہیمی میں قیامِ امن کا اتنا لحاظ رکھو کہ نہ کسی چرند وپرند کا شکار کھیلو، اور نہ وہاں کے درختوں اور کانٹوں کو توڑو۔صرف مکہ والے اپنی ضرورت سے 'اِذخر' نام کی گھاس کو کاٹیں تو کاٹیں، ورنہ نباتات، حیوانات، سب کیلئے یہ حرم، پناہ گاہ ہے۔

خاص طور پر اس پتھر کی عزت سمجھ لو جو مقامِ ابراہیم کے نام سے دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک گنبد کے اندر رکھا ہوا ہے۔ جب حضرت ابراہیم کعبہ بنا رہے تھے اور دیواریں اونچی ہونے لگیں، کہ اب وہاں پتھروں کا پہنچانا دشوار ہوگیا، تو یہی پتھر تھا جو زینے کا کام دیتا تھا۔ پتھر اٹھاتے وقت وہ زمین کے قریب ہو جاتا اور دیوار پر رکھتے وقت اسی مقدار میں اونچا ہو جاتا تھا۔اس پر قدمِ ابراہیم کا نشان آ گیا تھا۔جو اب چھوتے چھوتے مٹامٹا سارہ گیا ہے۔ایک مرتبہ حضرت ابراہیم کو گرد وغبار میں اٹا ہوا دیکھ کر حضرت اسماعیل کی زوجہ نے اس پتھر پر انھیں نہلایا بھی تھا۔اس وقت سارے بدن کا نشان پتھر نے لے لیا تھا۔

بنائے کعبہ کا پورا واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی، والدہ کو مع حضرت اسماعیل کے، حضرت ابراہیم لے کر وہاں پہونچے جہاں آج کعبہ ہے۔اور کچھ کھجوریں اور ایک مشک پانی سے بھرا دے کر وہاں چھوڑ آئے۔ جب وہ سامان ختم ہوگیا تو حضرت اسماعیل کی تڑپ کو انکی ماں برداشت نہ کرسکیں۔ دوڑی ہوئی 'صفا' پہاڑ پر چڑھیں، وہاں کوئی نشان کسی کا نہ ملا تو وہ 'مروہ' کی طرف چلیں اور

نشیبی حصے میں قدم کو تیز کر دیا اور 'مروہ' پر چڑھ گئیں۔ اس طرح سات بار کی چال اور دوڑ سے، آخر میں مروہ پہنچیں۔ تو آواز سنی اور پھر ایک فرشتہ انھیں ملا جو حضرت اسماعیل کے پاس انھیں لے گیا اور وہاں زمین کو کریدا تو وہ چشمہ پھوٹ نکلا جس کو 'زم زم' کہتے ہیں۔ فرشتہ نے ان سے کہا کہ یہ پانی خوب پیو، چین کرو، عنقریب حضرت ابراہیم یہاں آئیں گے اور باپ بیٹے مل کر کعبہ شریف بنائیں گے۔

ان ہی دنوں میں مقام کداء سے ایک قبیلہ عرب کا یہاں آیا جسکا نام قبیلہ، جُرہُم تھا، وہ اجازت لیکر یہاں بس گیا۔ حضرت اسمٰعیل نے ان سے عربی زبان سیکھی اور انھیں میں جوان ہوئے، ان ہی میں انکی شادی ہوئی۔ انکی ماں انتقال کر چکی تھیں کہ حضرت ابراہیم آئے اور پوچھتے پوچھتے زوجہ، اسماعیل کو پایا، خیریت پوچھی تو اس زوجہ نے کہا کہ اسماعیل شکار کو گئے ہیں اور ہم لوگ بڑی دشواری سے زندگی کاٹ رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ نکال دے۔ وہ تو چلے گئے، اور جب حضرت اسماعیل گھر آئے تو اپنی زوجہ سے سارا حال سُنا اور کہا کہ وہ میرے باپ تھے، ان کا حکم ہے کہ تم کو طلاق دیدوں۔ چنانچہ طلاق دے کر دوسری شادی کی۔

ایک دن حضرت ابراہیم پھر آگئے اور اس زوجۂ ثانیہ سے ملے، خیریت پوچھی، وہ بولیں کہ حضرت اسماعیل شکار کو گئے ہیں اور ہم لوگ بخیر وخوبی زندگی گزار رہے ہیں۔ گوشت کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے دُعا دی اور فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوط باقی رکھیں۔ حضرت اسماعیل نے اس واقعہ کو واپس آکر سنا اور خوش ہوئے۔ پھر حضرت ابراہیم ایک دن آئے اور حضرت اسماعیل سے ملے، عجیب منظر تھا جب باپ بیٹے ملے تھے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ بیٹا مجھے ایک کام کرنا ہے، جسکا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ تم اُس میں مدد کرو گے؟ عرض کی کہ ضرور، مدد میں حاضر ہوں۔ فرمایا: یہاں بیت اللہ شریف بنانا ہے (اور) ہمارے حکم کا لب ولہجہ یہ تھا کہ بڑا ہی (**تاکیدی حکم بھیجا ہم نے ابراہیم واسماعیل کی طرف**) دونوں کو تاکیدی حکم دیا (**کہ**) کعبہ شریف بنا کر (**تم دونوں**) ہر قسم کی نجاست اور مجرمانہ حرکت سے (**پاک صاف رکھو**)۔ اپنی نسل کو تاکید کر دو کہ وہ بھی پاک رکھیں (**میرے**) اس (**گھر**) کعبہ شریف (**کو**) عام طور پر (**طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور**) نماز میں (**رکوع**) کرنے (**والوں سجدہ**) کرنے (**والوں کیلئے**)۔ ہمارے تمام پجاری ہماری پوجا یہاں آزادی سے کرتے رہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اور جبکہ دعا کی ابراہیم نے کہ "اے پروردگار کردے اس کو پناہ دینے والا شہر اور روزی دے یہاں والوں کو پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

جو مان گیا ان میں سے اللہ اور پچھلا دن"۔ فرمایا اور جس نے انکار کیا تو برتنے دوں گا اُسے کچھ،

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

پھر مجبور کروں گا اسے عذابِ جہنم کی طرف۔ اور وہ برا ٹھکانہ ہے ●

(اور) عجیب منظر تھا (جب کہ) مکہ کی سوکھی پہاڑیوں اور بے آب وگیاہ وادیوں اور ناقابل کاشت اراضیوں کو دیکھ کر (دعا کی تھی) حضرت (ابراہیم نے) (کہ اے) میرے (پروردگار) تو اپنے کرم سے (کردے اس) آبادی (کو) بے پناہوں کیلئے ایک (پناہ دینے والا شہر)۔ سارا جہاں یہاں پناہ پائے (اور) خوب (روزی دے) فراغت کے ساتھ (یہاں) بسنے (والوں کو) ہر قسم کے عمدہ (پھلوں سے)۔ میں سرکشوں کیلئے نہیں کہتا، میں اُس کیلئے کہتا ہوں (جو مان گیا ان) یہاں کے رہنے والوں (میں سے اللہ) تعالیٰ کو (اور) مان گیا (پچھلا دن) روزِ قیامت کو۔ اللہ تعالیٰ کو مان کر اُس کے سارے انبیاء وغیرہم جنکے ماننے کا اس نے حکم دیا ہے سب کو ماننا پڑے گا۔ عذاب وثواب، روزِ حشر کو مان کر، نیک راہ پر چلنا پڑے گا۔ غرض جو پکا مسلمان ہو اس کیلئے میری دعاء ہے۔

اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ مسلمانوں کے حق میں تمہاری دُعا بالکل مقبول ہے۔ (اور) یہاں بس کر (جس نے انکار کیا) اور کفر ہی کمایا (تو) اس مقام کی برکت سے اس کو بالکل محروم نہ رکھوں گا۔ اسکو کھانے پینے (برتنے) کا موقع (دوں گا اُسے کچھ) نہ کچھ زندگی کا سہارا عطا کروں گا۔ مگر بس اسی زندگی تک یہ کرم رہے گا۔ جب وہ مرجائے گا تو (پھر مجبور کروں گا اُسے) کہ اپنے کفر کا مزا چکھے اور (عذابِ جہنم کی طرف) کھینچ کر اس طرح لاؤں گا کہ اُس کا کوئی قابو بچنے کیلئے نہ ہو سکے گا (اور وہ) جہنم، اللہ محفوظ رکھے، بہت ہی (بُرا ٹھکانہ ہے)۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ

اور جب کہ اٹھا رہے ہیں ابراہیم بنیادوں کو اس گھر کی اور اسمٰعیل کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"اے ہمارے پروردگار قبول فرمالے ہم سے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے"●

(اور) قابل تذکرہ ہے وہ وقت (جب کہ) تعمیر کعبہ کیلئے (اٹھا رہے ہیں) حضرت (ابراہیم بنیادوں) اور دیواروں (کو) (اُس) خدا کے (گھر) کعبہ شریف (کی) (اور) اُنکے ساتھ حضرت (اسمٰعیل) بھی یہی کر رہے ہیں۔ اور اُن کی زبان پر یہ دُعا جاری ہے (کہ اے ہمارے پروردگار) ہماری ان خدمتوں کو، تو (قبول فرمالے ہم سے)، (بیشک تو ہی) ہماری دعاؤں کا (سننے والا) اور ہماری حالتوں کا (جاننے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا

"اے ہمارے پروردگار اور کردے ہم کو نیازمند اپنا اور ہماری نسل سے ایک جماعت نیازمند تیری، اور سامنے رکھ دے

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ہماری عبادت کے طریقوں کو، اور توجہ رکھ ہم پر، بے شک تو ہی تو بہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اے ہمارے پروردگار) ہماری ہر فریاد کو سن لے (اور کردے ہم) نیازمندوں (کو) اور زیادہ دوامی (نیازمند اپنا)۔ تیری نیازمندی سے ہمارا جی نہیں بھرتا (اور) یہ دولت ہماری نسل میں بھی عطا ہوتی رہے، کہ (ہماری نسل سے ایک جماعت) ہمیشہ (نیازمند تیری) رہے، اور مسلمان بنی رہے۔ (اور) صاف صاف تعلیم کرکے، بالکل چشم دید کی طرح، (سامنے رکھ دے ہماری عبادت کے طریقوں کو) جن کو تو اپنی عبادت قرار دے، اور جس جس طریقہ کو تو پسند فرمالے۔ کیوں کہ عبادت کیا ہے؟ کس طرح ہوتی ہے؟ تو کس سے راضی ہے؟ یہ تیرے بتائے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا۔ (اور) اے میرے پروردگار تو اپنی (توجہ رکھ ہم) سب (پر) اور ہماری توبہ قبول کیا کر (بیشک) ایک (تو ہی) ہے جو (توبہ) کا (قبول فرمانے والا)، مسلمانوں کو قیامت کے دن (بخشنے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

اے ہمارے پروردگار اور بھیج دے ان میں ایسا رسول ان میں سے کہ تلاوت کرے ان پر تیری آیتیں، اور سکھائے انھیں کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

اور حکمت، اور پاک صاف فرمادے ان کو۔ بے شک تو ہی غلبہ والا حکمت والا ہے"●

(اے ہمارے پروردگار) ان سب باتوں کے ساتھ (اور) یہ بھی کر، کہ (بھیج دے ان) ہم

دونوں کی اولاد (میں) ایک عظیم الشان (ایسا رسول) جو (ان) ہم دونوں کی اولاد (میں سے) ہو، بنی اسماعیل سے ہو، کہ یہی نسل وہ ہے، جو نسل ابراہیمی بھی ہے اور نسل اسماعیل بھی ہے۔ اُس رسولِ پاک کی شان یہ ہو (کہ تلاوت) کیا (کرے ان) سب (پر تیری آیتیں)۔ اُس رسول کے پاس تیری ایسی کتاب ہو جسکی، بلا کسی تحریف کے، تلاوت کی جایا کرے (اور) وہ رسول (سکھائے اُنھیں کتاب) نقطہ نقطہ، حرف حرف یاد کرادے، اور ہر ہر آیت کے مضمون کو سمجھا کر مطمئن کردے۔ (اور) دانش مندی و (حکمت) کہ حقیقت نمایاں ہو، احد واسرار کھل جائیں۔ اپنے قول وعمل سے سوچنے اور حق تک پہنچنے کے ڈھنگ سکھادے (اور) ہر زنگ سے (پاک صاف) آئینہ کی طرح مجلّٰی (فرمادے اُن) کے دلوں (کو)۔ ایسے عزت وغلبہ والے، حکمت والے، رسول کیلئے تجھ سے ہماری دُعا اسلئے ہے کہ (بیشک) صرف (تو ہی غلبہ والا) غلبہ عطا فرمانے والا، (حکمت والا)، حکمت کی تعلیم دینے والا (ہے)۔

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ

اور کون بے رغبتی کرے دینِ ابراہیم سے، مگر جس نے بیوقوف بنالیا خود اپنے کو۔ اور بے شک یقیناً چن لیا ہم نے ان کو

فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾

دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں یقیناً لائقوں سے ہیں ●

(اور) میرے مخلص بندہ، عبداللہ ابن سلام کو دیکھو کہ انھوں نے اپنے دونوں بھتیجے مہاجر اور سلمہ سے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ توریت میں صاف صاف آیا کہ بنی اسماعیل سے وہ نبی پیدا ہوگا جنکا نام احمد ہوگا۔ جو انہیں مانے گا، ہدایت پائے گا۔ جو نہ مانے گا، اس پر خدا کی پھٹکار ہوگی۔ سلمہ نے تو اسلام قبول کرلیا اور مہاجر نے انکار کردیا۔ حالانکہ وہ اور سارے یہود ونصاریٰ، بلکہ مشرکین بھی جان رہے ہیں کہ دین ابراہیمی سے، جس پر وہ سب ناز کیا کرتے ہیں، ان کو دور کا بھی تعلق نہیں رہا اور پیغمبر اسلام نے ملت ابراہیمی کو بالکل اپنالیا۔

اب اسلام کا انکار، دین ابراہیمی ہی کا انکار ہے (اور) ظاہر ہے کہ (کون) بدرستیٔ ہوش و حواس (بے رغبتی) کا اظہار ایسی صورت میں بھلا (کرے) اور انکار و بیزاری سے کام لے (دین ابراہیم سے، مگر) ہاں اسی احمق سے ہوسکے گا (جس نے) دیدہ ودانستہ اپنی حماقت سے (بے وقوف بنالیا خود اپنے کو) اور احمقوں کی طرح سے یہ کہتے ہوئے کہ ہم کو دین ابراہیم چاہئے، پھر بھی اس دین

کو پاک نہ لے۔ اور حضرت ابراہیم جس رسول کیلئے دُعا کرتے تھے اس کو پا کر قبول نہ کریں۔

کاش یہ لوگ صحیح طور پر حضرت ابراہیم کو پہچانتے، تو ایسی حماقت نہ کرتے۔ حضرت ابراہیم کو ہم نے اپنا خلیل و دوست بنایا تھا۔ (اور بیشک) وشبہ (یقیناً چن لیا) تھا (ہم نے ان کو دنیا میں) بھی (اور بیشک) وشبہ (وہ آخرت میں) بھی (یقیناً) ہمارے برگزیدہ (لائقوں) بڑی لیاقت رکھنے والوں (سے ہیں) کمالات کی اہلیت بڑی رکھتے ہیں۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جب حکم دیا انھیں ان کے پروردگار نے کہ "سر جھکاؤ" عرض کیا کہ "سر جھکا دیا میں نے سارے جہان کے پروردگار کیلئے" ●

ان کو بلند مرتبہ بنانے کیلئے ایک وقت تھا (جب حکم دیا) تھا (انہیں انکے پروردگار) اللہ تعالیٰ (نے کہ) سربلندی کیلئے ہمارے سامنے اپنا (سر جھکاؤ)، انھوں نے (عرض کیا کہ) تعمیل حکم میں لیجئے (سر جھکا دیا میں نے سارے جہاں کے پروردگار) اللہ تعالیٰ کی رضامندی (کیلئے)۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اور وصیت کی اسی نیازمندی کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے، کہ "اے بچو بیشک

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اللہ نے چن لیا تمہارے بھلے کو دین۔ تو ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ●

(اور) دم آخرت تک (وصیت کی) (اسی نیازمندی) وسجدہ ریزی (کی ابراہیم نے) بھی (اپنے بیٹوں کو اور) انکے بیٹے (یعقوب نے) بھی۔ ان کی وصیت یوں تھی (کہ اے) میرے (بچو) اور وارثو! اس کو خوب سمجھ لو اور گرہ باندھ لو، کہ (بیشک) وشبہ (اللہ) تعالیٰ (نے) بڑا ہی کرم فرمایا کہ (چن لیا) اور وہ بھی (تمہارے) ہی (بھلے کو) کہ خوب نفع میں رہو (دین) اور تمہارے دستور زندگی اور فلاح کو (تو) یاد رکھو کہ کچھ ہو جائے مگر تم لوگ (ہرگز نہ مرو)۔ اور جس ساعت کو موت کی ساعت کہتے ہیں وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے (مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو)۔ ایک منٹ کو بھی اسلام کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ

کیانہیں تھے تم گواہ جب کہ آئی یعقوب کو موت، جب کہ پوچھا تھا اپنے بیٹوں کے بھلے کو کہ کس کو پوجو گے

مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ

میرے بعد۔ سب نے جواب دیا کہ پوجیں گے آپ کے معبود کو، اور آپ کے باپ دادا ابراہیم واسمٰعیل

وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾

واسحٰق کے معبود کو، معبودِ یکتا۔ اور ہم اسی کے نیاز مند ہیں ●

ان یہودیوں کو دیکھو کیسی بے پر کی اڑاتے ہیں کہ حضرت یعقوب نے مرتے دم وصیت کی تھی کہ ہمیشہ ہمیشہ یہودی رہنا۔ انکو کہتے ہوئے یہ بھی نہیں سوجھتا کہ اس وقت یہودیت کا وجود کہاں تھا؟ ہاں یہودیوں کے مورث لوگ تھے۔ انہیں سے پوچھ لیا ہوتا کہ حضرت یعقوب کی وصیت کے ساتھ (**کیا نہیں تھے تم**) لوگوں کے مورث لوگ (**گواہ**)، ضرور تھے۔ (**جب کہ آئی**) **تھی** (**یعقوب کو موت**) کی گھڑی۔ حضرت یعقوب دیکھ رہے تھے کہ مصر والے کوئی بُت پوجتے ہیں، کوئی آگ پوجتے ہیں، اُن کو اپنی اولاد کو اِن فتنوں سے بچانا تھا۔ چنانچہ کیسی مبارک گھڑی تھی (**جب کہ پوچھا تھا اپنے بیٹوں**) ہی (**کے بھلے کو**) کہ انکا مستقبل تباہ نہ ہو۔ سوال یہ کیا تھا (**کہ**) میرے سامنے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدا پرست ہو، یہ بتاؤ (**کہ**) میں نہ رہوں تو (**کس کو پوجو گے میرے بعد**)؟ کہیں خدا پرستی چھوڑ تو نہ دو گے؟ انکے بارہ بیٹے اور پوتوں، (**سب نے**) اس سوال کا (**جواب دیا کہ**) جیسے اب پوجتے ہیں، اسی طرح آئندہ، آپ کے بعد بھی (**پوجیں گے آپ کے معبودِ**) برحق (**کو**) (**اور آپ کے باپ دادا**) حضرت (**ابراہیم اور**) ان کے بڑے بیٹے حضرت (**اسماعیل اور**) چھوٹے بیٹے حضرت (**اسحاق کے معبودِ**) برحق (**کو**)، جو (**معبودِ یکتا**) ہے۔ اسکی معبودیت میں کوئی بھی اسکا شریک نہیں ہے۔ (**اور ہم**) ہمیشہ ہمیشہ کیلئے (**اسی**) اللہ تعالیٰ (**کے نیاز مند**) اور پجاری (**ہیں**)۔

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ

یہ وہ امت ہے جو گذر چکی۔ اسکے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے کمایا۔

وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

اور تم جواب دہ نہ ہو گے اس کے جو وہ کرتے تھے ●

ان بزرگوں پر جھوٹ گڑھنے سے کیا فائدہ؟ اب تو اے یہودیو! ان بزرگوں کو جو ہونا تھا، ہو چکے۔ اور سمجھ لو کہ (یہ وہ امت ہے جو گذر چکی)۔ انکا عہد ختم ہو گیا۔ جو پہلے گذر چکا (اس کیلئے وہ) بدلہ (ہے جو اس نے کمایا) (اور) اب رہے تم، تو (تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا)۔ (اور) جس طرح وہ تمہارے ذمہ دار نہ تھے، (تم) بھی (جواب دہ نہ ہوگے اُس) عمل (کے جو وہ) کیا (کرتے تھے)۔ تو پھر انکا نام لینا اور ان پر جھوٹی تہمت لگانا چھوڑ دو۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور بولے کہ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو راہ پا جاؤ۔۔۔ جواب دو بلکہ دین ابراہیم کو،

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

جو یکسوئی سے خدا پرست تھے، اور نہ تھے مشرکوں سے ●

ذرا کعب ابن اشرف و مالک ابن صیف و وہب ابن یہودا و ابو یاسر ابن اخطب، سرداران یہود، اور نجران کے عیسائیوں میں سے سید اور عاقب اور انکے ساتھیوں کی جرأت اور جسارت دیکھو، کہ اپنے کم، اپنے دین کی باہم ڈینگ مارا کئے۔ اپنے کو دوسرے سے بڑھایا چڑھایا کئے۔ (اور) اب ایسی جرأت بڑھ گئی ہے کہ مسلمانوں سے بھی (بولے) یہود اور عیسائی لوگ (کہ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی)۔ یہودی کہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہیں کہ عیسائی (تو) (راہ) حق (پا جاؤ)۔

تم انہیں (جواب دو) کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے، اور عیسائی حضرت موسیٰ کے بارے میں یہودی تلقین قبول نہیں کرتے۔ اور حضرت ابراہیم کو دونوں مان رہے ہو، تو یہودیت وعیسائیت کو چھوڑ دو۔ ان کو نہیں (بلکہ دین ابراہیم کو) کہ کہو، کہ راہ حق اسی میں ہے۔ ایسے حضرت ابراہیم (جو یکسوئی سے) سارے معبودان باطل سے بیزار ہوتے ہوئے صرف (خدا پرست تھے) (اور) مشرکین، جو انہیں مشرک بنانے میں لگے رہتے ہیں، وہ بھی تمہاری طرح احمق ہیں۔ حضرت ابراہیم ہرگز (نہ تھے مشرکوں)، بت پرستوں (سے)۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کہہ دو کہ ہم مان گئے اللہ اور جو کچھ اتارا گیا ہماری طرف، اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل

وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَاۤ اُوۡتِیَ

اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل کی طرف اور جو کچھ دیے گئے موسیٰ اور عیسیٰ، اور جو کچھ دئے گئے سارے

النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

انبیاء اپنے پروردگار کی طرف سے، ہم نہیں چھوڑتے کوئی ان کا، اور ہم اسی کے نیاز مند ہیں ●

ان غلط بولی والوں سے، اے مسلمانو! (کہہ دو کہ) اب ہماری بولی سنو، وہ یہ کہ (ہم مان گئے اللہ) تعالیٰ کو، وہی معبودِ برحق، اور قدیم بالذات وصفات میں یکتا ہے (اور) قرآنِ پاک میں (جو کچھ) بھی حکم وغیرہ (اتارا گیا ہماری طرف اور) ہمارے پیغمبر، جو ہماری ہدایت کیلئے بھیجے گئے، ہم نے سب کو مان لیا۔ (اور) نبی وقرآن کے حکم سے ہم نے وہ بھی مان لیا (جو کچھ) بھی، دس صحیفوں میں (اتارا گیا) تھا، حضرت (ابراہیم اور) حضرت (اسمٰعیل اور) حضرت (اسحٰق اور) حضرت (یعقوب اور ان کی) آل اولاد پوری (نسل کی طرف)۔ کہ اس نسل میں انبیاء بھی ہوئے اور حضرت ابراہیم کے سارے صحیفے ان سب کی ہدایت کیلئے تھے۔ اور انبیاء بھی انھیں صحیفوں کی تبلیغ فرماتے تھے، تو وہ صحیفے ان سب کی طرف اتارے گئے کہے جائیں گے۔

(اور) ان صحیفوں ہی پر محدود نہیں، بلکہ ہم لوگ تو وہ بھی مان گئے (جو کچھ) بہ نامزد توریت (دیئے گئے) تھے حضرت (موسیٰ اور) بہ نامزد انجیل دئے گئے تھے حضرت (عیسیٰ) (اور) اتنا ہی نہیں بلکہ (جو کچھ) بھی (دیئے گئے) تھے (سارے انبیاء اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کی طرف سے)۔

یہودیوں کا حال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ وغیرہ کو مانتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ کا انکار کردیتے ہیں۔ عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں، اور پیغمبر اسلام کا انکار کردیتے ہیں۔ ان دونوں کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ سے انکار کردیں، مگر ہم مسلمان، سب ہی کو مانتے ہیں۔ اور اس ماننے میں (ہم) کسی طرح بھی (نہیں چھوڑتے کوئی) بھی جو (اُن) انبیاء (کا) فرد ہے۔ ہر نبی کو نبی مانتے ہیں اور اس نبی کے ہر پیغام کو انکے عہد کا پیغامِ الٰہی جانتے ہیں۔

اور گو یہود ونصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کردی اور عربی زبان میں ترجمہ کرتے وقت کچھ کا کچھ کردیا، مگر انجیل وتوریت کا نزول ہوا تھا، اس پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ سارے صحیفے اور کتابیں گو قرآنِ کریم سے منسوخ ہیں، مگر ہم اتنی بات برابر مانتے ہیں کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں۔

اوراس بارے میں ہمیں یہود ونصاریٰ کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ ہمارا یہ ایمان اپنے اللہ کے حکم سے ہے۔ (اور ہم) یہود ونصاریٰ کی چال نہیں چلتے کہ اللہ تعالیٰ کی بھی نہ سنیں، بلکہ ہم لوگ (اسی) اللہ تعالیٰ (کے نیازمند)، مخلص، فرماں بردار، اور پجاری (ہیں)۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

تو اگر وہ لوگ مان گئے، جیسے تم مان چکے ہوا سے، تو بے شک انھوں نے راہ پالی۔ اور اگر پھرے رہے تو بس

هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ

وہ ہٹ دھرمی میں ہیں۔ تو اب کافی ہے تمھیں ان کے بارے میں اللہ، اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ●

اے مسلمانو! تمہارے اس بیان کو یہود ونصاریٰ نے سنا (تو) یا مان لیں گے یا انکار کردیں گے۔ (اگر وہ لوگ مان گئے) تمہارے پیغمبر اور قرآن وغیرہ، جو کچھ تم مانتے ہو، مگر زبانی نہیں، بلکہ دل سے (جیسے تم) مسلمان لوگ (مان چکے ہوا سے تو بیشک) وشبہ (انھوں نے) بھی (راہ پالی) اور ہدایت پر آگئے۔ (اور اگر) اس کہنے سننے پر وہ بدستور (پھرے رہے تو بس) سمجھ لو کہ (وہ) ضد، دشمنی اور (ہٹ دھرمی میں ہیں)۔ جب ایسا ہے (تو) اے پیغمبر اسلام تم مطمئن رہو، تمہاری ذمہ داری ختم ہوگئی۔ (اب کافی ہے تمھیں) اور پوری طرح سے کفایت فرمائے گا تمہاری (ان) ضدیوں، یہودیوں، عیسائیوں (کے بارے میں) انکے مقابلے پر خود (اللہ) تعالیٰ۔ وہ تمہارا ایک بال بیکا نہ کرسکیں گے۔ تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہو گے، اور تمہارا پیغام مٹائے نہ مٹے گا۔ تم غالب رہو گے۔ یہ پیشنگوئی پوری ہوگی۔ اور پوری ہوتے دنیا نے دیکھا، کہ بنی قریظہ قتل کردیئے گئے اور بنی نضیر قید ہوئے، ملک بدر ہوئے، اور یہود ونصاریٰ کو بالآخر جزیہ دینا پڑا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی کفایت۔ (اور وہی) تو ہے ہر بولی کا (سننے والا) اور وہی ہر حال کا (جاننے والا ہے)۔ باطل پرستوں کے اقوال واحوال اس سے پوشیدہ ہیں اور نہ حق پرستوں کے اقوال واحوال اس سے چھپے ہیں۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

اللہ کے رنگے ہوئے، اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے رنگنے میں، اور ہم اسی کے پجاری ہیں ●

ذرا عیسائیوں کی اس رسم کو دیکھو کہ لڑکا جب پیدا ہوا تو ایک ہفتہ کے بعد یوں کرتے ہیں کہ

پانی میں زرد رنگ ڈال کر اسکو نہلاتے ہیں اور اس وقت کہتے ہیں کہ اب لڑکا ٹھیک طور پر عیسائی ہوا۔ جس طرح مسلمان ختنے کے دن بچے کا خون نکلنے پر کہتے ہیں کہ یہ مسلمان ہوا۔ اور اس خونریزی کو مسلمانی کہتے ہیں۔ بھلا بتاؤ کہاں خون کا قدرتی رنگ اور راہِ اطاعت میں خونی قربانی، اور کہاں زرد رنگ گھول کر بچہ کو رنگ دینا؟ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ تم ان سے کہو کہ اے زرد رُو، ہمیں دیکھو کہ ہم (اللہ) تعالیٰ (کے رنگے ہوئے ہیں) اس نے ہم کو اپنے دین اور اپنی پاک گرمی سے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ کپڑے کا رنگ اس میں گھستا ہے مگر دھوتے دھوتے ہلکا پڑ جاتا ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے جس رنگ کو پایا ہے وہ اس طرح ہم میں نافذ ہوگیا ہے کہ وہ کسی طرح ہلکا بھی نہیں ہوسکتا۔ ہمارا رنگنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ (اور) بھلا (کون زیادہ اچھا) اور بہتر ہوسکتا (ہے اللہ) تعالیٰ (سے رنگنے میں)؟ رنگ ہے تو اسی کا رنگ ہے۔ اور سب رسمی ڈھکوسلا ہے۔ (اور) یہ رنگ ہمارے سوا کسی کے نصیب میں نہیں ہے، کیونکہ بس (ہم) ہی ہیں کہ صرف (اسی کے پجاری ہیں)۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

کہہ دو کیا کٹ حجتی کرتے ہو ہم سے اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پالنہار ہے۔

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کرتوت ہیں اور ہم محض اسی کیلئے ہیں ●

ذرا ان یہودیوں کی جاہلانہ بحثیں دیکھو، کہتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام سے پہلے کا ہے، ہم 'سناتنی دھرم' والے ہیں۔ ہمارے دین پر انبیاء رہے اور انبیاء ہم میں ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم مسلمانوں سے زیادہ بہتر ہیں، اور نبی بھیجتا تو ہم میں بھیجتا۔ جیسا انھوں نے نبوت کا ٹھیکہ لے رکھا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو پابند کررہے ہوں کہ نبوت ان کے گھرانے سے باہر نہ ہونے پاوے۔ اس کج بحثی پر تم (کہہ دو) کہ (کیا) مہمل (کٹ حجتی کرتے ہو ہم سے اللہ) تعالیٰ کی شانِ بے نیازی (کے بارے میں) (حالانکہ) بالکل ظاہر ہے کہ (وہ) اللہ تعالیٰ (ہمارا) بھی (پروردگار ہے) (اور تمہارا) بھی (پالنہار ہے)۔

اور اسکے یہاں نسل اور باپ دادے کا کوئی سوال نہیں۔ وہاں صرف ایمان وعمل پر مدارِ قرب

ہے۔(اور) اسکے یہاں (ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں) کہ ہمارے حسن عمل کو عزت بخشے اور ہر نعمت سے مالا مال فرمائے (اور تمہارے لئے) اللہ تعالیٰ کے یہاں (تمہارے) کئے ہوئے (کرتوت ہیں) کہ بداعمالی کی بنیاد پر ہر نعمت تم سے چھین لی گئی (اور) اب تم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ لیکن (ہم) مسلمان (محض اسی کیلئے ہیں)۔

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل

هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یہودی تھے یا نصارٰی؟ پوچھو کہ "کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟" اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے، جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾

گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو کچھ کرو●

اے یہودیو اور عیسائیو! (کیا تم) بلا تردد (کہتے) رہتے (ہو کہ بیشک) وشبہ حضرت (ابراہیم اور) حضرت (اسمٰعیل اور) حضرت (اسحٰق اور) حضرت (یعقوب اور انکی نسل) کے آل، اولاد سب کے سب، یا (یہودی تھے یا نصارٰی) تھے۔ اے میرے پیغمبر! ان سے (پوچھو) کہ (کیا تم زیادہ جانتے ہو) بڑے علم رکھنے والے (یا اللہ) تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو یہی جانتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے اور اندھیر مچارہے ہو۔ (اور) تمہیں بتاؤ (اس سے زیادہ اندھیر) مچانے (والا کون ہے، جس نے چھپایا) اس (گواہی کو) اور ایسی حقیقت کو (جو اسکے پاس) موجود (ہے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)۔ تم لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے، پیغمبر اسلام کا تذکرہ تمہاری کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا اور یہ بتادیا تھا کہ حضرت ابراہیم وغیرہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے، بلکہ مسلمان تھے، جس کو تم لوگ چھپا رہے ہو۔ یاد رکھو (اور) خوب سمجھ لو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (غافل اس سے جو کچھ) بھی تم لوگ کیا (کرو)۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کو اپنے کرتوت بھگتنا پڑیں گے۔

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ

یہ وہ امت ہے جوگزر چکی۔۔۔اس کے لیے ہے جو کچھ اس نے کمایا، اور تمہارے لیے ہے جو کچھ تم نے کمایا۔

وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۱﴾

اور نہ پوچھے جاؤ گے اُس سے جو کچھ وہ کرتے تھے ●

اے یہودیو! نصرانیو! باپ دادا کی رشتہ داری پر اترانے والو! تم سے نصیحت کی جاتی ہے اور سارے مضمون کا خلاصہ پھر دوبارہ تمہارے سامنے رکھ دیا جاتا ہے کہ باپ دادا پر فخر بیجا، بیکار ہے۔ (یہ) تمہارے آباء واجداد (وہ امت ہے جو گذر چکی، اس کیلئے ہے جو کچھ اس نے کمایا)۔ انکی نیکی تمہارے کام نہ آئیگی اور انکی بدی کے تم ذمہ دار نہیں۔ (اور تمہارے لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا)۔ دوسرے کی کمائی کو نہ دیکھو، اپنی کمائی پر نظر رکھو۔ (اور) سمجھے رہو، کہ (نہ پوچھے جاؤ گے) تم لوگ (اس) عمل (سے جو کچھ وہ) پہلے کے لوگ (کرتے تھے)۔ تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ چھ ذوالحجۃ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل فرما چکے تھے۔ اور پھر اسکے بعد تفسیر لکھنے کیلئے قلم اٹھایا۔ آپ نے اپنے وصال یعنی ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ تک تین پارے اور چوتھے کے چند رکوع ہی کی تفسیر قلمبند فرمائی تھی۔ لہٰذا قطعی طور پر اس پہلے پارے کی تفسیر کی تکمیل کی تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مدنی تاجدار ﷺ اہل کتاب کے قبلہ 'بیت المقدس' کی طرف بحکم ربانی رخ کر کے، باختلاف روایات ۹۔۔یا۔۔۱۰۔۔یا۔۔۱۳۔۔یا۔۔۱۶۔۔یا۔۔۱۷۔۔ مہینے تک نماز پڑھتے رہے۔مگر آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ شریف کو، جسکی تعمیر آپ کے جد کریم سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی، امت مسلمہ کا قبلہ یعنی حالت نماز میں مرکز توجہ بنادیا جائے۔

رب کریم نے جب اپنے محبوب کی اس خواہش کو پورا کرنا چاہا، تو پورا کرنے سے پہلے ان اعتراضات کو ظاہر فرمادیا جو سطحی ذہن وفکر کے لوگ کرنے والے تھے، جو ارادۂ الٰہی اور حکم خداوندی کی اہمیت وعظمت سے ناآشنا تھے اور جنھوں نے 'بیت المقدس' میں بھی اپنی اپنی پسند کی سمتوں کو حالت نماز میں اپنا قبلہ بنارکھا تھا۔'بیت المقدس' کی سمت مغرب 'یہودیوں' کا قبلہ تھا اور سمت مشرق 'عیسائیوں' کا۔اب اگر نبی کریم کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنادیا جائے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے، خود حضور آیہ رحمت ﷺ کی جائے ولادت ہے اور اللہ کا 'حرم' اور 'بیت اللہ' ہے۔پھر رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کی خواہش پوری فرمادی تو اس میں کون سی حیرت کی بات تھی اور اعتراض کا کیا محل تھا۔

ان اعتراض کرنے والے بیوقوفوں نے خیال کرلیا تھا کہ 'بیت المقدس' کی کوئی ذاتی خصوصیت ہے جو دوسری سمتوں کو حاصل نہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔'بیت المقدس' کسی خاص خصوصیت کی وجہ سے قبلہ نہیں بنایا گیا تھا، بلکہ حکم خداوندی ہی سے قبلہ قرار دیا گیا تھا۔تو اب یہ حکم جس سمت کیلئے ہو اور جب بھی ہو اُسے قبلہ تسلیم کرلیا جائے گا۔تبدیلیٔ قبلہ سے پہلے ہی اس پر ممکنہ اعتراضات کو ظاہر کردینے سے تبدیلی کے بعد ان اعتراضات کو سن کر مسلمان کسی ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کا شکار نہیں ہونگے بلکہ سکون واطمینان کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں گے۔کسی امر کے واقع ہونے سے پہلے نبی کریم کا اسکی خبر دینا غیب کی خبر دینا ہے، جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔مگر بیوقوفوں کی نظر ان واضح حقیقتوں تک کہاں پہنچ سکتی ہے؟ انکے لئے تو احمقانہ اعتراض کرنا ہی آسان ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا

اب بکیں گے بیوقوف لوگ کہ کس نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو انکے اس قبلہ سے۔جس پر تھے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

کہہ دو کہ اللہ ہی کیلئے ہے پورب پچھم۔چلائے جسے چاہے سیدھا راستہ ●

تو اے محبوب (اب) عنقریب بکواس کریں گے اور (بکیں گے) کم عقل، ہلکے اذہان رکھنے والے (بیوقوف) ایسے عامی، عقل وشعور سے جنکا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔یعنی۔۔۔یہود ومنافقین مدینہ اور مشرک (لوگ کہ کس نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے) بیت المقدس سے (جس پر تھے) آج تک جس کو اپنی نمازوں میں قبلہ بناتے رہے۔اے محبوب ان سے (کہہ دو) اور واشگاف انداز میں اس حقیقت کو ان پر واضح کر دو (کہ اللہ ہی کیلئے ہے پورب) خانہ کعبہ جدھر واقع ہے اور (پچھم) 'بیت المقدس' جس طرف ہے۔۔۔الغرض۔۔۔جملہ جہات اور ساری سمتیں اُسی کیلئے ہیں اور وہی سب کا مالک ہے، مختار ہے۔(چلائے) راستہ دکھائے (جسے چاہے سیدھا راستہ) دین اسلام کا راستہ اور قبلۂ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا راستہ۔اس پر کوئی اعتراض نہیں۔وہ اپنے بندے کی توجہ جدھر چاہے کرے اور جسکو چاہے سیدھا راستہ دکھائے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

اور اسی طرح کر دیا ہم نے تم کو بہتر امت، تا کہ ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔اور رسول تم پر گواہ ونگراں

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

ہو جائیں۔اور ہم نے نہیں بنایا تھا اس قبلہ کو جس پر تم تھے مگر اسلئے تھا کہ الگ معلوم کرا دیں جو غلامی کرے رسول کی

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا

ان سے جو الٹے پاؤں لوٹے۔گویہ بات گراں ہوئی مگر ان پر جن کو اللہ نے ہدایت دی۔اور نہیں ہے

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اللہ کہ بے کار کر دے تمہارے ایمان کو۔بے شک اللہ لوگوں پر بے حد مہربان رحمت والا ہے ●

(اوراسی طرح) جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو سارے قبلوں پر فضیلت دے رکھی ہے (کر دیا ہم نے تم کو) عادل امتوں میں صدر نشیں، اپنے جملہ عقائد ونظریات اور اعمال وافعال میں معتدل، جن میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ نہ تم میں نصاریٰ کا غلو ہے، جنھوں نے حضرت مسیح کو الوہیت سے موصوف کر دیا اور نہ ہی یہودیوں کی تفریط وتقصیر، جنھوں نے معاذ اللہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناجائز بیٹا قرار دیا۔

---الغرض---تمہارا قبلہ سارے قبلوں سے بہتر اور تم ساری امتوں میں برگزیدہ (بہتر امت، تا کہ ہوجاؤ) روز قیامت انبیاء کرام کے (گواہ) اُن (لوگوں پر) جو انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ نبوت کا انکار کر دینے والے ہونگے اور انبیائے کرام اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ ان حضرات علیہم السلام نے خدا کا پیغام اپنے امتیوں تک بخوبی پہنچادیا، تم کو بارگاہِ خداوندی میں اپنے گواہ کی حیثیت سے پیش کریں گے۔ اور گواہ جسکا گواہ ہوتا ہے اسکا محبوب اور اسکی عنایات کا مرکزِ توجہ بھی ہوتا ہے۔ اسطرح تم کو 'محبوب الانبیاء' ہونے کا شرف بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ گو صرف تمھاری گواہی پر بات تمام نہ ہوگی---کیونکہ---منکرین اعتراض کر بیٹھیں گے کہ یہ امت ہمارے زمانے میں نہیں تھی تو اسکی گواہی کیسی؟

اس صورت میں اس امت کو یہ عرض کرنا پڑے گا کہ ہماری گواہی کی بنیاد وہ خبریں ہیں جو اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانِ مقدس کے ذریعہ ہم تک پہنچائیں ہیں۔ اسی لئے ضرورت ہوگی کہ حضور آیۂ رحمت ﷺ تمہاری عدالت اور لائق شہادت ہونے کی شہادت سے سرفراز فرمائیں---تاکہ---واضح ہوجائے کہ عادل اور لائق شہادت جماعت، مشہور ومعروف چیزوں کی گواہی سنکر بھی دے سکتی ہے۔ اسکی گواہی قابل قبول ہوگی۔

رب تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے امت محمدیہ کو انبیائے کرام کا گواہ بنایا اور خود نبی کریم کو خود اپنی ہی امت کی عدالت ولائق شہادت ہونے کا گواہ قرار دیا، تا کہ منکرین نے جو اعتراض امت کی گواہی کے تعلق سے کیا، رسول کریم کی گواہی میں اس اعتراض کی صورت ہی نہ نکل سکے۔ امت محمدیہ کی عدالت ودیانت کا تقاضہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی گواہ ہے اسی طرح وہ دنیا میں بھی لوگوں پر ان امور میں گواہ ہو، جنکا ثبوت عادلین کی شہادت ہی پر موقوف ہے اور نبی کریم ان شاہدین کی عدالت ودیانت کے شاہد ہوں---الغرض---تم انبیاء کے بھی شاہد اور دوسرے لوگوں کے بھی، مگر رسول کریم صرف تمہارے شاہد۔

---المختصر---تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ (اور رسول) میرے فرستادہ، محمد ﷺ (تم پر گواہ اور نگراں ہو جائیں)۔ تمہاری عدالت کو ظاہر فرمائیں، تمہارا تزکیہ فرمائیں اور ہر وقت تمہیں اپنی نظر کرم کے سائے میں رکھیں---الغرض---تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے نورِ نبوت سے اپنے ہر ماننے والے امتی کے دینی مرتبہ سے واقف ہے کہ وہ دین کے کس درجے پر ہے اور اسکے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا حجاب ہے جو اسکی ترقی میں حائل ہے---المختصر---وہ تمہارے گناہوں، تمہارے ایمانی درجوں، تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص و نفاق، سبھی سے باخبر ہیں۔

نبی کریم ﷺ ابتداءً مکہ کے قیام کے دوران نماز فرض ہونے کے بعد، بحکم خداوندی اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ 'بیت المقدس' بھی آپکے سامنے ہو جاتا---اور---'کعبہ شریف' آپکے اور 'بیت المقدس' کے درمیان رہتا۔

ہجرت کے بعد رب تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کی تالیف قلب کیلئے خاص کر کے 'بیت المقدس' کو قبلہ قرار دیدیا---چنانچہ---حکم خداوندی کے پیش نظر آپ ﷺ 'بیت المقدس' کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمانے لگے۔ مگر آپ کی دلی خواہش یہی رہی کہ کعبہ ہی کو ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے۔ اس میں عرب کی عزت افزائی کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی مخالفت بھی ہے۔ رب کریم نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کی آرزو پوری فرما دی اور کعبہ کو قیامت تک کیلئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دے دیا۔

---چنانچہ---فرمادیا کہ اے محبوب---فی الحال---تو اصل حکم یہی ہے کہ آپ کعبہ کو اپنا قبلہ بنائے رکھیں (اور) اب رہ گیا 'بیت المقدس' کو قبلہ بنا دینے کا معاملہ، تو (ہم نے) تمہاری عبادتوں کا قبلہ (نہیں بنایا تھا) عارضی مدت کیلئے 'بیت المقدس' کو---یعنی---(اس قبلہ کو جس پر) مدینہ منورہ میں جسکی طرف رخ کر کے (تم) سب کلمہ پڑھنے والے نماز پڑھتے (تھے) اور عبادت کرتے تھے، (مگر) اس میں یہ حکمت تھی اور وہ (اسلئے تھا کہ) ممتاز کریں، ظاہر کر دیں، سب کو دکھا دیں اور الگ (الگ معلوم کرا دیں) اسکو (جو) ہر حال میں محبت واطاعت سے بھرپور مخلصانہ سچی (غلامی کرے) اس مخصوص عظیم المرتبت (رسول کی)، (ان) بدبختوں، کمزور ایمان والوں اور دل میں نفاق رکھنے والوں (سے)، (جو) اپنے دل کی کجی---یا---ضعف ایمانی کے سبب صراط مستقیم سے (الٹے پاؤں

لوٹے) اور راہ حق سے عدول کرکے ناحق کی طرف چلے گئے۔

---چنانچہ---بیت المقدس کو قبلہ بنا کر، پھر اسکی تحویل، بعض لوگوں پر ایسی شاق گزری کہ وہ مرتد ہوگئے۔ انکا یہ طرزِ عمل ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا۔۔۔کیونکہ۔۔۔انکی آسمانی کتابوں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ تحویلِ قبلہ ہونی ہی ہے، جو اللہ کی طرف سے ہے اور حق ہے۔

(گو) اگرچہ **(یہ بات)** قبلہ کی تحویل، کعبہ کو قبلہ بنانا اور اسکا قبلہ ہونا **(گراں ہوئی)** جان بوجھ کر بیجا ضد کرنے والوں پر، **(مگر اُن)** حق شناس، حق پسند اور نفوس قدسیہ رکھنے والوں **(پر جن کو اللہ)** تعالیٰ **(نے)** اپنے **فضل و کرم سے (ہدایت دی)**، احکام شرعیہ جو تفصیلاً اور اجمالاً حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں، انکے اسرار و رموز سمجھا دئے، وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور اتباع رسول میں سچے رہے، ان پر واضح ہوگیا کہ یہ ایک قبلے سے دوسرے قبلے کی طرف، درحقیقت رب تعالیٰ کی ایک اطاعت سے اُسی کی دوسری اطاعت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ تو اس میں کون سی ایسی بات ہے جو گراں بار ہو۔

اس موقعہ پر بیوقوفوں کا بطور استہزاء یہ کہنا، کہ اگر کعبہ کو قبلہ بنانا صحیح تھا تو پھر بیت المقدس کو کیوں قبلہ بنایا۔۔۔اور۔۔۔اگر بیت المقدس کا قبلہ ہونا حق تھا تو پھر اُس سے کیوں پلٹ گئے؟ اس الٹ پلٹ سے تو اپنے باپ دادا کے دین کی طرف پلٹ جانے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ ان نادانوں کو کیا خبر کہ اطاعت رسول پر ثابت قدم رہنے والے اپنے نفس کے غلام نہیں، انھیں تو صرف خدا اور رسول کی اطاعت ہی مطلوب ہے۔

تحویل قبلہ کے بعد یہودی لوگ مختلف انداز سے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔۔۔چنانچہ۔۔۔بعض یہودیوں نے کہا کہ اگر قبلہ حق، جہت کعبہ ہی ہے، پھر تو وہ صحابہ جو تحویل قبلہ سے پہلے وصال کر چکے تو انکی وفات گمراہی پر ہوئی۔ یہودیوں کے اس جاہلانہ پروپیگنڈے کے پیش نظر سرکار رسالت مآب ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور ہمارے وہ ایمانی بھائی جنھوں نے اپنی نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کیں اور تحویل قبلہ سے پہلے ہی وفات پا گئے تو انکی اُن نمازوں کا کیا حال ہوگا؟

---اس پر ارشاد ربانی ہوا۔

(اور نہیں ہے) بے پناہ **فضل و کرم فرمانے والا (اللہ)** تعالیٰ **(کہ بیکار کر دے)** اسکو قبول نہ فرمائے اور اس پر اجر نہ عطا کرے **(تمہارے ایمان)** وعبادت ونماز **(کو)**۔ نماز ایمان والوں ہی پر

فرض ہے۔ایمان والے ہی ادا کریں تو قبول ہے اور جماعت کے ساتھ جسکی ادائیگی ایمان کی دلیل ہے ---الغرض---قبلہء منسوخہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے والی مسلمانوں کی نمازیں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسکی اطاعت ہی کا ثمرہ ہیں، تو وہ بھی گویا عین ایمان ہیں، جن کو رب کریم اپنے فضل و کرم اور اجر عظیم سے محروم نہ فرمائے گا۔(**بیشک اللہ**) تعالیٰ فرمانبردار، اطاعت شعار، ایمان والے (**لوگوں پر بے حد**) جسکی کوئی حد نہیں، خصوصی مہربانی فرمانے والا (**مہربان**)، خصوصی بخشش سے نوازنے والا (**رحمت والا ہے**)، تو پھر وہ نکوکاروں کی نیکیوں کو کیسے ضائع فرما دے گا؟

یہودیوں کا 'تحویل قبلہ' پر طنز و تعریض کرنے اور اعتراضات پیش کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی، بلکہ بلا وجہ تمسخر و استہزاء کرنے کو انھوں نے اپنا شیوہ بنالیا تھا۔اسی لئے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنالینے کی صورت میں بھی وہ اپنی عادت سے باز نہ آسکے تھے اور طنزاً کہنے لگے تھے کہ مسلمان ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے دین سے الگ دین رکھتے ہیں مگر نماز ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں۔

سرکار رسالت مآب ﷺ نے جب یہودیوں کی یہ بات سنی تو آپ کو دلی ملال ہوا اور دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ہمارا قبلہ 'کعبہ' قرار دیدیا جائے۔اسکے سوا بھی دوسری مصلحتیں تھیں جنکے پیش نظر آپ چاہتے تھے کہ کعبہ ہی قبلہ کر دیا جائے---مثلاً: کعبہ ہی حضرت ابراہیم کا قبلہ تھا اور سب سے پہلا قبلہ تھا---نیز---اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے یہ ایک موثر ذریعہ تھا---کیونکہ---کعبہ عرب کا سرمایہء افتخار اور انکی مخصوص زیارت گاہ اور مرکز طواف ہے۔

---چنانچہ---حضور ﷺ نے ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام سن کر اپنے مقام پر واپس آگئے۔اسوقت سے حضور بار بار آسمان کی طرف دیکھتے اور اس خاص مقصد کیلئے وحی کا انتظار فرماتے۔چشم امید کا بار بار در رحمت پر اٹھتے رہنا، اور زبان سے صراحتہً ازراہِ ادب، کچھ عرض نہ کرنا---تو---ایک طرف پیارے حبیب کی یہ پیاری ادائیں، دوسری طرف خود رب کریم کو اپنے حبیب کی خوشنودی خاطر مطلوب---جسکا---خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لیکر حاضر ہو گئے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم ملاحظہ کر رہے ہیں تمہارے چہرہ کے بار بار اٹھنے کو آسمان کی طرف، تو ضرور پھیر دیں گے ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف،

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

تو اب پھیر دو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف، اور تم لوگ جہاں کہیں ہو اپنا اپنا رخ اسی کی طرف کرو۔ اور بے شک جو دیئے گئے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

تھے کتاب، ضرور جانتے ہیں کہ بیشک یہ حق ہے انکے رب کی طرف سے، اور نہیں ہے اللہ بے خبر انکے کرتوتوں سے ●

(ہم ملاحظہ کر رہے ہیں) اے محبوب (تمہارے چہرے کے بار بار اُٹھنے کو) اور بار بار (آسمان کی طرف) تمہارے متوجہ ہونے کو، اور ہم جان رہے ہیں کعبہ کو قبلہ بنادینے کی تمہاری دلی خواہش کو، (تو) یقین جان لو (ضرور) بالضرور (پھیر دیں گے) عنایت فرمائیں گے، رخ کرنے کی قدرت دینگے (ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف) جسکی محبت آپ کے دل میں ہے اور آپ جسکے قبلہ ہونے کے مشتاق ہیں۔ اور یہ محبت واشتیاق بھی کچھ نفسانی خواہش یا طبعی غرض سے نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ مقاصد دینیہ کی وجہ سے ہے۔ (تو اب) بغیر کسی تاخیر کے فوراً ہی (پھیر دو اپنا) اور اپنے پورے بدن کا (رخ) جہت کعبہ (مسجد حرام کی طرف)۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ نصف رجب ۲ھ بروز دوشنبہ، جبکہ آپ 'مسجد بنی سلمہ' میں بوقت ظہر نماز پڑھ رہے تھے، اور دو رکعت ادا بھی فرما چکے تھے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ حکم خداوندی لیکر نازل ہوئے۔ اسکو سنتے ہی آپ فوراً صخرۃ بیت المقدس سے پھر گئے اور میزاب کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی دو رکعت نماز جہت کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی۔

اُس دن سے مذکورہ مسجد کا نام ہی 'مسجد قبلتین' ہو گیا اور سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ آخری نبی کی ایک یہ بھی خاص پہچان ہے کہ وہ دو قبلوں کا امام ہوگا۔ اولاً نبی کریم کو خاص طور پر مخاطب فرما کر تحویل قبلہ کا حکم دیا، اسکے بعد تمام امتیوں کو جہت کعبہ، مسجد حرام کی طرف پھر جانے کو اور اسکو اپنا قبلہ بنا لینے کا عمومی حکم نازل فرمایا،

۔۔۔ اور ارشاد فرمایا:

(اور) اے امت محمدیہ (تم لوگ) بحر و بر، نرم و ہموار زمین۔۔۔ یا۔۔۔ بلند و بالا پہاڑ اور شرق و غرب۔۔۔ الغرض۔۔۔ (جہاں کہیں ہو) جب نماز کا ارادہ کرو تو (اپنا اپنا) اور اپنے اپنے پورے

بدن کا (رخ اسی) جہت کعبہ، مسجد حرام (کی طرف کرو)۔اب اگر تم ایسی جگہ ہو جہاں سے بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہے ہو تو تم پر بعینہٖ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور اگر تم ایسی جگہ نہیں ہو بلکہ دور ہو، تو صرف 'سمت کعبہ' کی طرف رخ کر لینا فرض ہوگا۔

---الختصر---کعبہ اہل مسجد کا قبلہ ہے، مسجد حرام مکہ کا قبلہ ہے، مکہ حرم کا قبلہ ہے اور حرم ساری دنیا کا قبلہ ہے---کیونکہ---حالت نماز میں جہت کعبہ کی طرف رخ ہو جانا مذکورہ بالا تمام صورتوں میں حاصل ہے---'جہاں کہیں ہو'---فرما کر واضح کر دیا کہ یہ صرف مدینہ والوں ہی کا قبلہ نہیں بلکہ بیت المقدس والوں کا بھی ہے۔

(اور بے شک جو دئے گئے تھے کتاب)---یعنی---یہود و نصاریٰ (ضرور جانتے ہیں)، انکے نبیوں نے انکو بخوبی طور پر آگاہ فرما دیا ہے (کہ بے شک یہ) تحویل یا کعبہ کی طرف متوجہ ہونا (حق ہے ان کے رب کی طرف سے) کیونکہ وہ توریت میں پڑھ چکے ہیں کہ پیغمبر آخر الزماں دو قبلوں کی طرف نماز ادا فرمائیں گے اور آخری قبلہ کعبہ ہوگا اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی وہی آخری نبی ہیں، انکی کتابوں میں جنکی بشارت ہے، جو باطل کا حکم نہیں دے سکتے۔(اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر ان) یہودیوں (کے) انکار قبلہ جیسے نالائقی والے افعال اور (کرتوتوں سے)، تو انکو اللہ کی گرفت سے بے خوف نہیں ہو جانا چاہیے۔

---یونہی---اے ایمان والو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال صالحہ اور جذبات اطاعت رسول سے بھی بے خبر نہیں کہ تم میں سے جو نماز میں رسول کریم کے ساتھ تھے، انھوں نے تو آپ ﷺ کے ساتھ ہی تحویل قبلہ کر لیا، لیکن تمہارے سوا جو دوسرے لوگ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو جیسے ہی اُنکو خبر ملی کہ رسول کریم نے قبلہ بدل دیا ہے اور بیت المقدس کی طرف سے رخ پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا ہے، تو ان لوگوں نے بھی کسی پس و پیش کے بغیر ہی اپنا چہرہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اپنے اس عمل سے پہلے نبی کریم ﷺ سے تحقیق حال تو کر لیں---صرف ایک انسان کی خبر کی بنیاد پر ان سب پر واجب نہیں تھا کہ وہ ایسا کرتے، مگر انکے جذبۂ اطاعت رسول نے گوارا نہیں کیا کہ چوں چرا میں پڑ کر اطاعت رسول کو انجام دینے میں ذرا دیر کیلئے بھی تاخیر کریں۔تسلیم و رضا کے اس بے مثال نمونے سے تمہارا رب کریم بے خبر نہیں ہے---یقیناً---تم سب کیلئے اسکی طرف سے وعدۂ اجر عظیم ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دے رہا ہے کہ اے محبوب آپ ان یہودیوں کے اعتراضات سے پریشان خاطر نہ ہوں۔ وہ جو کچھ بھی کرر ہے ہیں ضد اور ہٹ دھرمی میں کر رہے ہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔انھیں خوب معلوم ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ جو جان بوجھ کر کسی چیز کا انکار کرے، کوئی دلیل اسکو مطمئن نہیں کرسکتی۔کوئی طے ہی کرلے کہ میں سمجھونگا ہی نہیں، تو پھر کوئی اُسے کیسے سمجھا سکتا ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور اگر لاتے تم انکے پاس جن کو کتاب دے چکا ہی ہے ساری نشانی نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی، اور نہ تم ہی انکے

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

قبلہ کے پیرو ہو، اور نہ خود ان میں ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے۔ اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے اُنکی خواہشوں

اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

کی بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس علم، تو بیشک وہ تمہارا اس صورت میں حد سے بڑھ جانے والوں سے ہے●

(اور اگر لاتے تم ان) بغض وعناد رکھنے والے یہودیوں (کے پاس جن کو) اللہ تعالیٰ (کتاب دے چکا ہی ہے) پہلے ہی سے دے چکا ہے اور انھیں پوری حقیقت سے آگاہ فرما چکا ہے، اسکے باوجود جو تم سے روبکعبہ ہونے کی حقیت وحقیقت سمجھنے کی بات کرتے ہیں اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایک دو نہیں ساری کی (ساری نشانی) خواہ وہ از قسم معجزہ ہو۔۔۔یا۔۔۔ حجت وبرہان قاطع، اسکے باوجود وہ (نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی) اسلئے کہ وہ جو تمہاری پیروی نہیں کررہے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کسی شبہ میں ہیں، جسکو حجت ودلیل سے زائل کردیا جائے، بلکہ وہ جو کچھ کررہے ہیں، ازراہ عناد، دشمنی کے طور پر کررہے ہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔انھیں اپنی کتابوں سے یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔

اپنے کو ناحق سمجھنے کے باوجود انکو یہ لالچ ہے کہ آپ انکے قبلے کو اپنا قبلہ بنالیں، یہاں تک کہ انکے بعض نبی کریم ﷺ سے کہہ پڑے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت ہو جائیں تو ہم آپ کو وہ نبی تسلیم

کر لینگے جسکے ہم منتظر ہیں۔ مگر انکے اس طمع کی جڑ اس فرمان سے کاٹ دی گئی کہ نہ تو وہ تمہارے قبلہ کے پیرو ہیں (اور نہ تم انکے قبلہ کے پیرو ہو)، گو یہودیوں کا قبلہ اور تھا۔۔۔اور۔۔۔نصاریٰ کا اور۔ لیکن باطل ہونے میں دونوں متحد ہیں، گویا دونوں ایک ہیں۔ اب جو کسی باطل قبلہ کا پیرو نہیں تو وہ دونوں میں سے کسی کے قبلہ کا پیرو نہیں ہوسکتا (اور نہ خود ان میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے)۔

یہود، نصاریٰ کے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔

جب یہ اپنے عناد و مخالفت پر اتنے متصلب ہیں کہ آپس ہی میں قبلہ کے معاملے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو انکی مخالفت صرف آپ ﷺ ہی سے نہیں رہ گئی۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔اے محبوب آپ انکی مخالفت کا خیال نہ فرمائیں اور اپنے کو رنجیدہ خاطر نہ کریں۔

اے محبوب قبلہ کا معاملہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ اگر۔۔۔بفرضِ محال۔۔۔اس معاملے میں آپ نے بھی انکی خواہشوں کی پیروی کی تو آپکا بھی شمار اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں میں ہوجائے گا۔۔۔مگر چونکہ۔۔۔ آپ نبی ہیں اور نبی کی ذات صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے، تو اس سے ایسا جرم سرزد ہو، یہ تو ناممکن ہے۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب کا رخ آپ کی طرف ہے، مگر مخاطب آپ کی امت ہے، جسکے آپ والی و مالک ونگہبان ہیں۔ (اور) اب (اگر کوئی تمہارا ہوکر) آپ کو اپنا نبی ورسول مان کر، آپ کا امتی ہوکر اور آپ کے دین پر ایمان لاکر (پیروی کرے ان) یہودیوں (کی خواہشوں کی) اور انکے کہنے پر کعبہ سے رخ پھیر کر بیت المقدس کو قبلہ بنالے (بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس) کعبہ کے قبلہ ہونے اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا (علم) جسکو آپ نے سب تک پہنچا بھی دیا اور دلائل و براہین کے ساتھ واضح بھی فرمادیا، (تو بیشک وہ تمہارا) امتی (اس صورت میں) اطاعت رسول کی (حد سے) نکل کر نافرمانی کی حد میں داخل ہوجانے والوں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے (بڑھ جانے والوں سے ہے)۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

جن کو ہم نے کتاب دی ہے پہچانتے ہیں پیغمبرِ اسلام کو جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور بیشک ان میں سے ایک گروہ حق کو ضرور چھپاتا ہے جانتے بوجھتے ●

وقف منزل

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے) علمائے اہل کتاب (پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو) کہ وہ نبی برحق ہیں، امام قبلتین ہیں، تمام آسمانی صحیفوں کی بشارتوں کا مرجع ہیں اور یہ پہچان ایسی ویسی پہچان نہیں، بلکہ ایسا پہچانتے ہیں (جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) اسی لئے انھیں آپ ﷺ کی رسالت پر کسی طرح کا اشتباہ نہیں، جیسے انھیں اپنے بچوں کے تعلق سے کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔

انسان خود اپنے آپ کو بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے۔ بخلاف اپنی اولاد کے، کہ انھیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ ہم اپنے بچوں سے زیادہ نبی کو جانتے ہیں، اسلئے کہ ہمیں محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کبھی بھی شک نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف بچوں کے تعلق سے ماں کی طرف سے خیانت کا امکان شک کا باعث ہوسکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپکی اس بات پر آپکی پیشانی کو چوم لیا۔

(اور بے شک ان) علمائے اہل کتاب (میں سے ایک) بڑا (گروہ) جس نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ حسد وعناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے (حق) نبی کے نبی برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے، اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبیٔ کریم کے اوصاف حمیدہ (کو ضرور چھپاتا ہے)۔ وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ (جانتے بوجھتے)۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

یہ حق ہے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے، تو ہرگز شک نہ کرنا ●

کہ (یہ حق ہے لوگو) سایۂ دامن رسالت میں رہنے والو (تمہارے رب کی طرف سے) کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ یہی اسکے حق ہونے کی دلیل ہے۔ اسلئے کہ حق وہی ہے جسکا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو اور جسکا خدا کی طرف سے ہونا ثابت نہ ہو وہ باطل ہے (تو) اسکے منجانب اللہ ہونے میں (ہرگز شک نہ کرنا)۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا

اور ہر ایک کیلئے ایک رخ ہے کہ اسکی طرف متوجہ ہے تو نیکیوں میں آگے بڑھنے کی خواہش کرو، جہاں کہیں ہو گے

يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

تم سب کو اللہ لے آئے گا۔ بیشک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے ●

جس طرح کسی کی جہت عبادت اُسکا قبلہ ہے اُسی طرح اسکی خاص توجہ کا مرکز بھی اسکا قبلہ ہے تو مسلمان جہاں بھی، جس طرف بھی ہوں، کعبہ ہی انکا قبلہءعبادت ہے۔ جو کعبہ سے شمال میں ہیں انکے قبلہ کی سمت جنوب ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ جنوب والوں کا قبلہ جانبِ شمال۔۔۔ مغرب والوں کا قبلہ جانبِ مشرق۔۔۔ اور مشرق والوں کا قبلہ جانبِ مغرب ہے۔ اور سب عبادت کیلئے قبلہ کی اپنی اپنی سمتوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔ (اور) صرف یہی نہیں بلکہ تمام خدا پرست گروہوں اور ارباب شریعت رسولوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے جسکی طرف وہ رخ کرتے ہیں۔

مقربین کا قبلہ عرش ہے۔۔۔ روحانیین کا قبلہ کرسی ہے۔۔۔ کرّوبین کا قبلہ بیت المعمور ہے ۔۔۔ انبیاءِ سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے۔۔۔ اور آپ ﷺ کا قبلہ کعبہ ہے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ چشم عارفین میں جسم رسول کا قبلہ کعبہ ہے۔۔۔ اور روح رسول کا قبلہ ذات الٰہی ہے۔۔۔ اور۔۔۔ خود ذات الٰہی کی خاص توجہات کا مرکز اور قبلہ ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ (ہر ایک) امت، خواہ وہ امت محمدی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اسکے سوا دوسری امت (کیلئے ایک رخ) کرنے کی سمت قبلہ (ہے) تاکہ حالتِ عبادت میں اسکی طرف متوجہ ہوا کرے۔ یہی وجہ ہے (کہ) ہر عبادت گزار، حالتِ عبادت میں اپنے اپنے (اس) قبلہ (کی طرف متوجہ) ہو جاتا (ہے)۔

اور اب جب صورت حال یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے عناد و حسد کی وجہ سے قبلہ کے تعلق سے نبیٔ کریم کی ہدایت کو ماننے والے نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کے قبلہ کی طرف رخ کرنے والے ہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں۔ ایسی صورت میں اے ایمان والو انکی ضد و ہٹ دھرمی سے اُلجھنے میں اور جہت کعبہ کے قبلہ ہونے کی حقانیت کے تعلق سے، بحث و مباحثہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اپنے قیمتی اوقات کو بلاوجہ ضائع کرنا ہے۔

(تو) تم ان گمراہ جماعت والوں کو نظر انداز کر دو اور ان سے کنارہ کش ہو جاؤ اور (نیکیوں میں)

آپس میں ایک دوسرے سے (آگے بڑھنے کی خواہش کرو) اور اپنے رخ کو جہاں تک ممکن ہو عین کعبہ کی طرف کرنے کی کوشش کرو اور اگر یہ سعادت وفضیلت نہ حاصل ہو سکے تو اتنا تو ضرور ہو کہ قبلہ کی جہت سے رخ ہٹنے نہ پائے۔

تمہیں یہ سوچ کر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ تمہاری بھی تو جہتیں مختلف ہیں، یہاں بھی تو جنوبی، شمالی، مشرقی اور مغربی کا اختلاف موجود ہے، اسلئے کہ تمہارے مختلف جہتوں میں رہنے کے باوجود رب کریم تم سب کو ایک جگہ اکٹھا فرمائے گا اور تم سب کی نمازوں کو اجر وثواب کے لحاظ سے ایسا بنادے گا گویا ساری نمازیں ایک جہت کی طرف ادا کی گئیں ہیں۔ ایسا لگے گا کہ تم سب نے ایک ساتھ مسجد حرام میں حاضر ہوکر، کعبہ کو سامنے رکھ کر نماز ادا کی ہے۔

اہل کتاب جو قبلہ کے معاملے میں رسول کریم کی اطاعت سے پیچھے رہ گئے ہیں تم انکو نہ دیکھو ۔۔۔ بلکہ۔۔۔ امر قبلہ کے تعلق سے نبیٔ کریم کی اطاعت میں آگے بڑھو اور پیچھے رہ جانے والے کتابیوں کو پیچھے رہ جانے دو۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ اہل کتاب جہاں کہیں بھی ہونگے اور تم (جہاں کہیں ہوگے، تم سب کو) تم کو بھی، تمہارے دشمنوں کو بھی، (اللہ) تعالیٰ (لے آئے گا) اور اکٹھا فرمائے گا، تاکہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ (**بیشک اللہ**) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ جب تک چاہے تمہیں زندہ رکھے، پھر وفات دے دے اور پھر زندہ فرما کے اکٹھا بھی کردے۔

رب کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام کے اس رکوع میں تین بار اپنے محبوب کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

پہلی بار تو یہ ظاہر فرمانے کیلئے کہ یہ کام، میں نے اپنے محبوب کی عظمت ظاہر کرنے اور انکی رضا جوئی کیلئے کیا ہے۔۔۔ اور دوسری بار خود اپنی سنت قدیمہ اور عادت جاریہ کی وضاحت کیلئے کہ ہر قوم کا الگ الگ قبلہ بنانا خود اسکی سنت رہی ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اس نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنادیا ہے۔۔۔ اور تیسری بار یہ واضح کرنے کیلئے کہ ہم نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ اسلئے بنایا ہے کہ یہود، مسلمانوں کے خلاف حجت نہ قائم کرسکیں۔ اسلئے کہ انکی کتابوں میں مذکور تھا کہ آخری نبی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے گا اور یہ تو بیت المقدس کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں، تو پھر یہ وہ نبی نہیں ہماری کتابوں میں جنکی بشارتیں ہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ تین آیتوں میں جو ایک ہی چیز کا حکم ہے، وہ بے جا اور بے مصلحت تکرار

نہیں، اسلئے کہ تینوں حکموں کی علتیں الگ الگ ہیں---یا---یہ کہ نمازیوں کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں۔

﴿۱﴾---وہ مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوں۔

﴿۲﴾---مسجد حرام سے باہر شہر مکہ میں نماز پڑھتے ہوں۔

﴿۳﴾---شہر مکہ سے باہر کسی اور جگہ نماز پڑھی جارہی ہو۔

تو اب پہلا حکم پہلی حالت سے---دوسرا حکم دوسری حالت سے---اور تیسرا حکم تیسری حالت سے متعلق ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ الگ الگ تین حکموں سے تین طرف اشارہ ہوجاتا ہے:

﴿۱﴾---کعبہ کی طرف رخ کرنے کا علم، علمائے اہل کتاب کو پہلے ہی سے تھا۔

﴿۲﴾---خدانے جب کعبہ کو قبلہ بنادیا تو پھر اسکا قبلہ ہونا برحق ہے۔

﴿۳﴾---اس حکم میں ملت ابراہیمی کی طرف ہدایت ہے۔

عرب اپنے تمام افعال میں حضرت ابراہیم کی اتباع کو پسند کرتے ہیں تو کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کیلئے ایک نعمت تھا جوان کیلئے باعث افتخار تھا---یا---یہ کہ پہلے حکم سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اپنے محبوب کی رضا کیلئے کعبہ کو قبلہ بنایا---دوسرے حکم سے یہ بتانا ہے کہ آپ کی رضا کے علاوہ فی نفسہٖ یہ تحویل برحق ہے---اور تیسرے حکم سے یہ واضح کرنا کہ حکم عارضی نہیں بلکہ دوامی ہے، جو تمام علاقوں اور تمام زمانوں کیلئے ہے۔

---یا یہ کہ---پہلی آیت تمام احوال کیلئے---دوسری آیت تمام علاقوں کیلئے---اور تیسری آیت تمام زمانوں کیلئے ہے۔

---یا یہ کہ---پہلی آیت حالت اختیار میں قلب وبدن کے ساتھ تحقیقاً کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے---اور دوسری آیت اشتباہ قبلہ کی صورت میں اپنے ظن کے مطابق کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے---اور تیسری آیت حالت اضطرار میں---مثلاً: جب سواری پر ہو، جیسے ٹرین و جہاز پر سفر کررہا ہو، اپنے قلب کے ساتھ کعبہ کی طرف رخ کرنے پر محمول ہے۔

اس سلسلے کی آخری بات یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تحویل قبلہ کی صورت میں پہلی بار نسخ کا حکم مسلمانوں میں متعارف ہوا اور---چونکہ---یہود نسخ کا انکار کرتے تھے، اسلئے یہ حکم ایک مہتم بالشان امر تھا، لہٰذا اس حکم کو بار بار دہرا کر اسکی تاکید کی گئی۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور جہاں سے نکلو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف رکھو،

وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

اور بیشک وہ ضرور حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے، اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کئے عملوں سے ●

(اور) دوسری بار ارشاد فرمایا گیا سفر کیلئے (جہاں سے) جس شہر سے (نکلو) نماز پڑھتے وقت (اپنا منہ مسجد حرام کی طرف رکھو اور) اپنے قول و عمل سے اس بات کو واضح کر دو کہ (بے شک وہ)۔۔۔ یعنی۔۔۔ کعبہ کو قبلہ قرار دینا (ضرور حق) صحیح اور پسندیدہ (ہے) جسکا حکم اے نبی (تمہارے پروردگار کی طرف سے) نازل ہوا ہے (اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر) لاعلم (تمہارے) کاموں (کئے عملوں سے) جنھیں تم نے آج کیا ہو یا کل کرنے والے ہو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور جہاں سے سفر کرو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ

اور جہاں بھی رہو اپنا اپنا منہ اسی طرف پھیرا کرو، تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کو تم پر کوئی حجت،

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ

مگر وہ جو حد سے بڑھ چکے ہیں، تو ان سے ڈرو مت اور مجھی کو ڈرو،

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں، اور ایسا ہو کہ تم ہدایت پاؤ ●

اور اے محبوب مسجد حرام سے باہر ہوتے ہوئے، آپ جس وقت بھی (اور جہاں سے) بھی (سفر کرو تو) نماز کی ادائیگی کے وقت (اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف کیا کرو) اور رخ بہ کعبہ ہو جایا کرو۔ اور اے مسلمانو! تم لوگ بھی اسکا ہمیشہ خیال رکھو (اور جہاں بھی رہو) نماز ادا کرتے وقت (اپنا اپنا منہ) اور پورا بدن (اسی) مسجد حرام کی (طرف پھیرا کرو)۔ حالت نماز میں رخ بہ کعبہ ہو جانے کا یہ کام اسلئے ضرور کر لیا کرو (تاکہ نہ رہ جائے لوگوں) یہودیوں اور مشرکوں (کو تم پر کوئی حجت) اور بہت

دھرمی والی بکواس، جسے وہ بطور حجت پیش کرتے ہیں اور اس نامعقول کٹ حجتی کو دلیل سمجھتے ہیں۔

تمہارے رخ بہ کعبہ ہو جانے میں نہ تو یہودیوں کو یہ گنجائش ملے گی کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ مسلمان بھی عجیب ہیں کہ ہمارے دین کے منکر ہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔۔۔۔نہ ہی مشرکوں کو اس بکواس کا موقع ملے گا کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ ذات بھی کیسی نرالی ہے، جس نے اپنے جد کریم ابراہیم کے قبلہ سے رخ پھیر لیا اور دوسرے کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنالیا۔تمہارے رخ بہ کعبہ کر لینے والے عمل سے سمجھدار لوگ تو خاموش ہو جائیں گے اور بے جا طعن و تشنیع سے باز آجائیں گے **(مگر وہ) ظالم** لوگ۔۔۔یعنی۔۔۔یہود مدینہ اور بت پرستان مکہ **(جو حد سے بڑھ چکے ہیں)** وہ کہاں خاموش رہنے والے، انھیں تو۔۔۔از راہِ عناد و مکابرہ۔۔۔کچھ کہنا ہی ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔یہود یہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے صرف اپنے آباؤ اجداد کی محبت میں انکے قبلہ کو اپنا قبلہ بنالیا، اسکا تعلق کسی قدرتی ہدایت سے نہیں۔ جب ہی تو انبیاء کرام کے قبلہ کو چھوڑ دیا اور باپ دادا کے قبلہ کو اپنا لیا۔۔۔یونہی۔۔۔مشرکین بکنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو پتہ چل گیا کہ ہم حق پر ہیں۔۔۔لہٰذا۔۔۔ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ قرار دے دیا۔اب امید ہے کہ وہ ہمارا دین بھی قبول کر لینگے۔

(تو) اے مسلمانو! اپنے قبلہ کے تعلق سے **تم (ان)** کی طعن و تشنیع **(سے ڈرومت)**۔اس سے تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ انکی یہ خفیف الحرکاتیاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں **(اور مجھی کو ڈرو)**، میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اے مسلمانو! تمہارے کعبہ کو قبلہ بنا لینے سے ایک بڑا فائدہ تو یہی ہوا کہ غیروں کی کٹ حجتیوں سے تم کو نجات مل گئی۔۔۔الغرض۔۔۔میں نے تحویل کعبہ کا حکم اسی لئے دیا کہ تا کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہ جائے **(اور تا کہ)** کعبہ کو قبلہ بنانے کی ہدایت فرما کر **(میں اپنی)** خاص **(نعمت)** جو ملت حنیفہ کے ساتھ خاص ہے **(تم پر پوری کردوں اور)** پھر **(ایسا ہو) تا (کہ تم)** شرائع واحکامِ دین کے جاننے کی اور قبلہ سیّدنا ابراہیم کو قبلہ قرار دینے کی رہنمائی حاصل کرو اور **(ہدایت پاؤ)**۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔حکم تحویل قبلہ کی حکمت یہ ہے تا کہ میں آخرت میں ثواب واجر عظیم عطا فرما کے تم پر اپنی خاص رحمت پوری کردوں، جس طرح میں نے دنیا میں اپنے عظیم رسول کو ارسال فرما کر دنیا میں اپنی نعمت مکمل فرمادی۔

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول، تم میں سے، تلاوت کریں تم پر ہماری آیتیں اور پاک کریں تم کو

وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۝

اور سکھائیں تم کو کتاب، اور حکمت، اور بتائیں جو تم جانتے ہی نہ تھے ●

پس اے لوگو (جیسا کہ بھیجا) مبعوث فرمایا (ہم نے تم) لوگو (میں ایک) عظیم (رسول تم میں سے) عربی النسل، شریف النسب، اعلیٰ حسب، (تا کہ تلاوت کریں تم پر ہماری) کتاب، قرآن کی (آیتیں اور پاک کریں تم کو) گناہوں سے، اپنے استغفار اور دعائے مغفرت کے ذریعہ، اور پاک کردیں کفر و شرک سے، اپنی ہدایت پر ایمان لانے کے ذریعہ (اور سکھائیں تم کو کتاب) قرآن کریم (اور حکمت) سنت و فقہ (اور بتائیں) وہ (جو تم جانتے ہی نہ تھے) جسکی معرفت، وحی الٰہی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

۔۔۔الختصر۔۔۔اے لوگو! جب میں نے تم کو فراموش نہیں کیا، ہر حال میں تمہیں یاد رکھا اور عظیم رسول کو بھیج کر تمہاری ہدایت کا راستہ کھول دیا۔۔۔

فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ۝

تو میرا ذکر کرو، میں تمہارا چرچا کردوں گا اور میرے شکر گزار رہو، اور کفران نعمت نہ کرو ●

(تو) تم بھی مجھے فراموش نہ کرو اور (میرا ذکر کرو) معذرت و استغفار، حمد و ثناء، سوال و دعا، توبہ، اخلاص اور مناجات کے ذریعہ۔ تو میں تمہارا ذکر کرونگا، مغفرت، فضل و عطا، بخشش و نوال، عفو و درگزر، خلاصی و رہائی اور نجات کے ذریعہ اور صرف یہی نہیں۔۔۔بلکہ۔۔۔ساری دنیا میں، سارے زمانے میں (میں تمہارا چرچا کردوں گا)۔ اور جب میں تمہارا چرچا کردونگا تو بحر و بر، خشک و تر، دشت و جبل، ہر ہر جگہ، ہر ہر زبان میں تمہارا چرچا ہوگا۔

کہیں تمہارے لئے مغفرت و ترقی، درجات کی دعا ہو رہی ہوگی، کہیں تمہاری عمر کی

درازی کی تمنا کی جارہی ہوگی، کہیں تمہارے نبی پر درود وسلام بھیجتے وقت تمہیں بھی اس صلوٰۃ وسلام میں شریک کیا جارہاہوگا اور کہیں تمہارا جشن منایا جارہاہوگا۔ جس میں تمہاری سیرت و کردار کے روشن پہلوؤں سے لوگوں کو روشناس کرایا جارہاہوگا۔

---الغرض--- جہاں جہاں میرا ذکر ہوگا، وہاں وہاں تمہیں بھی یاد کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ حالت نماز میں بھی، قیام کی صورت میں بھی، انعام والوں کا ذکر خیر ہوگا، اور قعود کی شکل میں بھی تمہاری دین ودنیا کی سلامتی کی دعا کی جائیگی۔

تمہارا حال ایسا ہوگا کہ تم کو دیکھنے والا خود مجھے یاد کرنے لگے گا---المختصر--- میرے ذکر وفکر میں ڈوب جانے کی وجہ سے خود تمہارا یہ حال ہوجائے گا کہ تم خود 'ذکراللہ' ہوجاؤ گے۔ مگر یہ مقام صرف زبانی ذکر سے حاصل نہیں ہوگا---بلکہ--- یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوگا جب زبان کے ساتھ ساتھ دل وجان بھی میرے ذکر میں مشغول ہوں، ایسا کہ ایک لمحہ بھی ذکر سے غافل نہ ہوں۔ فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ والی نعمت وہ نعمت ہے کہ اگر میں نے جبرائیل و میکائیل کو بھی دی ہوتی تو ان پر بھی ایک عظیم اور بڑی نعمت مکمل کردیتا۔

---الغرض--- میرا ذکر اور میری اطاعت وفرمانبرداری کرو (اور) اس مخلصانہ اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ عملی طور پر (میرے شکرگزار)، میری نعمتوں کا اپنے کردار وعمل سے اعتراف کرنے والے ہوجاؤ اور ہمیشہ اسی پر قائم (رہو اور کفرانِ نعمت) میری نعمتوں کا انکار (نہ کرو) اور یاد رکھو یہ بھی کفرانِ نعمت ہی ہے کہ تم میری نعمتوں کو میری نافرمانی میں لگادو۔

یہ ساری نعمتیں دراصل اس وقت تک نعمتیں رہیں گی جب تک تم ان کو میری ہدایت کے مطابق استعمال کروگے۔ تم ان نعمتوں کے مالک نہیں ہو، بلکہ امین ہو اور ہر امین پر فرض ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے وقت خود مالک کی رضا وخوشنودی کا لازمی طور پر خیال رکھے۔

اے ایمان والو! اس مقام پر یہ نقطہ بھی ذہن نشین کرلو کہ تم نے جس قبلہ کو اختیار کرلیا ہے اور تم کو جس ذکر وشکر کی ہدایت کی گئی ہے، ان پر ہمیشہ کیلئے ثابت قدم رہنے کیلئے تم کو جس معاون ومددگار کی ضرورت ہے اسکو بھی سمجھ لو۔ یہ معاون ومددگار وہ ہے جسکے بغیر تم دنیا کی امامت کا وہ فریضہ بھی ادا نہیں کرسکتے جسکا انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ●

پس (اے ایمان والو) نبیٔ کریم کی مخلصانہ، والہانہ فرمانبرداری کرنے والو (مدد چاہو)، حقوقِ الٰہی ادا کرنے کیلئے اور معاصی وخواہشاتِ نفسانیہ سے بچنے کیلئے، (صبر) سے، جو نجات کی کنجی ہے۔۔۔تو۔۔۔حقوق الٰہی ادا کرنے میں جو دشواری پیش آئے۔۔۔یونہی۔۔۔ترکِ معاصی اور نفسانی خواہشات کو چھوڑنے میں کوئی تکلیف محسوس ہو تو تم ان دشواریوں اور تکلیفوں کو اپنالو، انہیں برداشت کرلو اور صبر کرو اور ہر حال میں رب کریم کی نافرمانی اور نفس کی تابعداری سے اپنے کو دور رکھو۔

(اور) صبر کے ساتھ ساتھ مدد طلب کرو (نماز سے) جو 'افضل العبادات' ہے۔ جو تمام رذائل سے پاک صاف کردینے والی ہے۔ اور ہر ایمان والے مکلف پر فرض ہے۔

صبر، باطنی عبادات میں بدن کیلئے بہت سخت ہے اور نماز، ظاہری طور پر بدن پر زیادہ سخت، کیونکہ نماز کئی قسم کی طاعات۔۔۔مثلاً: ارکان وسنن ومستحبات اور خشوع وخضوع اور توجہ وسکون اور دیگر جملہ عباداتِ شاقہ کا مجموعہ ہے، جسکی ادائیگی توفیق الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لئے صبر وصلوٰۃ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا اور چونکہ خطاب تمام ایمان والوں سے ہے، اسلئے خصوصی طور پر اس عبادت کا ذکر کیا گیا جو تمام ایمان والے مکلفین پر فرض ہے۔ 'گناہوں سے بچنا' جسکی تعبیر صبر سے کی گئی ہے، ہر مومن پر فرض ہے۔ اسی طرح نماز بھی سب پر فرض ہے بخلاف زکوٰۃ کے، جو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے اور بخلاف حج کے، جو صرف صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ رہ گیا روزہ، تو وہ کھانے پینے کی خواہشات سے روکتا ہے اور ترکِ خواہشات، 'صبر' ہی کا ثمرہ ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) جنکی حفاظت وحمایت، نصرت ومعونت اس نے اپنے ذمہ کرم میں لے رکھی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

اور مت کہو اس کو جو قتل کیا جائے اللہ کی راہ میں مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں شعور نہیں ●

اب اگر صبر ونماز والے ۱۴ اصحاب رسول غزوہ بدر میں شہید ہوگئے اور سرزمین بدر پر

خدا اور سول کی سچی وفاداری کا نقش دوام ثبت کر گئے، تو ان کو مردہ نہ سمجھ لینا اور یہ نہ کہنے لگنا، کہ بے چارے نے اپنی جانِ شیریں کو قربان کر دیا اور دنیوی زندگی کی نعمت اور دنیا کی نعمتوں کی لذت سے اپنے کو محروم کر دیا۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔سمجھداری اور حقیقت پسندی سے کام لو **(اور مت کہو)** اپنی زبان سے **(اس کو جو قتل کیا جائے)**، شہید کر دیا جائے **(اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ)** جہاد **(میں)** کہ وہ **(مردہ)** ہیں۔ **(بلکہ وہ)** ہماری بارگاہ میں **(زندہ ہیں)**۔ باحیات ہیں، جنہیں مسلسل رزق دیا جاتا ہے۔ جنت کی خوشبو، جنتی پھل اور بہشتی لباس سے وہ بے پناہ راحت وفرحت میں ہیں، **(لیکن تمہیں)** انکی حیات کا **(شعور نہیں)** اسلئے کہ انکی حیات کی کیفیت کا ادراک عقل سے متصور نہیں اور حواس اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ آزمائش کرنا اور امتحان لینا ہمیشہ سے ہماری سنت رہی ہے۔ کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر کے ظاہر کر دینا ہمارا طریقہ رہا ہے۔ **یہ سب کچھ اپنی معلومات کیلئے نہیں ہے بلکہ دوسروں پر ظاہر کرنے کیلئے ہے کہ ہمارا فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون؟** تو ہم آزمائش وامتحان کی اپنی اس سنت قدیمہ کو باقی رکھیں گے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

اور ضرور ہی آزمائیں گے ہم تم کو کچھ ڈر اور بھوک سے، اور کچھ مالوں

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور خوشخبری دے دو صبر کرنے والوں کو●

(اور ضرور ہی آزمائینگے ہم تم کو) آزمائش کی جتنی صورتیں اور قسمیں ہیں، انہی میں سے کسی ایک صورت اور کسی ایک قسم سے آزمائش لی جاسکتی ہے۔

اب یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص سے ہر قسم کی آزمائش لی جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص کی ایک ہی طرح کی آزمائش کی جائے۔ کس سے کتنی، کس طرح کی، اور کب کب آزمائش لینی ہے، اسکا فیصلہ صرف مجھی کو کرنا ہے۔ میں جب جس کیلئے جو چاہونگا ویسا کرونگا۔

جب ہم آزمائش کرنا چاہیں گے تو کبھی **(کچھ)** ایسی چیزوں سے، جس سے دل میں خوف اور

(ڈر) طاری ہوجائے۔۔۔مثلاً: جہاد میں دشمنوں کا خوف۔۔۔یا۔۔۔اللہ کا خوف۔(اور بھوک سے)، وہ بھوک خواہ قحط کا نتیجہ ہو۔۔۔یا۔۔۔رمضان کے روزے کا۔(اور کچھ مالوں) کے نقصان سے، یہ نقصان جانوروں کی موت سے ہو۔۔۔یا۔۔۔زکوٰۃ کی ادائیگی سے۔(اور جانوں) سے وابستہ پریشانی سے۔۔۔خواہ۔۔۔یہ پریشانی قتل، موت، مرض اور ضعیفی میں سے کسی وجہ سے ہو۔(اور پھلوں کے نقصان سے) ۔۔۔یعنی۔۔۔کھیتی کے پھلوں، جو زمین سے پیدا ہوں۔۔۔یا۔۔۔دل کے پھلوں، جو دل کی نیک خواہشات اور دعاؤں کا ثمرہ ہوں۔۔۔یعنی۔۔۔اولاد۔ان دونوں میں سب کو۔۔۔یا۔۔۔کسی ایک کو لے لینے اور اٹھا لینے کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے، وہ ذریعہ آزمائش ہوگا۔۔۔تو۔۔۔اے محبوب ان اپنی اپنی آزمائشوں میں کامیاب اور سرخرو ہوجانے والوں کی عزت و کرامت کو اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ظاہر کردو(اور خوش خبری دے دو) جنت کی خدائی آزمائشوں اور تکلیفوں پر (صبر کرنے والوں کو)۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

جن کو جب مصیبت پہنچی، تو بولے کہ بیشک ہم اللہ کیلئے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں●

(جن کو جب) بھی کوئی تکلیف وحادثہ پیش آیا اور کسی طرح کی (مصیبت پہنچی تو) حکم الٰہی اور قضائے ربی کے سامنے تسلیم ورضا کا پیکر بنکر (بولے کہ بے شک ہم اللہ کیلئے ہیں) وہی ہمارا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جس طرح کا چاہے تصرف کرے، اسے پورا اختیار ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ہم اس کے بندے ہیں (اور بے شک ہم) سب بعث ونشور کی شاہراہ سے (اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

تکالیف ومصائب پیش آنے کی صورت میں اس 'کلمہ استرجاع'۔۔۔یعنی۔۔۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ادا کرنے والے صاحبانِ تسلیم واذعان اور اصحاب یقین وایمان ہیں۔ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس کلمہ مبارک کی برکتوں اور خوبیوں کے تعلق سے خود نبی کریم کا ارشاد سننے کی سعادت حاصل کرچکے ہیں۔

سرکار فرماتے ہیں کہ 'جس نے کسی مصیبت پیش آنے پر کلمہ استرجاع ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مصیبت سے اسکا جو نقصان ہوتا ہے اسے پورا فرما دیتا ہے اور اسکی آخرت کو بہتر وشاندار بنا دیتا ہے اور اسکو ایک ایسا نعم البدل عطا فرماتا ہے جو اسے راضی

کر دیگا، حضور کے فرزند کا وصال ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ،لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے، فرمایا۔ ہاں۔ ہر وہ چیز جو کسی مومن کو اذیت پہنچائے اور تکلیف دے وہ مصیبت ہی ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ 'کلمہ استرجاع' ایک مبارک کلمہ اور بابرکت وظیفہ ہے جو اس امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کسی اور امت کو یہ کلمہ عطا نہیں فرمایا گیا۔ اسی لئے فرزند کی جدائی میں حضرت یعقوب نے يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ تو فرمایا لیکن اِنَّا لِلّٰهِ نہیں کہا۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷

یہی لوگ ہیں جن پر بار بار درود ہے انکے پروردگار کی طرف سے اور رحمت ہے۔ اور یہی ہیں ہدایت یافتہ ●

۔۔۔المختصر۔۔۔ مصائب پر صبر کرنے والوں اور بلاؤں پر استرجاع فرمانے والوں کی بڑی شان ہے اور (یہی لوگ ہیں جن پر بار بار) مسلسل بہ کثرت (درود) مخصوص رحمت ورافت اور تحسین وآفرین (ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت) خاص لطف واحسان (ہے اور یہی) وہ خوش بخت اور سعادت مند لوگ ہیں جو (ہیں ہدایت یافتہ)۔

ان نیک بختوں کو صبر وشکر کے بدلے میں صلوٰۃ ورحمت کی شکل میں کیا ہی اچھا بدلا عطا فرمایا گیا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند بھی عطا فرمادی۔ اب اگر ایک طرف یہ درود کی شکل میں آخرت کی جمیع برکات وعنایات ان کیلئے ہیں، تو دوسری طرف مخصوص رحمت کی صورت میں دنیا کے نقصانات سے حفاظت بھی ان کیلئے ہے۔

ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کس قدر کرم پر کرم فرماتا جارہا ہے کہ تحویل قبلہ کے تعلق سے مخالفین کے طعن وتشنیع سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچی تھی، صبر کی ہدایت دے کر اور اس کے ثمرات کو بیان فرما کے ساری تکلیفوں کو راحت سے بدل دیا اور پھر حج وعمرہ کا ذکر شروع فرمادیا، تاکہ کعبہ کو اپنی نمازوں میں قبلہ بنانے والے حج وعمرہ کے وسیلے سے کعبہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرلیں۔ ویسے بھی صبر میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور حج وعمرہ میں بھی جسم کو مشقت جھیلنی پڑتی ہے۔

۔۔۔نیز۔۔۔ اس سے چند آیات پہلے بناء کعبہ کا ذکر تھا جن میں حضرت ابراہیم وحضرت

اسماعیل کوخانہ ءکعبہ کوطواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک رکھنے کاحکم دیا گیا تھااور ظاہر ہے بناء کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج وعمرہ ہی ہے، توپہلے طواف کاذکرفرما کراسکی طرف اشارہ کیااوراب صراحۃً اسکاذکرفرمادیا۔۔۔الختصر۔۔۔ حضرت ابراہیم نے جن مناسک واحکام حج کو جاننے کی دعا کی تھی، ان احکام میں سے صفا اورمروہ کی سعی کاحکم بیان فرمادیا۔حدیث شریف سے جسکاوجوب ثابت ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

بیشک صفاومروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں پس جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا، تو اس پر کوئی الزام نہیں

اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

کہ صفامروہ کے پھیرے کاٹے، اورجس نے نفل کے طور پر ادا کیا نیکی کو، تو بیشک اللہ اجر دینے والا جاننے والا ہے ●

۔۔۔تو۔۔۔اے ایمان والو! بطورِ خاص تم سمجھ لو کہ (بے شک صفا) خانہ ءکعبہ کے سامنے گوشہ جنوب ومشرق کی صاف وشفاف، چکنے پتھر والی پہاڑی، جس پر حضرت آدم صفی اللہ رونق افروز ہوئے (اورمروہ) سفید وملائم پتھر والی پہاڑی جوصفا کے بالکل سامنے شمالی سمت میں تقریباً ۷۶۰ ہاتھ کے فاصلے پر ہے جس پر امرأۃ سیدنا آدم علیہ السلام یعنی آپ کی زوجہ پاک حضرت حوا تشریف فرما ہوئیں۔یہ دونوں پہاڑیاں اوران کے درمیان کی سعی، یہ سب کچھ (اللہ) کے دین، اسلام اوراسلامی عبادات کی خصوصیات اوران (کی نشانیوں سے ہیں)۔

یہ وہ مقدس پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان اللہ کی مقبول بندی حضرت ہاجرہ، زوجہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور مادرسیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل کیلئے پانی کی تلاش میں سعی فرمائی اور ۷ سات چکرلگائے تو ان پہاڑیوں کونسبت ہوگئی، ان نفوس قدسیہ رکھنے والے کے مبارک قدموں سے، تو ان سے ان کی یادیں وابستہ ہیں، جسکی یادیں خدا کی یاددلاتی ہیں تو یہ خدا کے دین کی پہچان اوراس کی معرفت کاذریعہ ہیں۔

ایک زمانے میں صفا پر 'اساف' نام کا بت اور مروہ پر 'نائلہ' نام کی مورتی رکھ دی گئی تھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ وہ جرم نہ کرسکیں، جسکے نتیجہ میں ان دونوں کا یہ

حشر ہوا ہے۔ ان دونوں میں 'اساف' مرد تھا اور 'نائلہ' عورت۔ اہل کتاب کی روایت کے مطابق جنھوں نے خانہ ءکعبہ میں اپنا منہ کالا کیا، اور پھر دونوں فوراً پتھر کے بت بن گئے۔

ایک زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے انہیں معبود بنالیا اور پوجنا شروع کردیا اور انکے درمیان سعی کرنے لگے، 'صفا' پر آتے تو 'اساف' کو ہاتھ لگاتے اور 'مروہ' پر پہنچتے تو 'نائلہ' کو چھوتے۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو خانہ ءکعبہ ہی کیا، پورے جزیرۃ العرب سے بتوں کا صفایہ ہوگیا اور شرک و بت پرستی کی جڑیں کٹ گئیں۔

۔۔۔تو۔۔۔اے ایمان والو! اگر ماضی میں ایسا ہوا تو تم اس کو سوچ کر کبیدہ خاطر نہ ہو اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو گناہ سمجھ کر کسی طرح کی قلبی کراہت و ناپسندیدگی کا مظاہرہ نہ کرو اور سمجھ لو کہ ماضی میں کافروں نے ان مقدس مقامات پر جو کچھ کیا ان سے ان مقدس مقامات اور انکے درمیان کی مقدس سعی کے تقدس پر کوئی آنچ نہیں آئی۔۔۔الغرض۔۔۔ان مقدس پہاڑوں کے درمیان حج و عمرہ کرنے والوں کی سعی میں گناہ تو بڑی بات، گناہ کا شائبہ بھی نہیں ہے (پس جس نے) زمانہ حج میں احرام باندھ کر حج کے مخصوص اعمال کے ساتھ (بیت اللہ کا) قصد کیا اور (حج کیا) (یا) عمرہ کے مخصوص اعمال کے ساتھ کعبہ شریف کی زیارت کی طرف متوجہ ہوا اور (عمرہ کیا تو اس پر) کوئی گناہ (کوئی الزام نہیں کہ) ان دونوں یعنی (صفا و مروہ کے) درمیان (پھیرے کاٹے) سعی کرے اور دوڑ لگائے (اور جس نے نفل کے طور پر ادا کیا نیکی کو) اور خوش دلی کے ساتھ کوئی نیک کام کیا۔۔۔نیز۔۔۔نفلی طواف و حج و عمرہ بار بار بکثرت کرتا رہا (تو) وہ سمجھ لے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ قبول فرمانے والا (اجر دینے والا) خوب (جاننے والا ہے)۔۔۔الغرض۔۔۔اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اب اگر کوئی سوچے کہ اسکی نازل کردہ ہدایات کو وہ چھپالیجائے گا تو یہ اسکی خام خیالی ہے۔ ہاں چھپانے کے وبال سے ضرور اسے دوچار ہونا پڑے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

بیشک جو لوگ چھپائیں وہ جو اتارا ہم نے روشن باتوں اور ہدایت کو بعد اسکے کہ بیان فرمادیا ہم نے

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اس کولوگوں کیلئے کتاب میں، وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی پھٹکار اور سارے لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے●

(بے شک) علمائے یہود میں سے (جولوگ) اپنے بغض وحسد کے سبب (چھپائیں وہ جو اتارا ہم نے) تورات میں (روشن باتوں) واضح دلیلوں کو ۔۔۔مثلاً: حکم رجم (اور) اسکے سوا (ہدایت) نعت مصطفیٰ، صفات محمدیہ، آپ کی حقانیت کی نشانیاں، اور اسلام کا برحق ہونا اور سابقہ سارے ادیان کا ناسخ ہونا۔۔۔الختصر۔۔۔اسی طرح دوسری ہدایتوں (کو) اور وہ بھی (بعد اسکے کہ بیان فرمادیا ہم نے) صاف صاف واضح طور پر (اس کولوگوں کیلئے کتاب) توریت (میں) جسکے اولین مخاطب بنی اسرائیل ہی ہیں۔

کتنی جرأت کی بات ہے کہ ہم تو ظاہر فرمائیں اور یہ اسے چھپانے پر لگے ہیں اس کو بیان نہ کرکے۔۔۔یا۔۔۔اس حصے کو ضائع کرکے۔۔۔یا۔۔۔اس میں تحریف کرکے، اسکی جگہ اپنی طرف سے بنایا ہوا دوسرا مضمون شامل کرکے۔تو ہر سننے والا سن لے اور سمجھ لے کہ یہی (وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار) ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور فرمادے گا اور دور رکھے گا (اور) یہی کیا کم تھا، مگر اسکے سوا بھی ان (سارے لعنت کرنے والوں) فرشتوں، ایمان والے جنوں اور مسلمانوں (کی لعنت ہے)۔یہ سب دعائیں کرینگے کہ مولیٰ تعالیٰ تو اپنے ان سرکش اور باغی بندوں کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔یہ ساری جماعت لعنت کی سزاوار ہے۔

إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

مگر جس نے توبہ کرلی اور اصلاح کردی اور کھول کر رکھ دیا، تو وہ لوگ ہیں کہ میں قبول فرمالوں گا انکی توبہ کو۔

اور میں ہی توبہ کا بڑا قبول فرمانے والا رحمت والا ہوں●

(مگر جس نے) ایمان لاکر کفر وشرک سے اور نعت مصطفیٰ کو چھپانے سے (توبہ کرلی اور) اپنے فاسد احوال کو درست کرکے اپنے افراط وتفریط سے باز آکر، اپنی کی ہوئی ساری زیادتیوں کا تدارک کرکے خود ہی اپنے کو صحیح راستے پر لگالیا اور اپنی (اصلاح کردی اور) جو کچھ چھپایا تھا اس کو

(کھول کر رکھ دیا) اور صاف صاف بیان کر دیا (تو وہ لوگ ہیں کہ میں قبول فرمالونگا انکی توبہ کو)۔ اور ان پر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کا نزول کرتا رہونگا (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (میں ہی) تو (توبہ کا بڑا قبول فرمانے والا) اور بخشش و (رحمت والا ہوں)۔ میں سزا دینے میں عجلت نہیں کرتا بلکہ بندے کو توبہ واستغفار کی پوری مہلت دیتا ہوں اور جب بندہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔

رب کریم نے پہلے نبی کریم کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت فرمائی اور پھر ان میں توبہ کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب ان کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کری اور کفر ہی پر مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ

بیشک جنہوں نے کفر کیا اور مرے کافر ہی، وہ لوگ ہیں جن پر

لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾

اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی ●

---چنانچہ--- ارشاد ہے کہ (بے شک) وہ یہودی ---یا--- ان کے سوا دوسرے لوگ (جنھوں نے) نبوت مصطفیٰ کا انکار کر کے (کفر کیا اور مرے) حق چھپانے کی وجہ سے (کافر ہی) انہیں توبہ نصیب نہ ہو سکی، تو یہ (وہ لوگ ہیں جن پر) زندگی میں تو لعنت تھی ہی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، مرنے کے بعد بھی ان پر (اللہ کی لعنت) ہے۔ لہٰذا یہ اپنی موت کے بعد بھی ہمیشہ کیلئے اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے (اور فرشتوں کی) پھٹکار ہے، --- چنانچہ--- فرشتے ان کو رحمت سے دور رکھنے کی دعا کرتے رہیں گے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان پر (انسانوں کی)، وہ بھی چند انسانوں کی نہیں بلکہ (سب) انسانوں (کی) لعنت برستی رہے گی۔

یہاں انسان سے مراد مومنین ہیں جو صحیح معنوں میں انسان کہے جانے کے لائق ہیں اور اپنی انسانیت سے نفع اٹھانے والے ہیں۔ کفار تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ

ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہاں انسان سے عام لوگ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں، اسلئے کہ قیامت میں کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، پھران پر فرشتے لعنت کرینگے، پھر باقی لوگ۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ہمیشہ رہنے والے اسی میں، نہ ہلکا کیا جائے گا ان پر عذاب اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے●

یہ سارے کفر پر مرنے والے (ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اسی) لعنت (میں) جہنم کے اندر اوران کا حال یہ ہوگا کہ (نہ ہلکا کیا جائیگا ان پر عذاب اور نہ وہ مہلت دئے جائینگے)۔

---نیز---انکو اسکا بھی موقع نہیں دیا جائیگا کہ عذر و معذرت کرسکیں اور رحمت الٰہی کے منظور نظر ہوسکیں۔جس کیلئے جو عذاب مقرر کیا جاچکا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ انکے کفر نے جہنم سے نجات کے سارے راستے بند کردئے ہیں۔اب اگر نبی ء کریم کی شفاعت و وجاہت کی خصوصیت کی وجہ سے کسی کو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کردیا جائے تو یہ خدا کا فضل ہے۔

---الغرض---عام کافروں کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا، یہ خدا کا ضابطہ ء عدل ہے اور دوشنبہ کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف فرمادینا اسکا فضل ہے---یا یہ کہ---کافروں کے عذاب کی غیر متناہی مدت میں کمی نہیں کی جائیگی۔ایسی صورت میں ممکن ہے کہ کسی کیلئے رب کریم اپنے فضل وکرم سے عذاب کی شدت میں کمی کردے۔--الغرض---مدت عذاب میں کمی نہیں کی جائیگی۔اب اگر رب تعالیٰ چاہے تو اپنے فضل سے شدت عذاب میں کمی کردے---یا یہ کہ---ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ عذاب آخرت میں تخفیف نہیں کی جائیگی۔ہاں عذاب برزخ میں تخفیف کی جاسکتی ہے۔

سابقہ آیات میں حضور آیہء رحمت ﷺ کی نبوت کا ذکر تھا اور یہ بیان تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے---مگر---یہود صرف اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ خدا کی توحید کو بھی چھپاتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ کوئی توحید الٰہی کے حقیقی مفہوم سے آگاہ نہ ہونے پائے اور یہ جاننے نہ پائے کہ الوہیت میں کوئی خدا کا شریک نہیں

اور عبادت کا مستحق ہونے میں وہ منفرد و تنہا ہے۔ اس کی کسی صفت میں کوئی اسکا مثیل و شبیہ اور نظیر نہیں۔ توحید کے جس مفہوم کو یہودی چھپاتے تھے، اس کو رب کریم یوں واضح فرما رہا ہے۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۝

اور تم لوگوں کا معبود، ایک معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں سوا اسی بڑے مہربان رحمت والے کے●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے کہ (تم لوگوں) اور ساری مخلوقات (کا معبود، ایک معبود ہے) الٰہیت میں جسکا کوئی شریک نہیں، اس کے سوا کسی کیلئے 'الٰہ' کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا تو (کوئی معبود نہیں) جو مستحق عبادت ہو، جو اپنی ذات میں شان احدیت اور اپنے کمال صفات میں جمال وحدانیت رکھتا ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ اپنی ذات وصفات میں 'وحدہ لاشریک' ہو (سوا اسی) اشخاص و ذوات کی تربیت فرمانے والے، اور بتدریج ان کو درجۂ کمال تک پہنچانے والے، (بڑے مہربان) ارواح کو تقویت عطا فرمانے والے، ان کو عروج بخشنے والے، (رحمت والے کے)۔

جب مشرکوں نے یہ سنا تو انہیں حیرت ہوئی کہ ساری کائنات کا خدا ایک ہی کیسے ہوسکتا ہے، تو انہوں نے اس دعویٰ پر دلیل وآیت کا مطالبہ کیا، اس پر ارشاد ہوا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات دن کے الٹ پھیر، اور کشتیاں جو دریا میں

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

لئے چلتی ہیں اس کو جو لوگوں کو نفع دے، اور جو اتارا اللہ نے آسمان کی سمت سے پانی، پھر اس سے

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ

زندگانی دے دی زمین کو اسکے مرجانے کے بعد اور پھیلا دیا اس میں سبھی طرح کے جانور، اور ہواؤں کی مختلف چال،

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۝

اور وہ ابر جو آسمان وزمین کے درمیان پابند ہے، ان سب میں ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو عقل سے کام لے●

(بے شک آسمانوں) جو بے ستون خیموں کی طرح بغیر کسی سہارے فضاء میں معلق ہیں (اور زمین) ایک طویل وعریض فرش رہنے کی جگہ، نرم ایسی کہ سوئی سے سوراخ بنا لیجئے اور سخت ایسی کہ پہاڑوں کو سینے پر لئے ہوئے ہے۔ بے شمار خصوصیات کی حامل (کی پیدائش) میں (اور رات دن کے الٹ پھیر) میں رات ودن کا ایک دوسرے کا تعاقب کرنے، رات کے تاریک اور دن کے روشن رہنے اور مختلف موسموں میں دونوں کے ایک دوسرے سے کم زیادہ ہونے اور گردشِ لیل ونہار کے نظام میں کبھی بھی فرق نہ آنے (اور) وہ (کشتیاں جو دریا میں لئے چلتی ہیں) اور مسافروں کو اور (اس) تجارتی مال و اسباب (کو جو لوگوں کو نفع دے) تو لوگ اس میں سفر بھی کرتے ہیں اور قیمتی فائدہ بخش سامان بھی اپنی ضرورت کے پیش نظر اِدہر سے اُدہر منتقل کرتے رہتے ہیں (اور) اس کے علاوہ (جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے آسمان کی سمت) اوپر سے نیچے برسنے والے ابر باراں (سے پانی، پھر اس) پانی (سے زندگانی دے دی) سرسبز وشاداب کردیا، قابل کاشت بنادیا (زمین کو اسکے مرجانے) خشک بنجر اور ناقابل کاشت ہوجانے (کے بعد اور پھیلادیا اس) زمین (میں) پرند، چرند، درند، وحشی، گھریلو، صحرائی اور دریائی۔۔۔الغرض۔۔۔(سبھی طرح کے جانور اور ہواؤں کی مختلف چال) ڈھال جو اپنے چلنے کی سمت آگے پیچھے اور شمال وجنوب چکر کاٹتی رہتی ہیں اور یہ کبھی گرم ہوتی ہیں کبھی ٹھنڈی، کبھی خشک، کبھی تر، کبھی درختوں کیلئے بارآور ہے اور کبھی ان کو ثمرات سے محروم کردینے والی، کبھی باعث رحمت اور کبھی عذاب بن جانے والی (اور وہ ابر جو آسمان اور زمین کے درمیان) حکم الٰہی کے آگے سرنگوں اور مشیت خداوندی کا (پابند ہے) جدھر جانے کا حکم الٰہی ہوتا ہے وہ اُدھر ہی جاتا ہے (ان سب میں ضرور) خدا کے وجود، اس کی وحدانیت واحدیت، اسکی قدرت وحکمت اور اسکی الٰہیت والوہیت کی معرفت کی بے شمار روشن (نشانیاں ہیں)، مگر سب کیلئے نہیں، بلکہ (اس قوم کیلئے جو عقل سے کام لے)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ

اور عام لوگوں سے ایسے بھی ہیں جو بناتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر کئی معبود، اور انکی محبت رکھیں جیسے خدا کی محبت، اور جو ایمان

اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ۙ

لاچکے وہ سب سے زیادہ چاہنے والے ہیں اللہ کیلئے۔ اور کیا فائدہ اگر دیکھ ہی لیں یہ ظالم لوگ اس وقت جبکہ دیکھیں گے آگے سے

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝

عذاب کو کہ بلاشبہ زور اللہ کیلئے ہے سب، اور بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے ●

عقل سلیم رکھنے والوں کو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ اوپر ذکر کی ہوئی چھ ۶ نشانیوں میں سے ہر ایک نشانی خدا کے وجود وقدرت اور اس کے علم وحکمت ۔۔۔نیز۔۔۔اس کی رحمت ورافت پر برہان ساطع اور دلیل قاطع ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔'آیات کتاب' ہوں ۔۔۔یا۔۔۔'آیات کون' صرف انہی کیلئے ہیں، جو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ سے پرے ہو کر اپنی عقلوں کے صحیح استعمال کے خوگر ہیں۔ اگرچہ سابقہ آیات قرآنیہ نے اس بات کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے انسانوں کا رب، سب کا معبود برحق ہے۔

مگر اس قدر واضح بیان اور روشن وضاحت کے باوجود بے عقلوں، ناسمجھوں (اور عام) نادان (لوگوں سے ایسے بھی ہیں) جو اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنی نفسانی، شیطانی خواہشات کی دنیا سے نکلنا نہیں چاہتے اور اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ۔۔۔چنانچہ۔۔۔وہ ایسے ہیں (جو بناتے ہیں) ایک معبود برحق (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر کئی معبود) خدا کے شریک (اور) ان باطل معبودوں کے ساتھ ان کی شیفتگی کا عالم یہ ہے کہ (انکی محبت رکھیں) انکو اپنا معبود سمجھ کر (جیسے خدا کی محبت) اپنا معبود سمجھ کر (اور جو ایمان لا چکے) ہیں، رب کے محبوب ﷺ کو دل وجان سے مان کر، باپ بیٹے عزیز واقارب ۔۔۔الغرض۔۔۔سارے لوگوں سے زیادہ، بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں، چونکہ رسول سے محبت ایمان ہے اور آپ کی احبیت کمالِ ایمان، یعنی آپ کو چاہنا ایمان ہے اور سب سے زیادہ چاہنا کمالِ ایمان ہے۔ اور خدا کی محبت واحبیت آپ ﷺ ہی کی محبت واحبیت کا نتیجہ وثمرہ ہے۔ اسلئے (وہ سب سے زیادہ متوالے ہیں اللہ کیلئے) اسکی محبت میں ازخود رفتہ ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان کو نبی کریم کی محبت اور آپ کے چاہنے نے خدا کی محبت اور اسکا چاہنے والا اور نبی کریم کی احبیت اور آپ کو سب سے زیادہ چاہنے میں خدا کی احبیت اور اسکا سب سے زیادہ چاہنے والا بنا دیا۔

رہ گئے غیر خدا کو خدا کے شریک قرار دینے والے، اگر وہ دنیا میں عذاب ومصائب دیکھتے وقت جان لیتے کہ سب قوت اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، تو اللہ کیلئے شریک نہ بناتے ۔۔۔یونہی۔۔۔اگر یہ قیامت کا عذاب دیکھ لیں گے تو اتنا تو سمجھ ہی

لینگے کہ تمام قدرت اللہ ہی کیلئے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔۔۔یا۔۔۔ اگر یہ دنیا ہی میں اس عذاب کو دیکھ لیں جسے قیامت میں دیکھنا ہے، تو اللہ کو تمام قوت و قدرت والا اور سخت عذاب دینے والا سمجھ لیتے اور اسکا اقرار کر لیتے۔۔۔اسی طرح۔۔۔اگر مشرکین جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ کو ہے، نہ کہ ان کے خود ساختہ معبودوں کو، اور یہ بھی جان لیتے کہ ظالموں کو کس شدید عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، تو ان کی حسرت وندامت کی انتہا نہ ہوتی۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔اگر ظالم، اللہ کی قدرت اور اسکے عذاب کی شدت جان لیتے، تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔قیامت کے دن کے عذاب کا مشاہدہ کرتے کہ اس وقت جس عاجزی سے انہیں دوچار ہونا ہے، اگر اپنی اسی عاجزی کو سمجھ لیتے تو ضرور کہتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ظالم دنیا ہی میں عذاب آخرت دیکھ لیتے تو ضرور جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کیلئے ہے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔اگر یہ ظالم، اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو حقیقتاً جان لیتے، تو خدا کا شریک بنانے کے نقصان سے بچ جاتے۔

(اور) اپنے کو خدائی گرفت سے، بچا لیتے مگر اب (کیا فائدہ اگر دیکھ ہی لیں) اور اچھی طرح جان لیں (یہ ظالم) غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرا کر اپنے اوپر ظلم کرنے والے (لوگ)، اور وہ بھی (اس وقت جبکہ دیکھیں گے) خود اپنی کھلی (آنکھ سے) خدا کے (عذاب کو) اور پھر اچھی طرح جان لیں (کہ بلاشبہ زور) قوت وقدرت (اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے سب) کی سب (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (کا عذاب سخت ہے) جس سے چھٹکارا نہیں۔

یہ سب کچھ جب جاننا تھا اور جب جاننے کا اثر عمل وکردار پر پڑ سکتا تھا جب تو نہیں جانا، تو قیامت کے روز حساب کتاب کے دن اس علم ومشاہدے کا نتیجہ ہی کیا؟

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ

جس وقت کہ بیزار ہو گئے جن کی پیروی کی گئی ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی، اور آنکھوں سے دیکھ لیا عذاب کو

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿﴾

اور کٹ گئے ان کے رشتے●

اے محبوب آپ یاد فرماؤ اس وقت کو (جس وقت کہ بیزار ہو گئے) وہ روٗساء اور سردار لوگ

(جن کی پیروی کی گئی اُن) نادانوں اور ناسمجھوں (سے جنھوں نے پیروی کی تھی اور) وہ ایسا کیوں نہ کرتے اور اظہارِ بیزاری کر کے اپنے کو بے قصور ظاہر کرنے کا تماشا کیوں نہ رچاتے، اسلئے کہ انھوں نے اپنی کھلی (آنکھوں سے دیکھ لیا) خدا کے (عذاب کو اور) یہ بھی دیکھ لیا کہ (کٹ گئے ان کے) ساری دنیوی (رشتے) رابطے۔ وہاں کافروں، مشرکوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں اور نہ ہی کسی کو کسی کی پرواہ ہے۔ نہ ان کا آپس میں ہم مذہب ہونا کام آیا اور نہ ہی ایک خاندان والا ہونا ہی نفع بخش ہوا۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ

اور بولے وہ جنھوں نے پیروی کی تھی "کاش ہماری دنیا دوبارہ ہو تو ہم ان سے بے زار ہوں جس طرح انہوں نے ہم سے

يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

بے زاری کی ہے"۔ اسی طرح دکھاتا ہے انکو اللہ انکے کرتوتوں کو سامان حسرت بنا کر ان پر۔ اور نہیں ہیں وہ نکلنے والے جہنم سے●

یہ تو رہا سرداروں کا حال جو اظہارِ بیزاری کر کے کنارے ہو گئے (اور) اپنے سرداروں کی یہ حرکت دیکھ کر (بولے وہ) تابعدار لوگ (جنھوں نے پیروی کی تھی) اور آنکھ بند کر کے ان سرداروں کی ساری باتیں مان لی تھیں (کاش ہماری دنیا دوبارہ ہو) اور ہم سب کو دنیا میں دوبارہ رہنے کا موقع مل جائے (تو ہم ان) سرداروں (سے بیزار ہوں) اور بری الذمہ ہوں (جس طرح انھوں نے ہم سے بیزاری کی ہے) اور اپنے بری الذمہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں بصد حسرت و یاس کہیں گے، کہ کاش دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہو تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جائینگے جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے (اسی طرح دکھاتا ہے ان کو اللہ) تعالیٰ (انکے کرتوتوں) بداعمالیوں (کو سامان حسرت بنا کر ان پر)۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے برے اعمال دکھائے گا تو ان کو بے حد حسرت اور پشیمانی ہوگی اس بات پر کہ انھوں نے برے عمل کیوں انجام دئے اور کیوں نہیں اچھے عمل کئے تا کہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے (اور) اب کیا ہو سکتا ہے جبکہ ان کے تعلق سے خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ (نہیں ہیں وہ

نکلنے والے جہنم سے) ان کو جہنم سے کبھی نہ نکالا جائیگا اور وہ۔۔۔نیز۔۔۔ان کے متبوعین سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے رہیں گے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ سے امور دین کی تفصیل بیان فرمائی تھی اور اب یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ سے دنیاوی امور کو بیان فرمارہا ہے۔ دین روح کی غذا ہے اور کھانا پینا جسم کی غذا۔ روح کی غذا کے تفصیلی بیان کے بعد جسم کی غذا کا تفصیلی بیان فرما رہا ہے تاکہ روح کی ترقی اور بدن کے نشو نما دونوں کے صحیح ذرائع میسر ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں سے ہے حلال پاکیزہ، اور نہ چلو

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾

قدم بہ قدم شیطان کے۔ بیشک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے●

(اے لوگو) تمہیں بالکل اجازت ہے کہ تم (کھاؤ جو کچھ زمین) کی پیداوار (میں سے) کھانے کے لائق (ہے) مگر اسکا خیال رہے کہ جو بھی کھاؤ وہ (حلال) ہو، خدا نے جسے کھانے کی اجازت دیدی ہو اور اسے کھانے سے روکا نہ ہو۔ اور نجاستوں، کثافتوں اور شبہات سے (پاکیزہ) اور پاک صاف ہو۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اس میں ظاہری صفائی اور باطنی وحقیقی پاکیزگی دونوں ہوں۔ ظاہری طور پر صاف اور طیب ہونے کی صورت میں جسمانی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا اور حقیقی طور پر پاکیزہ اور حلال ہونے کی صورت میں انسان کا باطن پاک وصاف رہے گا اور اسکا ضمیر مردہ نہ ہوگا۔۔۔الغرض۔۔۔حرام سے بچو، وہ چیز خواہ حرام جانور، شراب اور مردار کی طرح ذاتی طور پر حرام ہو۔۔۔یا۔۔۔شریعت کے حرام کردہ طریقوں۔۔۔مثلاً: چوری، جوا، رشوت اور سود وغیرہ وغیرہ سے حاصل کی گئی ہو۔

اور یاد رکھو کہ حلال وہ ہے جسے خدا نے حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے خدا نے حرام قرار دیا، تو

تم خدا کے حلال کوحرام اور خدا کے حرام کوحلال قرار دینے میں مشرکین عرب کی روش نہ اختیار کرو (اور نہ چلو) جیسے کہ مشرکینِ عرب شیطانی وسوسوں کی پیروی کرتے ہوئے چلے اور شیطان کی بات مانتے گئے اور اپنی طبیعت سے جس جانور کو چاہا حلال کرلیا اور جسکو چاہا حرام قرار دے دیا۔ مگر اے لوگو تم نہ چلو (قدم بہ قدم) اپنے ازلی دشمن (شیطان کے) جسکی دشمنی کچھ ڈھکی چھپی نہیں، جس میں کچھ شک وشبہ ہو (بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے) جس نے وسوسہ ڈال کر تمہیں جنت سے باہر کرادیا۔ اور اب چاہتا ہے کہ فریب ووسوسہ کے ذریعے تمہیں جہنم تک پہنچادے۔ وہ ایمان والوں کا دشمن تو ہے ہی، مگر یہ نا سمجھو کہ وہ حقیقی معنوں میں کافروں کا دوست ہے۔ حقیقتاً تو وہ سارے انسانوں کا دشمن ہے لیکن بظاہر وہ کافروں سے اپنی دوستی وموالات جتاتا ہے اور انکی بداعمالیوں اور بداعتقادیوں کوانکے سامنے آراستہ ومزین کر کے اچھا بنا کر پیش کرتا ہے اور انکو انکی اپنی اس بے راہ روی اور غفلت سے باہر آنے نہیں دیتا۔۔۔ الغرض۔۔۔ بظاہر دوست بنا ہوا ہے مگر بباطن انہیں ہلاک کردینے پر تلا ہوا ہے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾

بس وہ یہی حکم دیتا ہے برائی اور بے شرمی کا اور یہ کہ جوڑ و اللہ پر وہ جس کو تم جانتے ہی نہیں ●

(بس) اسکے سوا کچھ بھی نہیں کہ (وہ) کھلا ہوا دشمن سب کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور سب کو واضح طور پر محسوس نہ ہوسکنے والے انداز میں (یہی حکم دیتا ہے)۔ وہ ذہن وفکر پر ایسا مسلط ہو جاتا ہے کہ جو وسوسہ دیتا ہے وہ وسوسہ ایک حاکم کے حکم کی صورت اختیار کرلیتا ہے چونکہ وہ برائیوں اور بے حیائیوں کا داعی ہے۔۔۔ لہٰذا۔۔۔ وہ بذریعہ وسوسہ جو حکم دیتا ہے وہ (برائی اور بے شرمی کا) اور ہر طرح کے معاصی کا، صغائر ہوں کہ کبائر، چھپے ہوں کہ کھلے، نفس بد کی متابعت ہو یا دنیا کی طرف میلان۔ (اور) ساتھ ہی ساتھ وہ (یہ) بھی حکم دیتا ہے (کہ جوڑو) اپنے دل سے گڑھو اور افتراء کرو اور بہتان باندھو (اللہ) تعالیٰ (پر) کہ خدا نے خبائث کو حلال کردیا اور طیبات کو حرام فرمادیا۔۔۔ یا۔۔۔ خدا تعالیٰ کی طرف ان امور کی نسبت کردی جن کو خدا کی طرف منسوب کرنا جائز نہ تھا۔۔۔ یونہی۔۔۔ اپنے جی سے حلال کرلیا اور جس کو چاہا حرام کرلیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ شیطان بذریعہ وسوسہ، اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تم کو (وہ) بات کہنے پر اکساتا ہے (جس کو تم جانتے ہی نہیں) اور تمہاری لاعلمی کے باوجود جیسی چاہتا ہے تم سے بکواس کراتا رہتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا

اور جب ان سے کہا گیا کہ پیروی کرو جس کو اللہ نے اتارا ہے، تو بولے بلکہ ہم تو اسکی پیروی کرتے ہیں جس پر

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا گو انکے باپ دادا نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت●

ان جاہلوں، بے عقلوں کی دیدہ دلیری اور موشگافیوں کا عالم یہ ہے (اور) ان کے ذہنی فتور کی حالت یہ ہے کہ (جب ان سے) خواہ وہ مشرکین ہوں۔۔۔یا۔۔۔ یہودیوں کی وہ جماعت جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ایمان اور اتباع قرآن کی دعوت دی تھی (کہا گیا کہ) حلال وحرام کے تعلق سے (پیروی کرو) اس قرآن اور اس کے حلال وحرام کی (جس کو اللہ) تعالیٰ (نے) تمہاری ہدایت کیلئے (اتارا ہے تو) 'بنی اسد عبد الدار' والے چپ نہ رہ سکے اور (بولے) کہ ہم قرآن کی طرف پھرنے والے اور اسکی پیروی کرنے والے نہیں، (بلکہ ہم تو) اپنے اندر رائج ان مراسم اور (اس) عمل (کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)۔

یہ بات اگر اس صورت میں کہتے کہ ان کے باپ دادا رشد وہدایات والے اور علم وآگہی والے ہوتے تو سمجھداری کی بات ہوتی، جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے قید خانے میں فرمایا تھا **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ** میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کا پیرو ہوں۔ حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جن کے آباؤ اجداد ہوں، ان کیلئے تو آباؤ اجداد کی پیروی ہی میں دارین کی اصلاح وفلاح ہے۔ اس کے برخلاف یہ مشرکین ۔۔۔یا۔۔۔ یہ یہودی اپنے جن آباؤ اجداد کی پیروی کی بات کر رہے ہیں، ان کو تو عقل و دانش اور رشد وہدایت سے کوئی تعلق ہی نہیں، پھر ان کی پیروی کیا معنی رکھتی ہے؟

اب کوئی ان بے عقلوں سے پوچھے کہ (کیا گو) اگرچہ (انکے باپ دادا نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت) جب بھی یہ انھیں کے پیچھے چلیں گے؟ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ علم وآگاہی اور رشد وہدایت والوں کی اتباع کو چھوڑ کر گمراہوں اور جاہلوں کی پیروی کی جائے؟

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

کافروں کی مثال اس کی سی ہے جو آواز دے اس کو جو کچھ سنتا ہی نہیں سوا چیخ

وَنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾

اور پکارکے، بہرے گونگے اندھے، انہیں توعقل ہی نہیں ●

ان (کافروں) داعیانِ کفر اور ان کو نصیحت کرنے والوں (کی مثال اسکی جیسی ہے جو) پکارے اور (آواز دے اس) جانور جیسے حیوان صفت (کو، جو کچھ سنتا ہی نہیں سوا چیخ اور پکار کے)۔ دعا تو کبھی سنی جاسکتی ہے، کبھی نہیں، لیکن نداء یعنی چیخ تو ہر ایک کے کانوں تک پہنچتی ہے، مگر چیخ کو سن کر بھی کچھ سمجھتا نہیں کہ اس سے کیا کہا جارہا ہے۔ اسکو نصیحت کی جارہی ہے یا فضیحت۔ اسے کسی چیز کی خوشخبری دی جارہی ہے یا ڈرایا جارہا ہے۔

یہی حال ان داعیان کفر کا ہے جو داعیانِ حق کی آواز کو تو سنتے ہیں مگر انکے ارشادات کی حقیقت تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے گویا وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو بیشک یہ (بہرے) ہیں حق سننے سے، جبھی تو کلامِ حق نہیں سن پاتے اور (گونگے) ہیں حق بولنے سے، جبھی حق و درست بات کہہ نہیں پاتے اور (اندھے) ہیں حق دیکھنے سے، جبھی تو راہِ راست انہیں نظر نہیں آتی اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (انہیں تو عقل ہی نہیں) جو پیغمبر اسلام کی بات سمجھ سکیں اور آپ کی ہدایت کو قبول کرسکیں۔

اگر کوئی اصل عقل رکھتے ہوئے نظر واستدلال سے اپنے کو دور رکھتا ہے اور اپنے کو اندھوں اور بہروں کی طرح بنالیتا ہے کہ نہ دلائل دیکھے نہ سنے، تو وہ کیسے حق پر استدلال کرسکتا ہے۔ اسکی عقل اس کے کس کام کی۔ ایسوں کیلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اسے عقل ہی نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو روزی فرمادی

وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾

اور شکر گزار رہو اللہ کے، اگر تم اسی کو پوجتے ہو ●

---الحاصل--- (اے ایمان والو!) مشرکین نے اپنے طور پر جن چیزوں کو حرام قرار دیدیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہیں پاکیزہ ہیں، تو بے روک ٹوک (کھاؤ) ان (پاکیزہ) حلال وطیب (چیزوں

سے جو ہم نے تم کو روزی فرمادی اور) اس فضل و کرم اور ان نعمتوں پر (شکر گزار رہو) اپنے حلال رزق عطا فرمانے والے (اللہ) تعالیٰ (کے اگر تم) سچے دل سے کمالِ اخلاص کے ساتھ (اسی کو پوجتے ہو)، اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے اور اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ وہی ساری نعمتوں کا والی و مولیٰ ہے، جس نے تم پر خاص فضل فرمایا اور رزق حرام سے بچا کر رزق حلال عطا فرمایا۔

حلال و طیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت فرمادینے اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں شرک کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کے کھانے کو حلال فرمادیا ہے، ان کو حرام قرار دینے والے کافروں کا حال بیان کردینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود مان لینے والو، اسلام کو اپنا دین تسلیم کر لینے والو اور محمد عربی ﷺ کو دل کی تصدیق کے ساتھ اپنا رسول کہنے والو تم کسی بھی قلبی تردد کے بغیر اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ حلال و طیب جانوروں کا گوشت نوش کرو اور رب کریم کی اس عطا پر اسکے شکر گزار رہو اور مشرکین نے جس طرح ان کو حرام سمجھ لیا ہے، تم اسے حرام قرار نہ دو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

اور بس یہی حرام فرمادیا ہے تم پر مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو، جو ذبح کیا گیا غیر خدا کا نام لیتے ہوئے،

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

تو جو بے قرار ہو گیا، نہ خواہشمند ہے اور نہ حد سے بڑھنے والا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

(اور) جان لو کہ کھانے والی چیزوں میں (بس یہی) اسکے سوا نہیں (حرام فرمادیا ہے تم پر) ماکول اللحم جانوروں میں ذبح کے لائق، مگر بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مرجانے والے (مردار) کے گوشت (کو)۔ مچھلی اور ٹڈی میں چونکہ رگوں کے اندر بہنے والا خون ہوتا ہی نہیں، جس کو نکالنے کیلئے عمل ذبح انجام دیا جائے، لہٰذا یہ دونوں جانور ذبح کا محل ہی نہ رہے، اسی لئے عرف میں انہیں مردار کہا بھی نہیں جاتا۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں کو میتہ کے حکم حرمت سے مستثنیٰ فرمادیا ہے۔

(اور) مردار کے سوا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا بہتے ہوئے (خون کو)، جگر اور تلی چونکہ جمے

ہوئے خون ہیں اور ان کو عرف میں خون کہا بھی نہیں جاتا ہے اسلئے یہ دونوں حلال ہیں (اور) ان کے سوا (سور کے گوشت کو) جو اصل ہے، باقی اس نجس العین کے سارے اجزاء حرمت میں اس کے تابع ہیں۔ گوشت کا ذکر صرف اسلئے ہے کہ وہی کھانے میں مقصود اصلی کی حیثیت رکھتا ہے (اور) اسکے سوا حرام فرمادیا (اس جانور) کے گوشت (کو جو ذبح کیا گیا) بتوں، دیوی دیوتاؤں کے۔۔۔الغرض۔۔۔ ذبح کے وقت ذبح کرتے ہوئے کسی بھی (غیر خدا کا نام لیتے ہوئے)۔

ہاں اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اسکی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو ان حرام چیزوں سے وہ بقدر ضرورت استعمال کرسکتا ہے۔ (تو جو بے قرار ہوگیا) اور صورت حال ایسی ہے کہ وہ (نہ خواہشمند ہے) کہ لذت و شہوت کی تسکین کیلئے ایسا کررہا ہو (اور نہ) ہی (حد سے بڑھنے والا ہے) کہ مقدارِ حاجت سے زیادہ استعمال کرلے۔ اسلئے کہ جو چیز ضرورتاً مباح ہوتی ہے، وہ ضرورت کی حد تک ہی مباح رہتی ہے۔

۔۔۔الحتصر۔۔۔ اگر جان بچانے کیلئے لقمہء حرام استعمال کرنا پڑے تو اتنا ہی کیا جائے جس سے جان بچ جائے۔ لہٰذا اس سے بھوک مٹانا اور پیٹ بھرنا حرام ہی رہے گا۔ ارشادِ رسول کریم میں لائق ذبح جانوروں کے بدن کے اس ٹکڑے کو بھی مردار قرار دیا گیا ہے جسے حالتِ حیات ہی میں اس کے بدن سے کاٹ لیا گیا ہو، اسلئے کہ ذبح شرعی سے پہلے اسے الگ کرلیا گیا ہے اور لائق ذبح ماکول اللحم جانوروں کے گوشت کو ذبح شرعی کے بعد ہی طیب و پاکیزہ قرار دیا جائے گا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ مذکورہ بالا حرام کردہ جانوروں کے گوشت کو اگر کوئی حالت اضطرار میں بقدر ضرورت کھائے (تو اس پر) اس کھانے کی وجہ سے (کوئی گناہ نہیں) جو رب کریم بڑے گناہ اپنے فضل کرم سے معاف کردیتا ہے، تو صورت اضطرار میں بقدر ضرورت مردار کا گوشت کھانے پر کیونکر مواخذہ فرمائے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ وقت ضرورت ان محرمات سے بقدر حاجت کھالینے کو اپنے کرم سے (بخشنے والا) اور اپنے بندوں پر (رحمت والا ہے) جس نے اپنے بندوں کو محرمات کو نوش کرنے کی یہ رخصت عطا فرمائی ہے، اس رخصت سے فائدہ اٹھانے والوں پر مواخذہ تو الگ رہا کبھی بعض حالات میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھانے والا گناہگار قرار دیا جائے۔

رب کریم اپنے جس عظیم رسول کے ذریعے یہ ہدایت فرمارہا ہے اس رسول کی

عظمتوں، ان کے محامد ومحاسن کو آسمانی صحیفوں میں واضح فرمادیا ہے تاکہ لوگ آپ کے قریب ہوں، آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی پر خلوص پیروی کریں۔۔۔مگر۔۔۔یہودی لیڈران اور ان کے علماء، توریت میں مذکور آپ ﷺ کی صفات عالیہ کا ذکر نہیں کرتے اور انھیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ان کو بدل کر ان کی جگہ کوئی دوسری بات پیش کردیتے ہیں اور جن باتوں کو ظاہر کردینا ان پر لازم تھا اور پوشیدہ رکھنا جرم تھا ان باتوں کو ظاہر نہیں کرتے۔۔۔اور ظاہر ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا اور پاک وصاف چیزوں کو نہ کھانا، جس طرح گمراہی اور گناہ ہے، اسی طرح تورات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جو اوصاف بیان کئے ہیں انکو چھپانا، اور ان کے عوض دنیا کا قلیل مال حاصل کرنا گمراہی اور گناہ ہے۔ دنیا کی متاع تو ویسے بھی قلیل ہی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی مدت بھی قلیل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا

بیشک جو لوگ چھپائیں جس کو اتارا اللہ نے کتاب سے اور اس سے حاصل کریں تھوڑی قیمت،

اُولٰٓىٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ

وہ لوگ نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں مگر آگ، اور نہ کلام فرمائے گا ان سے

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اللہ قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک فرمائے گا اور انکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

تو (بے شک جو لوگ) علماء یہود سے ہیں (چھپائیں) خواہ پوشیدہ رکھ کر اور خواہ اسکو دوسرے بیان سے بدل کر (جس کو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے) اپنی نازل فرمودہ (کتاب) تورات میں احکام الٰہی اور اوصاف محمدی (سے، اور) اپنے (اس) کتمان حق کی وجہ (سے) اپنی جاہل عوام اور نادان پیروکاروں سے (حاصل کریں) وصول کریں بالکل حقیر فنا ہوجانے والی، باقی نہ رہنے والی (تھوڑی قیمت)۔

ایسوں کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ اگر ہم نے حق باتیں یعنی احکام الٰہی اور اوصاف محمدی جو ہماری آسمانی کتاب میں ہیں، ان سب کو من وعن ظاہر کرنا شروع کردیا تو ہم ان سے

بیوقوف بنا کر جو مال حاصل کر لیتے ہیں، اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ (وہ لوگ نہیں کھاتے) اور نہیں ڈالتے (اپنے پیٹ میں مگر آگ) ان رشوت کے لقموں کی گرمی وسوزش سے ہمیشہ انکا وجود جلتا رہے گا۔ بالآخر یہ حرام لقمے انکو دوزخ کی آگ تک پہنچا دینگے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (نہ کلام فرمائے گا ان سے اللہ) تعالیٰ (قیامت کے دن)۔

ایسا کلام جو ان کیلئے باعث رحمت ہو، جس سے انھیں آسانی وراحت میسر ہو۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔رب قہار اپنے کمالِ غضب کے سبب ان سے بالکلیہ خطاب نہ فرمائیگا، بلکہ ملائکہ کے ذریعہ سوال ارشاد فرمادیگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ عزوجل نہ انھیں اپنے کلامِ رحمت سے نوازے گا (اور نہ) ہی گناہوں کی میل کچیل سے (ان کو پاک فرمائے گا)، آتش جہنم بھی ان کی بداعمالیوں کو جلا کر انھیں پاک نہ کر سکے گی (اور ان کیلئے) ہمیشہ ہمیش کیلئے (دکھ دینے والا) جہنم کا (عذاب ہے)۔

۔۔۔الحتصر۔۔۔انکا فنا ہو جانے والی خبیث چیزوں کا کھانا گویا جہنم کی آگ کو شکم میں ڈالنا ہے اور حق کو چھپانا اور اپنے کلام سے اسے ظاہر نہ کرنا خود خدائے عزوجل کے کلام وخطاب سے محروم ہونا ہے۔ ایسے ہی جھوٹے اور علمائے سوء کی جھوٹی شہادت کے ذریعہ نبی کریم کو اذیت دینا اور آپ کو تکلیف پہنچانی، ان کو اس لائق نہیں رکھتا کہ ان کو پاک وصاف کیا جائے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو بخشش کے بدلے۔

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

بڑے عجیب صبر کرنے والے ہیں آگ ہی پر ●

۔۔۔الغرض۔۔۔اس طرح کے کردار والے جہنم کے دردناک عذاب کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

(وہ) ناسمجھ، کوتاہ فکر اور عقل سے کورے (لوگ ہیں جنھوں نے) دنیا میں دنیوی اغراض اور حقیر مال ومتاع کیلئے حق کو چھپایا اور یہودیت پر جو محض گمراہی ہے قائم رہ کر (خریدا) اختیار کر رکھا ہے (گمراہی کو)۔

اپنی ہی تسلیم شدہ کتاب الٰہی توریت میں موجود اوصافِ محمدی اور احکامِ خداوندی کو دیدہ

ودانستہ ظاہر نہ کرنا اور انکو عوام سے پوشیدہ رکھنا، جھوٹی شہادت سے اپنے گمراہ کن موقف کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

۔۔۔الغرض۔۔۔ان علماء یہود نے گمراہی کو اپنالیا اور وہ بھی (**ہدایت کے بدلے**) یعنی ایمان ومعرفت کے بدلے۔ چنانچہ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے۔ یہ تو رہا دنیا کا معاملہ۔اب رہا آخرت کا معاملہ، تو وہاں کیلئے بھی ان کا سودا خسارے ہی کا سودا رہا (اور) وہ نقصان ہی میں رہے، اسلئے کہ انھوں نے وہاں کیلئے اپنالیا، پسند کرلیا ہمیشہ کے (**عذاب کو**) اللہ تعالیٰ کی (**بخشش کے بدلے**) آمرزش ربانی پر عذاب جاودانی کو ترجیح دینا فکر ودانش کا فتور نہیں تو اور کیا ہے؟ بغیر کسی پرواہ کے، کھلم کھلا سینا زوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہنم رسید کردینے والے موجبات کا ارتکاب کرنا یقیناً مومنین کی نظر میں ایک عجیب سی حرکت ہے، لہٰذا جب مومنین ان کی حالت پر غور کرتے ہیں تو یہ (**بڑے عجیب**) نظر آتے ہیں جو (**صبر کرنے والے ہیں**) قناعت کربیٹھے ہیں اپنے ان کرتوتوں پر جو جہنم رسید کردینے والے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ یہ جہنم کی (**آگ**) کے عذاب (**ہی پر**) قناعت کرچکے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا

یہ یوں کہ اللہ نے اتاری کتاب حق کے ساتھ، اور بیشک جنہوں نے اختلاف پیدا کیا

فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ۠

کتاب میں، ضرور دور والے درجے کے ضد میں ہیں●

ع ۲۱

(**یہ**) سب جو اوپر مذکور ہوا یعنی آگ کھانا، رب تعالیٰ کا کلام نہ فرمانا، ان کو پاک وصاف نہ کرنا اور حق کو چھپانے کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب دینا (**یوں**) ہی دنیا وآخرت کا خسارہ ان کو ملنے ہی والا ہے۔اسلئے (**کہ اللہ**) تعالیٰ (**نے اتاری کتاب**) توریت (**حق کے ساتھ**) جس میں از اول تا آخر سب حق ہی تھا، مگر انھوں نے اس کے احکام کو اور اس میں ذکر کردہ اوصاف محمدی کو چھپانے کی کوشش کی اور چھپاتے رہے۔

ایسی کتاب، حق جسکے ساتھ وابستہ ہوا ایسا کہ اس میں باطل کا شائبہ بھی نہ ہو، اسکی تکذیب

کرنی اور اسکے احکام کو پوشیدہ رکھنا اور پھر جب قرآن کریم نازل فرمایا گیا تو اسکی بھی پیروی نہ کرنی، بلکہ زور وشور سے اسکی مخالفت پر اتر آنا اور اختلاف کی مختلف صورتیں اپنانا۔۔۔مثلاً: اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں میں بعض پر ایمان لانا اور بعض کا منکر ہوجانا۔۔۔یا۔۔۔ توارات میں جوحق باتیں ہیں ان کو نہ ماننا اور جس راہ حق پر چلنے کی اس میں ہدایت ہے اس پر نہ چلنا بلکہ اسکی جگہ خود انھوں نے جو تحریف کی ہے۔اسی محرف کو اصل کا بدل قرار دے دینا ۔۔۔یا۔۔۔قرآن کریم کے تعلق سے مختلف خیالات پیش کرنا، کوئی اسکو جادو کہتا ہے، کوئی اسے شعر قرار دیتا ہے اور کوئی اسے صرف اساطیر الاولین کا نام دیتا ہے۔

تو اس مقام پر اچھی طرح جان لو (اور) سمجھ لو کہ (**بے شک جنھوں نے**) وہ خود یہود ہوں، خواہ مشرکین ہوں، جان بوجھ کر اپنی طرف سے خواہ مخواہ کا (**اختلاف پیدا کیا**) خدا کی نازل فرمودہ کسی بھی (**کتاب میں، تو وہ ضرور پرلے درجہ کی ضد میں ہیں**)۔ایسی ضد جوحق و ہدایت سے بہت دور کر دینے والی ہے۔

جب اس ارشاد کو ان ضدی مخالفین نے سنا تو کہنے لگے کہ، ہماری ذات میں ضلالت و شقاوت نہیں ہے، ہم بھی خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔نمازیں پڑھتے ہیں اور یہ سب بھی تو نیکیاں ہیں۔اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بیت المقدس کی جہت مشرق کو اپنا قبلہ بنا لینے والے نصرانیوں اور اس کی جہت مغرب کو اپنا قبلہ قرار دینے والے یہودیوں! تم نے اپنے اپنے قبلوں کی طرف رخ پھیر لینے ہی کو نیکی سمجھ رکھا ہے اور اسکے سوا دوسرے دینی اور ایمانی فرائض وواجبات کو پس پشت ڈال کر صرف قبلہ کی طرف چہرہ کر لینے کو اصل نیکی سمجھ رکھا ہے اور اتنا ہی کر لینے سے اپنے کو نکوکار تصور کرنے لگے ہو۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ

نہیں ہے نیکی یہی کہ منہ کرلو پورب پچھم کی طرف، لیکن نیکی اس کی ہے

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

جو مان گیا اللہ اور پچھلے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں کو، اور مال دیا

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

اللہ کی محبت میں قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو، اور منگتا لوگوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ

اور گردن آزاد کرانے میں، اور قائم رکھا نماز کو، اور دیا زکوٰۃ کو، اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب معاہدہ کر چکے،

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ

اور صبر کرنے والے تنگی اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے نکلے۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

اور یہی لوگ پرہیزگاری کرنے والے ہیں ●

تو غور سے سن لو کہ (نہیں ہے) اصل (نیکی) صرف (یہی کہ) اپنی عبادت میں (منہ کر لو پورب) کی طرف جیسا کہ نصاریٰ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔(پچھم کی طرف) جو یہودیوں کی روش ہے اور اس صورت میں جبکہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو چکا ہے، تو اب اس کی طرف اپنی خواہش نفسانی سے رخ کرنے کو کسی معنی میں بھی نیکی نہیں قرار دیا جا سکتا (لیکن) اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ (نیکی اس) نکوکار (کی ہے جو) دل کی سچائی کے ساتھ (مان گیا اللہ) تعالیٰ کو کہ وہ ایک ہے، بے عیب ہے۔ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ اسکی ذات اور صفات میں کوئی اسکا شریک نہیں۔ اسکے سوا نہ کوئی واجب ہے نہ قدیم۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہود نصاریٰ کی طرح حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ کو الوہیت میں، شریک نہ کرے۔ اسکے فرستادہ سارے انبیاء و رسول برحق ہیں۔ ان میں حضرت سیدنا محمد ﷺ اس کے آخری نبی ہیں اور آپ ہی کی شریعت آخری شریعت ہے۔

(اور) مان گیا (پچھلے دن کو) یعنی قیامت کے دن کو، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو، عذاب قبر اور قیامت کے بعد جزا، سزا، حساب و کتاب کو، صراط و میزان اور انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کو (اور) مان گیا (فرشتوں) کو، یعنی انکے معصوم ہونے کو۔۔۔نیز۔۔۔رسل ملائکہ کی رسالت اور کراماً کاتبین کے اعمال کو لکھنے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے عمل کرنے کی تصدیق کرے اور تذکیر و تانیث سے فرشتوں کو بری مانے اور یہودیوں کی طرح حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن نہ قرار دے۔

(اور) مان گیا اللہ تعالیٰ کی (کتاب) قرآن کریم کو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جسے حضرت جبرائیل نے قلب مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ آخری کتاب ہے جس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی ایک سورت کی مثال لا سکتا ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان لائے۔ علماء یہود کی طرح نہیں جو بعض پر ایمان لائے (اور) مان گیا (پیغمبروں کو) کہ تمام انبیاء ومرسلین برحق ہیں تمام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ یہودیوں کی طرح ان میں بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔

چونکہ ایمانِ کامل میں اعمال بھی داخل ہیں تو اس لئے ایمان کے بعد اعمال کا ذکر شروع فرمایا

(اور) ارشاد فرمایا کہ نکوکار وہ ہے جس نے مذکورہ بالا ایمانی اور اعتقادی ضروریات کو اپناتے ہوئے (مال دیا) صدقہ ءنافلہ کے ذریعہ خیر وخیرات کیا (اللہ) تعالیٰ (کی محبت میں)، گو اس مال سے بھی محبت ہے اور اسکی ضرورت بھی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ اسے جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ دوسری محبتوں پر غالب ہے۔

ویسے بھی جس چیز سے محبت ہو اور اسکی ضرورت بھی ہو، اسکو راہِ خدا میں دے دینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ایک غریب نادار کا انفاق فی سبیل اللہ، ایک مالدار تونگر کے راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جس مال ودولت سے اسے محبت تھی اسکو اس نے دے دیا (قرابت داروں) عزیزوں، رشتہ داروں (کو) خواہ وہ رشتے دار اس کے موافق ہوں یا مخالف۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اگر وہ مخالف ہوں، پہلو تہی کرنے والے ہوں تو ایسوں کو صدقہ دینا اور بھی افضل ہے (اور یتیموں کو)، ان نابالغ بچوں کو جن کے سر سے ان کے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے، (اور مسکینوں کو) ایسے محتاجوں کو جن کے پاس گزارے کیلئے کچھ نہیں ہو اور وہ سوال بھی نہ کرتے ہوں، بظاہر ایسے پرسکون نظر آتے ہوں کہ انکی مسکینی کا پتہ بھی نہیں چلتا (اور مسافر کو) جو حالتِ سفر میں ضرورتمند ہو، اور اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کی کوئی چیز بھی نہ ہو، (اور منگتا لوگوں کو) خوراک چاہنے والوں اور ضرورتاً سوال کرنے والوں کو۔۔۔ مثلاً: وہ شخص جو مقروض ہو اور صرف اتنی مقدار کا سوال کرے کہ اسکا قرض ادا ہو جائے یا جسکے مال کو کوئی ناگہانی آفت آ پہنچی ہو جس سے اسکا مال تباہ ہو گیا اور صرف اتنی مقدار کا سوال کرے جس سے اسکا گزارہ ہو سکے۔۔۔ یا۔۔۔ ایسا شخص جو فاقہ زدہ ہو اور وہ صرف اپنا فاقہ کو دور کرنے کیلئے سوال کرے۔ ایسے ہی وہ لوگ جنہیں ناگہانی طور پر کوئی ضرورت پیش آ گئی ہو اور وہ لوگ بذاتِ خود اس ضرورت کو پوری کرنے کی سکت نہ رکھتے ہوں۔

(اور) مذکورہ بالا لوگوں کو مالی مدد دینے کے ساتھ ساتھ غلامی میں جکڑی ہوئی (گردن آزاد کرانے میں) خرچ کیا، خواہ غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے یا جو غلام مکاتب ہوا سے بدل کتابت دیکر آزاد کرا دیا (اور قائم رکھا)، کما حقہ ادا کرتا رہا فرض (نماز کو) اسکی ادائیگی میں کسی طرح کی کاہلی سستی اور کوتاہی نہیں برتی اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا صدقات واجبہ کے مصارف میں خرچ کیا (اور دیا) سال بسال، اپنے اوپر فرض ہو جانے والی (زکوٰۃ کو)۔

اولاً: مصارف زکوٰۃ کا ذکر فرما کر صراحتاً زکوٰۃ کا بھی ذکر فرما دیا اس سے مقصود صاحبانِ نصاب کو فریضہ ادائیگی زکوٰۃ پر برانگیختہ کرنا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس خاص مقام پر زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مراد ہے اور اس سے پہلے جو ذکر ہے وہ صدقات نافلہ کا ذکر ہے۔

مذکورہ بالا ان خوبیوں کے سوا ان نکوکاروں کی یہ شان بھی ہے (اور) وہ یہ خوبی بھی رکھتے ہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے۔۔۔یا۔۔۔ کسی مخلوق سے کوئی عہد کرتے ہیں تو ضرور بالضرور (پورا کرنے والے) ہیں (اپنے عہد کو جب معاہدہ کر چکے) ایفاءِ عہد میں وقت معاہدہ کا پورا خیال رکھتے ہیں اور معاہدہ کرنے میں بھی اس بات کا لازمی طور پر لحاظ رکھتے ہیں کہ وہ کسی مخلوق سے ایسا عہد نہیں کرتے جو کسی شرعاً حرام کو حلال یا شرعاً حلال کو حرام کر دے۔ اس طرح کے معاہدے نہ کرنے کے لائق ہیں اور نہ ہی ایسے غیر شرعی معاہدوں پر عمل درآمد واجب ہے۔ بلکہ اس طرح کے معاہدوں کو پورا کرنا حرام ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اوپر جن کا ذکر ہو رہا ہے، وہ ایفاءِ عہد میں پکے ہیں (اور) یہ پیکرانِ سعادت اور حاملانِ خیر و برکت (صبر کرنے والے) ہیں فقر و محتاجی، شدت و (تنگی اور) بیماریوں اور ناگہانی آفتوں اور رنج و غم کی (سختی میں) (اور) صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ صرف انہی باتوں پر صبر کرنے والے ہیں بلکہ اعلاءِ کلمۃ الحق کیلئے (جہاد) اور اعداءِ دین سے قتال (کے وقت) ایسے نازک وقت میں یہ پوری طور پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نہ ان کے حوصلے پست ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ پیچھے ہٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانِ عزیز کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔۔۔ الختصر۔۔۔ انکا صبر بتدریج شدید سے شدید تر کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

اس کلام بلاغت نظام میں اس ترتیب کی طرف واضح اشارہ ہے، اسلئے کہ مرض پر صبر کرنا فقر پر صبر کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اور قتال پر صبر کرنا مرض پر صبر کرنے سے زیادہ شدید ہے۔۔۔ اس مقام پر جس فقر و مرض کا مقام مدح میں ذکر ہے وہ وہی ہے جو عارضی اور

وقتی نہ ہو، اسلئے کہ یہ تو اکثر لوگوں کو پیش آنے والی چیز ہے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ صابرین قابل تعریف ہیں جنکا فقر و مرض دائمی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کم از کم طویل مدت کو گھیرے ہوئے ہو۔ ایسا لگے کہ فقر و مرض انکا ظرف اور انکے رہنے کی مستقل جگہ ہوگئی ہے، اسکے باوجود وہ نہ تو ناشکری کا کوئی کلمہ زبان پر لاتے ہیں اور نہ ہی کسی طرح کی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا اوصاف و کمالات سے آراستہ ہونے والے **(یہی لوگ ہیں جو)** اپنے ایمان اور نیکیوں کی طلب میں **(سچے نکلے اور یہی لوگ)** ہر ناشائستہ امور سے **(پرہیزگاری کرنے والے ہیں)**۔

کمالات انسانیہ کی شاخیں تو بہت ہیں مگر وہ سب کی سب صرف تین چیزوں پر منحصر ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ صحت اعتقاد۔

﴿۲﴾۔۔۔ حسن معاشرت۔

﴿۳﴾۔۔۔ تہذیب نفس۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اور سارے ضروریات دین و ایمان کی تصدیق کا تعلق 'صحت اعتقاد' سے ہے اور تمام اربابِ استحقاق کے حقوق کو کما حقہ ادا کر دینا 'حسن معاشرت' ہے۔۔۔ نیز ۔۔۔ اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، ایفاء عہد اور صبر 'تہذیب نفس' سے ہے۔ ان ساری خوبیوں کا مجموع اس آیت کریمہ میں موجود ہے تو یہ آیت کریمہ جامع کمالات انسانی ہوگئی۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا ارشاد: من عمل بهذه الآيته فقد استكمل ايمانه جس نے اس آیت کریمہ پر عمل کرلیا، اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا، اسی حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

اے مسلمانو! فرض کر دیا گیا تم پر خون کا بدلہ لینا ناحق قتل کیے گئے لوگوں کے بارے میں۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ

کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ ہاں جس کیلئے اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی تو دیت کا تقاضہ کرنا ہے

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

عمدگی کے ساتھ اور اس کا ادا کر دینا ہے خوشی کے ساتھ۔ یہ تخفیف سزا تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور رحمت،

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ہے تو جو حد سے بڑھا اسکے بعد تو اسکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے ●

(اے مسلمانو!) اب تک تمہیں عبادات و معاملات سے متعلق احکامات کا علم دیا گیا، اب بعض فوجداری کے معاملات سے متعلق احکامات بھی جان لو۔ وہ یہ کہ (فرض کر دیا گیا تم پر خون کا بدلہ لینا) اب خواہ اس فرض کو تمہارے حدِ شرعی نافذ کر سکنے والے حکام حدِ شرعی نافذ کر کے پورا کریں، خواہ تم خود اپنے اوپر حدِ شرعی لاگو کرنے کیلئے اپنے کو حکام کے آگے پیش کر دو۔ **حد نافذ کرنے کا اختیار صرف حاکم ہی کو ہے۔** کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود قصاص لے۔ قصاص لینے کیلئے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس شکایت لیکر حاضر ہو، پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کیلئے مقرر کر دیگا۔ **قانون پر عمل کرنے کا منصب صرف حکومت کا ہے۔ ہر شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں۔**

یہ بھی خیال رہے کہ صرف انہی کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے جو (ناحق) کسی شرعی تقاضے کے بغیر ظلماً اور عمداً (قتل کیئے گیے) ہیں تو ایسے (لوگوں کے بارے میں) یہ حکم ہے کہ قتل کر دیا جائے (آزاد کے بدلے آزاد) کو (اور غلام کے بدلے غلام) کو (اور عورت کے بدلے عورت) کو۔۔۔ الغرض۔۔۔ بدلہ لینے میں عدل و مساوات کا لحاظ ضروری ہے اسلئے ایک مرد کے عوض دو مرد، ایک عورت کے عوض دو عورتیں یا ایک مرد اور ایک غلام کے عوض دو غلام یا ایک آزاد کو نہیں قتل کیا جائے گا، جیسا کہ ایام جاہلیت والوں کا دستور تھا۔ ان کے معزز قبیلے والے پسماندہ قبیلے والوں سے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں اگر قاتل ایک ہے، تو صرف اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر بہت سے لوگوں نے مل کر قتل کیا ہے تو ان سب سے قصاص لیا جائیگا۔۔۔ ہاں۔۔۔ ارشاد رسول کریم کی روشنی میں اگر قاتل باپ ہے، تو اس سے اس کے بیٹے کے خون کا بدلا نہیں لیا جائیگا، یوں ہی اگر قاتل مقتول کا شرعی مالک ہے تو اس سے بھی اپنے مملوک کا قصاص نہیں لیا جائیگا۔ ان دو کے سوا سبھی سے بدلہ لیا جائیگا (ہاں جس) قاتل (کیلئے اس کے) اسلامی (بھائی) مقتول (کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی) اور اسلامی اخوت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے نرمی اور مہربانی کی روش اختیار کی گئی ہے۔ اب خواہ مکمل معافی ہو۔۔۔ بایں طور۔۔۔ کہ تمام ورثاء مقتول کے حق کا مطالبہ نہ کریں، خواہ معافی نامکمل ہو کہ بعض

ورثاً معاف کریں اور بعض کا مطالبہ ابھی قائم ہو، ان ہر دو صورتوں میں قاتل سے قصاص ساقط ہو جائیگا ۔۔۔الغرض۔۔۔ ایسی عفو و کرم کی صورت پیش آئے (تو) مقتول کے وارث کو (دیت) خون بہا (کا تقاضہ کرنا ہے) مگر (عمدگی) اور خوش اسلوبی (کے ساتھ اور) اسی طرح قاتل پر (اس کا) اس میں کسی طرح کی کمی بیشی کے بغیر جلد از جلد (ادا کر دینا ہے) کمال کشادہ خاطری، اور (خوشی کے ساتھ) اور جان لو کہ (یہ) دیت کو قصاص کا بدل اور قائم مقام قرار دینا (تخفیف) اور ہلکا کرنا ہے، سخت اور کڑی (سزا) کو جو (تمہارے) بے پایاں کرم فرمانے والے (رب) کریم (کی طرف سے ہے اور) سراسر (رحمت ہے)۔

توریت میں قتل کے بدلے قتل کرنا ہی لازم تھا اور انجیل میں بغیر عوض لئے معاف کر دینا ہی ضروری تھا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کیلئے قصاص اور دیت یعنی بطریق صلح مال لیکر معاف کر دینا۔۔۔الغرض۔۔۔ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی گنجائش عطا فرمانا کرم نہیں تو اور کیا ہے۔ معاف کرنے میں قاتل کی رعایت ہے اور دیت وصول کرنے میں مقتول کا لحاظ ہے۔ اس مقام پر قاتل کو قتل جیسے گناہِ کبیرہ کے باوجود مومن قرار دیا، ایمانی اخوت کو باقی رکھا اور اس کو تخفیف و رحمت کا مستحق بتایا۔ یہ سب رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟

(تو) اب جو کوئی معاف کر دینے اور دیت لے لینے کے بعد اس قاتل کو یا اس کے غیر کو قصاص کے نام پر قتل کر دے یا قاتل ہی اس ظلم و ستم پر اتر آئے کہ ایک کو دیت دے کر دوسرے کو قتل کر دے۔۔۔الغرض۔۔۔ شرعی حدود کو تجاوز کرتے ہوئے (جو حد سے بڑھا اس) مذکورہ بالا ہدایت (کے بعد تو اس کیلئے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ دنیا ہی میں اسے لازمی طور پر قتل کر دیا جائیگا اور اب اس سے دیت بھی نہیں قبول کی جائیگی۔۔۔الغرض۔۔۔ دیت لیکر قتل کرنے والے کو ہرگز معاف نہیں کیا جائیگا۔

اے ایمان والو! تم قانونِ قصاص کو ظالمانہ اور بہیمانہ قانون نہ سمجھ لینا۔ ذرا غور تو کرو اگر ایک قاتل کو چھوٹ دے دی گئی اور اس کو اسکی قرار واقعی سزا نہیں دی گئی تو پھر اس سے دوسرے مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور وہ بے خوف و خطر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دینے سے باز نہ آئینگے۔۔۔ ہاں۔۔۔ اگر قاتل کو اسکے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا، تو دوسرے مجرم اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آجائینگے اور اس طرح ایک قاتل کے قتل سے بے شمار جانیں قتل و غارت سے بچ جائینگی۔

• جس ملک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پرنم ہوجائیں، وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ۔ وہ اپنی آغوش میں ایسے مجرموں کو نازونعم سے پال رہا ہے جو اسکے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کو مسل کر رکھ دیں گے۔ وہ دین جو دین فطرت ہے، جو ہر قیمت پر عدل وانصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدعی ہے، اس سے ایسی بے جا بلکہ نازیبا ناز برداری کی توقع عبث ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو! تم قانونِ قصاص کو عدل وانصاف ہی کا قانون باور کرو۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے لئے خون کے بدلہ لینے میں زندگانی ہے اے عقل والو! کہ اب سے تم ڈرو●

(اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (تمہارے لئے خون کا بدلہ لینے میں) دنیا میں امن وامان کی ضمانت اور بے شمار مظلوموں اور بے کسوں کی (زندگانی ہے)۔ قصاص کے خوف سے جب ظالم اپنے ظلم سے اپنے کو بعض رکھے گا تو قتل ناحق کا دروازہ بھی بند ہوجائے گا۔ (اے عقل والو) طبع سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والو قانونِ قصاص کی حکمت بالغہ یہی ہے (کہ) ایام جاہلیۃ میں جو کچھ ہو چکا، وہ ہو چکا، مگر (اب سے تم ڈرو) اپنے رب سے اور ان تمام گناہوں سے پرہیز کرو جو تمہیں عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں یا قصاص کے خوف سے قتل ناحق کرنے سے اپنے کو بچاتے رہو۔

اے ایمان والو سابقہ بیان میں تم سے قتل وقصاص کے تعلق سے گفتگو کی گئی جسکے ضمن میں موت کا بھی ذکر آ گیا اور تمہاری یہ عادت ہے کہ عموماً موت ہی کے وقت وصیت کرتے ہو، تو اس کے متعلق بھی بعض احکام ذہن نشین کرلو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا جب کہ آ جائے تم میں سے کسی کی موت اگر چھوڑے کچھ سرمایہ، کو وصیت کرنا، ماں باپ

وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور قرابت مندوں کے لئے نیک رواج کے موافق۔ یہ حق ہے پرہیزگاروں کے ہاں پر●

(تم پر فرض کیا گیا) اور ضروری قرار دیا گیا ہے (جبکہ آ جائے تم میں سے کسی کی موت) یعنی

اسکے اسباب کا حضور اور اسکی علامتوں اور نشانیوں کا ظہور ہو جائے، لا علاج امراض و علل کی شکل میں جن کو عام طور پر مرض الموت گمان کیا جاتا ہے (اگر چھوڑے کچھ سرمایہ کو)۔۔۔الغرض۔۔۔اسکے پاس اتنا مال ہو کہ اسے سرمایادار کہا جاسکے تو اس پر فرض ہے (وصیت کرنا)۔کن کیلئے وصیت کرنا؟ (ماں باپ اور قرابت مندوں کیلئے) ایامِ جاہلیت والوں کی طرح نہیں، جوان کے سوا دوسروں کیلئے وصیت کر دیا کرتے تھے۔اور اپنی اس ریا کاری اور دکھاوے کے عمل کو سخاوت قرار دیا کرتے تھے۔تو اے عقل والو، غور کرو کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کو نادار رکھا جائے اور دوسروں کیلئے وصیت کر کے ان کو مالدار کر دیا جائے۔تو تم وہی کرو جو (نیک رواج کے موافق) اور عدل وانصاف کا تقاضہ ہو (یہ حق ہے)۔لازم ہے ان (پرہیزگاروں کے بازو پر) جو تقویٰ کی طرف مائل اور اسکے حصول میں کوشاں ہیں۔

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

تو جس نے وصیت بدل دی بعد اس کے کہ اس کو سن لیا، تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدل ڈالیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾

بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(تو) وصی اور شاہد میں سے (جس نے) بھی (وصیت بدل دی) خواہ وصیت سے بالکلیہ انکار کر کے۔۔۔یا۔۔۔اس میں کچھ کمی کر کے۔۔۔یا۔۔۔اس کی صفت کو تبدیل کر کے۔۔۔یا۔۔۔ان کے سوا کوئی صورت اپنا کے (بعد اس کے کہ اس کو سن لیا) اور جان لیا، اچھی طرح اسکی تحقیق کر لی (تو اس) تبدیل کرنے (کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدل ڈالیں)۔۔۔الغرض۔۔۔خود وصیت کرنے والے کے سر کوئی گناہ نہیں۔وہ تو وصیت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا (بے شک اللہ) تعالیٰ وصیت کرنے والوں اور اس کے بدل دینے والوں دونوں کے اقوال کا (سننے والا) اور دونوں کی نیتوں کا (جاننے والا ہے) تو وہ ان کی نیتوں کے مطابق انھیں جزا یا سزا عطا فرمائیگا۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ

ہاں جو ڈرا وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے انصافی یا گناہ کو، پھر ان میں صلح کرادی

فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۸۲﴾

تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے ●

(ہاں) وارث یا وصی یا امام یا قاضی میں سے (جو) کوئی بھی (ڈرا) اور اسے اندیشہ لگا ---نیز---یقینی طور پر یا بطورِ گمانِ غالب اس نے سمجھ لیا (وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے انصافی) وصیت میں خطا کی وجہ سے سہواً حق اور انصاف سے انحراف---یا---قریبی رشتہ داروں کو نظر انداز کر دینا (یا) جان لیا اسکی طرف سے جان بوجھ کر ظلم و زیادتی---یا---ایک تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنے کے (گناہ کو) جو شریعت کی خلاف ورزی کرنے کا نتیجہ ہے (پھر ان میں) یعنی جن کیلئے وصیت کی گئی اور جو وصیت کرنے والے کے وارثین ہیں، ان دونوں میں---یا---اگر وصیت کرنے والا باحیات ہو تو خود اس کے اور جس کیلئے وصیت کی ہے، اس کے درمیان (صلح کرادی) اور شریعت حقہ کے احکام کا اجراء فرما کر سب کو شریعت کے مطابق عمل کرنے کیلئے آمادہ کر لیا اور پھر اس صورت حال کے پیش نظر اگر وصیت میں کوئی تبدیلی ہوگئی، (تو اس) تبدیلی کی وجہ سے کسی (پر کوئی گناہ نہیں)۔

---الغرض---وصیت میں ایسی تبدیلی پر جس میں شریعت اسلامیہ کا پاس و لحاظ ہو اور سارے متعلقہ افراد کے اتفاق سے ہو، کسی طرح کا کوئی مواخذہ نہیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (بڑا بخشنے والا) ہے ان وصیت کرنے والوں کا جو وصیت میں حق سے انحراف کر دینے کی صورت میں صدق دل سے تائب ہو جائیں---یونہی---ان اصلاح کرنے والوں سے اصلاحی کوششوں کے درمیان اگر بالفرض کوئی ناکردنی اعمال یا ناگفتنی اقوال صادر ہو جائیں تو رب کریم ان کو بھی معاف فرما دینے والا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اوصیاء جو وصیت کے مضمون میں کوئی تحریف نہ کریں اور من و عن اس کے مطابق عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے دین و دیانت والوں پر بہت ہی (رحمت) فرمانے (والا ہے)۔

سابقہ آیات میں پہلے قصاص کا حکم دیا گیا پھر وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اب روزہ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ۔ قصاص کا حکم شدید ترین تھا اسلئے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ قاتل خود اپنے کو حکام اور مقتول کے ولی کے حوالے کر دے، تا کہ وہ اسے قتل کر دے پھر اسکے بعد وصیت کا حکم دیا گیا جو نسبتاً پہلے حکم سے ہلکا ہے، اسلئے کہ اس میں صرف اپنے مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں

کے حوالے کر دینا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مال دے دینا جان دینے سے آسان ہے۔

ان دونوں حکموں کے بعد اب روزے کا حکم دیا گیا جو ان دونوں سے آسان تر ہے اسلئے کہ روزہ رکھنے سے انسان کے صرف کھانے پینے کے معمولات بدل جاتے ہیں۔اب وہ طلوع فجر سے پہلے سحری کرے گا، پھر وہ دن بھر بھوکا پیاسا وغیرہ، پھر مغرب کے بعد افطار کرے گا۔۔۔الغرض۔۔۔رات بھر کھانے پینے وغیرہ کی اجازت ہوگی اور دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کی پابندی رہے گی، کیونکہ مکلّف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کیلئے تیار کرنے ہی کا نام روزہ ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان ارشادات میں احکامات بیان کرنے میں یہ ترتیب رکھی گئی ہے کہ پہلے حکم شدید تر۔۔۔پھر۔۔۔حکم شدید اور پھر حکم خفیف، بیان فرمایا گیا ہے۔۔۔قصاص اور روزے میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ قصاص میں نفسِ انسان کو حسی طور پر قتل کیا جاتا ہے، جبکہ روزے میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے۔قصاص میں اگر معنوی طور پر اجسام کی حیات ہے تو روزے میں ارواح کی حیات ہے۔روزہ ذہن کو پاکیزہ، دل کو مصفیٰ اور بندوں کو فرشتہ خصلت بنا دیتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ روزہ دار روزہ کے جملہ حقوق ادا کرے۔

روزہ اگرچہ قصاص و وصیت کے مقابلے میں آسان ہے لیکن بعض دوسرے احکام کے پیش نظر یہ سخت بھی ہے۔ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویلِ قبلہ کے بعد ۱۰ شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔روزہ سے پہلے زکوٰۃ اور زکوٰۃ سے پہلے، نماز فرض کی گئی۔ چونکہ احکام میں سب سے سہل اور آسان نماز ہے اسلئے اسکو پہلے فرض کیا گیا اور پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوٰۃ ہے، کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے، لہٰذا اس کو حکم نماز کے دل و دماغ اور عمل و کردار میں راسخ ہو جانے کے بعد فرض کیا گیا۔

نماز و زکوٰۃ کے احکام پر عمل جب ایمان والوں کی زندگی میں راسخ ہو گیا تو ان دونوں حکموں سے زیادہ سخت، روزے کا حکم نازل فرما دیا گیا۔روزے میں چونکہ نفس کو کھانے، پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے، اسلئے یہ انسانی نفوس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ روزے کی مشقت اور اسکی سختی کو کسی قدر ہلکا کر دینے کی غرض سے خطاب میں بہت ہی پیارا انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔اور مخاطبین کو 'ایمان والا' کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جس طرح فرض کیا گیا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

ان پر جو تم سے پہلے تھے، کہ اب پرہیزگار ہو جاؤ●

یہ خطاب کہ (**اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ**) ایمان والوں کو ایسا سرور بخشتا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی رضا کیلئے بڑی سے بڑی مصیبتوں کو گلے لگا لیتے ہیں اور صرف اسی خطاب پر اکتفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ تسلی دینے کیلئے یہ بھی فرما دیا گیا، کہ اے ایمان والو تم پر جو روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ فرض کیا جانا بالکل اسی طرح ہے (**جس طرح فرض کیا گیا ان پر جو تم سے پہلے تھے**)، حضرت آدم سے لیکر تمہارے زمانے تک کے سارے انبیاء اور ان کی ساری امتیں۔۔۔۔الغرض۔۔۔ اس عبادت کے فرض ہونے میں تم سے پہلی امتیں بھی تمہاری شریک ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز عام ہو جاتی ہے اس میں مشقت کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی روزے کا حکم نازل فرمانے میں جو حکمت ہے، وہ بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ دل اسکی طرف کامل طور پر راغب ہو جائے۔۔۔الغرض۔۔۔ روزہ اسی لئے فرض کیا گیا ہے تا (**کہ اب پرہیزگار ہو جاؤ**) اپنے ذہن وفکر کو پاکیزہ کرلو اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسکی نعمتوں اور اپنی بری عادتوں اور کوتاہیوں میں غور وفکر کرو، تاکہ تمہیں ندامت حاصل ہو، توبہ کی توفیق ملے اور دل میں خوف خدا پیدا ہو، جسکی وجہ سے تم گناہوں سے بچو، دنیا کی رنگینیوں کو ترک کردو، اور فرشتوں کے اوصاف سے متصف ہو جاؤ۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

چند گنتی کے دن۔ پس جو تم میں سے بیمار ہو گیا، یا سفر پر ہے، تو شمار ہے

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ

دوسرے دنوں میں۔ اور ان پر جو طاقت کھو چکے ہیں روزہ کی فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا، تو جس نے نفل کی طرح

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

نیکی کی تو یہ اسکے لئے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم سے کام لو●

پس تم روزہ رکھتے رہو ہر سال (چند گنتی کے دن) تم سے پہلوں پر بھی پورے سال کے روزہ فرض نہیں کئے گئے اور تم پر بھی پورے سال کا روزہ رکھنا فرض نہیں۔ ان کیلئے بھی سال میں چند ہی دن کے روزے فرض کئے گئے تھے اور تمہارے لئے بھی سال میں صرف رمضان شریف کے مہینے کے ۲۹ یا ۳۰ دن ہی کے روزے فرض کئے گئے اور پھر رب کریم کا کرم تو دیکھو کہ اسنے اپنے اس حکم میں بھی تمہارے مریضوں اور مسافروں کو ایک خاص رعایت بھی عطا فرمائی ہے۔

چنانچہ اس نے انہیں رخصت مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا کہ (پس جو تم) مکلفین (میں سے بیمار ہوگیا) ایسا کہ روزے سے حاملہ، دودھ پلانے والی کو غلبۂ ظن سے اپنی جان۔۔۔یا۔۔۔ اپنے بچے کی جان کا خوف ہو۔۔۔یا۔۔۔ مرض بڑھنے کا خوف ہو۔۔۔یا۔۔۔ تندرست آدمی کو غلبۂ ظن، تجربہ علامات یا طبیب حاذق کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو۔۔۔یا۔۔۔ خادمہ کو ضعف کا خوف ہو۔۔۔(یا)۔۔۔ کوئی مکلّف (سفر پر ہے) اور ایسا مسافر ہے جسے نماز قصر کی اجازت ہے، یعنی تین شب و روز کا سفر جو ½ ۵۷ میل اور کلو میٹر کے حساب سے ۹۲ کلو میٹر ہوتا ہے (تو) ایسے معذورین جو اپنے عذر کی بنا پر روزہ نہیں رکھ سکے ہیں وہ اپنے چھوڑے ہوئے روزوں کی پوری گنتی کر لیں، اور اس کو شمار کر لیں اور سمجھ لیں کہ ان کیلئے یہی (شمار ہے) اور یہی گنتی ہے (دوسرے دنوں میں) روزہ رکھنے کی۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ فرض روزے جتنے چھوٹ گئے، اتنے ہی روزوں کی دوسرے دنوں میں قضاء لازم ہے (اور ان پر جو طاقت کھو چکے ہیں) ایسے بوڑھے ضعیف جواز کار رفتہ ہو چکے ہیں، جنھیں ایک ہلکی مشقت بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں، ان کیلئے (روزے کی فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا) یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو، وغیرہ کسی غریب کو دے دینا (تو جس نے نفل کی طرح) بطورِ نفل (نیکی کی) اور ایک مسکین کے بجائے دو۔۔۔یا۔۔۔ اس سے زیادہ مسکینوں کو فدیہ دے دیا۔۔۔یا۔۔۔ ایک مسکین کو جتنا دینا چاہئے تھا اسکو اس سے زیادہ دے دیا۔۔۔یا۔۔۔ فدیہ بھی دیا اور روزہ بھی رکھا (تو یہ اس کیلئے بہتر ہے) اسلئے کہ یہ سب کچھ اسکے اجر میں زیادتی کا سبب ہے۔

۔۔۔بایں ہمہ۔۔۔ جن جن حالات میں تم کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے، اگر تم ان حالات میں مشقت اٹھا کر بھی روزہ رکھ سکو (اور) پھر روزہ رکھ لو تو یہ (روزہ رکھنا تمہارے لئے) دین و دنیا کی

صلاح وفلاح کیلئے (بہتر ہے)۔اسکی بہتری کو سمجھ لینا تمہارے لئے دشوار نہیں (اگر تم علم سے کام لو) اور روزے کی دینوی اوراخروی فوائد سے آگاہ ہو جاؤ۔روزے کی فضیلت کا علم حاصل ہو جانے کے بعد فدیہ، خیر وخیرات اور قضاء وغیرہ، ہر ایک سے بہتر تم روزہ رکھ لینے ہی کو قرار دو گے۔

آیت سابقہ کے ذریعہ روزے کی فرضیت کا حکم ظاہر کردینے کے بعد اور یہ بتادینے کے بعد کہ یہ فرضیت پورے سال کیلئے نہیں بلکہ گنتی کے چند دنوں کیلئے ہے، یہ بھی واضح فرمادیا کہ وہ کس مہینے کے دن ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

مہینہ رمضان کا وہ کہ اتارا گیا جس میں قرآن، ہدایت انسانوں کیلئے اور روشن باتیں ہدایت

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى

اور فیصلہ کی، تو جس نے پالیا تم میں سے اس مہینہ کو تو اسکے روزے رکھے، اور جو بیمار ہے یا بحالت سفر ہے،

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫

تو اسکے لئے شمار ہے دوسرے دنوں سے۔چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کو اور نہیں پسند فرماتا تمہارے لئے دشواری کو،

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اسلئے کہ مہینہ کی گنتی پوری کرلو اور اللہ کی تکبیر بولو جو تمہاری ہدایت فرمائی، اور اب تو شکر گزار ہو جاؤ●

چنانچہ فرمایا گیا وہ (مہینہ رمضان کا) ہے، جس کے انتیس ۲۹ یا تیس ۳۰ دن کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔

یہ ایسا مقدس مہینہ ہے جسکی پہلی رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف، چھٹیں ۶ تاریخ کو توریت، تیرھویں ۱۳ تاریخ کو انجیل اور چوبیسویں ۲۴ تاریخ قرآن کریم نازل فرمایا گیا۔ ویسے پہلے مکمل قرآن کریم ایک ساتھ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے 'بیت العزۃ' میں شب قدر میں نازل فرمایا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حکمت خداوندی اور مشیت الٰہی کے مطابق نبی کریم پر اسکا نزول ہوتا جسکا سلسلہ ۲۳ سال تک چلتا رہا۔

نبی کریم پر قرآن کریم کے نزول کی ابتداء بھی رمضان شریف ہی میں ہوئی۔کتب الٰہیہ کے نزول کے سبب ماہ رمضان شریف کو جو عظمت ملی ہے وہ اس بات کی متقاضی تھی کہ روزہ

جیسی عظیم عبادت، جس میں ریاء کا دخل نہیں، جسکا اجر خود رب کریم نے خاص طور پر اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا ہے۔۔۔بلکہ۔۔۔اپنی ذات ہی کو ازراہِ کرم روزے کا صلہ قرار دے دیا ہے، جو ایک طرف اگر بندے کی عبودیت و بندگی کی واضح نشانی ہے، تو دوسری طرف ان بشری علائق کے ازالے کا سبب قوی ہے جو انسانی قلب و روح میں انوار صمدیہ کے جلوہ افروز ہونے کیلئے رکاوٹ بنتے ہیں۔تو یہ نہایت مناسب بات رہی کہ ایسی عظیم عبادت کو ایسے عظیم مہینے کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ عظیم مہینہ **(وہ)** ہے **(کہ اتارا گیا جس میں قرآن)** جو **(ہدایت)** ہے سارے **(انسانوں کیلئے)**۔سارے انسانوں کو دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح، کمال وخوبی اور سعادت و فیروز بختی کا راستہ دکھانے والا ہے **(اور)** اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں ایسی **(روشن باتیں)** ہیں، جو انسانوں کیلئے **(ہدایت)** کا راستہ ظاہر کر دیتی ہیں۔اور فوز ونجات کے طریقوں کو واضح کر دیتی ہیں **(اور)** ان کیلئے انکے ہر ہر شعبہء زندگی میں حق و باطل کے درمیان **(فیصلہ)** کر دینے **(کی)** واضح ہدایات ہیں، جو ان کے درمیان فرق کو نمایاں کر دیتی ہیں، اور ظاہر کر دیتی ہیں کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟۔۔۔سچ کیا ہے؟، جھوٹ کیا ہے؟۔۔۔ثواب کیا ہے؟۔۔۔خطاء کیا ہے؟،۔۔۔مناسب کیا ہے؟ نا مناسب کیا ہے؟ **(تو جس نے پالیا تم)** مکلفین **(میں سے اس)** رمضان شریف کے **(مہینہ کو)**، یعنی رمضان شریف کے چاند ہو جانے کا علم ویقین حاصل کر لیا ہو، خواہ اپنی رویت سے ۔۔۔یا۔۔۔ثبوت ہلال کے دوسرے شرعی طریقہ ہائے موجبہ میں سے کسی طریقے سے، اور حال یہ ہے کہ وہ مسافر نہیں ہے **(تو)** وہ **(اس کے روزے رکھے)** اسلئے کہ قرآن کریم ملنے والے اس مبارک مہینے کا ہر ہر لمحہ اس لائق ہے کہ رب کریم کی شکر گزاری میں صرف کر دیا جائے اور اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔نفس کی تربیت کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہے۔

سابقہ آیت میں ایک گوشہ یہ بھی نکلتا تھا کہ اگر کوئی طاقت رکھتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھے تو وہ اس کے بدلے میں فدیہ دے دیا کرے۔ایسی صورت میں زیر تفسیر آیت، اسکی ناسخ ہو جائیگی اور وہ فدیہ سے متعلق پہلا حکم منسوخ ہو جائیگا۔اور چونکہ وہاں مریضوں اور مسافروں کا بھی ذکر ہے تو ان سے متعلق جو حکم ہے کہیں اسے بھی منسوخ نہ سمجھ لیا جائے،

اس لئے ان دونوں کے ذکر کا اعادہ فرمایا گیا۔

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ (جو بیمار ہے یا بحالت سفر ہے تو اس کیلئے شمار ہے دوسرے دنوں سے)۔۔۔الغرض۔۔۔رمضان شریف میں بیماری یا مسافری کی وجہ سے جتنے روزے نہیں رکھ سکا ہے، ان اعذار کے ختم ہو جانے کی صورت میں دوسرے کسی مہینے میں ان سب روزوں کی قضا کر لے۔ (چاہتا ہے اللہ) تعالیٰ اپنی وسعت رحمت اور کمال رافت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے (تمہارے ساتھ آسانی کو) اسی لئے حالت سفر اور حالت مرض میں افطار یعنی روزہ نہ رکھنے کو مباح فرما دیا (اور نہیں پسند فرماتا تمہارے لئے دشواری کو) یہی وجہ ہے کہ مسافر و مریض کیلئے افطار کو فرض بھی نہیں قرار دیا کہ اگر روزہ رکھ لیں تو مجرم قرار پائیں اور ان روزوں کے اعادہ کی مشقت کا شکار ہو جائیں (اور) یہ بھی سمجھ لو کہ حالت سفر اور حالت مرض میں چھوڑے ہوئے روزوں کو دوسرے دنوں میں پورا کرنے کی جو ہدایت دی گئی ہے، (وہ اس لئے) ہے تا (کہ) تم (مہینہ کی گنتی پوری کرلو)۔ رمضان کے روزوں کو شمار کرلو کہ کتنے روزے چھوٹے۔۔۔یا۔۔۔رمضان کے دنوں کو شمار کرلو کہ عذر کے سبب کتنے دن افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا (اور) صرف یہی نہیں بلکہ رمضان شریف کے روزوں سے فارغ ہوکر ہلال عید کی رویت سے لیکر نماز عید سے واپسی تک (اللہ کی تکبیر بولو) اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہتے رہو، اس نعمت کے بدلے (جو) اس نے تمہیں عطا فرمائی اور روزے کے تعلق سے اہم اور ضروری احکام کا تمہیں علم دے دیا تا کہ تم مریض و مسافر ہونے کی صورت میں بھی روزے کے انوار و برکات سے بالکلیہ محروم نہ رہ جاؤ۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔اس نے واضح طور پر (تمہاری ہدایت فرمائی اور) ترخیص و مراعات کا قانون دیکر تم پر احسان فرمایا کہ (اب تو شکر گزار ہو جاؤ) اور اس محسن حقیقی کی کامل اطاعت اور اسکے محبوب ﷺ کی مخلصانہ پیروی کیلئے تیار ہو جاؤ اور اچھی طرح یقین کرلو کہ تمہارا ماہ رمضان میں روزہ رکھنا، اسکی گنتی کی حفاظت کرنا، اسکی راتوں میں جاگنا، اس میں رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا، اسکی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہنا، اور اسکا شکر ادا کرنا، رب تعالیٰ تمہارے ان جملہ حالات سے باخبر ہے، تمہارے ذکر و شکر پر مطلع ہے، تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور جب پوچھیں تم سے میرے بندے مجھے، تو بیشک میں نزدیک ہوں، پکارنے والے کی دعا قبول فرماتا ہوں جب بھی

اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

مجھے پکارے۔ تو ان کا کام ہے کہ میرے فرمان کی تعمیل کرتے رہیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ اب تو نیک ہوں●

(اور) بکمال لطف و کرم اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب تمہارے صحابہ اگر تم سے یہ سمجھنا چاہیں کہ ہم اپنے رب کو کیسے یاد کریں۔۔۔یا۔۔۔تم سے سوال کرنے والے اعرابی کی طرح کوئی یہ پوچھ لے کہ کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے۔۔۔یا۔۔۔بعید ہے۔ قریب ہونے کی صورت میں ہم اس سے راز دارانہ انداز میں مناجات کریں اور دور ہونے کی صورت میں بلند آواز سے معروضات پیش کریں۔۔۔الختصر۔۔۔(جب پوچھیں تم سے میرے بندے مجھے) میری صفات کے بارے میں۔۔۔یا۔۔۔وقت دعا ان کے ساتھ میرا کیا معاملہ ہوگا، اس کے تعلق سے (تو) تم میری طرف سے جواباً کہہ دو کہ ربّ کریم ارشاد فرماتا ہے (بے شک) علم و قدرت، اجابت و قبولیت کے اعتبار سے، (میں) اپنے بندوں کے (نزدیک ہوں) اور ان کی رگِ جاں سے زیادہ ان سے قریب ہوں، کوئی کہیں سے بھی مجھ سے دعا کرے اور مجھے پکارے، میں ہر (پکارنے والے کی دعا قبول فرماتا ہوں)۔ پکارنے والا کہیں سے پکارے اور (جب بھی مجھے پکارے) میں اسکی ضرور سنتا ہوں اور اس دعا کو قبول بھی کرتا ہوں۔

۔۔۔خواہ۔۔۔بندے نے جو مانگا، وہی عطا فرما کر۔۔۔خواہ۔۔۔اسکا نعم البدل دے کر، جس میں بندے کیلئے بہتری ہو۔۔۔خواہ۔۔۔اس دعا کو بندے کے حق میں توشۂ آخرت بنا کر، جو قیامت کی مشکل گھڑی میں کام آئے۔۔۔الغرض۔۔۔بندے کی دعا کسی حال میں بھی ضائع نہیں کی جاتی (تو) ان بندوں کی بھی ذمہ داری ہے اور (ان کا) بھی یہ، (کام ہے کہ) وہ (میرے فرمان کی تعمیل کرتے رہیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ اب تو نیک ہوں) دل کی سچائی کے ساتھ مجھے مانیں اور جب میں انہیں ایمان و اطاعت کیلئے بلاؤں تو وہ اسے قبول کریں، جیسے کہ میں انکی بات مانتا ہوں جبکہ وہ اپنے مقاصد کیلئے مجھے پکارتے ہیں، حالانکہ میں غنی اور بے پرواہ ہوں۔

بندوں میں تو روزہ دار بندوں کا ایک مخصوص مقام ہے جنکی دعاؤں کیلئے درِ اجابت کھلا ہی رہتا ہے۔ روزہ داروں پر رب کریم کے فضل خاص کا سایہ ہے۔ شروع میں جو ان کیلئے

پابندیاں تھیں، اس میں کمی کر دی گئی۔ ابتداءِ اسلام میں دستور تھا کہ روزہ میں شام کے وقت افطار کا کھانا پینا اور جماع وغیرہ صرف عشاء کی نماز تک جائز تھا۔۔۔یا۔۔۔جب تک نیند نہ آتی، اسکے بعد کھانا پینا، جماع وغیرہ حرام ہو جاتا۔ جب عشاء کی نماز پڑھی جاتی۔۔۔یا۔۔۔ کوئی سو جاتا، تو اس پر کھانا پینا اور جماع آئندہ شام تک کیلئے حرام ہو جاتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ بعض صحابہء کرام خواہش نفسانی کے غلبہ کے سبب صبر نہ کر سکے اور جس وقت ان کیلئے مباشرت حرام تھی، وہ اسکا ارتکاب کر بیٹھے، فوراً ہی غلطی کا احساس ہوا، سب مضطرب و بے چین ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے، پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا، سرکار نے بھی اس عمل کو نامناسب قرار دیا۔ ایسے وقت میں رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے سابقہ حکم کو منسوخ فرمایا اور رخصت عطا فرمائی۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

حلال کر دیا گیا تمہارے لئے روزوں کی رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانا۔ وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو انکے۔

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ

جان چکا تھا اللہ کہ بیشک تم خیانت کر رہے تھے خود اپنی، تو توبہ قبول فرمائی تم پر اور معفو فرما دیا تم سے۔

فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

پس اب صحبت کرو ان سے اور خواہش کرو اسکی جو اللہ نے مقدر فرما دیا ہے تمہارے لئے۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ

لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ

ظاہر ہو جائے تمہارے لئے آسمان کا سفید ڈورا، سیاہ ڈورے سے پو کے پھٹنے سے، پھر پورا کرو روزہ کو

إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

رات تک، اور نہ صحبت کرو بیبیوں سے جب کہ تم اعتکاف کر رہے ہو مسجدوں میں۔ یہ قانون الٰہی کی سرحدیں ہیں،

فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

تو انکے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح ظاہر فرماتا ہے اللہ اپنی نشانیوں کو لوگوں کیلئے کہ اب تو ڈریں ●

چنانچہ ارشاد فرمایا (حلال کر دیا گیا) اے روزہ دارو! (تمہارے لئے) تمہارے بشری تقاضوں کے پیش نظر (روزوں کی رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانا) اسلئے کہ ایک جگہ اکٹھے رہنے کی صورت

میں اس عمل سے اپنے کو بچالینا بہت مشکل ہے اور صورت حال یہ ہے کہ تمہیں اکٹھا رہنا ہی ہے، کیونکہ (وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہوانکے) بوقت جماع ایک دوسرے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ---یا---اسلئے کہ ایک دوسرے کا حال چھپاتے ہو---یا---اسلئے کہ ایک دوسرے کو غلط کاری سے بچاتے ہو، اور ایسی خرابیوں سے ایک دوسرے کو محفوظ رکھتے ہو جنکا صدور انکے نا مناسب ہے ---یا---اس لئے کہ تم دونوں ایک دوسرے کا سکون ہو۔

ان حالات میں اے روزہ داروں تمہارے لئے، روزہ کی راتوں میں یہ رخصت ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔تم سے جو غلطی ہوگئی، وہ علم الٰہی سے باہر نہیں تھی بلکہ اپنے علم ازلی سے (جان چکا تھا اللہ) تعالیٰ (کہ بے شک تم خیانت کررہے تھے خود اپنی) اپنے مالک سے معاہدہ کرلینے کے بعد، تمہاری یہ خفیہ نافرمانی خود تمہارے لئے ہی نقصان دہ تھی۔اپنے نفسوں پر ظلم کرکے انہیں عذاب الٰہی کا مستحق بنانا، رمضان کی راتوں میں جماع کرکے نفس کے ثواب کو گھٹانا، ان سب میں نفس کا خود اپنا ہی تو خسارہ ہے (تو) رب کریم نے کرم فرمایا اور رجوع برحمت ہوا اور (توبہ قبول فرمائی تم پر اور عفو فرمادیا تم سے) معاف فرمادیا، اس خیانت کو جو تم سے سرزد ہوئی اور روزے کی راتوں میں مفطرات کے ارتکاب کی رخصت عطا فرمادی۔(پس اب) اگر چاہو تو روزے کی راتوں میں بھی (صحبت کروان سے) ایسی پاکیزہ صحبت، جس میں صرف قضاء شہوت کی نیت نہ ہو (اور) اچھی طرح یہ سمجھ لو کہ شہوت کی تخلیق اور نکاح کی مشروعیت میں ایک حکمت یہی ہے کہ اولاد بڑھے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو، نہ کہ صرف شہوت رانی۔

اسی لئے حضور آیہ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کرکے نسل انسانی بڑھاؤ اور انسانی افراد کی کثرت کرو تا کہ میں تمہاری وجہ سے امتوں پر فخر کرسکوں تو (خواہش کرو) طلب کرو، دعا کرو (اس کی جو) لوح محفوظ میں (اللہ) تعالیٰ (نے) لکھ دیا ہے اور (مقدر فرمادیا ہے تمہارے لئے) اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرو اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مَا کَتَبْتَ لَنَا اے اللہ تو نے اپنے کرم سے ہمارے مقدر میں جو اولاد لکھ دی ہے، وہ ہمیں عطا فرما۔

اب اگر تمہارے مقدر میں اولاد نہیں ہے تو ایسی صورت میں بھی رب تعالیٰ کی رحمت سے امید لگائے رکھو، وہ اس دعا کی برکت سے تمہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائیگا---یا---اس دعا کو

تمہارے لئے توشہ آخرت بنادیگا (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ جس طرح روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت تمہارے لئے مباح فرمادی گئی ہے، اسی طرح ازراہِ کرم تمہیں ان راتوں میں کھانے پینے کی بھی چھوٹ دے دی گئی ہے تو **(کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے آسمان کا سفید ڈورا)** یعنی وہ سفیدی جو صبح صادق کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے اور باریک دھاگے کی طرح ابتداءً پھیلتی ہے **(سیاہ ڈورے سے)** یعنی رات کی اس سیاہی سے جو دن کے غروب ہونے کے بعد سپیدی میں ملکر آسمان میں پھیل جاتی ہے، اسلئے کہ جب صبح صادق کا آغاز ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید دھاگہ افق آسمان میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صبح صادق کے وقت رات کی سیاہی سپیدی میں ملی ہوئی ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سیاہی سپیدی میں ہے اور سپیدی سیاہی میں، اسلئے کہ صبح کا نور رات کی اندھیریوں کو چیر کر نکلتا ہے **(پو کے پھٹنے سے)** یعنی صبح کے عمود کے انشقاق سے **(پھر پورا کرو روزہ کو)** اور دن کے تمام اجزاء میں کھانے پینے اور جماع سے رک جاؤ **(رات)** کے داخل ہونے کے وقت **(تک)**، یعنی سورج کے پوری طور پر چھپ جانے کے بعد تا کہ کوئی گمان نہ کرے کہ سورج غروب ہوا یا نہیں۔۔۔الغرض۔۔۔سورج کے چھپ جانے کا پورا اطمینان کر لینے کے بعد افطار کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ روزہ صرف کھانے پینے وغیرہ سے رک جانے کا نام نہیں، بلکہ اس کے ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

روزوں کی راتوں میں مذکورہ بالا رخصت کو دیکھ لینے کے بعد یہ گمان ہوسکتا تھا کہ اعتکاف کا حال بھی روزے کی طرح ہوگا۔۔۔بایں معنی۔۔۔کہ اپنی عورت سے جماع کو دن کو تو حرام ہو، لیکن رات کو جائز ہو۔ اسکی وضاحت فرمائی کہ اعتکاف والے کو جس طرح دن کو بھی حرام ہے، اسی طرح رات کو بھی۔

۔۔۔چنانچہ فرمایا **(اور نہ صحبت کرو بیبیوں سے جبکہ تم اعتکاف کر رہے ہو مسجدوں میں)**۔

اس حکم سے پہلے مسجدوں میں بعض اعتکاف کرنے والوں کو جب جماع کی خواہش ہوتی، تو مسجد سے نکل کر اپنی عورت سے جماع کر لیتا اور غسل کر کے مسجد میں لوٹ جاتا۔ اس آیت کے بعد مسلمان اعتکاف کی حالت میں جماع سے روک دیئے گئے۔ ویسے بھی یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اعتکاف شریعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکے تقرب کیلئے مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ نیت کے اخلاص کے ساتھ اعتکاف سے قلب، ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔

معتکف کے شر سے دوسرے اور دوسروں کے شر سے معتکف محفوظ ہو جاتا ہے۔ معتکف کو نفس کشی نصیب ہوتی ہے، دنیا سے اعراض کا سبق ملتا ہے۔ اعتکاف طریق صدق اور اخلاص کا پہلا باب ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب حاصل ہوتا ہے، توکل الی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے، قناعت پر راضی رہنے کا درس ملتا ہے، تنہا رہنے والا لوگوں کے لڑائی جھگڑے سے بچ جاتا ہے اور بہت سارے وہ گناہ جو کہ عام طور پر اختلاط سے صادر ہوتے ہیں، ان میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اللہ کے گھر میں ایسی پاکیزہ حضوری جس میں معتکف اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے، اے میرے مولیٰ میں تیرے در سے اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک میرے گناہ بخش نہ دئے جائیں۔ ایسے پاکیزہ خیالات کب اس بات کے متحمل ہونگے، کہ ان کے ساتھ نفسانی وشہوانی خواہشات کی بھی آمیزش ہو جائے؟

اب تک روزہ اور اس کے متعلقات کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے (**یہ قانونِ الٰہی کی سرحدیں ہیں**) اور حق و باطل کے درمیان کی حد فاصل (**تو**) ان حدود کے آگے قدم بڑھانا اور اس سے تجاوز کر جانا تو بڑی بات ہے (**ان کے قریب**) بھی (**نہ جاؤ**)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے احکام حدود مشروع فرمائے، تاکہ وہ حق و باطل کے درمیان آڑ بنیں اور اسلئے کہ ان حدود کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور ان حدود سے تجاوز کرنے سے بچ جائے (**اسی طرح**) کا واضح بیان جسے تم نے پڑھا اور سنا (**ظاہر فرماتا ہے اللہ**) تعالیٰ (**اپنی نشانیوں**) اپنے امر و نہی، وعدہ وعید (**کو**) تمام عام (**لوگوں کیلئے**) تا (**کہ اب تو ڈریں**) اور دین کے دلائل اور احکام کے نصوص سے ہدایات حاصل کر کے پرہیزگاری اختیار کریں۔ اپنے کو محرمات شرعیہ سے بچائیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں، بلکہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔

آیت سابقہ میں جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دیدی کہ وہ اپنے دین کے احکام کو کھول کر واضح طور پر بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ اس کے اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب کر کے پرہیزگاری اختیار کرلیں، تو اب وہ آگے کی آیت کریمہ میں غلط اور باطل طریقے سے اموال مسلمین کے کھانے کا حکم ظاہر فرما رہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال اسکی مرضی کے خلاف غلط طریقے سے حاصل کر کے کھائے۔ آگے چل کر باطل طریقے سے حاصل کرنے کی جتنی قسمیں ہیں، اس

میں سب سے زیادہ بدتر جو قسم ہے اسکو ظاہر فرمادیا اور وہ ہے حاکموں اور قاضیوں کو رشوت دیکر اپنے حق میں ناحق فیصلہ کرانا۔۔۔الغرض۔۔۔احکام الٰہیہ کو واضح طور پر بیان کر دینے کی حکمت یہ ہے کہ تم ان پر عمل کر کے پرہیز گاری اختیار کرو۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟

اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا اور نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

بایں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو، جان بوجھ کر●

رکوع

(اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) غصب کر کے، چوری کر کے، چھین کر، جھوٹی قسم کھا کر، جوا کھیل کر، رشوت دے کر، کاہن کے پاس جا کر، لہو ولعب کا مظاہرہ کر کے، نوحہ کر کے، غلط حیلوں سے، خیانت کر کے اور مختلف ناجائز اور باطل طریقوں سے۔

تم حاکم کے پاس جھوٹی قسم کھا کر اور چالاکی سے حجت قائم کر کے اپنے حق میں فیصلہ تو کرالو گے اور حاکم تمہارے حق میں فیصلہ کر بھی دے گا، لیکن اگر حقیقت میں اس پر تمہارا حق نہیں تھا، بلکہ اسکا صحیح حقدار تمہارا مقابل تھا، تو یقین کرلو کہ حاکم تمہیں تمہاری چیز نہیں دے رہا ہے، بلکہ آگ کا ٹکڑا دے رہا ہے، جو تمہاری آخرت کو خاکستر کر دیگا۔

تم پر لازم ہے کہ اپنے معاملات میں حق وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھو، (اور) غلط اور ناحق طریقے سے **(نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک بایں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال)** حاکم کو رشوت دے کر، اس سے جھوٹ بولکر، اسکے سامنے جھوٹی گواہی دے کر، **(ناحق کھالو)** وہ بھی **(جان بوجھ کر)** اسلئے کہ تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ سچائی کیا ہے؟ اور تم جس پر اپنا حق جتارہے ہو اس پر تمہارا کوئی حق نہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اپنے مقدمات ایسے حکمرانوں کی طرف مت لے جاؤ جنکا کام ظلم کرنا ہو اور رشوت لے کر غلط فیصلہ کرنے کی جنکی عادت ہو۔ اور یاد رکھو گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اسکا ارتکاب بہت زیادہ قبیح ہے۔ دنیا میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔حلال۔ ﴿۲﴾۔۔۔حرام۔ ﴿۳﴾۔۔۔مشتبہ۔

'حلال' ثواب کا موجب ہوتا ہے، 'حرام' سزا کا مستحق بناتا ہے اور 'مشتبہ' عتاب کا سبب

بنتا ہے۔ **عقلمندوں کو چاہئے کہ وہ حقوق العباد کا پاس ولحاظ رکھیں اور ظلم کے معاملات سے اجتناب کریں۔** اور نبی کریم سے انہی احکام شرعیہ کے تعلق سے سوال کریں جنکا بیان کرنا نبی کا منصب اور فرائض نبوت میں داخل ہے، جنکا جواب نبی کے سوا کوئی نہ دے سکے۔ رہ گئے علم ہیئت، علم نجوم اور علم الافلاک کے مسائل کا بیان کرنا نبی کا منصب نہیں۔ ان کو سمجھنے کیلئے انسانی عقل وشعور کو آزاد کردیا گیا ہے۔ اور ان کو **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ، **اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** اور **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ** کے پیغام جانفزا اسناد دیا گیا ہے۔ نبی سے ان امور کے بارے میں سوال کرو جہاں انسانی عقل وادراک کی رسائی ناممکن ہو۔ اب چونکہ آیاتِ سابقہ میں روزے کا حکم اور ماہِ رمضان کا ذکر آچکا ہے اور 'صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ' کے ارشاد کے پیش نظر صوم وافطار کے بیان سے ہلال کی بحث کو ایک طرح کی مناسبت ہے تو۔۔۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

تم سے پوچھتے ہیں چاند کی مختلف شکلوں کے بارے میں، کہہ دو یہ لوگوں کیلئے اور حج کیلئے تاریخ کی پہچان ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ

اور نہیں ہے نیکی اس میں کہ گھروں میں آؤ پچھواڑے سے، ہاں نیکی اس کی ہے جس نے پرہیزگاری کی،

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرو کہ اب کامیابی پاؤ●

اے محبوب اب اگر تمہارے بعض صحابہ۔۔۔یا۔۔۔بعض دوسرے لوگ تمہارے بعض صحابہ کے توسط سے (**تم سے پوچھتے ہیں چاند کی مختلف شکلوں کی بارے میں**)، کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے، کبھی باریک لکیر کی طرح نظر آتا ہے، کبھی موٹی لکیر کی طرح اور کبھی پورا دکھائی دیتا ہے اور کبھی آدھا ۔۔۔الغرض۔۔۔اس کی کیفیت اور حقیقت کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواباً ان پر واضح کردو کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے تمہارے دینی اور دنیاوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے، تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہئے۔۔۔چنانچہ۔۔۔ان سے (**کہہ دو یہ لوگوں کیلئے اور حج کیلئے تاریخ کی پہچان ہے**)۔ اسلام کے بہت سے احکام اس کے طلوع پر موقوف ہیں۔۔۔مثلاً: قربانی اور حج، عیدالفطر اور رمضان، عدت وفات کی گنتی، چار ماہ، دس دن، اور جسکے حیض کی مدت تین ماہ ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی

کیلئے ایک سال کا تعین، ایلاء کیلئے چار ماہ کا تعین، کفارہ کے روزے رکھنے کیلئے، دو ماہ کا تعین، ان تمام امور میں مدت کا تعین ہلال کے طلوع سے ہوتا ہے، یہ تو دین کے احکام ہیں اور دنیا کے احکام میں ---مثلاً: چار ماہ بعد کسی کو قرض کی ادائیگی کرنی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ ہو۔

اس مقام پر یہ غور کرنا چاہئے کہ سوال کرنے والوں کو جو سوال کرنا چاہئے تھا، وہ نہیں کیا بلکہ ایک غیر ضروری سوال کر بیٹھے اور ہلال کی حقیقت کے بارے میں پوچھ بیٹھے۔ پوچھنا تھا تو یہ پوچھتے کہ جنھوں نے اپنی ذاتی سوچ کی بنیاد پر یہ اصول بنالیا تھا کہ حج کی واپسی میں دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پیچھے کے راستے سے داخل ہوتے تھے۔ اگر پیچھے راستہ نہ ہوتا تو فوری طور پر دیوار توڑ کر بنالیتے اور اس عمل کو وہ بہت بڑی نیکی تصور کرتے تھے۔ اپنے اس نامناسب عمل کے بارے میں نہیں پوچھا کہ آخر یہ نیکی ہے بھی یا نہیں؟ گویا انھوں نے اپنے اس عمل کے تعلق سے سوال کرنے کو اہمیت نہیں دی اور ایک نامناسب اور غیر ضروری سوال کر بیٹھے۔ ہلال کی حقیقت کے تعلق سے ان کا سوال اگر انکا ایک نامناسب قول تھا، تو حج کی واپسی پر گھر میں دروازے سے نہ داخل ہونے کو نیکی قرار دینا انکا نامناسب فعل تھا۔

اس نامناسب عمل کو انجام دینے والے (اور) انجام نا دینے والے دونوں سن لیں (نہیں ہے نیکی اس میں کہ گھروں میں آؤ پچھواڑے سے، ہاں نیکی اس کی ہے) اور نکوکار وہ ہے (جس نے پرہیزگاری کی)، شریعت محمدیہ کی پاس داری کی، تو اپنی طبیعت سے بنائے ہوئے قانون کو چھوڑ و (اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے اور اللہ سے ڈرو)۔ اپنی زندگی رسول کریم کی ہدایت کے مطابق گزارو تا (کہ اب) اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کے سبب دنیا و آخرت میں سرخروئی اور (کامیابی پاؤ)۔

اس سے پہلے روزے کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اب جہاد کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ روزہ اور جہاد میں یک گونہ مناسبت ہے۔ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ **رسول کریم کا ارشاد ہے کہ میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد ہے۔** روزے اور جہاد کے ایک ساتھ آگے پیچھے ذکر کرنے کی ایک دوسری مناسبت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اصل اور اہم عبادت میں سے بعض کی ادائیگی کیلئے اوقات مخصوصہ مقرر ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور بعض امہات عبادت کی ادائیگی کیلئے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے، جیسے جہاد اور ذکر۔ پہلے عبادات موقتہ کا ذکر فرمایا۔ اب عبادات غیر موقتہ میں سے جہاد کا ذکر شروع فرمایا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا

اور لڑو اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑیں اور کوئی زیادتی نہ کرو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾

بیشک اللہ پسند نہیں فرماتا زیادتی کرنے والوں کو●

(اور) ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے اور تسلیم و رضا کے مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ فرمایا (لڑو اللہ کی راہ میں) اعلاء کلمۃ الحق اور دین کے غلبہ و اعزاز کیلئے ان سے (جو تم سے لڑیں)۔ تمہاری لڑائی، لوٹ مار، تجارتی اور صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس طرح کے سفلی مقاصد کیلئے نہیں ہونی چاہئے، بلکہ تمہاری لڑائی صرف حق کی سربلندی ہی کیلئے ہو، اور وہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہوں اور تم پر یلغار کرنے کیلئے پر تول رہے ہوں (اور) ایسوں پر بھی (کوئی زیادتی نہ کرو) ایسا نہ ہو کہ انتقام کے جوش میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکو اور جنگ میں نہ شریک ہونے والے بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں، راہبوں، عورتوں، بچوں، اپاہجوں کو بھی قتل کرنے لگو۔۔۔ الغرض۔۔۔ جنگی حالات میں بھی تمہیں عدل و انصاف کا پاس و لحاظ رکھنا ہوگا۔

اس حالت میں بھی تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ تم پر امن شہریوں اور آباد بستیوں کو تباہ و برباد کردو۔ ہسپتالوں، درس گاہوں اور عبادت خانوں کا بھی خیال نہ کرو اور اولاً تم پر لازم ہے کہ جنگ میں ابتداء نہ کرو اور جب جنگ شروع ہو ہی جائے تو مذکورہ بالا بے قصوروں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ اور جس مقابل کو تم قتل کردو اسکا بھی مثلہ نہ کرو اور اس کی ناک کان وغیرہ نہ کاٹو۔ اسلئے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند نہیں فرماتا) اس طرح کی (زیادتی کرنے والوں کو)۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا کوئی کام اپنی نفسانی سفلی خواہشات کے دباؤ میں نہیں ہونا چاہئے بلکہ جہاد سے تمہارا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خوشنودی ہونی چاہئے۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ

اور ان کو مار ڈالو جہاں پاجاؤ ان کو، اور نکال دو جہاں سے نکالا تھا تم کو، اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ

مار ڈالنے سے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد حرام کے پاس یہاں تک کہ تم سے لڑنے کی ابتدا حرم میں وہ کر گزریں

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

تو اگر وہ خود تم سے لڑ پڑے تو مار دو ان کو۔ یہی سزا ہے کافروں کی●

معاہدہ حدیبیہ کے مطابق زیارت کعبہ کے لئے جانے والے مسلمانو، اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ کہ اگر بالفرض کفار مکہ نے عہد شکنی کر کے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم حالت احرام میں حدود حرم میں ان سے کیونکر جنگ کر سکیں گے، اسلئے کہ کعبہ کا مالک تم کو اجازت دیتا ہے کہ اگر وہ آمادہ جنگ ہوں (اور) تمہارے سامنے لڑنے کیلئے آ جائیں تو تم (ان) مشرک قریشیوں (کو مار ڈالو جہاں) بھی (پا جاؤ ان) ظالموں اور عہد شکنوں (کو) اس صورت میں ان کی کوئی رعایت نہ کرو۔ (اور نکال دو) تم انہیں اپنے اس شہر مکہ سے (جہاں سے) خود انھوں نے (نکالا تھا تم کو) ان کافروں کا تمہارے غریبوں اور کمزوروں کو دین سے برگشتہ کرنے کیلئے سخت ترین سزائیں دینا، اور یہ کوشش کرنا کہ وہ اپنے پسندیدہ عقائد سے جن کی صداقت اور سچائی پر انہیں پورا یقین ہے باز آ جائیں، یہ قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔ (اور ان) ظالمین (کا) یہ ظلم اور (فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے)۔

ویسے اے مسلمانو تم یہ بھی سمجھ لو کہ جب تم انہیں ان کے وطن شہر مکہ سے نکال دو گے تو یہ چیز خود ان پر موت سے زیادہ گراں ثابت ہوگی۔ ہر وہ تکلیف جو آئے تو لوگ موت کی دعا مانگنے لگیں، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر دیکھا جائے ان کا غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانا بدتر ہے، ان کے قتل ہو جانے سے۔ 'جہاں ان کو پاؤ قتل کر دو'، کے حکم قرآنی سے تو ظاہر یہی ہوتا ہے کہ حل و حرم میں کہیں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے وہ جائز ہے۔

لیکن مسلمانو حرم شریف کی حرمت کو ملحوظ خاطر رکھو (اور نہ لڑو) قتال نہ کرو، (ان) مشرکین (سے) عزت و حرمت والی (مسجد حرام کے پاس) پورے حرم شریف میں تمہاری طرف سے قتال میں ابتدا نہیں ہونی چاہئے (یہاں تک کہ تم سے لڑنے کی ابتداء حرم میں وہ) مشرکین ہی (کر گزریں تو اگر وہ خود تم سے لڑ پڑے تو مار دو ان کو) اور قتل کر دو (یہی) واجبی (سزا ہے کافروں کی) یعنی ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو انھوں نے اپنے غیروں سے کیا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ حرمت والے مہینوں میں حرم شریف کے سوا کہیں بھی ان سے قتال کیا

جا سکتا ہے۔ ہاں حرم شریف میں اسی صورت میں قتال کی اجازت ہے، جبکہ کفار حرم شریف کی حرمت کو پامال کر کے خود ہی قتال شروع کر دیں اور بیت اللہ شریف میں بھی تمہارے ساتھ لڑنے لگ جائیں، تو تم بھی ان سے لڑو اور یہ پرواہ نہ کرو کہ بیت اللہ تو امن کی جگہ ہے، ہم کیسے لڑیں؟ اسلئے کہ یہاں کی لڑائی، بیت اللہ کی ہتک کا سلسلہ مشرکین نے شروع کیا ہے۔ لہٰذا اب وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہیں اور عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ تم انہیں جہاں پاؤ، مار ڈالو۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر باز آ گئے تو بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

(پھر اگر) وہ کافرین و مشرکین اپنے کفر و شرک سے (باز آ گئے) اور جنگ سے رک جائیں (تو بیشک اللہ) تعالیٰ ان کی سابقہ سرکشیوں زیادتیوں کو (بخشنے والا) ہے اور ان کی توبہ و ایمان کو قبول فرما کر ان پر (رحمت) فرمانے (والا ہے)۔

---الغرض---صرف جنگ روک دینے سے وہ مغفرت و رحمت کے مستحق نہیں ہوتے۔ اس سے وہ صرف مسلمانوں کی جوابی کاروائی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ رہ گیا مغفرت و رحمت کا استحقاق، تو اس کیلئے توبہ و ایمان ضروری ہے۔ مسلمانوں تم ہر اس مشرک اور کافر کے خلاف جو دعوت اسلام کو مسترد کر دے اور اسلامی نظام کو برپا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو، جہاد کرتے رہو۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

اور ان کو مارو یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی فتنہ اور سب کا دین اللہ کے واسطے ہو جائے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

پس اگر وہ باز آ گئے تو زیادہ سختی نہیں ہے مگر ظالموں پر ●

(اور ان کو مارو) نیست و نابود کر دو (یہاں تک کہ نہ رہ جائے) شہر مکہ میں (کوئی فتنہ)

---الغرض---دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے

دینِ حق کو قبول کر سکے اور فتنہ ءشرک کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے (اور سب کا دین اللہ) تعالیٰ (کے واسطے ہو جائے)، جس میں کوئی شیطانی مداخلت نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پرستش کی جائے۔ (پس اگر وہ) مشرکین اپنے کفر وشرک سے (باز آگئے) اور اسلام قبول کرلیا (تو) اب ان سے جنگ نہ کرو اور ان کو قتل کرنے سے رک جاؤ، اسلئے کہ ان کے تعلق سے جو سخت احکام دئے گئے تھے، یہ ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے تھے اور عدل وانصاف کے تقاضے تھے۔ رہ گیا (زیادہ سختی) والا حکم تو وہ (نہیں ہے مگر ظالموں پر) اور اب جب وہ ایمان لاچکے تو اب ظالم ہی کہاں رہے۔

مسلمانو! سابقہ آیات میں کفار کے تعلق سے تم کو 'جیسے کو تیسا' والے اصول کو اپنانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سال حدیبیہ میں کفار کی طرف سے جو کچھ ہوا کہ انہوں نے ماہ ذی القعدہ، جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، اسکا بھی لحاظ نہیں کیا اور تیروں اور پتھروں سے تم پر حملہ کردیا، جبکہ انکا ہمیشہ کا پرانا دستور تھا کہ وہ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، ان چار حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدال سے باز رہتے تھے، مگر اس موقع پر کافروں نے حرمت والے مہینے کا پاس ولحاظ نہیں کیا اور اب جب کہ تم عمرہ کیلئے نکلے ہو تو یہ بھی اتفاق سے ذی القعدہ ہی کا مہینہ ہے۔ ایسی صورت میں تمہیں خیال آسکتا ہے کہ کہیں اس وقت بھی یہ کفار حرمت والے مہینے کی حرمت کو پامال کر کے جنگ نہ کر بیٹھیں اور ہم اس کی حرمت کا پاس ولحاظ کر کے انکا جواب نہ دے سکیں۔ تو مسلمانو، اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ اب اگر بالفرض اس مہینے کی حرمت کو پامال کر کے تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر تم بھی اسی حرمت والے مہینے میں پوری قوت کے ساتھ ان کا جواب دو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو اس جوابی کاروائی کی پوری اجازت ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہے اور آداب برتنے میں ادلا بدلا ہے۔ تو جس نے زیادتی کی تم پر تو تم بھی زیادتی

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

کرو اس پر جیسی اس نے زیادتی کی تھی تم پر۔ اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ بیشک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے●

اسلئے کہ سابقہ (ماہ حرام) ذی القعدہ (کا بدلا) موجودہ (ماہ حرام) ذی القعدہ (ہے)۔ ماہ

حرام کی بے حرمتی کی ابتداء کافروں نے کی ہے، تو اب تمہاری جوابی کاروائی بے حرمتی نہیں قرار پائی، کافروں نے جو کیا، وہ انکا ظلم اوران کی زیادتی ہے، اور اسکے جواب میں تم جو کرو گے، وہ تمہارا عدل ہوگا، جو سرکشوں کی سرکشی کو دبانے کیلئے ضروری ہے۔ رہ گئے حرمت والے مقام، حرم شریف، حرمت والے مہینے، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب اور حرمت والی حالتِ احرام کے آداب (اور) انکا احترام، تو سن لو کہ (آداب برتنے میں ادلا بدلا ہے) تو جو تم میں سے ماہِ حرام میں قتال کرے، تو تم بھی اس سے ماہِ حرام میں قتال کرو۔ اور جو تم سے حرم میں قتال کرے، تو تم بھی اس سے حرم میں قتال کرو۔

---یونہی---جو تم سے ایسی حالت میں قتال کرے کہ تم حالت احرام میں ہو، تو تم بھی اسی حالت میں اس سے قتال کرو، کہ وہ بھی حالت احرام میں ہو---الغرض---ان حرمتوں کے درمیان آپس میں مساوات ہے اور یہ ایک دوسرے کا بدل ہیں---الغرض---تمہارا 'ترک حرمت'، کافروں کے 'ترک حرمت' کا بدل اور اسکا جواب ہے۔

(تو جس نے) بھی جنگ کی ابتداء کر کے (زیادتی کی تم پر تو) اس کی زیادتی کے جواب میں (تم بھی زیادتی کرو اس پر جیسی اس نے زیادتی کی تھی تم پر)۔ اس کی زیادتی حقیقی زیادتی ہے لیکن تمہاری زیادتی چونکہ صرف ایک جوابی کارروائی کے طور پر ہے اسلئے صرف صورتاً ظاہری طور پر زیادتی ہے۔ مقصد وارادہ کے لحاظ سے دونوں زیادتیوں کی حقیقت الگ الگ ہے، مگر صورتاً دونوں ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں---المختصر---کفار کے مقابلے میں تم جوابی کاروائی کرو (اور) انکا خوف دل میں نہ لاؤ بلکہ (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) پرہیز گاری کی زندگی اختیار کرو (اور یقین جانو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ڈرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ ان کے حال کو درستگی پر رکھنے والا ہے اور انکی نصرت ومعونت فرمانے والا ہے۔

اب تک اس جہاد کا حکم دیا جس میں جان کی قربانی پیش کرنی ہوتی ہے اور اب مال خرچ کرنے کا حکم مرحمت فرمایا جارہا ہے۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛ

اورخرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں۔

وَاَحۡسِنُوۡا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝

اوراحسان کرو۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

اے صاحبان استطاعت ایمان والو! اپنے ان بھائیوں کا خیال کرو جو عمرہ قضا ادا کرنے کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی معیت میں مکہ جانا چاہتے ہیں، لیکن غربت کی وجہ سے زادِراہ کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں، تو ان کی مدد کرو (اور) صرف یہی نہیں بلکہ (خرچ کرو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے، ہر اس کام کیلئے مالی قربانیاں پیش کرو، جس میں دین کا اعزاز ہو، کلمہء حق کی سربلندی ہو، احکام الٰہیہ کی بجا آوری ہو، خواہ وہ حج کا معاملہ ہو یا عمرے کا، خواہ وہ کفار سے جہاد کے امور ہوں ---یا--- صلہ رحمی کے، مساکین وفقراء کی مدد کرنی ہو---یا--- اہل و عیال، آل واولاد اور دیگر اہل حقوق کی رعایت۔ غرض یہ ہے کہ قرب الٰہی میں خرچ کے جو معاملات ہیں، وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں۔ تو نشاط طبع اور انشراح صدر کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہو (اور نہ ڈالو خود کو اپنے ہاتھوں سے) اپنی ہی زبوں کرداری، بے عملی اور بدعملی سے (ہلاکت میں) ---الغرض--- اے لوگو! اپنے نفسوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ غزوات سے کنارہ کش ہو کر اور دین کیلئے جنگ کی ضروریات میں نہ خرچ کر کے، کیونکہ اس سے تمہارے دشمن کو تقویت ملے گی اور وہ تم پر مسلط ہو جائے گا۔

> حضرت ایوب انصاری نے جب اس آیت کریمہ کو سنا، اسی وقت سے جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی بسر کی، یہاں تک کہ آپ کے آخری لمحات بھی مسافری اور جنگ میں ختم ہوئے۔ **جہاد کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ، ایک ایسا فریضہ ہے جس کو نظر انداز کر دینے میں تبلیغ واصلاح کی اہلیت رکھنے والوں کیلئے دین ودنیا کی بربادی اور ہلاکت ہے۔** جہاد وتبلیغ مسلمانوں کی زندگی ہے، اعلاء کلمۃ الحق کا ذریعہ ہے، ان سے منہ موڑ لینا ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً یہ موت سے بدتر ہے---یوں--- فضول خرچی اور معاش کے اسباب کو ضائع کر دینا بھی ہلاکت ہے، تو اس سے بھی بچو---الغرض---

اے ایمان والو! ہر اس کام سے اپنے کو بچاؤ جس میں تمہارے دین ودنیا کی تباہی وبربادی ہے (اور احسان کرو) غریبوں، خاص کر کے مجاہدین سے حسن سلوک کرو اور اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجاآوری کر کے اپنے اعمال میں حسن وخوبصورتی کے جوہر کو نمایاں کرو اور اپنے کو بخیل و خسیس ہونے سے بچاؤ (بے شک اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو) اور انہیں بے پایاں اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

سابقہ ارشادات میں حرمت والے مہینوں، حرمت والے مقام اور حرمت والی حالت کے تعلق سے گفتگو کی گئی تھی، اور اب حرم شریف میں ہونے والی خاص عبادت یعنی حج اور عمرہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ فریضۂ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ صاحبانِ استطاعت، ایمان والوں پر جس کی فرضیت کا حکم باختلاف روایت ۵ ہجری یا ۶ ہجری یا ۹ ہجری کو نازل فرمایا گیا۔ ۸ ہجری فتح مکہ کے سال میں حضرت عتاب بن اسید نے مسلمانوں کو حج کرایا۔ ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق نے اور ۱۰ ہجری میں خود رسول ﷺ نے حج کرایا۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا

اور پورا کرو حج وعمرہ کو اللہ کیلئے، پس اگر روک دیئے گئے تم تو بھیجو جو آسانی سے قربانی کا جانور ملے اور نہ

تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ

منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنی جگہ، تو جو تم میں سے بیمار ہوا یا اس کے

اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ

سر میں کچھ تکلیف ہے تو اسکے لئے بدلہ ہے روزے، یا خیرات، یا قربانی۔ پھر جب خیر وعافیت سے ہوئے، تو جس نے

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

حج سے عمرہ کو ملا دینے کا فائدہ اٹھایا تو اس پر ہے جو میسر آئے قربانی۔ پر جس نے نہ پائی قربانی تو روزے ہیں تین

اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ

دن کے زمانۂ حج میں، اور سات دن کے جب حج سے تم وطن لوٹے، یہ پورے دس ہیں۔ یہ اسکے لئے جسکے اہل وعیال

حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

مسجد حرام کے پڑوسی نہیں ہیں۔ اور اللہ کو ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

تو اے مسلمانو! جب تم حج وعمرہ کے ارادے سے نکلو، تو حج اور عمرہ کے تمام شرائط، فرائض اور واجبات کو ادا کرو (اور پورا کرو حج وعمرہ کو) ایسا کہ وہ کامل ہوں ناقص نہ رہیں۔ اور یہ کام بھی صرف (اللہ) تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا (کیلئے) ہو، کھیل کود، لہو ولعب، سیر وتفریح، شعر وشاعری اور اپنی

خطابت اور فصاحت و بلاغت کا جوہر دکھانے کیلئے نہ ہو، جیسا کہ قدیم زمانے کے عربوں نے اپنا دستور بنالیا تھا۔ان کے نزدیک حج ایک میلہ اور مکہ شریف ایک تجارتی منڈی بنکر رہ گیا تھا۔عبادت کا پہلوتو بالکل ختم ہوگیا تھا۔۔۔یا۔۔۔اتنا غیر اہم ہوگیا تھا کہ اسکا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔

اے مسلمانو تم ان کافروں کی راہ پر نہ چلو بلکہ حج وعمرہ کو اللہ کی عبادت سمجھ کر، اسکی رضا جوئی کیلئے پورے آداب و شرائط اور پورے اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ ادا کرو۔اب تمہیں اختیار ہے کہ حج کے مہینے میں صرف حج کا احرام باندھو اور اس کے ساتھ عمرہ نہ ملاؤ، یہ 'حج افراد' کی صورت ہوگی ۔۔۔یا۔۔۔تم حج کو عمرہ سے ملادو، اس کی تین صورتیں ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔پہلے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور پورے شرائط کے ساتھ حج کو مکمل کرلیا جائے۔جب حج پورا ہو جائے تو حرم سے باہر جا کر حل سے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور اس کے اعمال کی بجا آوری کی جائے۔امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ افضل ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔بطورِ قران: احرام کے وقت حج وعمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جائے اور حج وعمرہ دونوں کیلئے ایک ساتھ لبیک کہی جائے اور پھر صرف اعمال حج پر اقتصار و اکتفا کیا جائے، اسلئے کہ عمرہ اس صورت میں حج میں اسی طرح داخل ہے جس طرح وضو غسل میں داخل ہوتا ہے۔امام اعظم کے نزدیک یہ قسم افضل ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔بطور تمتع: جب حج کے موسم میں میقات پر پہنچے تو وہاں صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور پھر مکہ آکر عمرہ کے تمام اعمال سے فارغ ہو جائے اور احرام سے باہر ہو جائے اور جب 'یوم ترویہ' آئے تو مکہ شریف ہی سے حج کیلئے احرام باندھ لے۔امام احمد کے نزدیک یہ بہتر ہے۔۔۔عمرہ اگرچہ 'احناف' کے نزدیک سنت ہے، لیکن اسکی نیت کرلینے اور اسکا احرام باندھ لینے کے بعد اب اس کو پورا کرنا واجب ہے، جس طرح کہ نفل نماز جب تک نیت نہ کرو، نفل ہے، لیکن نیت کرتے ہی واجب ہو جاتی ہے، اور اب اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

(پس اگر) حج وعمرہ۔۔۔یا۔۔۔ان میں کسی ایک کی نیت سے احرام باندھنے کے بعد (روک دیئے گئے تم) بوجہ مرض۔۔۔یا۔۔۔دشمنی۔۔۔یا۔۔۔عجز۔۔۔یا۔۔۔خرچ ختم ہونے۔۔۔یا۔۔۔سواری نہ

ہونے سے ۔۔۔یا۔۔۔ کسی اور عوائق سے ۔۔۔الختصر۔۔۔ بیت اللہ شریف پہنچنا تمہارے لئے ممکن نہ رہا اور تم احرام سے فارغ ہونا چاہو (تو بھیجو) حرم شریف میں ذبح کرانے کیلئے، تم کو (جو آسانی سے قربانی کا جانور) اونٹ ۔۔۔یا۔۔۔ گائے ۔۔۔یا۔۔۔ بکری ۔۔۔یا۔۔۔ ان میں سے کسی ایک کی قیمت (ملے اور) اس وقت تک احرام سے فراغت پانے کیلئے (نہ منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ) یقینی طور پر (پہنچ جائے قربانی) کا جانور حرم شریف میں (اپنی جگہ) پر جہاں اسکی قربانی ہونی ہے اور جب اسے بخوبی اندازہ ہو جائے کہ اب میری قربانی حرم شریف میں پہنچ کر ذبح ہوگئی یا جو میں نے جانور خریدنے کی قیمت دی، تاکہ حرم شریف میں خرید کر ذبح کر دیا جائے تو اسکا ذبیحہ ہوگیا، تو اب احرام سے فارغ ہو جائے۔ ۔۔۔الغرض۔۔۔ حج کا احرام باندھ لینے والو، حرم شریف کا سفر نہ کر سکنے کی صورت میں بھی اپنے احرام میں ثابت رہو اور سر نہ منڈاؤ، یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہاری قربانی ذبح کر دی گئی۔

اس مقام پر مجبوروں اور معذوروں کیلئے کافی رعایت ہے (تو جو تم میں سے) حالت احرام ہی میں (بیمار ہوا) اسے ایسا مرض لاحق ہوگیا جو ادائیگی فرض میں احرام کے وقت حرج پیدا کرتا ہے (یا اس کے سر میں) زخم ہونے، جوئیں پڑ جانے، پورے یا آدھے سر میں شدید درد ہونے کی وجہ سے (کچھ تکلیف ہے) جس کی وجہ سے وہ سر منڈانے ۔۔۔یا۔۔۔ کپڑا پہننے ۔۔۔یا۔۔۔ سر چھپانے کیلئے مجبور و مضطر ہے (تو) یہ سب کچھ کر لینے کی اسے اجازت ہے، مگر ان میں سے کوئی کام کر لینے کی صورت میں (اس کیلئے) بطور کفارہ (بدلہ ہے) اور تین دن کے (روزے) اس پر واجب ہیں (یا) صدقہ فطر کے مقدار میں چھ ۶ مسکینوں کو (خیرات) کرے اور ہر ہر مسکین کو ایک ایک صدقہ دے (یا) کم از کم ایک بکری کی (قربانی) کر دے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ روزہ، صدقہ اور قربانی، ان تینوں کاموں میں سے کوئی ایک کام انجام دے دے۔ (پھر جب) تم (خیر و عافیت سے ہوئے) اور دشمنوں کی طرف سے کسی طرح کی رکاوٹ، ان کے خوف، بیماری اور صحت کی خرابی اور تنگدستی وغیرہ سے نجات پاگئے (تو) تم میں سے ساکنین حرم کے سوا (جس نے) بھی حج سے تقرب الی اللہ حاصل کرنے سے پہلے عمرہ سے تقرب الی اللہ پانے کیلئے اپنے ایک ہی سفر میں بطور تمتع (حج سے عمرہ کو ملا دینے کا فائدہ اٹھایا)۔

۔۔۔یا۔۔۔ وہ شخص جو کہ عمرہ کے احرام سے فراغت پا کر احرام کے ممنوعات کے مباح ہونے

سے نفع پائے، یہاں تک کہ وہ حج کا احرام باندھ سکے (تو اس پر) واجب (ہے) بکری، گائے اور اونٹ میں سے (جو میسر آئے) اس کی (قربانی)، یہی تمتع کی قربانی ہے۔ اسکے گوشت کا حکم وہی ہے جو عید قرباں کی قربانی کے گوشت کا ہے (پر جس نے نہ پائی قربانی) کرنے کی گنجائش (تو) اس پر دس (روزے) لازم (ہیں تین دن کے) روزے (زمانہ ءِ حج میں) یعنی حج کے ایام میں اور اسکے مہینوں میں حج و عمرہ کے دو احرام کے درمیان پہلی ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک میں یہ روزے، چاہے متفرق رکھے، چاہے پے در پے۔ ساتویں، آٹھویں، نویں ذی الحجہ یہ روزے رکھنا مستحب ہے۔

---الغرض--- تین روزے مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق رکھے (اور سات دن کے) روزے (جب حج) کے اعمال (سے) فارغ ہوکر (تم) اپنے (وطن لوٹے) یعنی اپنے شہر میں آگئے ---المختصر--- (یہ پورے دس) روزے (ہیں) یہ ہر اس حاجی کو رکھنے ہیں جس نے تمتع ---یا--- قران کر کے عمرہ کو حج سے ملا دیا ہے اور اسے قربانی کرنے کی استطاعت نہیں ہے ---الغرض--- یہ روزے اس قربانی کا بدل ہیں۔

مذکورہ بالا--- (یہ)--- تمتع (اس کیلئے) ہے (جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے پڑوسی نہیں ہیں) یعنی وہ خود مکہ کا شہری نہیں ہے۔ اسلئے کہ مکہ شریف کے قرب و جوار کے لوگوں کیلئے ضروری ہے، کہ حج کے مہینوں کے سوا کسی دوسرے مہینوں میں عمرہ کرے اور حج کے ایام میں صرف 'حج افراد' کیا کریں۔ اسلئے کہ 'قران و تمتع' صرف آفاقیوں، یعنی مکہ شریف سے دور رہنے والوں کیلئے ہے۔

---الغرض--- جس شخص کا مسکن مواقیت کے اندر ہے، اس کیلئے 'تمتع ہے، نہ قران'---

مسلمانو! ان احکامات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلو (اور اللہ کو ڈرو) اسکے اوامر کی بجا آوری اور اسکی شریعت کے احکام کی پیروی کرو اور اس کے حکم کو نظر انداز کردینے اور پس پشت ڈال دینے سے اپنے کو بچاؤ اور اسکی شریعت کا استخفاف اور اس کو ناقابل التفات قرار دینے کی جرأت نہ کرو (اور) اس کو صرف اتنا ہی نہیں کہ جان لو اور پھر فراموش کردو بلکہ ہمیشہ کیلئے (جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ ان لوگوں پر جو اس کے اوامر و نواہی کا پاس و لحاظ نہیں رکھتے (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا اور عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حج کا وقت متعین ہے اور اسکے مہینے معروف و مشہور ہیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ

حج جانے بوجھے چند مہینے ہیں۔ تو جو فریضۂ حج ادا کرنے لگا ان میں، تو نہ عورتوں سے جماع کا تذکرہ ہے،

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا

اور نہ کوئی گناہ ہے، اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا ہے، اور تم جو نیکی کرو اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور توشہ جمع کرو کہ

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

بیشک سب سے بہتر توشہ خوف خدا ہے۔ اور مجھ کو ڈرا کرو اے عقل والو●

چنانچہ ارشاد فرمایا (حج) کا وقت جس میں فریضۂ حج ادا کیا جاسکے وہ صرف (جانے بوجھے چند مہینے ہیں) حج انہی ایام میں ادا ہوسکتا ہے اور بس۔ اور وہ مہینے یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔شوال، ﴿۲﴾۔۔۔ذی القعدہ، ﴿۳﴾۔۔۔ذی الحجہ

۔۔۔کا پہلا عشرہ یعنی ابتدائی دس دن۔۔۔یہی حج کے ایام ہیں، اسکو پہلے ہی سے لوگ جانتے پہچانتے تھے، کیونکہ ان کا علم انہیں توارثاً چلا آرہا تھا، پھر شریعت اسلامیہ نے بھی ان کی توثیق کردی، یعنی جسے پہلے وہ جانتے تھے شریعت نے اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں فرمایا، بلکہ جوں کا توں رہنے دیا (تو جو فریضۂ حج ادا کرنے لگا) اور (ان) ایام (میں) حج کی نیت سے احرام باندھ لیا اور لبیک پکار لیا۔۔۔نیز۔۔۔ قربانی کا جانور ساتھ ہونے کی صورت میں جانور کے گلے میں چمڑہ وغیرہ باندھ لیا۔۔۔الغرض۔۔۔اپنی نیت اور اپنے عمل سے ظاہر کردیا کہ وہ حج کے اعمال کا آغاز کرچکا ہے تو وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اس حالت میں اسکے لئے اب (تو نہ عورتوں سے جماع کا تذکرہ) اور مباشرت کی باتیں کرنے کی گنجائش (ہے) بلکہ اس کے سوا وہ افعال جو جماع کا سبب بنتے ہیں۔۔۔مثلاً: بوسہ وغیرہ، تو یہ سب بھی حالت احرام میں حرام ہیں (اور نہ) ہی اس کو (کوئی گناہ) والا عمل کرنا (ہے) یہاں تک کہ اس کو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ وہ گالیاں بکے اور دوسروں کو گندے اور برے القاب سے یاد کرے (اور نہ) ہی حاجی کو (حج میں) حج کے دوران اپنے خادموں، ساتھیوں اور برائی کرنے والوں سے (لڑائی جھگڑا) کرنا (ہے)۔ اسلئے کہ لڑائی جھگڑا، بغض وعداوت کو بڑھانے اور محبت والفت کے کم کرنے کا سبب ہے۔ گناہ والے اعمال اور لڑائی جھگڑا یہ تو ایسی چیزیں ہیں جو حالت احرام میں نہ رہنے والوں کیلئے بھی ناپسندیدہ وناجائز ہیں، پھر حالت احرام میں ان کی قباحت وشناعت کا کیا عالم ہوگا؟

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ شراب نوشی اور دوسرے اعمال شنیعہ وقبیحہ جن سے ہوں اور جس جگہ پر ہوں، وہ حرام و ناجائز ہی ہیں۔۔۔مگر۔۔۔یہی امور اگر مسجد میں انجام دئے جائیں تو یہ اور بھی بدترین صورت حال ہوگی۔۔۔المختصر۔۔۔جو امور دیگر اوقات میں حرام ہیں وہ دورانِ حج بہت زیادہ برے ہیں، جیسے ریشم پہننا ویسے بھی حرام ہے، لیکن حالت نماز میں پہننا اس سے زیادہ برا ہے۔شر سے روکنے کے بعد اب نیکیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ (تم جو نیکی کرو) وہ ضائع ہونے والی نہیں، کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (کو اسکا علم ہے) جو نکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا وہ اپنے فضل وکرم سے تمہیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔لہٰذا نیکی کے حاصل کرنے میں کمال درجے کی رغبت کا مظاہرہ کرو اور یاد رکھو کہ اچھا کلام کرنا برے کلام کے عوض، اور تقویٰ کا عمل فسق کے بدلے، اور عوام سے موافقت اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ جدال کی بجائے، بہتر ہے۔

اے حج کا ارادہ کرنے والو تم اہل یمن کی نقل نہ کرو، جو حج کیلئے روانہ ہوجاتے لیکن زادراہ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے ہم تو متوکل علی اللہ ہیں، جب ہم بیت اللہ کو جارہے ہیں تو پھر وہی ہم کو کھلائے گا اور پھر وہ لوگوں پر بوجھ بن جاتے۔پہنچتے ہی لوگوں کے آگے دست سوال اٹھانے لگتے یہاں تک کہ لوٹ کھسوٹ بھی کرنے لگتے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔یہ طریقہ صحیح نہیں ہے تو تم ایسا نہ کرو (اور) حج کے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کے مطابق (توشہ جمع کرو) خواہ دنیا کا سفر ہو، خواہ آخرت کا۔۔۔دنیا کے سفر کا توشہ یہ ہے کہ اپنا خرچ اپنے ساتھ لیجاؤ اور وہاں جاکر لوگوں سے کھانا نہ مانگو، ان پر بوجھ نہ بنو اور نہ ہی ان کو تنگ کرو، کیوں (کہ بے شک سب سے بہتر توشہ خوف خدا ہے) جب تم میں خوف خدا ہوگا تو تم لازمی طور پر بے جا دست سوال دراز کرنے اور لوٹ کھسوٹ سے اپنے کو بچاؤ گے اور کوئی ایسا عمل نہ کرو جس میں خدا کی ناراضگی ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔دنیا کے سفر کیلئے زادراہ ضروری ہے۔یہاں یہ بھی سمجھ لو کہ جس طرح دنیا کے سفر کیلئے زادراہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح آخرت کے سفر کیلئے بھی زادراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔آخرت کے سفر کیلئے بہترین زادراہ پرہیزگاری ہے اور پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اور اسکی معرفت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے

روگردانی کرے اور اسکی طاعت میں مشغول رہے اور اس کے احکام کی پابندی کرے اور اسکی مناہی کی مخالفت کرے۔

آخرت کے مسافر کی زادِراہ دنیا کے مسافر کی زادِراہ سے افضل ہے۔ اسلئے کہ دنیا کا زادِراہ چندروز کے دکھ سے بچاتا ہے جبکہ آخرت کا زادِراہ دائمی عذاب سے محافظت کرتا ہے۔

علاوہ ازیں دنیا کا زادِراہ فانی ہے اور آخرت کا زادِراہ دائمی لذت کی طرف پہنچاتا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔خوف خدا اور پرہیزگاری ہی سے دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح وابستہ ہے تو پھر تقویٰ و پرہیزگاری کی عادت بنالو (اور) صرف (مجھ) ہی (کو ڈرا کرو اے **عقل والو**) تم عقلمند ہو تو تم پر لازم ہے اپنی عقل تمام غلط ملاوٹوں سے دور رکھو اور نفس کے تزکیہ میں لگے رہو اور اسے بلند مراتب اور اعلیٰ مناصب تک پہنچانے کی جدوجہد کرتے رہو اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ ایسا ہے گویا اسے عقل کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔

اس مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے حج کا سفر خالصاً لوجہ اللہ کیا ہے اور اس سفر سے مستقلاً ۔۔۔یا۔۔۔ تبعاً وضمناً کوئی اور غرض نہیں ہے، بلکہ صرف حج کرنا ہی مقصود ہے۔۔۔الغرض۔۔۔تجارت، سیر وتفریح اور احباب سے ملنا ملانا سفر کا مقصود نہیں ہے، لیکن مکہ شریف پہنچ کر حج کے ایام میں تجارت کے معاملات پیش آجائیں تو یہ نہ سمجھ لینا اس سے حج نہیں رہتا اور تم حج کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہاں ان ایام میں تجارت نہ کرو اور اپنے کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں مصروف رکھو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ

نہیں ہے تم پر کوئی الزام کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پس جب واپس ہو تم عرفات سے

فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ

تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو بتایا ہے،

وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿۱۹۸﴾

گو پہلے سے تو تم گمراہوں سے تھے●

مگر بایں ہمہ (نہیں ہے تم پر کوئی) شرعی (الزام کہ) ان ایام میں تجارت کے ذریعہ (اپنے

رب کا فضل تلاش کرو) اوراس مقام پر یہ خیال نہ کرو کہ ایام حج میں جدال اور بے جا بحث وتکرار سے منع کیا گیا ہے، تو ہوسکتا ہے کہ ایامِ حج میں تجارت بھی ممنوع ہو، اسلئے کہ اس میں بھی خرید وفروخت کے وقت بحث وتکرار ہو ہی جاتی ہے **(پس جب واپس ہوتم عرفات)** نام والی جگہ **(سے)** یعنی اس مقام سے جہاں پر حضرت آدم، حضرت حواء علیہما السلام ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے بعد ملے تھے اورایک دوسرے کی پہچان اورمعرفت حاصل کی تھی، وہ دن بھی عرفہ کا تھا، اس پہنچاننے کی وجہ سے اس جگہ کوعرفات کہا جانے لگا۔۔۔یا۔۔۔اس جگہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پہچان کرائی گئی تھی اور اس کے اوصاف سے انہیں آگاہ کیا گیا تھا جب وہ آئے تو اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس معرفت کی وجہ سے اس جگہ کوعرفات کہا جانے لگا۔۔۔الغرض۔۔۔اس مقام کوعرفات کہنے کی وجہ کوئی بھی ہو لیکن اسکی عظمت وتقدس کا عالم یہ ہے کہ ۹ ذی الحجہ زوال کے بعد ہر حاجی کیلئے وہاں کا وقوف فرض ہے، جس کے بغیر حج ہو ہی نہیں سکتا۔ 'عرفات سے واپسی' خود اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ عرفات کا وقوف لازمی وضروری ہے، اسلئے کہ جو وہاں گیا ہی نہیں وہ وہاں سے واپس کیسے ہوگا۔ یہ بات ادنی تامل سے بھی سمجھی جاسکتی ہیں۔

اب جبکہ تم عرفات سے واپس ہو گئے **(تو ذکر کرو اللہ)** تعالیٰ **(کا)** اور تلبیہ وتہلیل وتکبیر اور حمد وثناء اور مغرب وعشاء کی نمازوں کی ادائیگی اور دعاؤں میں مصروف ہو جاؤ، اور فجر کے وقت نمازِ فجر ادا کر لینے کے بعد وقوف کیلئے پہنچ جاؤ **(مشعرحرام)** حرمت وتقدس والے عبادتوں کی علامت **(کے پاس)** قزح پہاڑی کے قریب، جہاں امام حج وقوف کرتا ہے۔ اب اگر وہاں تک تمہاری پہنچ ہو جائے، پھر تو بہت بہتر ہے، بصورت دیگر فکر مت کرو، اسلئے کہ 'مشعرحرام' مزدلفہ کی پوری وادی کا نام ہے۔ یہ ایسی مقدس زمین ہے جہاں حضرت آدم حضرت حواء کے ساتھ اکٹھا ہو کر اس کے قریب آئے جہاں دو نمازوں کے ملا دینے کا حکم ہے اور جہاں کے وقوف سے لوگ قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ مزدلفہ کی زمین پر کہیں بھی وقوف کیا جاسکتا ہے۔۔۔ہاں۔۔۔قزح پہاڑی کے پاس وقوف کرنا افضل ہے جیسے عرفات کی ساری زمین ٹھہرنے کیلئے ہے لیکن جبل رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل واعلیٰ ہے۔

اب تک تمہیں عرفات کی واپسی پر ذکر الٰہی کرنے کی جگہ کے تعلق سے ہدایت کی گئی ہے
اوراب تمہیں ذکر کی کیفیت اور طریقے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ (اسکا ذکر کرو) اللہ تعالیٰ کا، کمال حسن وخوبی والا ذکر (جس طرح اس نے تم کو) بحسن وخوبی (بتایا ہے) اور ہدایت فرمادی ہے، بس ویسا ہی ذکر کرو اور اس میں اپنی طرف سے کسی طرح کی نامناسب من مانی، کمی بیشی نہ کرو (گو) اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے (پہلے سے تو تم) ناواقفوں، اس طریقہء حمد وثناء سے بے خبروں اور (گمراہوں سے تھے)۔ تمھیں اسکا علم نہیں تھا کہ ہم خدا کی عبادت اور اس کی حمد وثنا کیسے کریں اور مناسک حج کس طرح ادا کریں، جس سے وہ ہمیں اپنے قرب اور اپنی رضا سے سرفراز فرمائے۔

اس مقام پر اے حاجیو! اس بات کا بھی خیال رہے کہ تم ان مغروران قریش، ان کی آل اوران کے ہم خیال لوگوں کی پیروی نہ کرو جو ہر وقت احساس برتری کے نشے میں ڈوبے رہتے تھے اور عام لوگوں سے اپنے کو منفرد سمجھتے تھے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم کی سنت کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا، اپنے کو خدام حرم قرار دیکر سارے لوگوں کی قدیم روش کے خلاف اپنا راستہ بنالیا تھا۔ چنانچہ ان کے سوا سارے لوگ عرفات میں وقوف کر کے پھر مزدلفہ آتے تھے، لیکن یہ لوگ عرفات جاتے ہی نہیں تھے اور مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور یہیں سے واپس ہوجاتے تھے۔۔۔تو۔۔۔فریضہء حج کو ادا کرنے میں رضائے الٰہی کے طلبگار رو اور اپنے رب کی ہدایت کا مکمل پاس ولحاظ کرنے کا جذبہ رکھنے والو تم ایسا نہ کرو۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر لوٹ پڑو جہاں سے سب لوگ لوٹے اور بخشش مانگو اللہ سے، بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

بلکہ اولاً عرفات میں جاؤ، وہاں وقوف کرو (پھر) وہاں سے مزدلفہ کیلئے (لوٹ پڑو) کیونکہ یہی وہ جگہ ہے (جہاں سے) حمس یعنی مغروران قریش کے سوا دوسرے (سب لوگ) صرف حضرت ابراہیم ہی نہیں بلکہ حضرت آدم کی بھی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ (لوٹے) اور آج تک عرفات جاکر ہی مزدلفہ واپس آنا اسلامی ہدایات کی روشنی میں صحیح ہے۔ اب تم نے ایام جاہلیت میں مناسک حج میں جو ترمیم کردی تھی تو بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوجاؤ (اور بخشش مانگو) مغفرت طلب کرو (اللہ) تعالیٰ (سے) اور یقین کرلو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ مخلصانہ طور پر دل کی سچائی کے ساتھ توبہ واستغفار کرنے والوں کا (بخشنے والا) ہے ان پر اپنا انعام اور (رحمت) خاص فرمانے (والا ہے)۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

پس جب تم ارکان حج پورے کر چکے تو اللہ کا ذکر کرو جیسے تذکرہ تم میں رہتا ہے اپنے باپ دادا کا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝

تو کوئی عامی یوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں اور نہیں ہے اسکے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ ●

(پس جب تم ارکان حج پورے کر چکے) تو زمانہ، جاہلیت کے لوگوں کی نقل مت کرو، جو حج کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد حرم کے سامنے۔۔۔یا۔۔۔منیٰ اور جبل رحمت کے مابین کھڑے ہوتے اور اپنے آباؤاجداد کے حسب ونسب کی رفعت وشہرت پر باہم فخر کرتے اور انکے مراتب ومناقب بیان کرتے، (تو) تم ایسا نہ کرو بلکہ آباؤاجداد کے ذکر کی بجائے (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور اس والہانہ انداز سے رب کریم کا تذکرہ کرو (جیسے تذکرہ) اے اشراف عرب (تم میں رہتا ہے اپنے باپ دادا کا) ان کے مراتب ومحاسن کا، (بلکہ) اتنا کرنے سے بھی ذکر الٰہی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ تمہارے باپ دادا کے مراتب وکمالات جس ذات وحدہ لاشریک کی عطا ہے، اسکا ذکر باپ دادا کے ہی ذکر کے جتنا اور جیسا، یعنی دونوں کی کمیت وکیفیت ایک ہی جیسی ہو، تو یہ بھی تو مناسب نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ذکر (اس سے) باپ دادا کے ذکر سے کمیت وکیفیت میں (کہیں زیادہ) ہونا چاہیے۔

عامیوں اور جاہلوں کا بھی حال عجیب ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے صرف دنیا ہی چاہتے ہیں (تو کوئی عامی) ناسمجھ، کم فہم، جاہل (یوں کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو) صرف (دنیا میں)۔ یہ لوگ صرف دنیا کی ناچیز پونجی مانگتے ہیں اور خدا سے صرف اونٹ، بکری، بارش، اور اسی طرح کی چیز چاہتے ہیں (اور) ظاہر ہے کہ (نہیں ہے اس) طرح کی سوچ رکھنے والے (کیلئے آخرت) کی نعمتوں (میں کچھ بھی حصہ)۔ ایسوں کو رب کریم جو کچھ دینا چاہتا ہے، دنیا ہی میں دیدیتا ہے۔ اب اگر مانگنے والا کافر ہے، تو اُس جہاں کی نعمت سے بےنصیب پڑا ہے اور اگر مومن ہے تو اور مومنوں کی طرح اسکا حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ

اور کوئی یوں کہتا ہے کہ پروردگار ہم کو دنیا میں خوبی دے اور آخرت میں

حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

بھلائی، اور ہم کو بچالے عذاب جہنم سے●

(اور کوئی) صاحب فہم وفراست، طالب خیر وسعادت (یوں کہتا ہے کہ) اے میرے (پروردگار ہم کو) اس (دنیا میں) جو اچھائی، بہتری ہے مثلاً عافیت، نیک بیوی، علم، عبادت، پاکیزہ مال، نیک اولاد، صحت، دشمنوں پر فتح، نیک لوگوں کی رفاقت، اسلام پر ثابت قدمی اور ایمان پر خاتمہ جیسی (خوبی دے) عطا فرما (اور) اے میرے پروردگار صرف یہی نہیں بلکہ (آخرت میں) بھی وہاں کی (بھلائی) یعنی جنت، حساب اور محشر کے خوف سے سلامتی، حور عین، اپنے حبیب ﷺ کی رفاقت اور دیدار الٰہی کی لذت سے بہرہ ور فرما (اور) اپنے فضل وکرم سے (ہم کو بچالے) اپنے عفو و مغفرت کے ذریعہ (عذاب جہنم سے) اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کردے، جو تیرے فضل وکرم سے بغیر عذاب جنت میں جانے والے ہیں۔۔۔نیز۔۔۔ہماری ذات کی ان گناہوں اور نفسانی خواہشات سے حفاظت فرما، جو جہنم میں لے جانے کے اسباب سے ہوں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

وہی ہیں جن کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی سے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے●

وہ گروہ جو دنیا وآخرت کی بھلائی مانگتے ہیں (وہی ہیں جن کیلئے حصہ ہے ان کی کمائی سے) یعنی ان سے جو اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں اسکا ثواب ان کی نیکیوں کے منافع ہیں۔ اسلئے کہ وہ اس ثواب حسن کے انہی اعمال کی وجہ سے مستحق ہوئے۔۔۔نیز۔۔۔ان کی بارگاہ خداوندی میں دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا کرنا، یہ اگرچہ ایک درخواست ہے لیکن چونکہ یہ بندے کی طرف سے پیش کی گئی ہے، تو اسکو خود بندے کا عمل قرار دینا بھی صحیح ہے، یہی بندے کی وہ کمائی ہے، دین وآخرت کے حسنات جس کے ثمرات ہیں۔ اعمال خیر وخیرات انجام دینے والو اور رب تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی بھلائی چاہنے والو، قیامت قریب ہے (اور اللہ) تعالیٰ (جلد حساب کرنے والا ہے) لہٰذا تم بکثرت ذکر الٰہی کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور اپنے اعمال کو ایسا بنائے رکھو جس سے تم آخرت کی بھلائی کے مستحق قرار پاؤ۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ

اور اللہ کا ذکر کرو گنتی کے دنوں میں ۔ تو جس نے جلدی کی دو ہی دن میں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور جس نے دیر کردی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اسکے لئے جو اللہ سے ڈرا، اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک تم اسکی طرف اٹھائے جاؤ گے ●

قدرت الٰہی کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کثرت اور انکے بکثرت اعمال کے باوجود ایک لمحہ میں حساب لے لے گا، اسلئے کہ اسے ہاتھ کی گنتی اور قلب کی یادداشت اور نظر وفکر کی محتاجی نہیں ہے۔ اسی لئے اے لوگو جسکی اتنی بڑی شان ہے اس کی اطاعت میں کمی نہ کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ (اور) نمازوں، قربانیوں کے ذبح اور رمی جمار وغیرہ کے بعد (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

ایام تشریق کے چند (گنتی کے دنوں میں) مفتی بہ قول کے مطابق یوم عرفہ کی صبح سے لیکر آخر ایام تشریق تک تکبیرات پڑھے (تو جس نے جلدی کی) اور ایام منیٰ میں سے صرف دس اور گیارہ تاریخ کو منیٰ میں فقط (دو ہی دن) ٹھہرا اور صرف ان ہی دنوں (میں) رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں، اس نے کوئی غلطی نہیں کی (تو) اس تعجیل کی وجہ سے (اسپر کوئی گناہ نہیں اور) یوں ہی (جس نے دیر کردی) اور تیسرے دن بھی رمی کی (تو) اس تاخیر کردینے میں بھی کوئی حرج نہیں اور (اس) تاخیر کرنے والے (پر بھی کوئی گناہ نہیں)، لہٰذا وہ بھی غلطی پر ہیں جنھوں نے تعجیل کو گناہ سمجھ لیا ہے اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو تاخیر کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ شریعت نے حاجیوں کو دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں کسی بھی ایک صورت کو اپنا لینے کا پورا اختیار دیا ہے اور یہ اور بات ہے تاخیر والی صورت تعجیل والی صورت سے افضل ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ تعجیل اگر خوب ہے تو تاخیر خوب تر ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حج کی ساری برکتیں اور فضیلتیں (اسکے لئے) ہیں (جو اللہ) تعالیٰ (سے ڈرا)، پرہیزگاری کی زندگی اختیار کی، اور مرتے دم تک متقی اور پرہیزگار رہا۔ صرف ایام حج میں تقوی شعار بنا رہنا، نجات ورضائے الٰہی کیلئے کافی نہیں، تو سمجھ سے کام لو (اور) اپنے تمام معاملات میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) اور ساری عمر ڈرتے رہو (اور جان رکھو) پورے یقین کے ساتھ (کہ بے شک تم اسکی طرف اٹھائے جاؤ گے) اور اپنی جزا کو پہنچو گے۔

سابقہ آیات میں دوطرح کے لوگوں کا تعارف کرایا گیا۔ایک وہ جوصرف دنیا کی بھلائی چاہتا ہے اور اسی کیلئے دعا کرتا ہے۔اور۔ دوسرا وہ جو دنیا وآخرت دونوں کے حسنات کی رغبت رکھتا ہے، اور دونوں جہاں کی بھلائی کیلئے دعا گو ہے۔ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرے قسم کے لوگ وہ ہیں کہ نہ تو انھیں دنیا کی بھلائی سے رغبت ہے اور نہ ہی آخرت کی بھلائی سے، ایسے لوگ اپنی ظاہری شیریں کلامی اور چرب زبانی سے اپنے دلی نفاق کو چھپائے رکھتے ہیں۔ ہر سننے والے کو انکی گفتگو اچھی لگتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ

اور بعض لوگ وہ ہیں کہ اچھی لگے تم کو اسکی بات چیت دنیاوی زندگی میں اور وہ گواہ بنائے اللہ کو اس پر جو اسکے دل میں ہے،

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝

حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے●

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اوپر ذکر کردہ دوطرح کی ذہنیت رکھنے والوں کے سوا، اخنس بن شریف ثقفی (اور) اسکے علاوہ **(بعض لوگ وہ ہیں کہ اچھی لگے تم کو)** اے سننے والے **(اسکی بات چیت دنیاوی زندگی میں)**۔اسکا دعوی محبت کا اظہار صرف حصول دنیا کی خاطر ہے۔۔۔الغرض۔۔۔تم کو اس کا قول جو اچھا لگتا ہے اسکی وجہ صرف اسکے کلام کی حلاوت وفصاحت ہے اور وہ بھی صرف دنیوی لحاظ سے، ورنہ آخرت میں تو اسکے کلام کا کذب اور قبح ظاہر ہو جائے گا۔ایک طرف تو وہ جھوٹ بولتا ہے **(اور)** دوسری طرف یہ جرأت کہ **(وہ گواہ بنائے اللہ)** تعالیٰ **(کو اس پر جو اسکے دل میں ہے)** اور کہے کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میں اسلام کا شیدائی ہوں اور یہی میرا قلبی کلام ہے، جس کی ترجمان میری زبان ہے، یعنی میری زبانی بات میرے قلب کے موافق ہے۔ **(حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے)** اور سب سے بڑا دشمن ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ

اور جہاں پیٹھ پھیری تو زمین میں دوڑ دھوپ کرنے لگا، تا کہ اس میں فساد مچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کردے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

اور اللہ نہیں پسند فرماتا فساد کو●

محبت کا دم بھرنا اور خلوص کا دعویٰ کرنا اب اگر اس میں صحیح طور پر موافقت نہ ہو، صرف منافقت ہی منافقت ہو، تو یہ 'ملاحدہ' اور 'زنادقہ' کا شیوہ ہے، ورنہ سچی محبت کرنے والا اور اصلی حقیقی مسلمان وہی ہے جو وہی کرے، جس سے اسکا محبوب راضی ہو۔

رہ گئے یہ جھوٹے منافقین انکا تو حال یہ ہے کہ سامنے کچھ کہا (اور جہاں پیٹھ پھیری) اور اسے کچھ غلبہ اور قدرت حاصل ہوگئی (تو) اپنی شرپسند طبیعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (زمین میں دوڑ دھوپ کرنے لگا تا کہ اس میں فساد مچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کردے) جیسا کہ اخنس بن شریف نے کر کے بھی دکھایا کہ ثقیف میں رات گزاری تو انکے جانوروں کو ہلاک کردیا اور انکی کھیتی کو جلادیا۔ یہ کام اس نے اس عداوت کی بنا پر کیا جو اس کے اور ثقیف کے درمیان تھی، اسی طرح ظالم حکام کی بھی عادت ہے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے بچوں کو مروادیتے ہیں اور ان کے اموال کو ضائع کرادیتے ہیں۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ظالم پر ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش بند کردیتا ہے، تو ان کی کھیتی اور نسل میں نقصان پڑ جاتا ہے۔فساد کا ارادہ کرنے والو سن لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا فساد کو) یعنی اس سے راضی نہیں اور اسے مبغوض رکھتا ہے بلکہ جو اسکا مرتکب ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر، تو اسکی نخوت نے ابھار دیا اس کو گناہ کیلئے، تو کافی ہے اس کو جہنم، اور وہ ضرور برا بستر ہے●

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اشیاء میں جو تغیر و تبدل فرماتا ہے، وہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا ہر فعل محمود ہے اور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔فساد، اشیاء میں اس تغیر و تبدل کا نام ہے، جسے غرض فاسد کیلئے انجام دیا جائے، جیسا کہ منافقین اور سارے ظلم کرنے والوں کی روش ہے۔

ایسے منافقین اور ظالمین کے ہر فرد کی یہ حالت ہے کہ جب بھی اسکی ہدایت کی گئی (اور جب) جب (اس سے کہا گیا کہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈر) اور اپنے گندے قول و فعل اور منافقانہ رویے سے باز آ (تو اس کی نخوت) عار، غرور (نے ابھار دیا) اور آمادہ کردیا (اس کو گناہ کیلئے) یعنی دور جاہلیت کے جاہلانہ رسومات، معاصی پر قائم رہنے کیلئے (تو) ایسوں کیلئے یہ سزا (کافی ہے) کہ (اس کو) ہمیشہ کیلئے

(جہنم) میں داخل کردیا جائے گا (اور وہ ضرور) آگ کا (برا بستر ہے)۔

ان لوگوں کے ذکر کے بعد جو اپنے دین کو دنیا طلبی میں صرف کرتے ہیں، مناسب ہے کہ ان نفوس قدسیہ رکھنے والوں کا بھی ذکر کردیا جائے جو اپنے نفس کو بیچتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور بعض آدمی ہیں جو بیچ ڈالتے ہیں اپنی جان کو اللہ کی خوشی چاہنے میں۔ اور اللہ بے حد مہربان ہے بندوں پر ●

چنانچہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ (اور بعض آدمی) مثلاً حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ جو کچھ رکھتے تھے مکہ میں کافروں کو دے ڈالا اور ان سے مدینے میں ہجرت کرنے کی اجازت لی۔ اس طرح خدا کی رضا اور رسول کی خوشنودی کو مال کے عوض مول لیا۔۔۔ یونہی۔۔۔ وہ سارے نفوس قدسیہ رکھنے والے جنھوں نے اللہ ورسول کی رضا کیلئے اپنی جان، اپنا مال سب کچھ قربان کردیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہ سارے لوگ وہ (ہیں جو بیچ ڈالتے ہیں) کسی تامل وتردد کے بغیر (اپنی جان کو اللہ) تعالیٰ (کی خوشی چاہنے) اور اس کی رضا حاصل کرنے (میں) تو سن لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے حد مہربان ہے) اپنے ان (بندوں پر) جو اس کی رضامندی کی خواہش میں اپنی جان فدا کردیتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی تو ہے کہ اپنے بندوں کو تقوی کا مکلّف بناتا ہے اور انکے ثواب کیلئے احکام نازل فرماتا ہے، جن کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے، یہ بھی خدا کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نفوس واموال کا مالک حقیقی ہونے کے باوجود اپنے بندوں کے نفوس واموال کو خریدتا ہے اور اپنا بے بہا فضل اور اپنی بے پایاں رحمت عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ اپنی رضا اور اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں سے بھی خود ہی ہدایت فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اے ایمان والو! داخل ہو اسلام میں پورے پورے، اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے ●

(اے ایمان والو! داخل ہو) جاؤ (اسلام میں پورے پورے) یعنی شریعت اسلامیہ کے

جملہ احکام کو دل سے قبول کرلو اور ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے انہیں احکام کو اپناؤ اور ان پر عمل کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق اور تمہاری خواہش کے مطابق ہوں اور ان احکام کو نظر انداز کردو اور ان پر عمل نہ کرو جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں۔

یاد رکھو کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، اس کے اپنے عقائد ہیں، اسکا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اپنے نظریات ہیں، اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں، جبکہ اسے ماننے والے اسے پورا کا پورا اپنالیں، اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کو قبول کرلینے کے بعد بعض باتوں پر عمل کرنے کے تعلق سے سابق شریعتوں میں سے کسی شریعت کا لحاظ کیا جائے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام جیسے عظیم صحابی بھی حضور آیہ ءرحمت ﷺ سے ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی تحریم کے تعلق سے شریعت موسویہ پر عمل کرنے کی اجازت حاصل نہ کرسکے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو! مکمل اسلام کو اپنالو اور اس پر ثابت قدم رہو (اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی) ان راستوں پر نہ چلو جو شیطان کے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا ہے اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کرے، اسلئے کہ (بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے)۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾

پس اگر تم ڈگمگائے اسکے بعد کہ آگئیں تمہارے پاس صاف صاف باتیں، تو جان رکھو کہ بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے ●

اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے وساوس کے ذریعے تمہارے اسلام میں رخنہ ڈالے (پس) اب (اگر تم ڈگمگائے) اور عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ سے روگردانی کرگئے اور حق سے بھٹک کر علماً اور عملاً حد سے تجاوز کر گئے اور یہ بھی (اس کے بعد کہ آگئیں تمہارے پاس) دین حق کی حقانیت کے تعلق سے دلائل و شواہد اور (صاف صاف باتیں) جسکی بنیاد پر تم خود اپنے داخل فی الاسلام ہونے کا دعویٰ کرتے ہو (تو جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ اپنے امر پر (غلبہ والا) ہے، تمہارے انتقام سے عاجز نہیں ہے،

یونہی وہ (حکمت والا ہے)، حکیم ہے، حق ہی کا واجبی انتقام لیتا ہے، اچھے اور برے میں تمیز رکھنے والا ہے، تو جیسے وہ بُرے کو سزا دیتا ہے تو اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ اچھے کو انعام واکرام سے نوازے، بلکہ یہ بات اسکی حکمت کے لائق اور اسکی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔

---الغرض---حق واضح ہو چکا، اسلام کی حقانیت کے دلائل وشواہد کے روشن چراغ سے شک وشبہات کی تاریکیاں معدوم ہوچکیں۔ حجت قائم اور حقانیت واضح ہوجانے کے بعد، اسلام کو پورے کا پورا اپنا لینے میں کسی کیلئے بھی کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔ ایسی صورت میں اسلام کو قبول کر لینے میں کسی کو ذرّہ برابر پس وپیش نہیں ہونا چاہئے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ

انہیں کچھ انتظار نہیں مگر اس کا کہ آلے ان کو عذاب الٰہی بادل کے سائبان میں،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

اور فرشتے، اور معاملہ کا فیصلہ کردیا جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے●

ع ۲۵ / ۹

---آخر---ان دلائل وشواہد کے آجانے کے بعد اسلام قبول کرنے سے اعراض کرنے والے اور اس دین برحق کو اپنانے میں تامل وپس وپیش کرنے والے کیا چاہتے ہیں۔ انکے طرز فکر سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ (**انہیں کچھ انتظار نہیں مگر اسکا کہ آلے انکو عذاب الٰہی**) گھنٹا ٹوپ، مہیب آوازوں کے ساتھ، گرجدار گہرے (**بادل کے سائبان میں اور**) نازل کردئے جائیں اُن پر بادلوں پر مقرر عذاب کے (**فرشتے**) جو عذاب پر مامور ہیں---یا---قیامت ہی آجائے (**اور**) ان پر عذاب نازل کردیا جائے---نیز---ان کو ہلاک کردیا جائے پھر اس طرح انکا جو (**معاملہ**) ہے اس (**کا فیصلہ کردیا جائے**)۔

---الغرض---عذاب کی پکڑ میں آنے کے بعد---یا---قیامت کی شدت دیکھ لینے کے بعد وہ ایمان لائیں گے۔ ان نادانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت انکا یہ اضطراری ایمان ان کے کسی کام نہیں آئیگا۔ اور قضائے الٰہی---نیز--- عدل خداوندی سے ان کے لئے عذاب دائمی لازم کردیا جائے گا (**اور**) اچھی طرح سے جان لو کہ (**اللہ**) تعالیٰ کی جزا اور اس کے فیصلے (**ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے**) خواہ وہ کسی کے عذاب کا معاملہ ہو---یا---کسی کو ہلاک کردینے کا۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ

پوچھ لو بنی اسرائیل کو کہ کتنی کھلی نشانی ہم نے ان کو دی تھیں۔ اور جو بدل ڈالے

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ کی نعمت کو اس کے آنے کے بعد، تو بیشک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے ●

---یونہی--- بادشاہ اور حاکم لوگ آج رعایا پر جو حکم کر رہے ہیں قیامت کے دن یہ سب باطل اور زائل ہو جائیں گے۔ اور اُس دن خدا کے سوا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔ مسلمانو! تمہیں اس بات کا خیال رہنا چاہیے کہ رب کریم، شان بے نیازی رکھنے والا ہے، جس کو چاہتا ہے اسکو عزت اور اپنی امانت سونپ دیتا ہے، مگر اگر اس نے اس کی قدر نہ کی اور اسکا غلط استعمال شروع کر دیا تو اس سے دنیاوی عزت بھی چھین لیتا ہے اور دین حق کی امانت بھی واپس لے لیتا ہے۔

اس کو سمجھنا ہو تو اس کیلئے قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور سال ہا سال پرانے کھنڈرات میں سرگرداں محو فکر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں (پوچھ لو) اپنے پڑوس میں رہنے والی قوم (بنی اسرائیل کو) وہ اپنی کج بحثی اور حق پوشی کی پرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا انکار نہیں کر سکتی اور انہیں اعتراف کرنا پڑے گا (کہ کتنی کھلی نشانی ہم نے ان) کے آباؤ اجداد (کو دی تھیں)۔

عصائے موسوی، ید بیضا، من وسلوی، خیر و عافیت کے ساتھ دریا سے عبور، ایک پتھر سے بارہ چشمے، اور کتاب توریت جس کی روشن آیات میں دین اسلام کی حقانیت، اسکے آخری دین اور سارے سابقہ ادیان کے منسوخ ہونے، نبی کریم کے آخری نبی ہونے---الغرض---اللہ کے آخری رسول ﷺ کے اپنی ذات اور اپنی جملہ ہدایت میں صادق اور امین ہونے کے تعلق سے واضح ہدایات ہیں۔

اب اگر علمائے یہود میں سے کوئی سچائی کو چھپائے (اور جو بدل ڈالے اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو) یعنی صفات محمدی اور حقانیت دین اسلام کو، توریت میں (اسکے) تعلق سے مکمل اور واضح طور پر ذکر (آ) جا (نے کے بعد) جسکی صحت و سچائی کو بخوبی پہچانتے ہیں اور جان بوجھ کر اپنے نادان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور ان سے حقائق کو چھپاتے ہیں، تو ان کی اس دھاندلی سے کسی اور کا کیا نقصان، وہ خود اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا رہے ہیں (تو بے شک اللہ) تعالیٰ ان جیسے سارے مستحقین عذاب پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا

خوبصورت نگاہ میں کردی گئی انکے جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی، اور وہ مذاق اڑاتے ہیں ایمان والوں سے، اور جو پرہیزگار

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۤءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ہوئے ان سے بلند وبالا ہونگے قیامت کے دن۔ اور اللہ روزی دے جس کو چاہے ان گنت ●

اور جب انھوں نے ہدایت کے انعام کی قدر نہ کی تو انکی نظریں حقیقت سے پھر کر دنیا کی زیب وزینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ الٹا ان لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر افلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنھیں تم حقیر سمجھتے تھے، مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنی عزت وکرامت کے مستحق ہیں۔

---الختصر--- (خوبصورت نگاہ میں کردی گئی ان) ناشکروں اور حق چھپانے والوں (کے جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی)، دنیا کی زندگی ہی انکے لئے سب کچھ ہے جس پر وہ فریفتہ ہوجاتے ہیں اور مغرور ہوتے ہیں (اور وہ مذاق اڑاتے ہیں) ٹھٹھا کرتے ہیں، افسوس کا اظہار کرتے ہیں (ایمان والوں سے)۔

قریش کے امیر لوگ غریب صحابہ جیسے حضرت بلال اور حضرت عمار وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہنستے اور کہتے، بھلا یہ لوگ اس لائق ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دنیا کا کام سدھر جائے اور ٹھیک ہو جائے اور شرفاء عرب کی عظمت اور ان کے رسوم وعادات کی بنیاد اکھڑ جائے۔ اگر محمد عربی ﷺ اپنے دعویٰ نبوت میں حق ہوتے تو عرب کے سردار اور قبیلوں کے سرگروہ انکے تابع ہوتے۔

ان نادانوں کو کیا معلوم، یہ حضرت بلال وحضرت عمار (اور) ان جیسے (جو) دوسرے (پرہیزگار ہوئے) وہ سب (ان) مغرورین (سے بلند وبالا) عزت وکرامت کی مسند پر رونق افروز (ہونگے قیامت کے دن)۔ مسلمان لوگ جنت میں اونچے سے اونچے درجوں پر ہونگے اور کافر لوگ نیچے سے نیچے گڑھے اور قید خانوں میں قید ہونگے۔ دنیا میں اگر کافروں کے پاس دولت زیادہ ہے، تو انکو یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ رب کریم نے رزق رسانی کیلئے اپنے پرائے کی تقسیم نہیں فرمائی ہے، بلکہ اپنے ذمہ کرم میں ہر مرزوق کا رزق لے رکھا ہے، تنہا وہ رازق

وقف لازم

(اور) باقی سب مرزوق، تو (اللہ) تعالیٰ (روزی دے جس کو چاہے ان گنت) بے حساب۔ روزی دینے میں اس کی حکمت قارون کو بھی ایک بہت بڑے خزانے کا مالک بنا دیتی ہے، تو اگر یہ کوئی کرامت ہوتی تو یہ ایمان والوں ہی کا حصہ بنتی اور کفار اس سے ہمیشہ کیلئے محروم رہتے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ دنیاوی دولت وثروت حقیقی عزت کی دلیل نہیں اور ایسے دنیاوی افلاس، تنگدستی، عظمت وکرامت کے منافی نہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

سارے انسان ایک ہی امت تھے۔ پھر بھیجا اللہ نے پیغمبروں کو بشارت سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اور اتارا انکے ساتھ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

کتاب کو بالکل حق، تاکہ وہ فیصلہ فرمایا کرے لوگوں کے درمیان اس میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اور کتاب میں کسی نے اختلاف نہیں کیا

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا

مگر انھوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد، اسکے کہ آگئیں صاف صاف باتیں آپس کی ہٹ دھرمی سے، تو ہدایت فرما دی اللہ نے انکی جو

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ایمان لاچکے، اس بارے میں جس میں وہ مختلف ہوئے ٹھیک بات کی اپنے حکم سے، اور اللہ ہدایت فرمائے جسکی چاہے سیدھی راہ کی ●

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت میں کفر پر اصرار کرتے ہیں اور اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا سبب نیا نہیں ہے، بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا۔ تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے، پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ حضرت آدم سے لیکر تقریباً دس قرنوں تک جس کا ہر قرن اسّی ۸۰ سال کا تھا (**سارے انسان ایک ہی امت تھے**)، دین اسلام کے ماننے والے، توحید کا عقیدہ رکھنے والے، اور شرک سے پاک وصاف، یہاں تک کہ شیطان نے ان میں سے بعض کو کفر وشرک میں مبتلا کر دیا۔

چنانچہ وہ لوگ غیر خدا کی پرستش میں لگ گئے اور عقیدۂ توحید سے دور ہو گئے۔ پھر ایک دور ایسا آیا موحدین اور مومنین خال خال نظر آنے لگے اور ہر طرف شرک وکفر و بت پرستی کا غلبہ ہو گیا۔ پھر طوفان نوح کا واقع پیش آیا جس میں غرق ہونے سے مردوں اور عورتوں پر مشتمل صرف وہی اسّی ۸۰ نفوس بچ سکے جو حضرت نوح کی کشتی پر سوار تھے اور وہ سب کے

سب ایمان اور عقیدہ توحید الٰہی والے ہی تھے۔ پھر حضرت نوح اور انکے بیٹے حام، سام اور یافث اور انکی ازواج کے سوا باقی لوگ بھی وفات پا گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے مذکورہ بالا فرزندان، حضرت نوح ہی کے دین وشریعت کے ماننے والے تھے اور جب پھر انکی اولادیں بڑھیں تو ایک عرصہ دراز کے بعد شیطان نے انکے اندر بھی اختلاف پیدا کر دیا اور انکے بعض کو کفر وشرک میں مبتلا کر دیا۔ اسطرح پھر دنیا میں جگہ جگہ کفر وشرک کے بادل منڈلانے لگے۔

مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں ایسے حالات ظہور پذیر ہوئے اور لوگ ہدایت ربانی کے محتاج ہوئے تو **(پھر بھیجا اللہ)** تعالیٰ **(نے پیغمبروں کو)** ایمان والوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پایاں اجر وثواب کی **(بشارت سنانے والے اور)** کافروں، مشرکوں کو جہنم اور عذاب الٰہی سے **(ڈرانے والے)** اپنے پیغمبروں کو **(اور)** انکو خالی ہاتھ نہیں مبعوث فرمایا بلکہ **(اتارا انکے ساتھ)** یعنی نازل کیا ان پر ہدایت کی **(کتاب کو)** جو از اوّل تا آخر **(بالکل حق)** ہی حق ہے۔

---الغرض--- ہر نبی کے ساتھ کتاب الٰہی رہی۔ اب خواہ وہ اس پر نازل ہوئی ہو---یا--- نازل کسی اور نبی پر ہوئی ہو مگر اسکو اس کتاب کی شریعت وہدایت کی تبلیغ پر معمور کر دیا گیا ہو۔ یہ اسلئے کیا گیا **(تاکہ وہ)** نبی اس صحیفۂ ہدایت کی روشنی میں **(فیصلہ فرمایا کرے لوگوں کے درمیان اس میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا)** اور وہ بھی اس سے اتفاق کر لینے کے بعد اب خواہ انکا اختلاف دین الٰہی کی حقانیت سے---یا---دین کے اوامر میں سے کسی امر سے ہو---یا---خود کتاب کی ہدایتوں میں سے کسی ہدایت سے متعلق ہو، ہر دور کا نبی اپنے دور کے لوگوں کی اختلافی باتوں کا فیصلہ فرماتا رہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے **(اور)** سمجھ لینا چاہیے کہ **(کتاب میں کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر انہوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد اسکے کہ آ گئیں صاف صاف باتیں)**---الغرض--- کتاب سے اختلاف کرنے والے اپنے عہد کے جاہلوں، نادانوں، اور بے خبروں میں سے نہیں تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ انہیں کتاب اسلئے دی گئی ہے کہ انکا اختلاف مٹ جائے اور وہ راہ راست پر آ جائیں، مگر انہوں نے اسکے برعکس اپنے اختلاف کو اور بھی مضبوط اور راسخ کر دیا اور کتاب الٰہی میں تحریف وتاویل کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا کہ عوام الناس کیلئے حقائق حجاب اندر حجاب ہو گئے انکا مذکورہ بالا طرز عمل، فکر ودانش اور حق وصداقت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ صرف **(آپس کی ہٹ دھرمی سے)**

ہے، جو حسد، ظلم، دنیا ہی پر انحصار اور انصاف کے فقدان کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ اختلاف وتفریق اور کتاب الٰہی میں تاویل وتحریف، یہ کام ان کے سرداروں اور ان کے رؤساء کا تھا، مگر انکا تابع ہونے اور انکی پیروی کرنے کے سبب ان کاموں کی نسبت سب کی طرف کردی گئی۔

۔۔۔الختصر۔۔۔'اختلاف فی الحق' دین کا ایک قدیمی معاملہ ہے (تو ہدایت فرمادی) اپنے فضل وکرم سے (اللہ) تعالیٰ (نے انکی جو ایمان لا چکے اس بارے میں جس میں وہ مختلف ہوئے ٹھیک بات کی، اپنے حکم) یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر اور آسان کر دینے اور نیک ارادہ اور رحمت (سے)۔ سمجھ لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ مالک ومختار ہے تو وہ (ہدایت فرمائے جسکی چاہے) انبیاء اور اولیاء کی (سیدھی راہ کی)۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ انسانیت کی ابتداء نور اور ہدایت سے ہوئی تھی، پھر لوگوں نے شیطانی راستوں اور نفسانی خواہشوں کی بناء پر ان نور کو ظلمت سے بدل دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی اور انہیں جنت کا مستحق بنادیا۔ جنت کے حصول کیلئے صراط مستقیم پر چلنا کچھ آسان نہیں اس راہ میں بہت مشکلیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

تو اے ایمان والو یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت، انکے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں، ان کے طعنوں، استہزاء، اور انکی فتنہ سامانیوں سے گھبرانہ جانا ابھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے، جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ مسلمانوں کی ترقی اور انکی ہمت افزائی کیلئے باختلاف روایت ہجرت کے ابتدائی ایام میں۔۔۔یا۔۔۔ جنگ احد کے موقع پر۔۔۔یا۔۔۔ جنگ خندق کے موقع پر اس ارشاد الٰہی کا نزول ہوا کہ۔۔۔۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا تم نے گمان کرلیا کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں، اور ابھی نہیں آئی تمہارے پاس وہ حالت جو انکی تھی کہ گزر چکے تم سے پہلے۔

مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

پہنچی ان کو سختی اور تنگی، اور اس قدر ہلا ڈالے گئے کہ کہہ پڑا خود رسول، اور جو اس کو مان چکے تھے وہ بھی

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کہ کب ہوگی اللہ کی مدد۔ آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد نزدیک ہے●

اے ایمان والو (کیا تم نے گمان کرلیا کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور) حال یہ ہے کہ (ابھی نہیں آئی تمہارے پاس وہ حالت جوانکی تھی) جو (کہ گزر چکے تم سے پہلے) انبیاء وصدیقین اور انکے اتباع کرنے والے (پہنچی انکو سختی اور تنگی) اور وہ ایسی ویسی، ہلکی پھلکی نہیں، بلکہ کسی کے سروں پر آرا چلا دیا گیا اور اسکے دو ٹکڑے کر دئے گئے اور کسی کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے بے دردی کے ساتھ چھیل دیا گیا (اور) وہ ناقابل برداشت مظالم کے ذریعہ (اس قدر ہلا ڈالے گئے کہ کہہ پڑا خود رسول اور جو اسکو مان چکے تھے وہ بھی) اپنے پیغمبر سے اتفاق کرتے ہوئے بول پڑے (کہ کب ہوگی اللہ) تعالیٰ (کی) وہ (مدد) جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ آخر ہمیں دشمنوں پر کب فتح حاصل ہوگی۔ اللہ کا وعدہ پورا ہوگا اس میں ایمان والوں کو ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا، لیکن چونکہ وہ فتح ونصرت جلد چاہتے تھے اسی لئے شدید ترین مصائب وآلام کا جب دباؤ ہوا تو انکی زبان سے بے اختیارانہ طور پر یہ بات نکل گئی۔ پس اے بعجلت نصرت الٰہیہ کے طلبگارو خوش ہو جاؤ اور (آگاہ رہو کہ اللہ) تعالیٰ (کی مدد) اب تمہارے بالکل ہی (نزدیک ہے)۔

چنانچہ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ایمان والوں کو خوف وغم سے نجات عطا فرمائی۔ اس سورۂ مبارکہ میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے پیش نظر اسکا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا گیا ہے۔۔۔ اسلئے۔۔۔ جانی قربانی کے ساتھ ساتھ مالی قربانی کی بھی ایک خاص اہمیت ہے اور مالی نقصان پر بھی صبر کرنا جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ

تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو کار خیر میں تم نے لگانا چاہا تو وہ ماں باپ اور قرابت داروں

وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کا حق ہے۔ اور جو نیکی کرو، تو بیشک اللہ اس کو جاننے والا ہے●

تو اے محبوب تمہارے ایک چاہنے والے عمرو بن جموح نے دریافت کیا ہے کہ وہ اپنے مال سے کیا خرچ کریں، تو انکے اور ان جیسے ان تمام کو جو (تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں) تو جوابا

انکوآ گاہ کردو کہ انکے مالوں پر کتنوں کا حق ہے۔اس سے یہ سمجھ لینگے کہ ان کو کس کو دینا اور کیا دینا ہے۔تو اے محبوب ایسا سوال کرنے والوں سے (کہہ دو کہ جو کار خیر میں تم نے لگانا چاہا تو وہ) انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ تمہارے (ماں باپ اور) تمہارے (قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کا حق ہے)۔۔۔الغرض۔۔۔ان کو دینے میں انکے حقوق کی ادائیگی بھی ہے۔سب مصارف میں

ماں باپ کا نفقہ اہم ترین ہے اور قرابتداروں کے ساتھ جو کیا جائے گا اس میں صلہ رحمی بھی ہے۔
رہ گئے یتیم جو اپنا خرچ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔۔۔یونہی۔۔۔مسکین وفقیر جو اپنی
معاش کی تدبیر نہیں کر سکتے، ایسے ہی مسافر جو حالت سفر کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں،
ان سب پر خرچ کرنا بنیادی طور پر ان پر احسان کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کو انکا حق دے کر خود
اپنے کو انکی حق تلفی سے بچانا ہے اور پھر انفاق فی سبیل اللہ کا بھی اجر وثواب حاصل کر کے
اپنے کو جنت کا بھی مستحق بنانا ہے۔

اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو کچھ کرو وہ خیر کے دائرے سے باہر نہ ہونے پائے، لہٰذا جس کو جو کچھ دو خیر ہو، یعنی حلال وطیب ہو، جو حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو۔پس جان لو (اور) یقین کرلو کہ تم (جو نیکی کرو) گے (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (اسکو جاننے والا ہے) چنانچہ وہ اپنے فضل وکرم سے اسکا صلہ عطا فرمائے گا۔

پہلے ارشاد فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہونے کیلئے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی پھر اسکے بعد مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا یہ بھی ایک مشقت ہے اور اب جہاد کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ

فرض کیا گیا تم پر جہاد اور وہ ناگوار ہے تم کو، اور کیا دور کہ تم ناگوار رکھو کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے،

وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

اور قریب ہے کہ پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ بری تمہارے لئے۔اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ●

اے ایمان والو! (فرض کیا گیا تم پر جہاد) یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا، تو اب اگر ایسی صورت ہو کہ کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ

کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر شہر کے دفاع کیلئے جہاد کرنا فرضِ عین ہے۔
اب اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔۔۔یونہی۔۔۔اگر جہاد کیلئے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو اس صورت میں بھی جہاد فرضِ عین ہے۔ان کے سوا دوسری صورتوں میں۔۔۔مثلاً: اسلام کی تبلیغ کیلئے، کافروں کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کیلئے کہنا، اب اگر اسکو بھی قبول نہ کریں تو ان سے جہاد کرنا۔۔۔یونہی۔۔۔مسلمانوں کو عام حکم نہ ملنے کی صورت میں جہاد کرنا، ان دونوں صورتوں میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

اگرچہ حکم خداوندی ہونے کے لحاظ سے ایمان والے کو جہاد سے کراہت نہیں ہوسکتی لیکن انسانی فطرت اور آدمی کی طبیعت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر شخص اپنا مال تلف ہونے اور اپنی جان ہلاک ہونے کو ناپسند کرتا ہے تو یہ ایک طبعی کراہت ہے **(اور)** اسی وجہ سے **(وہ)** یعنی جہاد طبعاً **(ناگوار ہے تم کو)** اس جہاد کے سوا وہ جہاد، جسے 'جہادِ اکبر' کہا گیا ہے، جس میں انسان کے سب سے بڑے خارجی دشمن 'شیطان' اور داخلی دشمن 'نفس' سے جہاد کیا جاتا ہے، اچھا کھانا، اچھا پہننا، خوب سونا، کس کو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔اب اگر ان سب کو صرف خدا کی رضا کیلئے چھوڑنا پڑ جائے اور ان امور میں نفس کی خواہش کے خلاف کیا جائے، یہ بھی بہت بڑا جہاد ہے، اگرچہ یہ انسانی طبیعت کو ناگوار ہی۔

لیکن یہ بھی تو سچ **(اور)** ایک حقیقت ہے کہ **(کیا دور)** ہے کچھ بعید نہیں **(کہ تم)** اپنی طبیعت کے اقتضاء اور طبعی نفرت کی بنیاد پر **(ناگوار رکھو کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے)** دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں فتح، دشمنوں پر غلبہ اور دین کی سربلندی کی شکل میں اور آخرت میں مرتبہ شہادت، اعلیٰ علیین میں قیام، اور جنت کی دائمی راحت کی صورت میں یہ بھی بعید نہیں **(اور قریب ہے)** ممکن ہے **(کہ)** تم **(پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ بری)** ثابت ہو **(تمہارے لئے)** مثلاً طبیعت کی کسل اور کاہلی کی وجہ سے جہاد سے منہ پھیر لینا بظاہر تو اچھا لگتا ہے، مگر اسکے نتیجہ میں دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے ذلّت کی زندگی بسر کرنا اور آخرت میں جہاد کے ثواب سے محروم رہنا، اور شہدا کا درجہ ومقام نہ حاصل کرسکنا، یہ کتنے بڑے نقصان اور خسارے کی بات ہے۔خبردار ہو جاؤ **(اور)** جان لو کہ **(اللہ)** تعالیٰ تمہاری بہتری کس میں ہے وہ **(جانتا ہے اور تم)** اس مصلحت کو **(نہیں جانتے)** تمہارا پیدا کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کس چیز میں ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں، لہٰذا اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے کہ نہیں؟ ادھر دو ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کیلئے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا، اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حضرمی نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا اور یہ قتل رجب میں ہوا جو حرمت والا مہینہ ہے، اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف تو پیغمبر اسلام اللہ کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں ادہر انکے پیروکاروں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا، حالانکہ حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا ملّتِ ابراہیم کے مطابق حرام ہے۔ چنانچہ بہت سارے لوگوں نے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم، آیا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ معلوم کرنا چاہا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ

پوچھتے ہیں تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم۔ کہہ دو اس میں لڑنا بڑا جرم ہے۔ اور اللہ کے راستہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ

روکنا، اور اس سے انکار کر دینا، اور مسجد حرام سے روک دینا، اور وہاں کے لوگوں کو حرم سے نکال دینا بہت بڑا جرم ہے

اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ

اللہ کے نزدیک۔ اور فتنہ گروں کا فتنہ انکے قتل سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہی تم سے لڑتے بھڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ

عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ

ہو سکے تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اور جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، پھر مر جائے اس حال میں کہ کافر ہے،

فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

تو وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا جاتا رہا دنیا اور آخرت میں۔ اور وہ جہنم والے ہیں۔

ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

تو اے محبوب! جو لوگ بھی (پوچھتے ہیں) خواہ وہ ایمان والے ہوں ۔۔۔یا۔۔۔ کفر والے (تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم) تو ان سے (کہہ دو) اگرچہ (اس) ماہ (میں لڑنا) ایک (بڑا جرم

ہے) مگر اس سوال کا حق ان کو نہیں جو اس سے بہت بڑے بڑے جرم کا ارتکاب کیے بیٹھے ہیں۔ایک طرف تو وہ اپنے بڑے بڑے جرم کو عملاً جرم ہی نہیں سمجھتے،اور دوسری طرف اگر کسی سے کوئی غلطی نادانستہ طور پر ہو جائے۔۔۔یا۔۔۔صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر وہ فکری خطا کر بیٹھے تو اس کو ایک سنگین مسئلہ بنا کر شور و غوغہ پر اُتر آتے ہیں۔

تو اے محبوب صاف صاف واضح طور پر فرما دو کہ لوگو ہوش سے کام لو (اور) اچھی طرح جان لو کہ تمہارا (اللہ) تعالیٰ (کے راستے سے روکنا) اور مسلمانوں کو ایمان سے باز رکھنے کیلئے ظالمانہ طرز عمل اختیار کر لینا (اور اس سے انکار کر دینا) یعنی خدا کا منکر ہو جانا (اور مسجد حرام سے روک دینا) وہاں طواف نہ کرنے دینا، نماز نہ پڑھنے دینا، (اور وہاں کے لوگوں) یعنی وارثین حرم، رسول کریم اور آپ کے صحابہ (کو حرم سے) جبراً (نکال دینا) اور ایسا ماحول پیدا کرنا کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو جائیں، تو یہ جرم، حرم میں قتال والے جرم سے کہیں زیادہ سنگین اور (بہت بڑا جرم ہے) اور وہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)۔ایسے مجرمین کیلئے کڑی سزا اور دردناک عذاب ہے۔

اب اگر کوئی مسلمان کسی حضرمی۔۔۔یا۔۔۔ان جیسے فتنہ گروں کو قتل کر دے تو یہ کوئی بہت بڑا جرم نہیں (اور) نہ ہی ان شر پسندوں کے شر سے بڑھ کر ہے بلکہ ان (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے)۔۔۔الغرض۔۔۔انکا فتنہ جتنا بڑا جرم ہے خود ان کو قتل کر دینا اتنا بڑا جرم نہیں۔ مجرمین کا قتل جرم نہیں بلکہ انسدادِ جرم کی ایک تدبیر ہے۔اسلئے کہ جب تک یہ رہیں گے فتنہ برپا کرتے رہیں گے (اور وہ ہمیشہ ہی تم سے لڑتے بھڑتے رہیں گے) اور یہ سلسلہ جاری رکھیں گے (یہاں تک کہ ہو سکے تو تم کو تمہارے دین) اسلام (سے پھیر دیں) اور کفر میں پہنچا دیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔مسلمانوں سے کافروں کی عداوت دائمی ہے۔ یہ اس وقت تک رہنے والی ہے جب تک کہ مسلمان، معاذ اللہ، کفر نہ اختیار کر لے۔ مسلمانو! اچھی طرح سُن لو (اور) جان لو کہ (جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین) اسلام (سے) کافروں کے دین کی طرف اور (پھر مر جائے اس حال میں کہ کافر ہے تو) وہ اور اسکے بعد اس جیسے لوگ (وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا جاتا رہا دنیا اور آخرت میں) مرتد ہو جانے کے بعد وہ واجب القتل ہو گئے، اب انہیں کسی طرح کی امان نہیں ۔۔۔نیز۔۔۔مال، زوجہ اور میراث ہر ایک پر سے انکا استحقاق جاتا رہا اور آخرت میں بھی نہ انکے لئے کوئی ثواب ہے اور نہ ہی حسن خاتمہ کے ثمرات (اور وہ جہنم والے ہیں) اور ایسا بھی نہیں کہ دخول جہنم

کے کچھ دنوں کے بعد انکی رہائی ہو جائے گی اور جہنم سے باہر کر دیا جائے گا، بلکہ (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کیلئے قطعی طور پر جہنم ہے، اب ان لوگوں کا بیان فرما رہا ہے جو جنت کی امید رکھنے کے حقدار ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

بیشک جو ایمان لائے، اور جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا،

اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾

وہ امید رکھیں اللہ کی رحمت کی۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

کہ (بیشک) عبداللہ بن جحش اور انکے رفقاء جیسے (جو) لوگ بھی (ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی)، اپنا وطن چھوڑا (اور) کافروں سے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جہاد کیا، وہ) اس بات کے حقدار ہیں کہ (امید رکھیں اللہ) تعالیٰ (کی رحمت کی)۔ سن لو (اور) یقین کر لو کہ (اللہ) تعالیٰ مومنوں اور مجاہدوں کو (بخشنے والا) اور ان پر (رحمت) فرمانے (والا ہے)۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور عربوں میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جہاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، کیونکہ شراب کے نشے میں انسان کو اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جہاد کب کر سکتا ہے۔ نیز وہ شراب کے نشے میں جوا کھیلا کرتے تھے اور جیتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور بظاہر یہ اچھا کام تھا، مگر وہ نفوس قدسیہ رکھنے والے لوگ جنکے قلب و دماغ نبی کریم کی پاکیزہ تربیت وصحبت کے نتیجے میں مجلیٰ ومصفیٰ ہو چکے تھے، انہوں نے ان دونوں کے ہونے والے نقصان کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا، وہ خاموش نہ رہ سکے، چنانچہ حضرت فاروق اعظم اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں عرض کر ہی دیا، کہ سرکار آپ ہمیں شراب اور جوئے کے حکم سے آگاہ فرمائیں، ساتھ ساتھ ان دونوں میں جو نمایاں خرابی ہے اسکا بھی ذکر کر دیا، جس سے واضح ہو گیا کہ وہ انکے جواز کا حکم نہیں چاہتے، بلکہ انکی خواہش یہ ہے کہ ان دونوں کی حرمت کا حکم نازل فرما دیا جائے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ٘

پوچھتے ہیں تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں۔ کہہ دو دونوں میں گناہ تو بڑا ہے اور فائدے ہیں عام لوگوں کیلئے

وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَاؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۬ؕ

اور ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے فائدہ سے۔ اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں۔

قُلِ الْعَفْوَؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَۙ(۲۱۹)

کہہ دو جو تمام خرچ سے بچے۔ اسی طرح بیان فرما دیتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں، کہ اب سوچ اور غور سے کام لو●

تو اے محبوب تمہارے چاہنے والے (**پوچھتے ہیں تم سے شراب**) یعنی انگور سے نچوڑا ہوا کچا شیرا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگا اور جھاگ چھوڑ دیا (**اور جوئے**) یعنی ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے (**کے بارے میں**)، تو (**کہہ دو**) ان (**دونوں میں گناہ تو بڑا ہے اور**) کچھ (**فائدے**) بھی (**ہیں، عام لوگوں کیلئے**) مثلاً: سرور و مستی، کمزور کو تقویت، کھانا ہضم کرنا، قوت مردانگی میں مدد کرنا، غمگین کو خوشی دلانا، بزدل کو بہادر بنانا، بخیل کو سخی کرنا، جسم کے رنگ کو نکھارنا، بچے کو بولنے پر قدرت دینا اور ارادے بلند کرنا، یہ تو رہے شراب نوشی کے ظاہر میں فائدے۔

رہ گیا جوا تو اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اسکے ذریعے نہایت آسانی سے بغیر کچھ خرچ کئے بلا تکلف ایک انسان دوسرے انسان کی دولت کو حاصل کر لیتا ہے، بغیر کسی محنت کے اسکا مالک بن جاتا ہے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ ذہن نشین کر لو (**اور**) جان لو کہ (**انکا گناہ زیادہ بڑا ہے انکے فائدے سے**) اسلئے کہ شراب نوشی سے آپس میں بغض و عداوت بڑھتی ہے، یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے، انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، حالت نماز میں 'لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ' میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، کی جگہ 'اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ' میں پوجتا ہوں جس کو تم پوجتے ہو، کا کفریہ جملہ زبان سے نکلوا دیتی ہے۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ شراب نوشی آدمی کو بے حوصلہ اور اس قدر بے خوف اور احمق بنا دیتی ہے کہ بسا اوقات شرابی خود اپنے پیشاب سے کھیلنے لگتا ہے، گندی نالیوں میں پڑا رہتا ہے۔ خود اپنی غلاظت سے لہو و لعب اسکا مشغلہ ہو جاتا ہے۔

۔۔۔ یونہی۔۔۔ قمار بازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کسی کا مال بغیر کاروبار کے چلا گیا، تو وہ اپنے بالمقابل کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور اسکی دشمنی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنے بالمقابل کو زک نہیں پہنچاتا اُسے چین نہیں آتا۔ ویسے بھی قمار بازی انسان

کو کاہل اور ناکارہ بنا دیتی ہے، محنت وکسب کی اسکی ساری صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

۔۔۔الحتصر۔۔۔شراب نوشی اور قمار بازی میں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی بیماریاں ہیں اور ان میں پیسہ خرچ کرنا لائق مذمت ہے۔تو اب سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ خرچ کرنا لائق تحسین ہے۔

تو اے محبوب اس تعلق سے سوال کرتے ہیں **(اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں)** چونکہ اس کلام کا سیاق جہاد ہے اور جہاد کا عظیم ستون اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر دھرایا کہ کیا چیز خرچ کریں۔تو اے محبوب **(کہہ دو جو)** تمہارے، تمہاری اہل وعیال اور تمہاری زیر پرورش رہنے والوں کے **(تمام خرچ سے بچے)** اور تم کو اسکی احتیاج نہ رہے، ایسا بھی نا ہو کہ تم سارا کا سارا مال خیرات کر کے خود محتاج ہو جاؤ اور بھیک مانگتے پھرو۔۔۔یا۔۔۔تمہارے بعد تمہارے بچوں اور تمہاری کفالت میں رہنے والوں کیلئے کچھ نہ بچے اور انکو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

۔۔۔ہاں۔۔۔اگر تمہارے پاس بے حساب دولت ہے جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے تو اس زیادہ سرمایہ سے اپنے گرد ونواح اور پڑوس میں رہنے والے غریب مسکین اور محتاج، اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں جو زندگی کی اہم ضروریات کیلئے بھی ترس رہے ہوتے ہیں، اور اس مقام پر یہ خیال نہ کریں کہ وہ زکوٰۃ ادا کر کے ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں، بلکہ انکی ضرورت سے زیادہ جو سرمایا ہے، اس سے اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ زکوٰۃ فرض کر دینے، ان کے مصارف کو متعین کر دینے اور اسکے تعلق سے ضروری ہدایت دیدینے کے بعد نفلی صدقات کرنے کی ترغیب وتحریص میں حکمت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس میں یہی حکمت ہے کہ جو بے حساب اور اپنی ضرورت سے زیادہ دولت کے مالک ہیں وہ صرف اپنی سالانہ زکوٰۃ ادا کر کے مطمئن نہ ہو جائیں، بلکہ نفلی صدقات کے ذریعہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہیں۔

رب کریم کی مہربانی ہے کہ جس طرح نفقہ دینے کے شرعی احکام واضح طور پر بیان فرما دیئے ہیں **(اسی طرح بیان فرما دیتا ہے)** اور ظاہر کر دیتا ہے **(اللہ)** تعالیٰ **(تمہارے لئے آیتیں)** اپنی مہربانی کی نشانیاں **تا(کہ اب سوچ اور غور سے کام لو)**۔

فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡیَتٰمٰی ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّہُمۡ خَیۡرٌ ؕ وَ اِنۡ

دنیاو آخرت میں۔ اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں کے بارے میں۔ کہہ دو انکے بہتری کا کام کرنا بہتر ہے، اور اگر

تُخَالِطُوۡہُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ

اپنا ان کا مال ملا جلا کر رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ معلوم کرا دیتا ہے فسادی کو الگ خیر خواہ سے۔

وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَاَعۡنَتَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

اور اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو تم کو ضرور گرفتار مصیبت کر دیتا بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

فنا ہو جانے والی (دنیا) (و) باقی رہنے والی (آخرت میں) یعنی دنیا سے محبت نہ رکھو اور آخرت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ دنیا و آخرت کے امور میں انہیں کو اپناؤ جو دینی نقطۂ نظر سے تمہارے لئے بہتر ہوں، باقی رہ سکنے والے اور زیادہ نفع بخش ہوں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور اب مال خرچ کرنے کا ایک مصرف اور محل بتایا جا رہا ہے کہ جو چیزیں تمہاری ضرورت سے زائد ہیں، ان کو یتیموں پر خرچ کرو اور بحسن وخوبی یتیموں کی کفالت کرو اور جان لو کہ جو یتیم تمہاری کفالت میں ہے، اسکا کھانا اپنے کھانے سے الگ کر کے کھانے کی ضرورت نہیں، بلکہ خیر خواہی کی نیت سے اپنا انکا کھانا مشترک رکھو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

یتیم کا کھانا اپنے کھانے سے الگ پکانے میں اگر ایک طرف دو دو سالن پکانے کی مشقت و دشواری پیش آتی ہے تو دوسری طرف یتیم کا کھانا بچ جانے کی صورت میں سڑ جانے کی وجہ سے پھینکنا پڑتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ یتیم کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے نقد مال اور باقی رہنے والی چیزوں کو الگ اس کے حساب میں رکھو اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں ان میں اپنا اور یتیم کا کھاتہ بقدر حساب مشترک رکھو۔

مذکورہ بالا احکام کے تعلق سے واضح علم نہ ہونے کے سبب یتیموں کا مال اپنے پاس رکھنے والے اور ان کے معاملات میں صرف کرنے والے، مال یتیم میں خیانت کے تہدیدی حکم کے پیش نظر اپنے کو یتیموں کی کفالت، انکی نگرانی اور انکے ضروری امور سے بری الذمہ اور کنارہ کش ہو جانے کی خواہش رکھنے والے، اے محبوب تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں (اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں) سے نباہ کرنے کی کیفیت (کے بارے میں)، تو اے محبوب ان سے (کہہ دو) کہ (انکے بہتری کا کام

کرنا بہتر ہے)، ان سے پرہیز اور کنارہ کش ہونے کی بہ نسبت (اور) جب صورت حال یہ ہے تو اب (اگر اپنا) اور (انکا مال ملا جلا کر) ایک جگہ (رکھو تو) اس میں کوئی جرم نہیں، اسلئے کہ (وہ تمہارے) دینی (بھائی ہیں) اور بھائی کا یہ حق ہے کہ اس کا بھائی اسکے ساتھ مل جل کر رہے۔

غور سے سنو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ خود تو جانتا ہی ہے، دوسروں کو بھی (معلوم کرا دیتا ہے) اور ان پر ظاہر کر دیتا ہے (فسادی) یتیموں کے مال میں خیانت کرنے والے اور بے جا تصرف کرنے والے (کو الگ) کر کے (خیر خواہ سے)۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں کہ تم میں فسادی کون ہے اور مصلح کون ہے، وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دیگا، تو تم ایسی غلطیوں سے بچو اور اصلاح کے سوا باقی اقدام نہ کرو (اور) سن لو کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (نے چاہا ہوتا تو تم کو ضرور گرفتار مصیبت کر دیتا) اور یتیموں کے اموال کے ساتھ تمہارے اپنے مالوں کا اکٹھا رکھنا حرام فرما دیتا اور یتیموں کے معاملات کو تمہارے اپنے معاملات سے الگ رکھنے کا حکم فرما دیتا اور یتیموں سے میل جول رکھنے سے روک دیتا۔ اس صورت حال میں یتیموں کی کفالت کس قدر دشوار اور مشقت میں ڈال دینے والی چیز ہوتی۔ اب اگر اس مشقت میں ڈالنا چاہتا، تو اس کیلئے کیا مشکل تھی، اسلئے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ وہ عاجز نہیں۔ جو چاہے کرے اور (حکمت والا ہے)، لہٰذا وہ وہی کرتا ہے جو اسکی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اسلئے کسی پر وہ اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالطت کا جواز بیان فرمایا تھا، جسکا تقاضہ یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال مخلوط کرنا بھی جائز ہے اور یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا۔۔۔یا۔۔۔اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور مت نکاح کرو شرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں، اور یقیناً ایمان والی لونڈی بہتر ہے شرک والی سے گو شرک والی

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

تمہیں اچھی لگے۔ اور اپنی لڑکیوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں، اور بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے ہر مشرک سے۔

وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ

گو وہ تمہیں اچھا لگے۔ وہ لوگ بلائیں جہنم کی طرف، اور اللہ بلائے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے، اور صاف صاف بیان فرمائے

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے کہ اب سبق لیں●

(اور) فرمایا (مت نکاح کرو شرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں) وہ مشرکہ حسن وجمال والی ہو۔۔۔یا۔۔۔دولت وثروت والی ہو۔۔۔یا۔۔۔آزاد ہو۔۔۔الغرض۔۔۔کچھ بھی ہو مگر جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، (اور) اسکے برعکس (یقیناً ایمان والی لونڈی) خواہ وہ غریب ہو، خوبصورت نہ ہو، بایں ہمہ وہ (بہتر ہے) اس خوبصورت مالدار اور آزاد (شرک والی) کافرہ (سے، گو) وہ (شرک والی) کافرہ حسن و جمال اور کثرت مال کی وجہ سے، (تمہیں اچھی لگے)۔۔۔یونہی ۔۔۔محتاط ہو جاؤ (اور اپنی لڑکیوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں) سچے دل سے مسلمان نہ ہو جائیں (اور) جان لو کہ (بلا شبہ مسلمان غلام بہتر ہے) خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مالدار نہ ہو (ہر مشرک سے گو وہ تمہیں) اپنے حسن و جمال اور مال و منال کی وجہ سے (اچھا لگے)۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرکہ عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو اسلئے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا۔ اگر چہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک شوہر یا بیوی متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو، تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسلام نے مسلمانوں اور سارے کافروں کے درمیان مناکحت کا معاملہ بالکل ہی منقطع کر دیا۔ ایمان کی سلامتی اور کفر کے خطرات سے بچنے کا یہی صاف اور سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میاں بیوی میں وہ کون ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانا نہ چاہتا ہو، تو شادی ہو جانے کی صورت میں (وہ) شرک وکفر والیاں اور شرک وکفر والے (لوگ) اپنی باتوں سے۔۔۔یا۔۔۔اپنی محبت میں اسیر کر کے۔۔۔یا۔۔۔اپنی صحبت و قربت کا اثر ڈال کر اس کفر وشرک کی طرف (بلائیں) گے، جو تم کو (جہنم کی طرف) لے جانے کا سبب ہوگا۔ اور جب تک تم ان کے پورے طور پر ہم خیال نہیں ہو جاؤ گے، اس وقت تک وہ لوگ

مختلف نرم۔۔۔یا۔۔۔گرم طور وطریقہ اپنا کرتم کو کافر بنانے کی جدو جہد کرتے رہیں گے، **(اور اللہ)** **تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی اور پھر اپنے اولیاء کے ذریعہ تم کو (بلائے)** اور بلاتار ہے گا اور ان **عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کی دعوت دے بھی رہا ہے اور دیتا بھی رہے گا، جو تمہیں (جنت اور بخشش کی** **طرف) لے جانے کے اسباب ہیں**، خود اسکے **(اپنے حکم)** ارادہ **(سے اور)** اپنی شان کریمی سے **(صاف صاف بیان فرمائے)** حلال وحرام کے احکام کو واضح کردینے والی **(اپنی آیتوں کو لوگوں) کے** فائدے **(کیلئے)** تا **(کہ اب)** تو وہ کچھ **(سبق لیں)** اور نصیحت وہدایت حاصل کریں۔

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا اور نکاح کے لوازمات میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے۔اب آگے کے ارشاد میں یہ وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا۔اور آگے یہ بھی ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جماع کا مقصد صرف قضائے شہوت ہی نہیں، بلکہ حصول اولاد بھی ہے،تو جس جگہ سے حصول اولاد ہوسکے وہاں تخم ریزی کرو یعنی عمل معکوس نہ کرو۔۔۔ہاں۔۔۔اس عمل تخم ریزی کیلئے کوئی بھی طریقہ اختیار کرسکتے ہو، چنانچہ ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ۔۔۔۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا

اور پوچھتے ہیں تم سے حیض کے بارے میں۔ کہہ دو وہ گندگی ہے،تو ہٹائے رکھو عورتوں کو ایام حیض میں، اور انکی

تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ

قربت نہ کرو یہاں تک کہ پاک ہوجائیں۔ پھر جب پاک ہوگئیں تو جاؤ انکے پاس اس مقام سے کہ حکم دیا تم کو اللہ نے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

بیشک اللہ محبوب بنالیتا ہے، بہت توبہ کرنے والوں اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرے رہنے والوں کو●

اے محبوب تیری خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے ہیں **(اور پوچھتے ہیں تم سے حیض کے بارے میں)** تو جواباً **(کہہ دو)** کہ **(وہ گندگی ہے تو ہٹائے رکھو عورتوں کو)** مگر ایسا بھی نہیں کہ یہودیوں کی طرح انکو گھر سے نکال دو، ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دو ان کا چہرہ تک دیکھنا گوارہ نہ کرو۔۔۔بلکہ۔۔۔ان سے دوری اور علیحدگی صرف اسی حد تک رکھو کہ **(ایام حیض میں)** ان سے صحبت **(اور)** جماع کیلئے **(انکی قربت نہ کرو)** اور یہ بھی کب تک اور کہاں تک **(یہاں تک کہ پاک ہوجائیں)**۔

۔۔۔الغرض۔۔۔وہ بھی نہ کرو جو یہودیوں نے کیا کہ ایام حیض میں عورتوں کو گھر سے نکال باہر کردیا اور نہ وہی کرو نصاریٰ نے جس کی عادت بنالی ہے کہ وہ حالت حیض میں بھی اپنی بیویوں سے ہم بستری نہیں چھوڑتے۔

۔۔۔بلکہ۔۔۔تم انکے پاک ہونے کا انتظار کرو (**پھر جب**) وہ (**پاک ہوگئیں تو**) صحبت کیلئے (**جاؤان کے پاس**) اوران سے ہم بستری کرومگر (**اُس مقام سے کہ**) جس مقام سے جماع کرنے کا (**حکم دیا**) ہے (**تم کو اللہ**) تعالیٰ (**نے**)، وہ صرف 'فرج' ہے تو اس کے سوا کسی اور جگہ اپنا تخم ضائع نہ کرواور جان لو کہ (**بے شک اللہ**) تعالیٰ (**محبوب بنالیتا ہے**) اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے محرمات اور ممنوعات شرعیہ سے، بکثرت اور (**بہت**) زیادہ (**توبہ کرنے والوں**) کو (**اور دوست رکھتا ہے**) پاکیزہ اور (**صاف ستھرے رہنے والوں کو**)۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَ

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت ہیں تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو، اور پیشگی بھلائی کرلو اپنے لئے۔ اور

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

اللہ کو ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک تم اس سے ملنے والے ہو۔ اور بشارت دے دو ایمان والوں کو●

اور جان لو کہ (**تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت**) کی طرح (**ہیں**) اور کھیتوں میں تخم ریزی غلہ واناج حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے اور جب وہ تمہارے کھیت کی طرح ہے (**تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو**) چت کرکے، پٹ کرکے۔۔۔یا۔۔۔گود میں اُٹھا کر۔۔۔یا۔۔۔جس آسن سے چاہو جبکہ تخم ریزی کی جگہ ایک ہی ہو، اور وہ اولاد پیدا کرنے کی جگہ ہو، بیج ضائع ہونے کا مقام نہ ہو۔

قربت سے پہلے ہی اپنے نفس کو حرام سے محفوظ رکھنے کا قصد کرلو، دل میں نیک اولاد کی خواہش رکھو۔۔۔الغرض۔۔۔اس عمل سے بھی تمہاری غرض رضائے الٰہی کا حصول اور حکم الٰہی کی تعمیل ہی ہو، پھر اس حسن نیت اور عزم وارادے کی پاکیزگی کے ذریعہ عمل قربت سے پہلے (**اور پیشگی**) ہی (**بھلائی**) حسن نیت کا ثواب جمع (**کرلو**)، (**اپنے لئے**) دین ودنیا کے فائدے کیلئے (**اور**) امر الٰہی کی مخالفت اور نہئ خداوند کے ارتکاب میں (**اللہ**) تعالیٰ (**کو ڈرو اور جان رکھو کہ**) تم جسکے عبادت گزار ہو، جسکی رضا کے طالب ہو (**بے شک تم اس سے**) اپنے جملہ اعمال کے ساتھ (**ملنے والے ہو**) اور اسکی بارگاہ میں

پیش ہونے والے ہو، اور اسکے فضل وکرم سے اسکا دیدار بھی کرنے والے ہو۔ تو اے محبوب سنادو (اور بشارت دے دو) بہشت اور دیدار الٰہی کی (ایمان والوں کو)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں، تمہاری کھیتیاں ہیں اور تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں آؤ، پھر فرمایا ایام حیض میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میں جماع کی ممانعت تھی۔ بعض لوگ از خود چار ماہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا کر اپنے آپ کو عورتوں سے روک لیتے تھے۔ اس خاص قسم کو 'ایلاء' کہتے ہیں۔ 'ایلاء' کا حکم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عام قسموں کا بھی حکم بیان فرمادیا۔ بعض لوگ نیکی، پرہیزگاری اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی نہ کرنے کی قسم کھا لیتے تھے، پھر اگر کوئی انکوٹوکتا کہ تم یہ کار خیر کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے کہ ہماری قسم ٹوٹ جائے گی، ہم نے ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ ایسوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا

اور نہ بناؤ قسم کھا کر اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف، احسان کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح

بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

کرانے میں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ●

لوگو سمجھ سے کام لو (اور نہ بناؤ) خدا کی (قسم کھا کر اللہ) تعالیٰ کے نام (کو اپنی قسموں کا ہدف) نشانہ، بہانہ، سند اور (احسان کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے) کی راہ (میں) رکاوٹ۔ اب اگر بالفرض تم نے کسی اچھے کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، تو صرف اسلئے کہ تم نے اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھالی ہے، اس کام کو نہ چھوڑو، بلکہ وہ نیک کام کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کردو اور دس مسکینوں کو کھانا کھلادو۔۔۔یا۔۔۔کپڑے دے دو، یا پھر تین روزے رکھ لو (اور) سن لو کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ تمہارے اقوال اور تمہاری قسموں کا (سننے والا) ہے اور تمہارے احوال اور تمہاری نیتوں کا (جاننے والا ہے)۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

نہیں گرفت فرماتا تمہاری اللہ تمہاری بے معنی قسم پر۔ لیکن ہاں گرفت فرماتا ہے اس قسم کی جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے۔

قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے●

اس کریم کا کرم تو دیکھو کہ (نہیں گرفت فرماتا تمہاری اللہ) تعالیٰ (تمہاری بے معنی قسم پر) ---مثلاً: تم نے کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھائی اور وہ جھوٹ نکلی---یا---قسم کا ارادہ کئے بغیر جلدی میں ---یا---عادتاً تکیہ کلام کے طور بے اختیارانہ طور پر زبان سے 'واللہ' کا لفظ نکل گیا، تو اس طرح کی لغو قسم کا کوئی کفارہ نہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ اس پر مواخذہ فرمائے گا۔ (لیکن ہاں گرفت فرماتا ہے اس قسم کی جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے) یعنی تمہارے دل نے جسکا ارادہ کیا ہو اور جس کے تعلق سے تمہاری زبان تمہارے دل سے متفق ہو۔ اس فضل الٰہی کو دیکھو (اور) شکر کرو کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے، جو اپنے بندوں کی انکی لغو قسم پر پکڑ نہیں کرتا اور (حلم والا ہے) جبھی تو قصداً جھوٹی قسم کھانے والوں کو سزا دینے اور ان کو عقوبت و وبال سے دوچار کرنے میں جلدی نہیں فرماتا اور موقع عطا فرماتا ہے کہ مجرم سچی اور کھری توبہ کر کے اپنے کو پاک وصاف کر لے۔

زمانہء جاہلیت میں دستور تھا کہ جس شخص کو اپنی بیوی کی طرف میلان نہ ہوتا اور وہ غیرت رکھتا کہ اُسے کیونکر چھوڑ دوں کہ وہ دوسرا شوہر کر لے، تو وہ شخص قسم کھالیتا کہ اتنے برس تک اسکے ساتھ نزدیکی نہ کرونگا اور پھر اتنی مدت اُسے مقید اور سرگرداں چھوڑ دیتا، وہ بیچاری عورت اُس مدت دراز تک نہ تو بیوہ شمار کی جاتی اور نہ ہی اپنے خاوند سے اپنے دل کی مراد پاتی۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ

انکے لیے جو قسم کھا جائیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کے بارے میں مہلت ہے چار مہینہ کی،

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

پس اگر انھوں نے رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

حق تعالیٰ نے یہ بات ناپسند فرمائی اور حکم کیا (ان کیلئے جو قسم کھا جائیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کے بارے میں) چنانچہ وہ اپنی عورتوں سے یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم میں تم سے مقاربت نہیں کرونگا ---یا--- یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کرونگا، تو ان کیلئے (مہلت ہے چار مہینے کی)، اگر وہ چاہیں تو اس مدت کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر کے اپنی قسم توڑ دیں اور اسکا کفارہ ادا کر دیں۔ اس صورت میں 'ایلاء' ساقط ہو جائیگا۔ اب اگر اس نے بے عذر چار مہینے کے اندر رجوع

نہیں کیا، جماع کر کے یا جماع کا وعدہ کر کے، تو اسکی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ (پس اگر انھوں نے رجوع کرلیا تو بے شک اللہ) تعالیٰ اس صورت میں قسم توڑنے والے کو (بخشنے والا) اور اس کی غلطی کو معاف فرمادینے والا ہے۔۔۔نیز۔۔۔قسم کے خلاف کرنے کو مباح قرار دیکر اور اسکا کفارہ مقرر فرما کر اس طرح کے قسم کھانے والوں پر (رحمت) اور مہربانی فرمانے (والا ہے)۔

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اور اگر پکا ارادہ کرلیا طلاق کا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور) اب (اگر) اس نے پہلے ہی سے (پکا ارادہ کرلیا) تھا (طلاق کا) اور اپنی اس سوچ اور اپنے ارادے کو برقرار و مستمر بھی رکھا (تو) وہ جان لے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ اس خاوند کے دل کی باتوں کو (سننے والا) ہے اور اس کے قصد وارادہ کا (جاننے والا ہے)۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر خاوند بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو اجازت نہیں کہ وہ وہاں سے اٹھے اور جھٹ سے دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچالے، جیسا کہ یہود کے یہاں قاعدہ تھا۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رہیں اپنے آپ کو تین ماہواری، اور حلال نہیں ہے اُن کو چھپانا

مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ

اُس کا کہ پیدا فرمادیا اللہ نے اُن کے رحم میں، اگر مانتی ہیں اللہ اور پچھلے دن کو۔ اور اُن کے شوہر زیادہ

أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ

حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر ارادہ کرلیا اصلاح کا۔ اور عورتوں کا حق اسی طرح ہے جس طرح ان پر حق ہے

بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

باضابطہ۔ اور مردوں کو اُن پر بڑائی ہے۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

حق تعالیٰ بہ عجلت دوسرا نکاح کرلینے سے روکتا ہے (اور) فرماتا ہے کہ (طلاق دی ہوئی عورتیں) صبر سے کام لیں، دوسرا نکاح کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں۔۔۔بلکہ۔۔۔(روکیں رہیں

اپنے آپ کو تین ماہواری) مکمل تین حیض گزر جانے تک۔ یہ مدت ان عورتوں کیلئے ہے جو جوان ہوں، ان سے جماع کیا گیا ہو، اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ اس مقام پر مطلقہ عورتیں سن لیں (اور) جان لیں کہ (حلال نہیں ہے ان کو چھپانا اسکا) جو (کہ پیدا فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے ان کے رحم میں)۔

---الغرض--- حاملہ ہونے کی صورت میں اپنا حمل ---یا--- حائضہ ہونے کی صورت میں اپنا حیض ظاہر نہ کرنا اور انکو چھپالینا ان کیلئے حرام ہے۔ چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حاملہ ---یا--- حائضہ نہیں ہوں، حالانکہ وہ حاملہ ---یا--- حائضہ ہو۔ یہ چھپانے والی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ عورت چاہے کہ وہ جلد ہی اپنے شوہر سے گلوخلاصی کرلے۔ اسلئے وہ حمل کو چھپاتی ہے تاکہ طلاق کے بعد وضع حمل کا انتظار نہ کرنا پڑے اور بسااوقات اسی خوف سے حمل گر بھی جاتا ہے ---یا--- حمل اسلئے چھپاتی ہے تاکہ اسکا شوہر بچے کی لالچ میں از راہ شفقت رجوع نہ کرلے اور اس طرح عورت کی تمنا پوری نہ ہو---یونہی--- وہ حیض اسلئے چھپاتی ہے تاکہ اسے دوسری طلاق جلد حاصل ہو، اسلئے کہ طلاق السنۃ کا قاعدہ ہے وہ طہر میں واقع ہوگئی ہے۔

چونکہ ایسے معاملات میں عورت کا قول معتبر ہے، اثبات ہو---یا--- نفی۔ تو عورتوں پر لازم ہے، اسکو پردۂ خفا میں نہ رکھیں بلکہ ظاہر کریں (اگر مانتی ہیں اللہ) تعالیٰ کو (اور پچھلے دن) یعنی یوم آخرت (کو)۔

---الغرض--- اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والی عورتیں مذکورہ بالا غلطی کا ارتکاب نہیں کرسکتیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عدت کی مدت میں بیوی نکاح سے باہر نہیں ہوتی تو اسکا شوہر، شوہر ہی رہتا ہے (اور) بااختیار بھی، چنانچہ (ان کے شوہر زیادہ) پورا (حق رکھتے ہیں) رجوع کرکے (انکے لوٹا لینے کا) عدت کی (اس مدت میں اگر ارادہ کرلیا) انکی (اصلاح کا) یعنی انکی خیر خواہی اور ان کی حالت سدھارنے کا۔

گو اس نیت کے بغیر بھی رجعت ہوسکتی ہے، مگر اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ اصلاحی نقطۂ نظر کو اپنے دوسرے نامناسب خیالات پر غالب رکھیں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے سے مقصود صرف اصلاح ہو، نہ کہ عورتوں کو ضرر دینا، تو اب یہ واضح فرمادینا چاہتا ہے کہ مرد وعورت کے ایک دوسرے پر

حقوق کیا ہیں؟ اگرچہ دونوں کے حقوق کی نوعیت الگ الگ ہے، لیکن دونوں کو اپنے اپنے حقوق کے مطالبے کا استحقاق ہے۔ بس اسی مطالبہ، حقوق کے استحقاق میں دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جس طرح مردوں کو یہ حق ہے کہ وہ عورتوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔۔۔ بالکل اسی طرح۔۔۔ عورتوں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ مردوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔

سن لو (اور) یاد رکھو کہ اسلام میں مردوں پر (**عورتوں کا حق اسی طرح ہے جس طرح**) خود مردوں کا (**ان پر حق ہے باضابطہ**) دستور کے مطابق۔

لہٰذا مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔ ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ ہر فریق اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے۔ بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور ہر ایک، ایک دوسرے کیلئے بن سنور کر رہے۔ ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

(**اور**) اگرچہ صاحب حق ہونے میں دونوں یکساں ہیں اور ایک طرح ہیں لیکن (**مردوں کو**) اپنی (ان) بیویوں (پر) رب کریم کی عطا کردہ ایک خاص طرح کی فضیلت اور (**بڑائی ہے**) مثلاً:

﴿۱﴾۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا فرمائی ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیباً مار سکتا ہے۔

﴿۵﴾۔۔۔ عورت کو اسکا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اسکی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اسکے مال کی بھی حفاظت کرے۔

غرضیکہ جسمانی قوتیں، کھانے پینے، رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

(**اور**) یہ سب کچھ اس خدائے قدیر کی طرف سے ہے جس کو یہ سب کچھ کرنے کا اختیار ہے

اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ (اللہ) تعالیٰ بڑے ہی (غلبہ والا) اور بڑی ہی عزت والا ہے، جو مردوں کو عورتوں پر غالب کرتا ہے اور بزرگی دیتا ہے اور وہی بڑی (حکمت والا ہے) جو بڑی حکمت کے ساتھ بندوں پر خود انکی صلاح وفلاح کے احکام نازل فرماتا ہے۔ ایسے حکیم کے احکام پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ

طلاقِ رجعی دو بار ہے، پھر خوبی کے ساتھ روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا اور نہیں حلال ہے تمہیں

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ

یہ کہ لے لو جو دے چکے ہو انہیں کچھ، مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ نہ پابندی کر سکیں گے اللہ کے قوانین کی تو اگر تمہیں ڈر لگے

خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ

کہ نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کے حدود کو، تو ان پر کچھ الزام نہیں اس میں جو عورت نے اپنے چھٹکارے کیلئے دیا۔ یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اللہ کے حدود ہیں تو ان سے نہ بڑھو، اور جو بڑھے اللہ کے حدود سے تو وہی ظالم ہیں ●

جان لو کہ (طلاق رجعی) جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے (دو بار ہے) جسکا مسنون طریقہ یہی ہے کہ ان کو ایک ہی 'طہر' میں جمع نہ کیا جائے، بلکہ الگ الگ دو دفع میں دیا جائے۔ پہلی طلاق کے بعد، عدت کی مدت میں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اسکے بعد والی دوسری طلاق کے بعد بھی عدت کے اندر رجعت کی جا سکتی ہے۔

---الغرض---ان دو طلاقوں میں عدت کے اندر بیوی نکاح سے نہیں نکلتی، لہٰذا ان دونوں صورت میں بغیر نکاح کے رجوع کیا جا سکتا ہے، تو پھر بہتر صورت جس میں کوئی گناہ نہ ہو یہی ہے کہ شوہر احسن---یا---حسن طریقے پر الگ الگ دو دفعہ میں طلاق دے۔ اب اگر وہ عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے۔

تو (پھر خوبی کے ساتھ) رجعت کر کے (روک لینا) نکاح سے نہ نکلنے دینا اس کے اختیار میں (ہے)۔ رجعت اذیت پہنچانے کی نیت سے نہ ہو بلکہ تعلقات خوش گوار بنانے کیلئے ہو۔

---الغرض---عدت کی مدت میں بغیر نکاح رجعت صرف مذکورہ بالا دو طلاقوں کے

بعد ہوسکتی ہے۔

ان دوطلاقوں کے بعد یا تو بہ حسن وخوبی رجوع کرلینا چاہئے (یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا) چاہئے، تاکہ اس کی عدت گزر جائے اوراس کے بعد اگر چاہے تو تازہ نکاح کرلے۔ اب اگر اس نے دوطلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دی، تو اب وہ عورت اس کے نکاح سے ایسا نکل جائیگی کہ بغیر 'حلالہ شرعی' کئے اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

(اورنہیں حلال ہے تمہیں) اے شوہروں۔۔۔یا۔۔۔فریقین کے درمیان لین دین کا فیصلہ کرسکنے والے حاکموں، (یہ کہ لےلو جو دے چکے ہوانہیں کچھ) مہر وغیرہ دوسرے عطیات۔ (مگر یہ کہ) ایسی صورت میں کہ زن وشوہر (دونوں ڈریں کہ نہ پابندی کرسکیں گے اللہ) تعالیٰ (کے قوانین کی)۔ یعنی حقوق زوجیت، کی رعایت نہ کرسکیں گے (تو اگر) ان کے ظاہری حالات، قرائن اور طرز روش کو دیکھ کر (تمہیں ڈر لگے) اے حاکمو! فیصلہ کرنے والو! (کہ) زوجین (نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کے حدود کو) یعنی ان حقوق کو جو نکاح کی وجہ سے ان پر مقرر ہوئے ہیں (تو ان پر کچھ الزام نہیں اس میں جو عورت نے اپنے چھٹکارے کیلئے دیا) خواہ وہ مہر ہو یا کوئی دوسری جائداد وغیرہ، اور پھر اسکے عوض میں طلاق چاہے، تو چونکہ زیادتی عورت کی طرف سے ہے اور طلاق وہ خود چاہ رہی ہے، تو اسکا مال لیکر طلاق دینے میں شوہر پر کوئی گناہ نہیں۔

ایسے ہی مال دیکر بذریعہ 'خلع' طلاق حاصل کرلینے کی عورت کو بھی اجازت ہے، لہٰذا اپنے اس عمل سے وہ بھی، گنہگار نہیں ہوئی۔ اور اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اسے جائز نہیں کہ وہ عورت سے مال لیکر طلاق دے۔ اور جان لو کہ (یہ) یعنی نکاح، یمین، ایلاء، طلاق اور خلع وغیرہ سے متعلق خداوندی اوامر ونواہی (اللہ) تعالیٰ (کے حدود ہیں تو) ان کی مخالفت کرکے ان احکام کو چھوڑ کر (ان) حدود (سے) آگے (نہ بڑھو) اوران سے تجاوز نہ کرو (اور جو بڑھے) اور جس نے تجاوز کیا (اللہ) تعالیٰ (کے حدود سے تو وہی) خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والے (ظالم ہیں)۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ

پس اگر آخری طلاق دے دی دو بار کی مطلقہ کو تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کیلئے یہاں تک کہ وہ نکاح کر چکیں دوسرے شوہر سے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا

پھر اگر دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو اب ان پر کوئی حرج نہیں کہ باہم مل جائیں، اگر دونوں نے طے کرلیا ہو کہ قائم رکھیں گے

حُدُودَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

اللہ کے حدود کو، یہ ہیں اللہ کے حدود، بیان فرماتا ہے ان کو اُس قوم کیلئے جو دانا ہیں●

(پس اگر آخری طلاق دے دی، دوبار کی مطلقہ کو، تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کیلئے یہاں تک کہ ذائقہء نکاح چکھیں) نکاح کے بعد ہم بستری کر کے طلاق دہندہ کے سوا کسی (دوسرے) بعد عقد ہو جانے والے (شوہر سے **پھر اگر**) ہم بستری کر لینے کے بعد (دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو) عورت کی عدت کی مدت گزر جانے کے بعد (اب ان پر کوئی حرج نہیں کہ) نکاح کر کے (باہم مل جائیں)۔

تیسری طلاق کے بعد 'حلالہ' کے بغیر پہلے شوہر کی طرف واپس نہ ہو سکنے کا قانون بڑا ہی حکیمانہ قانون ہے۔ اس سے ایک طرف طلاق دینے والے کی سرزنش ہوتی ہے کہ اس نے طلاق کے تعلق سے شرعی ہدایت کا پاس ولحاظ نہیں کیا، تو اس کے بعد کے سارے حالات کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اور دوسری طرف یہ قانون بے سمجھے بوجھے عجلت میں طلاق دے دینے کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بھی ہے، اسلئے کہ عام طور پر کسی شوہر کی غیرت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ، اس بیوی کے ساتھ جو اس کے نکاح سے نکل گئی تھی اور وہ پھر اسے اپنے ہی نکاح میں لانا چاہتا ہے، کوئی دوسرا ہم بستری کرے۔

مذکورہ بالا باہم مل جانے میں کوئی مضائقہ نہیں (اگر دونوں نے) اپنے طور پر آپس میں (طے کرلیا ہو کہ قائم رکھیں گے اللہ) تعالیٰ (کے حدود کو) احکام الٰہی کو اور دونوں ایک دوسرے کا حق پہچانیں گے اور جان لو کہ یہ جو کہا گیا حرام کر دینا، حلال کر دینا۔ تو (یہ ہیں اللہ) تعالیٰ (کے حدود)۔ حق تعالیٰ کے احکام کے اندازے اور متعینہ سرحدیں (بیان فرماتا ہے ان کو اس قوم کیلئے جو دانا ہیں) اور جانتے ہیں کہ یہ احکام حق تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور پھر ان پر ایمان لاتے ہیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ

اور جب تم نے طلاق دے دی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت کی مدت تک آپہنچیں تو ختم مدت سے پہلے انکو عمدہ طریقہ سے روک لو یا مہربانی سے انکو

بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

چھوڑ دو، اوران کو نہ روکو ستانے کو کہ حد سے بڑھ جاؤ۔ اور جو یہ کرے تو بے شک اپنے او پر ظلم کیا۔

نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور نہ بناؤ اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا۔ اور ذکر کرو اللہ کی نعمت کا اپنے اوپر،

وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ

اور جو اتارا تم پر کتاب اور حکمت، نصیحت فرماتا ہے تمہاری اس سے،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور ڈرو اللہ کو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے●

(اور) اس مقام پر یہ بھی ذہن نشیں کرلو کہ (جب تم نے طلاق دے دی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت کی مدت تک آ پہنچیں تو ختم مدت سے پہلے) رجوع کر کے بھلائی کے ارادے سے، نہ کہ اذیت پہنچانے کیلئے، (ان کو عمدہ طریقہ سے روک لو یا مہربانی سے ان کو چھوڑ دو) تا کہ ان کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اپنی ذات کی مالک ہو جائیں۔ ایسا ہرگز نہ کرو کہ عدت کی مدت ختم ہونے میں چند دن باقی ہوں تو رجوع کرلو، پھر طلاق دے دو، پھر عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلو، اسکے بعد پھر طلاق دے دو۔

ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار صرف عورت کو اذیت پہنچانے کیلئے ہے، تو ایسا نہ کرو (اوران کو نہ روکو ستانے کو) کیوں (کہ) جب تم ایسا کرو گے تو تم اپنی اس (حد سے بڑھ جاؤ) گے، جو شریعت اسلامیہ نے تمہارے لئے بنادی ہے، جس سے تجاوز کر جانا تمہارے لئے جائز نہیں، تو اس حکم الٰہی کا خیال رکھو (اور) جان لو (جو) کوئی (یہ کرے) گا اور کسی مسلمان کو ضرر پہنچائیگا (تو) اس نے در حقیقت (بے شک اپنے اوپر ظلم کیا) اور اپنی جان کو خدا کے غضب میں ڈال دیا۔ کیونکہ عورتوں کو ایذاء پہنچانے والا صاحب شریعت کے نزدیک ملعون ہے۔ آزار پہنچانا اور ایذاء دینا جسکا شیوہ اور پیشہ ہوتا ہے وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

اب آگے ان لوگوں کی تنبیہ کی جارہی ہے جو نکاح وطلاق کے احکام کو ہلکا اور نا قابل التفات سمجھتے تھے اور کہتے تھے ہم تو ہنسی اور کھیل کرتے تھے۔

ع ۱۴
منزل ۱

لوگو سمجھ سے کام لو (اور نہ بناؤ اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو ٹھٹھا) یعنی احکام الٰہیہ کا، ان کا انکار کر کے۔۔۔یا۔۔۔ان پر عمل نہ کر کے۔۔۔یا۔۔۔عمل میں سستی برت کر، مذاق نہ بناؤ (اور ذکر کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کا) جو تمہارے (اپنے اوپر) نازل فرمائی گئی ہے،

خصوصاً نکاح کرنے کے باب میں، اس واسطے کہ اگلی امتوں کی شریعت میں پیغمبروں کے سوا کسی کیلئے ایک عورت سے زیادہ نکاح میں رکھنا درست نہ تھا، جبکہ یہاں چار آزاد عورتیں تک ایک آدمی کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔۔۔یونہی۔۔۔اگلی امتوں میں طلاق کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں تھا، اس کے برخلاف یہاں درست ہے۔ ایسے ہی۔۔۔جب تک طلاق دی ہوئی عورت زندہ رہتی، مرد کو اس کے سوا دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال نہ تھا اور اس شریعت میں حلال ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔تم کو رب کریم نے دینی اور دنیوی سعادتوں کو حاصل کرنے کیلئے جس رستے پر چلنے کی ہدایت دی ہے اور جن جن انعامات واکرامات سے نوازا ہے ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور انکے حقوق ادا کرو (اور) خاص کر کے ذکر کرو اس عظیم نعمت کا حق تعالیٰ نے (جو اتارا) ہے (تم پر) تمہاری ہدایت اور تمہارے دین و دنیا کی صلاح وفلاح کیلئے عظیم المرتبت (کتاب) یعنی قرآن کریم (اور حکمت) یعنی سنت رسول اور (نصیحت فرماتا ہے تمہاری) اپنی طرف سے نازل کردہ (اس) کتاب و سنت (سے)، تو تم پر لازم ہے (اور) ضروری ہے کہ (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اس کے حقوق کی محافظت اور اسکے حقوق واجبہ کی ادائیگی کر کے (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس سے کوئی شے مخفی نہیں جو تم عمل میں لاتے ہو۔۔۔یا۔۔۔چھوڑتے ہو۔

ایسی صورت میں لازم ہے کہ ہر شخص کتاب وسنت کی حکمرانی کو دل و جان سے قبول کرلے اور اپنی انا کی تسکین کیلئے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ عہد رسالت میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ بیوی کی عدت کی مدت بھی گزر گئی، پھر سابق شوہر اور سابقہ بیوی دونوں کی خواہش ہوئی کہ دونوں آپس میں نکاح کرلیں لیکن بیوی کے بھائی اسکے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے۔۔۔یونہی۔۔۔عہد رسالت میں ایسا بھی ہوتا تھا، ایک شخص طلاق دینے کے بعد یہ بھی کوشش کرتا تھا کہ اس کی مطلقہ کے ساتھ کوئی شادی نہ کر سکے۔ چونکہ مذکورہ بالا حالات میں دوسرے نکاح سے روکنا ایک اذیت پہنچانے والی ظالمانہ روش تھی، اسلئے شوہروں اور عورتوں کے ولیوں کو ہدایت کی گئی۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب طلاق دیدی تم نے عورتوں کو پھر انھوں نے پوری کر لی اپنی مدتِ عدت کو، تو تم ان کو نہ روکو اس سے کہ نکاح کر لیں

اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اپنے چنے ہوئے شوہروں سے جبکہ باہم رضامند ہو گئے باقاعدہ۔ یہ نصیحت دی جاتی ہے اس کو جو تم میں سے مانے اللہ کو

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور پچھلے دن کو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاک وصاف ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ●

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ اے سابق شوہرو! (جب) ایک ۔۔۔یا۔۔۔دو (طلاق دیدی تم نے) اپنی (**عورتوں کو پھر انھوں نے پوری کر لی اپنی مدت عدت کو، تو تم**) اے اس مطلقہ کو دوسرے نکاح سے روکنے کی خواہش رکھنے والو خواہ تم اسکے سابقہ شوہر ہو۔۔۔یا۔۔۔اس کے ولی (**ان**) اپنا دوسرا نکاح کرنے کی خواہش رکھنے والیوں (**کو نہ روکو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے چنے ہوئے شوہروں سے**) خواہ وہ اسکا سابق شوہر ہو یا کوئی اور (**جبکہ**) وہ ہونے والے میاں بیوی (**باہم رضامند ہو گئے باقاعدہ**) دستور شرع کے مطابق۔ (**یہ**) منع کرنے اور باز رکھنے کی ممانعت جو ہم نے کی ہے اس طرح کی (**نصیحت دی جاتی ہے، اسکو جو**) بوجہ خلوص (**تم میں سے مانے اللہ**) تعالیٰ (**کو اور پچھلے دن**) قیامت (**کو**) جس دن سب کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے۔ (**یہ**) تمہارا نصیحت مان لینا یا ممانعت اور رنج پہنچانے سے باز آنا (**تمہارے لئے زیادہ پاک وصاف ہے**) اپنی مکمل رضامندی سے پہلے ہی شوہر کی طرف پلٹ آنا، جو پہلے ہی سے دیکھا بھالا ہے، نہایت مناسب طرزِ عمل ہے۔۔۔بایں ہمہ۔۔۔ کسی دوسرے سے بھی نکاح کر لینا حرام کے خیال اور فسق فجور کی فکر سے بدرجہا بہتر ہے اور صاف ستھرا عمل ہے (**اور اللہ**) تعالیٰ اس عمل کی صفائی اور اسکی پاکیزگی اور زوجین کی دلی کیفیات کو خوب (**جانتا ہے اور**) ان باتوں کی نزاکتوں کو (**تم نہیں جانتے**)۔

یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اسکی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا۔ اسلئے ضروری تھا کہ پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرما دیا جائے، لہٰذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو برس کامل اسکے لیے جس نے طے کرلیا دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کو۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

اور جس باپ کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا کپڑا ہے حسب دستور۔ نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی مگر اس کی سکت بھر۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ

نہ ستائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے اور نہ باپ اپنی اولاد کی وجہ سے۔ اور باپ کے وارث پر اسی طرح واجب ہے

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ

پس اگر ماں باپ نے طے کرلیا دودھ چھڑانے کو باہمی خوشی اور مشورہ سے، تو دونوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر تم نے چاہا

اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

کہ دائی سے دودھ پلواؤ اپنے بچوں کو، تو تم پر کوئی الزام نہیں، جب کہ دے دیا ہو تم نے جو کچھ ٹھہرالیا تھا باقاعدہ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور ڈرو اللہ کو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے ●

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ (مائیں) خواہ مطلقہ ہوں۔۔۔یا۔۔۔نہ ہوں (دودھ پلائیں اپنی اولاد کو) اور یہ دودھ پلانا مندرجہ ذیل صورتوں میں ان پر واجب ہے۔

﴿۱﴾۔۔۔باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت واستطاعت نہ ہو۔

﴿۲﴾۔۔۔کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے۔

﴿۳﴾۔۔۔بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ قبول نہ کرے۔

۔۔۔ہاں۔۔۔اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچے کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو، تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے (دو برس کامل)، ایسا نہ ہو کہ ایک برس تو پورا ہو لیکن دوسرے سال کا کچھ حصہ ہو۔۔۔الغرض۔۔۔مکمل دو برس ہونا چاہئے۔

یہاں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مدت رضاع یعنی دو سال تک باپ پر دودھ پلانے کی مزدوری دینا ضروری ہے، یہاں تک کہ اسکے بعد باپ کو مزدوری دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ مکمل دوسال دودھ پلانا (اس کیلئے) ہے (جس نے طے کرلیا دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کو)۔ یہ بھی خیال رہے کہ (اور) اس پر پورا دھیان رہے کہ یہ شیر خوار بچہ (جس باپ کا بچہ ہے اس) باپ پر یعنی اس کے والد (پر) دودھ پلانے والی (عورتوں کا کھانا) اور (کپڑا ہے) جو (حسب دستور) انصاف واعتدال کا تقاضہ پورا کرتا ہو اور اس کی طاقت واستطاعت کے مطابق ہو۔ اسلئے کہ (نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی مگر اسکی سکت بھر)۔

اسکا ہمیشہ خیال رہے کہ (نہ ستائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے) بایں طور کہ دودھ پیتے بچے کو جبراً اس سے لے لیا جائے اور اس کے باپ کو دیدیا جائے۔۔۔یا۔۔۔دودھ پلانے کے واسطے اس پر جبر کیا جائے۔۔۔یا۔۔۔ یہ کہ اگر وہ بخوشی دودھ پلانے پر راضی ہو جائے تو مرد اسے کھانا کپڑا دینے سے انکار کردے۔۔۔یونہی۔۔۔نہ ستایا جائے (اور نہ) ہی پریشان کیا جائے (باپ اپنی اولاد کی وجہ سے) کہ عورتیں کھانے کپڑے کے سوا بھی اس سے کچھ اور مانگنے لگیں (اور باپ کے وارث پر اسی طرح واجب ہے) یعنی بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی عورت کا نان ونفقہ اور لباس وخوراک کا خرچہ جتنا واجب ہے اب اس کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ادا کرے۔

(پس اگر ماں باپ نے طے کرلیا دودھ چھڑانے کو باہمی خوشی اور مشورہ سے) ان میں سے صرف ایک کی رضا کافی نہیں، اسلئے کہ ممکن ہے کہ دودھ چھڑانے سے بچہ کو تکلیف دینا مطلوب ہو ۔۔۔مثلاً: عورت دودھ پلانے سے تھک گئی ہو۔۔۔یا۔۔۔مرد خرچ دینے سے بخل کرتا ہے بسا اوقات قبل از وقت دودھ چھڑانے سے بچے کو جسمانی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے۔۔۔لہٰذا۔۔۔دونوں میاں بیوی جو طے کریں، وہ سارے احوال کے مطابق پورے طور پر تفتیش وتشخیص کے بعد طے کریں اور پھر اس پر دونوں متفق ہو جائیں۔ اس کام کیلئے باپ کی رضا اسلئے ضروری ہے کہ وہ بچے کا ولی ہے اور ماں کی رضا اسلئے ضروری کہ وہ بچہ پر زیادہ شفقت رکھتی ہے اور اسکے حال کو بہت اچھا جانتی ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔ جب دونوں ہی دودھ چھڑانے پر راضی ہوں، جبکہ دونوں کی رائے اس مسئلہ میں متفق ہوگئی ہو اور دونوں نے سوچ بچار کے بعد طے کرلیا ہو کہ بچے کی بہتری دودھ چھڑانے ہی میں ہے (تو دونوں پر) دودھ چھڑا دینے کی وجہ سے (کوئی الزام نہیں)۔ انھوں نے جو کیا وہ کوئی گناہ نہیں، اس میں کسی طرح کا جرم نہیں۔

اے بچوں کے باپ! اور وہ لوگو جو دودھ پلوانے کے محتاج ہو، غور سے سنو (اور) یادرکھو کہ (اگر تم نے چاہا کہ دائی سے دودھ پلواؤ اپنے بچوں کو تو تم پر کوئی الزام نہیں) اسلئے کہ باپ کو حق پہنچتا ہے کہ غیر عورت کو دودھ پلانے کو کہے اور بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روک دے، خواہ اس ماں کو دودھ پلانے سے کوئی امر مانع ہو۔۔۔یا۔۔۔نہ ہو، مگر یہ اس وقت (جبکہ دے دیا ہو) یعنی دینے کا پکا ارادہ کرلیا ہو (تم نے) بطور عطیہ (جو کچھ) بغیر تنگی وترشی کے، بلکہ اپنی رضا اور خوشی سے (ٹھہرالیا تھا) اور آپس میں طے کرلیا تھا (باقاعدہ) بھلائی اور حسن سلوک کے نقطہء نظر سے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔انہیں ایسی چیز دو جو شرعاً وعرفاً ان کیلئے اچھی اور مستحسن ہو۔اسکی شکل یہ ہے کہ حلال کمائی سے دودھ پلانے والی کو مزدوری دیجائے اسلئے کہ دودھ پلانے والی اگر حلال کا رزق کھائیگی تو بچے کو نفع ہوگا اور اس کی تربیت کیلئے زیادہ مفید ہوگا، کیونکہ فطرت کا تقاضہ ہے جو بچہ کسی عورت کا دودھ پیتا ہے، تو اسکے اخلاق کا اثر اس بچے پر پڑتا ہے۔اچھے اخلاق ہوں۔۔۔یا۔۔۔برے۔اسلئے کہا گیا ہے کہ بچے کو ایسی عورت کا دودھ پلانا چاہئے جو اچھے اخلاق وصلاحیت کی مالک ہو۔اسلئے کہ بیوقوف اور غلط کار عورت کا دودھ بچے کے اخلاق پر برا اثر ڈالتا ہے، جسکا ظہور کسی نہ کسی وقت ضرور ہوگا۔

اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ یہ عطیہ دودھ پلانے کیلئے شرط نہیں ہے۔۔۔بایں ہمہ ۔۔۔دائیوں کو دودھ پلانے کے عوض کچھ دے دینا نہایت مناسب ومستحسن ہے، اسلئے کہ دودھ پلانے کی مزدوری۔۔۔یا۔۔۔عطیہ اگر عورتوں کو نقد اور دست بدست دیدیا جائے تو بچوں کو دودھ پلانے میں انہیں آسانی ہوگی اور بچوں کی اصلاح وتربیت احسن طریقے سے ہوگی۔

تو لوگو! مذکورہ احکام کی رعایت کرتے رہو (اور) بچوں کے دودھ پلانے اور دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارے میں۔۔۔نیز۔۔۔مزدوروں کی مزدوری دبا لینے کے تعلق سے (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو)۔خدا کو ناراض کردینے والے اعمال سے اپنے کو بچاؤ (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے) کہ تم بچے کو دودھ پلوانے، دودھ چھڑانے اور دائی رکھنے کے تعلق سے کس طرح کا طرز عمل اپناتے ہو۔اور ظاہر ہے کہ تم جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت کا ذکر فرمایا تھا اور اب بیوہ کی عدت کا ذکر فرمارہا ہے۔وہ مدت جس میں عورت شوہر کے گھر میں بغیر نکاح کے ٹھہری

رہے اور بغیر عذر شرعی کے، گھر سے باہر نہ نکلے تاکہ اس کے رحم کا استبراء ہو جائے اور اس بات کی جانچ ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔۔۔یا۔۔۔شوہر کی موت پر سوگ ہو، مطلقہ کیلئے یہ مدت تین حیض ہے اور بیوہ کیلئے یہ مدت چار ماہ دس دن ہے اور جو عورت حاملہ ہو اسکی عدت وضع حمل ہے، خواہ شوہر کی موت کے ایک ساعت بعد وضع حمل ہو جائے۔ عدت وفات میں 'مدخول بہا' اور 'غیر مدخول بہا' کا کوئی فرق نہیں۔ چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے اور کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جن کو وفات دی جائے تم میں سے اور وہ چھوڑیں بیبیاں، تو عورتیں اپنے کو روک رکھیں چار مہینہ

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

دس دن۔ پس جب پوری کر لی اپنی مدت عدت کو تو تم پر کچھ حرج نہیں اس میں جو وہ کر گزری ہوں اپنے بارے میں۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

قانون کے موافق۔ اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرو●

۔۔۔الغرض۔۔۔جن لوگوں نے اپنی عمر کی مدت پوری کر لی (اور جن کو وفات دی جائے تم میں سے اور وہ چھوڑیں بیویاں تو) انکی وہ (عورتیں اپنے کو روک رکھیں) عقد ثانی سے (چار مہینہ دس دن) بشرطیکہ وہ عورتیں حاملہ نہ ہوں اور لونڈی نہ ہوں، اسلئے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور لونڈی کی عدت دو مہینے پانچ دن ہے۔ (پس جب پوری کر لی) بیوہ عورتوں نے (اپنی مدت عدت کو، تو تم پر) اے مسلمانو!۔۔۔یا۔۔۔اے وارثو اور عورتوں کی ولیو! (کچھ حرج نہیں اس میں جو وہ) کر گزری ہوں (اپنے بارے میں) اپنا شوہر کر کے باقاعدہ عادل گواہوں کی موجودگی میں، ایجاب وقبول کے ساتھ شرعی (قانون کے موافق)۔۔۔یا۔۔۔مثال کی طور پر نکاح کی غرض سے زیب وزینت اور نکاح کے طالبین سے میل جول، اس طرح وہ امور جو عدت کے دوران حرام ہیں۔ اے مردو! اور عورتو! سن لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے اس سے جو تم کرو)۔

تو اے اطاعت کرنے والے جب تم نے جان لیا ہے کہ خدا تیرے کام کو جانتا ہے تو غم نہ کر اس واسطے کہ وہ جزاء خیر تم کو دیگا۔ اور اے گناہ کرنے والے تو بھی سن لے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ خدا تیرے گناہ سے واقف اور خبردار ہے تو گناہ کرنا چھوڑ دے تا کہ رب تعالیٰ تجھے عذاب سے رہائی دے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ

اور تم پر کچھ الزام نہیں اس میں کہ پردہ پردہ میں عورتوں کی منگنی کا تم نے پیغام دیا، یا تم نے خواہش نکاح کو اپنے دل میں چھپالیا،

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا

اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم عورتوں کو یاد کرو گے، لیکن ہاں نہ وعدہ کرنا ان سے خفیہ مگر یہ کہ بات چیت کرو

قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ

ایسی جو قاعدہ کی ہو، اور نہ عزم کرو عقد نکاح کا، یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت مقررہ اپنی مدت کو اور جان رکھو

اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے اندر ہے، تو اس کو ڈرو۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے●

اس مقام پر اے عدت والی عورتوں سے نکاح کی رغبت کرنے والو! تم سن لو (اور) سمجھ لو کہ (تم پر کچھ الزام نہیں) گناہ نہیں (اس میں کہ پردہ پردہ میں) یعنی اشارہ وکنایہ میں عدت والی (عورتوں کی منگنی کا تم نے پیغام دیا یا تم نے خواہش نکاح کو اپنے دل میں چھپالیا) مگر (اللہ) تعالیٰ (کو) بخوبی (معلوم ہے کہ بے شک تم) ان (عورتوں کو) لامحالہ (یاد کرو گے)، اس رغبت کی وجہ سے جو تمہیں ان کی ذات سے ہے۔۔۔الغرض۔۔۔بات کرنے سے باز نہ آؤ گے تو خیر تم انکا ذکر کرو (لیکن ہاں نہ وعدہ کرنا ان سے خفیہ) ایسے کام کا جو چھپاتے ہو، یعنی ان سے مباشرت وکثرت مجامعت کا وعدہ نہ کرو (مگر یہ کہ) شریعت کے موافق ان سے (بات چیت کرو ایسی جو قاعدہ کی ہو) شریعت کے خلاف نہ ہو، وہ بھی اشارۃً وکنایتاً نہ کہ صراحتاً۔ ان سے اس طرح کی گفتگو کر سکتے ہو۔۔۔مثلاً: تو بے شوہر نہ رہے گی۔۔۔یا۔۔۔مجھے تجھ جیسی جورو چاہئے۔۔۔یا۔۔۔جب تیری عدت گزر جائے تو مجھے خبر کرنا۔ ۔۔۔الختصر۔۔۔نکاح کا صاف صاف پیام دینے سے احتراز لازم ہے مگر اس میں کچھ گناہ نہیں

کہ اشارۃً نکاح کی بات کہیں (اور) اچھی طرح یاد رکھو (نہ عزم کرو) یعنی ایسا پختہ ارادہ نہ کرو جس میں جانب مخالف کی بالکل گنجائش ہی نہ ہو۔ (**عقد نکاح کا**) اور وہ بھی (**یہاں تک کہ پہنچ جائے**) کتاب الٰہی کی طرف سے فرض کی ہوئی (**عدت مقررہ اپنی**) آخری (**مدت کو اور**) (**جان رکھو کہ بے شک اللہ**) تعالٰی (**جانتا ہے جو کچھ تمہارے**) دلوں کے (**اندر ہے**) یعنی ایسے کام کا ارادہ جو جائز نہیں (**تو اس کو ڈرو**) اور اس کے عذاب وعقاب سے اپنے کو بچاؤ (**اور جان رکھو کہ بے شک اللہ**) تعالٰی (**بخشنے والا**) ہے، اسے جو اس کے عذاب سے ڈرے۔ اور (**حلم والا ہے**) اسلئے عذاب کی جلدی نہیں فرماتا۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ

نہیں ہے کوئی مہر کی ذمہ داری تم پر اگر تم نے طلاق دیدی اس عورت کو جس کو چھوا بھی نہیں اور کوئی مہر مقرر نہیں کیا،

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ

اور انھیں برتنے کو کچھ دے دو صاحب وسعت پر اس کے موافق اور تنگدست پر اس کے موافق جوڑا دینا،

مَتَاعًاۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

باقاعدہ حق ہے، بھلائی کرنے والوں پر ●

نکاح کر لینے والو اس مقام پر تم یہ بھی سمجھ لو کہ (نہیں ہے کوئی مہر کی ذمہ داری تم پر اگر تم نے **طلاق دیدی اس عورت کو جسکو چھوا بھی نہیں**) اور جس سے خلوت صحیحہ نصیب ہی نہ ہوئی ہو (اور) ساتھ ہی ساتھ اسکا (**کوئی مہر**) بھی (**مقرر نہیں کیا**) گیا ہو۔۔۔ الختصر۔۔۔ یہی ایک صورت ایسی ہے جس میں طلاق دینے والے پر بنام مہر کچھ دینا لازم نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ مگر ایسی مطلقہ کی دلجوئی کیلئے اور کسی نہ کسی حد تک طلاق سے پیدا شدہ اسکی کبیدہ خاطری کو کم کر لینے کیلئے۔ اے طلاق دینے والو! انکو بالکلیہ محروم نہ چھوڑ دو (**اور انہیں برتنے کو کچھ دے دو**) جو اس عورت کے نصف مہر مثل سے زائد نہ ہو۔

یاد رکھو کہ (**صاحب وسعت**) مالدار (**پر اس**) کی حیثیت (**کے موافق اور تنگدست**) غریب (**پر اس**) کی استطاعت (**کے موافق جوڑا دینا**)۔ ایسا جوڑا جو عورت کو فائدہ پہنچا سکے۔ اس مقام پر 'متعہ' کی مقدار مقرر کرنا حاکم شرع کی رائے پر موقوف ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ 'متعہ' کی مقررہ مقدار مذکورہ بالا مطلقہ کو دینا لازم وواجب ہے اور شرع وعرف کے لحاظ سے (**باقاعدہ حق ہے**) ان (**بھلائی کرنے والوں پر**) جو اپنے نفسوں کیلئے اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری میں نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً

اور اگر طلاق دی تم نے ان کو قبل اس کے کہ ان کو چھوا، اور مقرر کر دیا تھا تم نے ان کا حصہ مہر، تو آدھا ہے اس کا جو تم نے مقرر

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ

کیا تھا، مگر یہ کہ عورتیں وہ بھی معاف کر دیں، یا رعایت نہ لے کر شان عفو دکھاوے شوہر، وہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ اور مردوں کا شانِ

تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

عفو دکھانا پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور بھول نہ جاؤ آپس کے فضل و کرم کو۔ بے شک اللہ تمہارے کیے کو دیکھنے والا ہے ●

(اور اگر) ایسی صورت ہے کہ **(طلاق دی تم نے ان کو قبل اسکے کہ)** تم نے **(انکو چھوا)** یعنی خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی **(اور)** صورت حال یہ تھی کہ **(مقرر کر دیا تھا تم نے انکا حصہ مہر تو)** تم پر مطلقہ کو **(آدھا)** دینا لازم **(ہے اس)** مقدار **(کا جو تم نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ عورتیں)** جو عاقلہ اور بالغہ ہوں اور شرعاً معاف کر دینے کا اختیار رکھتی ہوں **(وہ بھی معاف کر دیں)**، یہ خیال کر کے کہ یہ مرد مجھ تک نہیں پہنچا اور میرے وصال سے فائدہ مند نہیں ہوا۔ بہتر یہی ہے کہ اس سے کچھ نہ لوں۔

---الغرض---عورت معاف کر دے **(یا رعایت نہ لیکر شان عفو دکھاوے شوہر وہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے)** یہ سوچ کر کہ یہ عورت میرے نکاح میں تھی اور اب میرے وصال سے محروم و مایوس ہوئی تو لاؤ جتنا مہر مقرر کیا تھا اسے پورا کا پورا دیکر اس عورت کو خوش کر دوں **(اور)** ظاہر ہے کہ مردوں کا اس طرح کی **(شان عفو دکھانا)** جفا کاری کے بہ نسبت **(پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے)**۔ تو اے مردو! اور عورتو! تم اپنے خیر خواہی اور حسن سلوک کے جذبات کو بیدار رکھو **(اور بھول نہ جاؤ آپس کے فضل و کرم کو)** اور جان لو کہ **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(تمہارے کیے کو دیکھنے والا ہے)**۔ دوسروں پر تمہاری مہربانیاں تمہاری بخششیں، تمہاری عنایتیں اور تمہارے احسانات، رب کریم سب کچھ دیکھ رہا ہے اور وہ اپنے فضل و کرم سے احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

سابقہ آیات میں بگڑے ہوئے حالات میں بھی حسن خلق کے مظاہرہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور احسان و مروت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب اس قوت کی نشاندہی کی جارہی ہے جس سے انسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کر سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں جہاں قوانین و احکام کی وضاحت فرماتا ہے، وہیں

کارِ خیر انجام دلانے والی اس قوت کی طرف بھی راغب کر دیتا ہے جس سے لوگ احکام کی پابندی آسانی سے کر سکیں۔

یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلق احکام طلاق، خلع، عدت وغیرہ بیان کر کے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ اسلئے کہ نماز ہی ذکرِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے۔ اس میں جسم وروح، دل ودماغ، سب مصروفِ عبادت ومناجات ہوتے ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ حقوق العباد کے ذکر کرنے کے بعد حقوق اللہ کی ادائیگی کو لازمی قرار دینے کی ہدایت اور اس کے بعد پھر عائلی احکام کی طرف رہنمائی، یہ سب کچھ اسلئے ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلق، محبت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو بھول جائے۔۔۔ الغرض۔۔۔ امورِ خانہ داری اور دنیاداری میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی بیوی بچوں کے گورکھ دھندوں میں پڑا رہے اور خدا کی یاد کو بالکل فراموش کر بیٹھے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی۔ اور کھڑے ہو اللہ کے لیے باادب ●

تو اے ایمان والو (نگہبانی کرو سب) فرض (نمازوں کی) ان کو ان کے اوقات میں کما حقہ ان کے متعلق احکام کی رعایت کرتے ہوئے، دائمی طور پر ادا کرتے رہو اور ہمیشہ کیلئے اس پر ثابت قدم رہو (اور درمیانی نماز کی) محافظت سے غافل نہ ہو جاؤ، چونکہ اس نماز کا وقت ایسا ہے کہ اس میں عموماً لوگ کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اور بعض کی مشغولیت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ ایسے ہماہمی اور گہما گہمی کے عالم میں بھی تم اپنی نمازوں کا خیال رکھو اور اس کو اس کے جملہ حقوق کے ساتھ ادا کرتے رہو۔

اس مقام پر اپنے ذہن کو اس غیر ضروری تحقیق میں نہ لگاؤ کہ درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟ اسلئے کہ جب پانچوں وقت کی نماز فرض عین ہے، سب کو ادا کرنے والوں کیلئے وعدہ۔۔۔ اور۔۔۔ ترک کرنے والوں کیلئے وعید ایک ہی طرح کے ہیں، تو کسی نماز کو اہم اور کسی کو غیر اہم سمجھنا، یہ کوئی اچھی سوچ نہیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ غافلوں کیلئے ہر نماز کے وقت رکاوٹ کی کوئی نہ کوئی وجہ موجود ہے۔۔۔ مثلاً: نمازِ فجر کے وقت اس کے خاص سونے کا

وقت ہے۔نماز ظہر اور نماز عصر کے اوقات میں کاروباری مصروفیات ہیں، نماز مغرب کے وقت کھانے پینے اور فیملی کے ساتھ گپ شپ کے لمحات ہیں اور نمازِ عشاء کے وقت سے پہلے ہی سوجانے کی عادت ہے۔۔۔۔

ان حالات میں ہر ہر نماز کی نگرانی اور اسکی محافظت سعادت مندوں اور خشیت الٰہی رکھنے والوں کا حصہ ہے۔جس نماز کی ادائیگی جتنی مشقت اٹھا کر کی جائیگی، یقیناً اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بقدر محنت ومشقت ہوگا۔اس مقام پر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟ اسکے تعلق سے اقوال بہت ہیں، جس نے جو قبول کیا، اسکو درمیانی ثابت بھی کردیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔کسی نے کہا اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے۔کسی نے کہا اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔کسی نے کہا اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے۔کسی نے کہا کہ اس سے مراد عشاء کی نماز ہے اسلئے کہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے، جن میں قصر نہیں اور کسی نے کہا اس سے مراد فجر کی نماز ہے اسلئے کہ یہ دن رات کی نمازوں کے درمیان ہے۔۔۔نیز۔۔۔یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔انکے علاوہ بھی بہت سارے اقوال واحتمالات ہیں۔

مذکورہ بالا اقوال میں نمازِ عشاء کے قول کے علاوہ، ہر قول کو جلیل القدر آئمہ، وفقہاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں امام اعظم کا مسلک کیا ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔بقول صاحب مدارک، امام اعظم کے نزدیک صلاۃ وسطی عصر کی نماز ہے اور بقول صاحب روح المعانی آپ کے نزدیک صلاۃ وسطی سے ظہر کی نماز مراد ہے۔فجر، ظہر اور عصر کے تعلق سے کچھ روایتیں بھی ملتی ہیں جن میں ان اوقات کی نمازوں کو صلاۃ وسطی کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان بھی صلاۃ وسطی کے تعین کے تعلق سے اختلاف تھا۔حضرت سعید ابن مسیب کے قول سے اس اختلاف کی نشاندہی ہوتی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر صلاۃ وسطی کے تعین کے تعلق سے رسول کریم ﷺ کا کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ارشاد گرامی ہوتا تو صحابہ کے مابین یہ اختلاف نہیں ہوسکتا تھا۔

اب یہ سارے مختلف اقوال ان حضرات قدسی صفات کے اجتہادات کے مابین اختلافات کا ثمرہ ونتیجہ ہیں۔ **ان حالات میں صلاۃ وسطیٰ کا معاملہ شب قدر اور جمعہ کے دن وقت اجابت دعا سے ملتا جلتا ہوگیا۔** جسے شب قدر کے انوار وبرکات سے مالا مال ہونا ہو، وہ پورے سال۔۔۔یا۔۔۔رمضان شریف کے پورے مہینے۔۔۔یا۔۔۔کم از کم رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرتا رہے۔۔۔یونہی۔۔۔جمعہ کے دن اجابت دعا کے مخصوص وقت کے طلبگار پر لازم ہے کہ وہ اپنے پورے دن کو ذکر الٰہی اور دعا والتجا میں گزار دے۔۔۔اس طرح۔۔۔**صلاۃ وسطیٰ کی عظمت والی نماز سے فیضیاب ہونا ہو تو پانچ وقت کی ہر ہر نماز میں اسکو ڈھونڈا جائے۔۔۔یعنی۔۔۔کسی صورت میں بھی کسی نماز سے غفلت نہ برتی جائے** کیونکہ پانچ وقت کی نماز اگر ایک طرف فرض عین ہے تو دوسری طرف توانہیں میں ایک فضیلت والی نماز بھی مستور ہے جو سر الٰہی ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔اپنی تمام نمازوں کو باقاعدہ بحسن وخوبی ادا کرتے رہو (اور) نماز میں (**کھڑے ہو اللہ**) تعالیٰ (**کیلئے باادب**) جیسا ایک اطاعت شعار اور خشیت الٰہی والے کو کھڑا ہونا چاہئے۔ حالت نماز میں نہ ادھر اُدھر توجہ ہو اور نہ ہی کسی باہر والے سے بات چیت، بلکہ کھڑے ہو کر ادب واحترام کے ساتھ ذکر الٰہی میں لگے رہو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا

پس اگر کسی خوف میں تم آگئے تو پیدل یا سوار، پھر جب امن میں آگئے تم اللہ کا ذکر کرو

اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

جس طرح اس نے تم کو سکھا دیا وہ، جس کو تم نہ جانتے تھے ●

(**پس اگر کسی**) لڑنے والے دشمن۔۔۔یا۔۔۔ضرر پہنچانے والے درندے۔۔۔یا۔۔۔ایذاء دینے والے کیڑے کے (**خوف میں تم آگئے تو**) اس حال میں بھی نماز نہ چھوڑو بلکہ اگر ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو (**پیدل**) چلتے ہوئے (**یا**) سواری پر (**سوار**) رہتے ہوئے نماز پڑھ لو اور لڑائی کی صورت میں جس طرح میسر آئے قبلہ کی طرف رخ کر کے، خواہ پیٹھ کر کے، ہر حال میں نماز ادا کر لو اور کسی صورت میں نماز نہ چھوڑو اور (**پھر جب امن میں آگئے تم**) اور دل میں کسی طرح کا کوئی خوف نہیں رہا، سارے خطرات دور ہو گئے تو (**اللہ**) تعالیٰ (**کا ذکر کرو**) اور نماز پڑھو اور وہ بھی اس طریقے سے پڑھو (جس

طرح اس نے) اسکے آداب وشرائط (تم کو سکھادیا وہ) ادب وطریقہ (جس کو) اسکے بتانے سے پہلے (تم نہ جانتے تھے)۔۔۔الحتصر۔۔۔تم اللہ تعالیٰ کا شکر کروان نعمتوں کے عوض کہ اس نے تم کواحکام شرائع کی تعلیم دی کہ تم انہیں نہیں جانتے تھے، من جملہ انکے بوقت امن وخوف اقامت صلوٰۃ ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ معاشرت، ان کے حقوق اور فرائض، انکے طلاق اور عدت کے احکام بیان فرمائے تھے اور چونکہ انکے ساتھ زیادہ اشتغال عبادات میں حارج ہے، اسلیئے ان احکام کے درمیان نماز کی حفاظت اور اسکی تاکید کو بیان فرمایا، حتی کہ عین جنگ میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اور پاپیادہ۔۔۔یا۔۔۔سواری پر جس حال میں اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھی جائیگی۔ اس تنبیہ کے بعد پھر عورتوں کے ساتھ معاشرت کے احکام بیان فرمائے۔ اور چونکہ پہلے ازدواج، طلاق، وفات، مطلقات، غیر مدخولہ کے مہر اور ان کی متاع کا ذکر کیا تھا اسلیئے ان احکام کو اب شوہر کی موت کے ذکر پر ختم کیا اور شوہر کی موت کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا اور چونکہ پہلے مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کا ذکر فرمایا تھا تو اب مطلقات مدخولہ کے مہر اور انکی عدت کا ذکر فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ

اور جو وفات دیئے جائیں تم میں سے اور چھوڑیں بیبیاں، وہ کریں وصیت اپنی بیبیوں کیلئے نان نفقہ کا سال بھر تک

غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ

بغیر گھر سے نکالنے کے پھر اگر عورتیں خود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں اس میں جو انھوں نے کر لیا

فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اپنے متعلق کوئی مناسب امر۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

۔۔۔چنانچہ۔۔۔ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو (اور) جان لو کہ (جو وفات دیئے جائیں تم میں سے اور) وہ (چھوڑیں بیبیاں) ان پر لازم ہے کہ قریب المرگ ہونے کی شکل میں موت کی آہٹ محسوس کرتے ہی (وہ کریں وصیت اپنی بیبیوں کیلئے نان نفقہ کا سال بھر تک) کیلئے (بغیر گھر سے نکالنے کے)۔۔۔الحاصل۔۔۔ان لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ جو فوت ہونے والے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کیلئے وصیت کر جائیں کہ ہماری موت کے بعد ہماری عورتیں ہمارے گھروں میں

پورے سال تک ٹھہری رہیں اور انہیں نان نفقہ ملتا رہے اور انہیں گھروں سے باہر نہ نکالا جائے (**پھر اگر عورتیں**) عدت کی مدت یعنی ایک سال بعد۔۔۔یا۔۔۔اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے عدت کی مدت کے درمیان ہی گھر سے (**خود**) ہی (**نکل جائیں تو**) اے شوہر کے قرابت والوں (**تم پر کوئی الزام نہیں**) اور تم پر کوئی گناہ نہیں (**اس میں جو انھوں نے کرلیا اپنے متعلق کوئی مناسب امر**) جو شریعت کے موافق ہو۔۔۔مثلاً: بناؤ سنگھار اور شوہر کی تلاش وانتخاب، اور نکاح کے خواہشمندوں سے بات چیت کرتے رہنا وغیرہ۔

یہ ابتداء اسلام کے احکامات ہیں جبکہ شوہروں کے گھروں میں رہنا ان کیلئے ضروری نہیں تھا اور نہ سوگ واجب، بلکہ انہیں ان امور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھر میں رہکر نان نفقہ لیں۔۔۔یا۔۔۔پھر گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان نفقہ کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔
خیال رہے کہ مذکورہ بالا وصیت کا وجوب 'آیت میراث' کے نزول سے پہلے کا حکم ہے۔
جب 'آیت میراث' نے اسکو شوہر کا وارث بنادیا اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھویں کا حقدار بنادیا، تو اب سال بھر کا قیام وطعام کا حکم منسوخ ہوگیا۔۔۔یونہی۔۔۔جب چار مہینے دس دن کو عدت وفات مقرر کردیا گیا، تو پھر سال بھر کی عدت والا حکم بھی منسوخ ہوگیا۔

اس مقام پر سن لو (**اور**) یاد رکھو کہ (**اللہ**) تعالیٰ (**غلبہ والا**) ہے اور جب وہ غالب ہے تو جو اس کے حکم کے خلاف کرتا ہے تو اس سے بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عظیم (**حکمت والا ہے**) اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور جس معاملہ میں جو حکم فرماتا ہے اس حکم کی پختگی میں کوئی کمی نہیں رہتی۔۔۔الغرض۔۔۔اسکا کوئی کام ناقص اور حکمت کے خلاف نہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے اور اب اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو انکا پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے انکا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل دیا جائے اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد، مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر سے علیحدگی ہوجاتی ہے، اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہوجاتی ہے۔ وہ

مطلقات جن کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو، ان کا حکم پہلے ہی بیان کیا جاچکا ہے، لہٰذا اس آیت میں مطلقات سے وہ عورتیں مراد ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے بھی نان نفقہ ہے مناسب طریقہ سے، واجب ہے پرہیز گاروں پر●

تو سن لو (اور) جان رکھو کہ مباشرت کر لینے کے بعد (**طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے بھی**) مہر کے علاوہ عدت کی مدت میں (**نان نفقہ**) بھی (**ہے مناسب طریقے سے**) اوسط درجہ کا، نہ زیادہ نہ کم، اور یہ بھی (**واجب ہے**) شرک وکفر سے پرہیز کرنے والے (**پرہیز گاروں پر**) یعنی مسلمانوں پر۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو کہ اب عقل سے کام لو●

جس طرح یہ احکام بیان کئے (**اس طرح بیان فرماتا ہے**) اور ظاہر کرتا ہے (**اللہ**) تعالیٰ (**تمہارے**) فائدہ کے (**لئے**) اپنے احکام پر مشتمل (**اپنی آیتوں کو**) تاکہ تمہارے ہر ہر عمل کے تعلق سے حسب ضرورت احکام الٰہی کی شکل میں رب کریم کی ہدایتیں ملتی رہیں تا (**کہ اب عقل سے کام لو**) اور ان احکام کو قبول کر لینے اور ان میں غور وفکر کرنے میں مصروف ہوجاؤ۔

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ طلاق بہ منزلہ موت ہے اور طلاق سے رجوع کرنا بہ منزلہ حیات ہے، گو ان پر موت وحیات کا اطلاق بطور مجاز ہے۔۔۔الختصر۔۔۔ پہلی آیات میں دنیاوی اور معاشرتی زندگی کے حساب سے موت وحیات کا ذکر کیا گیا تھا اور اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ دینی اور اخروی اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر فرمارہا ہے اور چونکہ قریب ترین امت بنو اسرائیل تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معاملے میں بنو اسرائیل کے احوال بیان فرمائے۔

یہ لوگ طاعون کی صورت میں موت کے ڈر سے بھاگے۔ اللہ نے ان پر موت طاری کی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ اس میں بھی موت وحیات کا ذکر ہے۔ پھر ان کو جہاد کا حکم دیا۔ اس میں بھی موت وحیات کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کے یہ سارے قصے اور ان کے پہلوں کے

تعلق سے یہ ساری خبریں اہل کتاب کے ہر خاص و عام لوگوں پر ظاہر تھیں اور انکی اتنی شہرت تھی کہ اسکی حیثیت چشم دید حالات کی طرح ہوگئی، لہٰذا ایسے مشہور ومعروف واقعات سے لاعلمی حیرت واستعجاب کا باعث ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

کیاتم نے دیکھانہیں انھیں جو نکلے تھے اپنے گھروں سے، اور وہ کئی ہزار تھے موت کے خوف سے،

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

تو فرمایا اُن کو اللہ نے کہ مرجاؤ۔۔۔ پھر زندہ فرمادیا ان کو۔ بے شک اللہ ضرور لوگوں پر فضل

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

فرمانے والا ہے۔ لیکن زیادہ لوگ ناشکرگزار ہیں●

تو (کیاتم نے) اے دیکھنے والے اور سوج بوجھ رکھنے والے اپنی چشم علم وادراک سے بھی (دیکھانہیں انہیں) اور تعجب کے ساتھ نگاہ نہیں ڈالی ان پر (جو) شہرواسط کے داوردان قریہ کے رہنے والے تھے اور وہ سب کے سب اپنے طاعون زدہ شہر سے (نکلے تھے) اور باہر ہوگئے تھے (اپنے گھروں سے اور وہ) بھی بہ اختلاف روایات چار ہزار۔۔۔یا۔۔۔آٹھ ہزار۔۔۔یا۔۔۔دس ہزار۔۔۔یا۔۔۔تیس ہزار۔۔۔یا۔۔۔چالیس ہزار۔۔۔یا۔۔۔ستر ہزار۔۔۔الغرض۔۔۔(کئی ہزار تھے)۔ اس شہر میں جب پہلی بار طاعون آیا، کچھ لوگ جو باہر جانے کی استطاعت رکھتے تھے وہ باہر نکل گئے، باقی شہر میں رہ گئے۔ باہر نکلنے والے سب بچ گئے مگر شہر کے رہنے والے بہت سارے لوگ طاعون کا شکار ہوگئے۔ اسلئے جب دوسری بار طاعون کا حملہ ہوا تو پھر سب کے سب (موت کے خوف سے) شہر سے نکل گئے اور شہر سے دور دو پہاڑوں کے درمیان ایک میدان میں ٹھہر گئے۔

انکے اس طرز عمل نے تقدیر الٰہی پر ان کے ایمان کی کمزوری ظاہر کردی۔۔۔نیز۔۔۔ انکے کردار سے ایسا لگا کہ انھوں نے بیماری ہی کو موثر حقیقی سمجھ لیا ہے۔ رب علیم وخبیر انکے دلی خیالات واحساسات کا جاننے والا تھا۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے بطور سزا، ان سب کو کسی بیماری آزاری کے بغیر ہی اسی موت سے ہمکنار کردیا جس سے وہ بھاگے تھے اور پھر سات آٹھ دنوں ہی میں انکی وہ حالت بنادی کہ قریب کے گاؤں والے آکر ان کی تدفین نہ

کر سکے اور صرف ان کے چاروں طرف دیوار کھڑی کردی تاکہ وہ جنگلی درندوں کا لقمہ نہ بن سکیں ایک عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے بھی منتشر ہو گئے۔

---الختصر---طاعون زدہ شہر سے باہر آکر انھوں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم اب موت سے بچ گئے، (تو) ایسی صورت میں (فرمایا ان) سب (کو اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے دو فرشتوں کی زبان سے (کہ مرجاؤ)، چنانچہ وہ سب کے سب مر گئے اور ظاہر ہو گیا کہ کوئی شخص بیماری سے نہیں مرتا بلکہ حکم الٰہی سے مرتا ہے۔

چونکہ یہ موت طبعی نہیں تھی جس کے بعد زندگی نہیں عطا فرمائی جاتی، بلکہ یہ موت سزا کے طور پر ان کے نظریات و خیالات کی اصلاح کیلئے تھی، تاکہ جب انہیں زندگی دے دی جائے تو پھر وہ ایسی غلطی نہ کریں اور کسی بیماری کو موت کیلئے موثر حقیقی نہ سمجھ لیں۔

ایک عرصہء دراز کے بعد اُدھر سے باختلاف روایات حضرت حزقیل المعروف بہ ابن العجوز، خلیفہ کالب بن یوقنا، خلیفہ یوشع بن نون---یا---حضرت شمعون---یا---حضرت شمویل ذوالکفل---یا---حضرت یوشع بن نون کا گزر ہوا۔ وہاں کی صورت حال دیکھ کر آپ بہت حیرت زدہ ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی، اور ان کی زبان کو اپنا حکم نافذ کرنے کا ذریعہ بنا دیا---چنانچہ---اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے جب ہڈیوں سے کہا کہ اے ہڈیوں! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو تم اکٹھا ہو جاؤ، یہ سنتے ہی سب اکٹھا ہو گئیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ خداوند کا حکم ہے کہ اے ہڈیوں کے ڈھانچو تم گوشت و پوست کا لباس پہن لو، یہ سن کر سارے ڈھانچے گوشت و پوست والے ہو گئے۔ پھر پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ حکم الٰہی ہے کہ اب تم سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ تو سب سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

تو اس طرح (پھر زندہ فرما دیا) اللہ تعالیٰ نے (انکو)۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بحکم خداوندی پہلے ان مرنے والوں کی بوسیدہ ہڈیوں سے خطاب کیا، پھر انکے بے روح ڈھانچوں کو مخاطب فرمایا، اور پھر انکے بیجان گوشت و پوست کے پیکر کو حکم دیا، سبھوں نے پیغمبر کی آواز سنی، سمجھی اور انکے حکم کی تعمیل کی۔

اب اس خطاب کی دو ہی صورت بنتی ہے:

﴿۱﴾---اگرچہ پیغمبر نے براہِ راست انہیں کو مخاطب بنا کر حکم الٰہی ظاہر فرمایا، لیکن ان کے توسط سے درحقیقت خطاب انکی ارواح سے تھا اور چونکہ سننا، دیکھنا، سمجھنا یہ سب کچھ

روح کی صفات ہیں تو ان کی روحوں نے سنا، سمجھا اور اپنے خدا داد تصرفات کو بروئے کار لاکر ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو چلتے پھرتے پیکر انسانی میں بدل دیا۔

﴿۲﴾۔۔۔پیغمبر کا خطاب انہیں بوسیدہ ہڈیوں، بے جان ڈھانچوں اور بے روح گوشت و پوست کے پیکروں ہی سے تھا، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیغمبر کا خطاب سنا، سمجھا اور انکے حکم کی تعمیل کی۔۔

پہلی صورت میں ظاہر ہوگیا کہ مردے بھی سنتے، دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔۔۔اسلئے کہ دیکھنا سننا اور سمجھنا، یہ سب کچھ روح کی صفات ہیں۔۔۔تو۔۔۔مردوں سے وابستہ ارواح کا سننا دیکھنا اور سمجھنا ہی مردوں کا سننا، دیکھنا اور سمجھنا قرار پایا۔۔۔اور دوسری صورت میں واضح ہوگیا کہ سننے، دیکھنے، سمجھنے وغیرہ کیلئے روح صرف سبب عادی ہے، سبب حقیقی ولازمی نہیں، اسلئے بے روح اشیاء بھی دیکھنے سننے اور سمجھنے کی خدا داد صلاحیتیں رکھتی ہیں اور خدا کی قدرت کاملہ سے یہ چیز باہر نہیں کہ وہ بے روح چیزوں کو جو چاہے سنا دے، جو چاہے دکھا دے اور جو چاہے سمجھا دے۔۔۔بے روح اشیاء کا سننا، دیکھنا، سمجھنا۔۔۔بلکہ۔۔۔درد محبت سے آشنا ہونا، یہ صرف ممکن نہیں بلکہ واقعہ ہے۔جسکی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔استن حنانہ اور جبل احد کی مثالوں سے تو ہر صاحب علم باخبر ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہوگیا کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے) ان لوگوں کو اسلئے زندہ کیا تا کہ وہ عبرت پکڑیں اور پھر سعادت عظمٰی حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگ جو اس واقعہ کو سنیں، انہیں بھی عبرت اور غور وفکر کی جانب ہدایات ملے (لیکن زیادہ) اکثر و بیشتر (لوگ ناشکر گزار ہیں) خصوصاً بنی اسرائیل، کہ انھوں نے ایسے ایسے معجزے دیکھے اور حکم الٰہی نہ مانا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

اور لڑو اللہ کی راہ میں، اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

۔۔۔تو۔۔۔مسلمانو! تم عبرت حاصل کرو (اور) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے (لڑو) جہاد کرو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اس کی رضا اور خوشنودی کیلئے، اسکے دین کو بلند کرنے کیلئے۔جس طرح طاعون سے بھاگنے والوں نے دیکھ لیا کہ بھاگنے کے بعد بھی وہ موت سے نہیں بچ سکے۔اسی

طرح جہاد سے بھاگنے والے بھی سمجھ لیں کہ بھاگنے سے انہیں موت سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہو کر رہے گی، پھر کیوں نہ وہ راستہ اختیار کرو جو ہر حال میں کامیابی و سرخروئی کا راستہ ہے، اور وہ ہے خدا کی راہ میں جہاد، جس میں بچنے والا غازی ہو کر نصرت الٰہی اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے ۔۔۔اور۔۔۔ مرنے والا شہید ہو کر حیات دائمی اور نجات اخروی حاصل کر لیتا ہے۔

تو مسلمانو راہِ خدا میں جہاد کرو (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے۔ وہ اسکی بات بھی سنتا ہے جو کسی دوسرے کی ترغیب سے جنگ پر حاضر ہوا اور اسکی بات بھی جو کسی دوسرے کی نفرت دلانے سے جنگ پر نہ جاسکا اور یونہی وہ (جاننے والا ہے) تمہارے ان اعمال کو جنھیں تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ سے محروم رہنے والا جنگ پر کیوں نہ حاضر ہو سکا ۔۔۔نیز۔۔۔ وہ مجاہد کے جہاد اور اسکی غرض اور نیت کو بھی جانتا ہے کہ وہ جنگ پر حاضر ہوا تو کیوں؟ دینی مفاد مدنظر تھا۔۔۔یا۔۔۔ دنیوی۔ اب اگر اسکی دنیوی غرض ہے تو اسے اخروی ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد مال کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ جہاد کیلئے سواریاں، آلات حرب اور خوراک و رسد کو مال کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے اگلی اس آیت میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے مال خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مال ضائع نہ ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنے اجر و ثواب کے ساتھ تمہیں مل جائیگا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

کوئی ہے جو دے اللہ کو قرضِ حسنہ، تو بڑھادے اللہ اس کو کئی زیادہ گنا۔

وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور اللہ ہی تنگی ڈالے اور وہی فراخی بخشے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

تو (کوئی ہے جو) اللہ تعالیٰ کی اور اسکے دین کی سربلندی کی محبت میں (دے اللہ) تعالیٰ کے ضرورتمند بندوں (کو) ان کے طلب کرنے پر اپنے پاک اور حلال مال سے (قرض حسنہ) یعنی ایسا قرض جسے دینے میں ٹال مٹول نہ کرے اور جلدی کرے۔۔۔یا۔۔۔ قرض دیکر احسان نہ رکھے۔۔۔یا ۔۔۔عوض کا طالب نہ ہو۔

اس طرح کے قرض دینے کا ثواب صدقے سے زیادہ ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں قرض سے مراد راہِ خدا میں صدقہ دینا ہے۔ صدقہ کی تعبیر قرض سے اس لئے کی گئی کہ جس طرح قرض دینے والے کو زرِ قرض ملنا لازم ہے، اسی طرح خدا کی راہ میں صدقہ دینے والے کو صدقہ کا عوض ملنا لازم ہے۔ اس صورت میں قرض حسن اسی کو کہیں گے جو خالصاً لوجہ اللہ ہو اور اپنے حلال وطیب مال سے ہو۔

اس ارشاد میں دراصل اس تمنا کا اظہار کیا جارہا ہے کہ کوئی سعادت مند آگے بڑھے اور راہ خدا میں اپنا حلال وطیب مال خرچ کرے (تو بڑھادے اللہ) تعالیٰ (اس) کے مال کے اجر (کو) دس گنا، ستر گنا، سات سو گنا، چودہ سو گنا، بلکہ اس سے بھی (کئی زیادہ گنا) صدقہ کرنے والے ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ صدقہ کرنے سے انکا مال کم ہوجائیگا اور وہ تنگی کا شکار ہوجائینگے۔ تنگی وکشادگی یہ کسی کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں خدا ہی کی طرف سے ہیں تو جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی) جس پر چاہے (تنگی ڈالے اور وہی) جسکو چاہے (فراخی بخشے) یہ دونوں کام رب کریم اپنے علم وحکمت اور اپنی تدبیر وتقسیم کے مطابق انجام دیتا ہے۔

---الغرض--- جس بندے کے ساتھ جو کرتا ہے، اس بندے کے حال کی درستی اور بھلائی اسی میں ہے۔ اس دنیا میں سبھی کو چند روز رہنا ہے (اور) پھر بالآخر اے لوگو تم سب (اسی کی) جزا (کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تو اصل کام آنے والی دولت وہی ہے جس کو آخرت کیلئے محفوظ کرلیا جائے اور حفاظت کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ خالصاً لوجہ اللہ راہ خدا میں خرچ کرکے خود خدا ہی کی حفاظت میں دے دیا جائے۔

اس سے پہلے آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کیلئے پچھلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے تھے، پھر بھی ان کو موت نے آلیا تاکہ مسلمان یہ غور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استقبال کیا جائے۔
اور اب ان آیتوں میں یہ بتایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے، وہ ان پر کوئی پہلا اور نیا حکم نہیں ہے۔ ان سے پہلے بھی بنواسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا اور جب کسی حکم کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ

ہر زمانے میں ہر امت کو اس حکم کا مکلّف کیا جاتا رہا ہے تو اس حکم کا بارِ مشقت کم ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل اللہ کے حکم کی اطاعت اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے میں فضول ضد، بحث اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے، تو نبی کریم ﷺ کو ان کی ضد اور کج بحثی سے ملال ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کیلئے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف متوجہ فرمایا، کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا وطیرہ رہا ہے اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا

کیا تم دیکھ نہیں چکے بنی اسرائیل کی ایک جمعیت کو بعد زمانہ موسیٰ کے، جب کہ وہ بولے اپنے نبی کو کہ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ

مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ

بنا کر کھڑا کر دو کہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں۔ کہا کچھ دور نہیں تم سے، کہ اگر فرض کر دیا جائے تم پر لڑنا، یہ کہ نہ لڑو۔

قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآٮِٕنَا ؕ

سب بولے اور ہمارے لیے کیا وجہ ہے کہ نہ لڑیں اللہ کی راہ میں، حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے گھروں اور بچوں سے۔۔۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾

پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا تو منہ پھیر لیا مگر ان کے تھوڑوں نے، اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے●

چنانچہ ارشاد فرمایا (کیا تم) اپنی نگاہِ علم و ادراک سے (دیکھ نہیں چکے) معلوم نہیں کر سکے اور وہ بھی ایسا معلوم ہونا گویا کہ وہ آپ کا چشم دید ہے اور اسے آپ کھلی آنکھ سے دیکھ چکے ہیں۔ (بنی اسرائیل کی ایک جمعیت کو) یعنی ایک گٹ بنا کر رہنے والے بنی اسرائیلی اشراف و صاحبانِ عقل و دانش کی جماعت کو، جن کا زمانہ (بعد زمانہ) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (کے) ظہور پذیر ہوا (جب کہ وہ بولے اپنے نبی) حضرت اشموئیل ۔۔۔یا۔۔۔ حضرت الیسع ۔۔۔یا۔۔۔ حضرت یوشع بن نون ۔۔۔یا۔۔۔ حضرت شمعون ۔۔۔الغرض۔۔۔ اس عہد میں موجود اپنے پیغمبر (کو) اور ان کی خدمت میں درخواست پیش کی (کہ) آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ہمارے لئے کسی کو بادشاہ بنا کر کھڑا کر دو تا (کہ ہم) اسکی قیادت میں اور اسکی مدد و نصرت سے (لڑیں) اور جہاد کریں (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) جالوت اور اسکی قوم عمالقہ کے ساتھ۔

وقف لازم

یہ قوم، قوم عاد کے باقیات سے تھی جو بت پرست اور شرک کرنے والی تھی۔ اسکو بنی اسرائیل سے پوری عداوت تھی، بنی اسرائیل اس سے عاجز تھے، چونکہ ان میں کوئی بادشاہ اور حاکم نہ رہا تھا جسکی قیادت میں وہ اس قوم کا مقابلہ کر سکتے، اسلئے انھوں نے اپنے پیغمبر سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست پیش کر دی کہ اسکی مدد سے جہاد کر سکیں۔ چونکہ اس دور کے پیغمبر کے علم وخبر میں سابقہ قوم بنی اسرائیل کی سرکشیاں، منہ زوریاں اور بداعمالیاں تھیں اسی کے پیش نظر انھوں نے جواباً ان سے (کہا) ارشاد فرمایا کہ (**کچھ دور نہیں تم سے**) تمہارے اسلاف کے رویوں کو دیکھتے ہوئے (**کہ اگر فرض کر دیا جائے تم پر لڑنا**) اور جہاد کرنا تو (**یہ**) **متوقع ہے** (**کہ نہ لڑو**) اور مدمقابل کی ظاہری قوت وشوکت کو دیکھ کر جہاد سے منہ موڑ لو اور بھاگ کھڑے ہو۔

یہ سن کر (**سب بولے اور**) **کہہ پڑے کہ** (**ہمارے لئے کیا وجہ ہے کہ نہ لڑیں**) **اور وہ بھی** (**اللہ کی راہ میں حالانکہ**) یعنی اب صورت حال یہ ہے کہ ان ظالموں کے ظلم وستم سے (**ہم نکالے گئے ہیں اپنے گھروں**) **سے** (**اور**) **دور کر دئے گئے ہیں اپنے** (**بچوں سے**)۔ جالوت نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کی اولاد میں سے چار سو چالیس آدمی قید کئے تھے اور کتنے گروہوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا۔ اسی سبب سے وہ لڑائی کرنے میں مبالغہ اور اصرار کرتے تھے۔

تو (**پھر جب فرض کیا گیا ان پر**) دین کے دشمنوں کے ساتھ (**لڑنا**) بھڑنا اور جہاد کرنا (**تو**) دشمنوں کو دیکھنے کے بعد اسکی ظاہری قوت وشوکت سے ایسا مرعوب ہوئے کہ جہاد سے (**منہ پھیر لیا**) اور بھاگ کھڑے ہوئے (**مگر ان کے تھوڑوں نے**) یعنی اہل بدر کی تعداد کے مطابق صرف تین سو تیرہ آدمیوں نے پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

خود ہی جہاد کیلئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے والو! اور پھر خود اس سے منہ موڑ لینے والو اور اپنے نبی کی اطاعت سے انکار کر دینے والو، غور سے سنو (**اور**) جان رکھو (**اللہ**) **تعالیٰ** جہاد سے منہ پھیر لینے والے (**ظالموں کو**) **خوب** (**جاننے والا ہے**) اور ان کو قرار واقعی سزا دینے والا ہے۔

---**الختصر**--- جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے ایک بادشاہ مقرر کر دینے کی درخواست پیش کی جو جہاد میں ان کی قیادت کر سکے، پھر پیغمبر نے جو انہیں الزام دیا اسکا انھوں نے معقول جواب پیش کر دیا اس کے بعد پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کر دی کہ وہ ایک بادشاہ اس قوم کے واسطے مقرر فرما دے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی کی

درخواست قبول فرمائی اور نبی کے پاس ایک عصا اور ایک روغن سے بھرا ہوا برتن پہنچا دیا اور فرما دیا کہ تمہارے گھر میں جس کے آنے سے یہ روغن جوش مارنے لگے۔۔۔نیز۔۔۔یہ عصا جس کے قد کے برابر ہو، وہی شخص اس قوم پر سلطنت کرنے کے لائق ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔آپ نے اسکا اعلان فرمایا، پھر لوگوں کا آپ کے مکان پر آنا جانا شروع ہوگیا۔ اتفاقاً حضرت طالوت ایک دن اپنے باپ کے حکم سے ان کے گم شدہ اونٹوں کو تلاش کرتے ہوئے پیغمبر کے مکان پر حاضر ہوئے۔ انکی مالی حیثیت بہت کمزور تھی۔ کھال صاف کرنا اور ایک سقّا کا کام انجام دینا، یہی انکا پیشہ تھا۔ مگر مشیت الٰہی دیکھئے کہ انکے آتے ہی برتن کا روغن جوش کھانے لگا اور جب پیمائش کی گئی تو عصا انکے قد کے مطابق اترا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ

اور انکو کہا انکے نبی نے کہ بیشک اللہ نے کھڑا کیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ۔ سب بولے کس طرح ہوگی اسکی حکومت

عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ

ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ حق دار ہیں حکومت کے، اور اس کو تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي

کہا بے شک اللہ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور علم و جسم میں اس کی کشادگی بڑھا دی۔ اور اللہ اپنا

مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

ملک جس کو چاہے دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

۔۔۔چنانچہ۔۔۔حکم ربانی (اور) امر الٰہی کے پیش نظر پہلے جوش مارنے والے روغن سے کچھ لیکر حضرت طالوت کے سر پر لگایا اور پھر (ان کو کہا ان کے نبی نے کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (نے کھڑا کیا ہے) مقرر کر دیا ہے (تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ)۔ مگر حضرت طالوت کی غربت و افلاس سے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ جس کے پاس مال و دولت نہیں، وہ دشمنوں کے مقابل میں ہماری کیا مدد کر سکتا ہے۔ لہٰذا کچھ لوگوں نے انکار کی نیت سے اور کچھ لوگوں نے صرف حکمت معلوم کر لینے کی غرض سے۔۔۔الغرض۔۔۔(سب بولے کس طرح ہوگی اس کی حکومت ہم) جیسے مال و دولت رکھنے والوں اور سرمایہ داروں (پر حالانکہ ہم) ان سے (زیادہ حق دار ہیں حکومت کے اور) رہ

گیا وہ، تو وہ ایک غریب اور نادار انسان ہے۔ قیادت کیلئے، دوسرے لازمی امور تو ایک طرف (اس کو تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی)۔

اس پر (کہا) پیغمبر نے (بے شک اللہ) تعالیٰ (نے اس کو تم پر چن لیا ہے) اور جب یہ خدائی انتخاب ہے تو اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ ویسے بھی قیادت و امارت اور امور سلطنت کو انجام دینے کیلئے علم و دانش کی فراوانی اور جسمانی قوت و توانائی کی کثرت درکار ہوتی ہے، تو خدا نے تمہارے لئے جس کو بادشاہ منتخب فرمایا ہے اس کو امور سلطنت کے انجام دینے کی پوری صلاحیت فرما دی ہے (اور علم و جسم) دونوں (میں اس کی کشادگی بڑھا دی) ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف وہ لڑائی کے فن، امور سیاست اور تدبیر مملکت میں دانا و بینا ہے، تو دوسری طرف جسمانی حیثیت سے بہت خوبصورت، سر بلند، حسین گردن والا اور اپنے زمانے کے لوگوں میں قد آور ہے (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ جو مالک الملک علی الاطلاق ہے وہ (اپنا ملک جس کو چاہے دے اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور بڑا فضل کرنے والا ہے، اس امر میں کہ جسے چاہتا ہے اس کے قبضہ قدرت میں اختیار دیدیتا ہے اور اسے سلطنت کرنے کی صلاحیت عطا فرما دیتا ہے اور (علم والا ہے) وہ خوب جانتا ہے کہ سلطنت کرنے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

اس دور کے بنی اسرائیلی بھی عجیب تھے کہ خود اپنے پیغمبر کی زبان سے حکم الٰہی سننا، حضرت طالوت کی آمد پر روغن کا جوش مارنا اور لکڑی کا حضرت طالوت کے قد کے مطابق ہونا، ان تمام باتوں کو دیکھنے سننے کے بعد بھی، وہ حضرت طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ مقرر ہو جانے پر پوری طور پر مطمئن نہ ہو سکے، چنانچہ وہ اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کی بحث و تکرار کی پرانی روش اور حجت و حیلہ کی پرانی عادت کے موافق عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے پیغمبر کی بارگاہ میں گزارش پیش کی کہ طالوت کے برگزیدہ ہونے پر ہمیں کوئی دلیل اور علامت چاہئے، تاکہ ہمارے دلوں میں اس کی فرمانبرداری اور خیر خواہی کی رغبت پیدا ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ

اور کہا ان کو ان کے نبی نے کہ بے شک اسکی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں سامان سکون ہے

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ

تمہارے رب کی طرف سے اور بچا ہوا تبرک ہے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا، اٹھائے ہیں اس کو فرشتے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ماننے والوں سے ہو●

اس عرض کو سن کر ارشاد فرمایا (اور کہا ان کو انکے نبی نے کہ بے شک اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت)۔سکینہ جس کو 'عمالقہ' بنی اسرائیل سے چھین کر اپنی ولایت میں لے گئے تھے، پھر وہ جس جگہ اسے رکھتے تو وہاں کوئی نہ کوئی آفت آجاتی۔آخر انھوں نے ایک گھورے کے قریب دفن کر دیا، جسکی وجہ سے وہ اور بھی مبتلائے آفت ہوگئے۔بالآخر عاجز آکر دو بیلوں کی گاڑی پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیلیوں کی طرف روانہ کر دیا۔ان بیلوں کو فرشتوں نے ہانکتے ہوئے ان کی منزل تک پہنچادیا۔۔۔یا۔۔۔خود فرشتوں ہی نے دفن کی ہوئی جگہ سے اسے نکال کر اور اپنے سروں پر اٹھا کر بنی اسرائیل تک پہنچا دیا۔

ایسے بابرکت تابوت (جس میں سامانِ سکون ہے تمہارے رب کی طرف سے) اس میں ایسی چیزیں ہیں جن سے تمہارے دلوں کو تسکین ہو۔کسی بھی معرکہ میں اسکا ساتھ رہنا تمہارے اطمینان و سکون کی ضمانت ہے کہ فتح وظفر تمہیں کو نصیب ہوگی۔(اور) اس میں (بچا ہوا تبرک ہے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا)۔حضرت موسیٰ کی نعلین شریفین اور آپ کا لباس اور آپ کا عصا، حضرت ہارون کا عمامہ، توریت کی تختیاں، انبیائے سابقین میں سے بعض کی تصاویر، حضرت سلیمان کی انگوٹھی وغیرہ۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ بابرکت نفوس قدسیہ رکھنے والوں کے برکت والے آثار و منسوبات اس صندوق میں محفوظ تھے جس کی برکت سے بنی اسرائیل فائدہ اٹھاتے رہے اور ان کے صدقہ وطفیل میں اپنے دشمنوں پر کامیاب ہوتے رہے۔بنی اسرائیل جب کسی معرکہ کیلئے نکلتے تو ان کے آگے یہ تابوت رہتا اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ (اٹھائے) ہوئے (ہیں اس کو فرشتے) اپنے سروں پر (بے شک اس) صندوق کے تمہارے پاس پہنچنے (میں ضرور نشانی ہے تمہارے لئے) یعنی واضح دلیل ہے تمہارے واسطے اس امر پر کہ سلطنت طالوت کے باب میں پیغمبر کی بات سچی ہے (اگر تم ماننے والوں) اور باور کر لینے والوں (سے ہو)۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔ جب بنی اسرائیل کے پاس تابوت پہنچ گیا تو وہ لوگ حضرت طالوت کے مطیع وفرمانبردار ہوگئے اور جالوت سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ

پس جب الگ کرلیا طالوت نے لشکروں کو، کہا بے شک اللہ آزمانے والا ہے تم کو ایک نہر سے، تو جس نے اس سے پی لیا تو وہ مجھ

مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا

سے نہیں۔ اور جو اس کو نہ چکھے تو بے شک وہ مجھ سے ہے مگر وہ جو چلو بھر لے لے اپنے ہاتھ میں۔ تو لشکریوں نے پی لیا نہر سے مگر

قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ

ان کے تھوڑوں نے، پس جب پار کر لیا نہر کو طالوت نے اور اس کے صاحب ایمان ساتھیوں نے، بولے کہ نہیں ہے طاقت ہم میں آج

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ

جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابل، کہا ان لوگوں نے جو سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اللہ سے، کہ کتنی چھوٹی

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

جماعت ہیں کہ غالب آ چکی ہیں بڑی جمعیت پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے●

---چنانچہ---ستر---یا---اسی ہزار آدمی آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ اس دن ہوا بہت تیز اور گرم چل رہی تھی (پس جب الگ کرلیا طالوت نے لشکروں کو) اور اپنے نبی کے حکم سے اپنے آراستہ کئے ہوئے لشکروں کو لیکر شہر ایلیا سے باہر آ گئے تو (کہا) طالوت نے الہام ربانی سے---یا---اپنے نبی سے اطلاع پا کر کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ اس گرم ہوا میں (آزمانے والا ہے تم کو) اردن اور فلسطین کے درمیان ظاہر ہونے والی (ایک نہر سے) تاکہ تمہیں دکھائے کہ مطیع کون شخص ہے اور عاصی کون ہے، (تو جس نے) تشنگی کے غلبہ کے سبب صبر نہیں کیا اور نبی کے فرمان کا خیال نہ کیا اور سیر ہو کر (اس سے پی لیا، تو وہ مجھ سے) میرے دین و مذہب کو ماننے والوں میں سے (نہیں)۔ اس کے برخلاف جو اپنے نبی کی ہدایت کا پاس ولحاظ رکھے (اور جو اس کو نہ چکھے) اور اس سے نہ پیئے (تو بے شک وہ مجھ سے) میرے دین و مذہب کو ماننے والوں میں سے (ہے)۔ یہ پینے کی پابندی اس کیلئے ہے جو ایک چلو سے زیادہ پینا چاہے (مگر وہ جو چلو بھر لے لے اپنے ہاتھ میں) اسکو اتنا کرنے کی رخصت ہے---نیز---ایک چلو پر قناعت کر لینا ہی اس کیلئے کافی ہے۔

---الغرض---حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی راہ میں ایک نہر پیدا کر دی اور جب لشکر اس گرم ہوا میں بہت شدت سے پیاسا اس نہر پر پہنچا (تو لشکریوں نے پی لیا نہر سے) خوب سیر

ہو کر (مگران کے تھوڑوں نے)۔

صرف تین سو تیرہ افراد نے اپنے نبی کی ہدایت کا پاس ولحاظ رکھا اور نبی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک ہی چلو پانی پر قناعت کرلی۔۔۔مگر۔۔۔ یہ چلو ان کیلئے اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ ہرایک اپنے ایک چلو پانی ہی سے سیراب ہوگیا، بلکہ ہرایک چلوؤں میں پینے کے بعد جو پانی بچا اس سے انکی چھاگلیں اور مشکیں بھی بھرگئیں۔ انکے برخلاف جنھوں نے نبی کی ہدایت کو نظر انداز کردیا اور ایک ایک چلو سے زیادہ پی لیا، انکے ہونٹ کالے ہوگئے اور پیاس حد سے زیادہ بڑھ گئی کہ جتنا زیادہ پانی پیتے، زیادہ پیاسے ہوتے تھے۔

چنانچہ وہ نہر کے کنارے ہی پڑے رہ گئے دشمن کے لشکر سے ملاقات تک نہ کی۔ اور ایک قول کے مطابق ان کے لشکر کے چھیاسٹھ ہزار آدمی نہر کے پار نہ اترے، اس میں سے صرف چار ہزار آدمی پار اترے تھے (پس جب پار کرلیا نہر کو طالوت نے اور اس کے صاحب ایمان ساتھیوں نے) یعنی ان ساتھیوں نے جو حضرت طالوت کی بات مان چکے تھے تو وہ لوگ جو خلاف کر کے پار نہ اترے تھے ۔۔۔یا۔۔۔ چار ہزار آدمی جو پار اترے تھے جب انھوں نے جالوت کا لشکر دیکھا تو ان میں سے تین ہزار چھ سو ستاسی آدمی ڈر کر اور بیدل ہو کر (بولے کہ نہیں ہے طاقت ہم میں) کہ (آج جالوت اور اسکے لشکروں کے) مد (مقابل) ہو کر اس سے لڑسکیں۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ ہم جالوت سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وقت (کہا ان) تین سو تیرہ نفوس قدسیہ رکھنے والے (لوگوں نے جو سمجھتے ہیں) اور یقینی طور پر جانتے ہیں (کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اللہ) تعالیٰ (سے) اور اسکی طرف سے بہترین صلہ اور اچھی جزا سے فیضیاب ہونے والے ہین کہ ایسا بہت ہوا (کہ کتنی چھوٹی جماعت ہیں کہ) جو اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت سے (غالب آچکی ہیں بڑی جمعیت پر اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ ایمان والوں کی کامیابی لشکر وسپاہ کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ ان کی کامیابی اور فیروز بختی صرف حکم الٰہی اور نصرت خداوندی کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے ساتھ جس کے ساتھ ہے، کامیابی بھی اس کے ساتھ ہے (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) وہ صابرین جو اپنی نفسانی خواہشات کیلئے کچھ نہیں کرتے، انکا ہر عمل صرف رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے ہوتا ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ

اور جب کھل کر آگئے جالوت اور اس کے لشکروں کے لیے عرض کیا، اے ہمارے پروردگار انڈیل دے ہم پر صبر،

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

کو اور جما دے ہمارے قدموں کو، اور مدد فرما ہماری کافروں پر ●

(اور جب) حضرت طالوت کی معیت میں تین سو تیرہ نفوس قدسیہ والے (کھل کر) سامنے (آگئے) اور (جالوت) جیسے گراں ڈیل، بظاہر رعب دار، حالت جنگ میں ایک ہزار رطل لوہے کے لباس میں غرق، سر پر تین سو رطل کا خود رکھنے والے۔

'خیال رہے کہ بارہ اوقیہ کا ایک رطل ہوتا ہے، جو ملک شام میں پانچ پونڈ کا اور مصر میں پونے سولہ اونس کا ہوتا ہے'۔

---المختصر--- سر سے پیر تک لوہے کے لباس میں ڈوبے ہوئے جالوت (اور اس کے) آٹھ لاکھ سوار جرار، خنجر کش، تیغ زن، نیزہ دار (لشکروں) سے مقابلہ (کیلئے) صف بندی کری تو بارگاہ خداوندی میں اپنی پوری شان بندگی کے ساتھ عاجزانہ طور پر (عرض کیا اے ہمارے پروردگار انڈیل دے ہم پر صبر کو) ایسا صبر جو درجہء کمال تک پہنچا ہوا ہو اور ہمیں ان صابرین میں کر دے خود تیری ذات اور تیری نصرت و اعانت جن کے ساتھ ہے (اور جما دے ہمارے قدموں کو) یعنی میدان جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ (اور مدد فرما ہماری کافروں) کے گروہ (پر)۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

تو شکست دیدی ان کو اللہ کے حکم سے، اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور دیا ان کو اللہ نے حکومت اور حکمت

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

اور سکھا دیا ان کو جو چاہا۔ اور اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو بعض کو بعض سے، البتہ تباہ ہو چکی ہوتی

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

زمین۔ لیکن اللہ فضل و کرم والا ہے دنیا بھر پر ●

(تو شکست دیدی) ایمان والوں نے (ان) کافروں (کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) اور

اسکی مدد اور اسکی توفیق سے (اور قتل کیا داؤد) بن بیشا (نے جالوت کو) ایک پتھر اس کے خود پر مارا وہ خود اس کے سر میں ٹوٹ کر دھنسا اور اسکا بھیجا بکھر گیا اور پھر اسکا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

اس مقام پر یہ واقعہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت داؤد کے والد بزرگوار اپنے بیٹوں کے ساتھ حضرت طالوت کے لشکر میں تھے ان تمام بیٹوں میں حضرت داؤد ساتویں نمبر پر اور سب سے چھوٹے تھے۔ اس عہد کے پیغمبر نے یہ حکم الٰہی حضرت طالوت تک پہنچا دیا کہ جالوت کے قتل کر دینے والے حضرت داؤد ہی ہیں، چنانچہ حضرت طالوت نے ان کے والد کے ذریعہ انہیں طلب کر لیا۔ حضرت طالوت نے یہ شرط کر لی تھی کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا اسے اپنی بیٹی دونگا اور اسے اپنی سلطنت میں شریک کر لونگا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ انھوں نے حسب وعدہ اپنی بیٹی حضرت داؤد کے نکاح میں دیدی اور آدھی سلطنت بھی ان کے حوالے کر دی، آخر کو تمام سلطنت کے وہی مالک ہو گئے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ فضل خداوندی ہوا (اور) دے (دیا ان کو) یعنی حضرت داؤد کو (اللہ) تعالیٰ (نے) جالوت کو قتل کر دینے کے بعد (حکومت) اور بادشاہی (اور حکمت) نبوت وزبور (اور سکھا دیا ان کو) زرہ بنانے کی صنعت، پرندوں کی زبان، انبیاء کرام کو کام آنے والے علوم اور اس کے سوا (جو چاہا)۔ پس سمجھ لو (اور) جان رکھو کہ (اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ) تعالیٰ (کا لوگوں کو بعض کو بعض سے) یعنی اگر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو جہاد کرنے والے مومنوں کے ذریعے دفع نہ کر دیتا، تو (البتہ تباہ ہو چکی ہوتی زمین)، کفر کی سیاہی کے سبب سے اور زمین کی منفعتیں زائل ہو جاتیں۔ (لیکن) چونکہ (اللہ) تعالیٰ (فضل وکرم والا ہے) صرف مومنین ہی پر نہیں بلکہ (دنیا بھر پر)، اسلئے اس نے انسانوں کے ذریعہ سرکش انسانوں کو دفع کر دینے کا جو قانون بنایا ہے اس میں حکمت ہی حکمت ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

یہ ہیں آیتیں اللہ کی پڑھتے ہیں ان کو تم پر بالکل ٹھیک۔ اور بے شک تم رسولوں سے ہو●

تو اے محبوب! یہ سارے قصے جو ہم نے تمہیں سنائے ہیں ۔۔۔ مثلاً: موت سے بھاگنے والوں کا ذکر، پھر انکا مرنا اور جینا، طالوت کی بادشاہت اور ایک بچے کے ذریعہ ظالم وجابر قوموں پر غالب آنا، وغیرہ (یہ) سب (ہیں آیتیں) نشانیاں (اللہ) تعالیٰ (کی، پڑھتے ہیں ان کو تم پر)

جبرائیل کے توسط سے (**بالکل ٹھیک**)۔ یہ ساری باتیں بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہیں۔ان کے یقینی ہونے میں خود اہل کتاب کو بھی شک نہیں، اسلئے کہ خود ان کی کتابوں میں بھی اسکا ذکر ہے (**اور بے شک تم رسولوں سے ہو**) جبھی تو تم ان تمام واقعات کے تعلق سے صحیح صحیح خبریں دے رہے ہو۔ کسی کتاب میں پڑھے بغیر اور کسی اہل کتاب سے سنے بغیر اس طرح کے بیانات پیش کرنا یہ رسولوں ہی کا کام ہے جن کو حق تعالیٰ کی طرف سے علوم عطا کئے جاتے ہیں۔۔۔الغرض۔۔۔یہی وہ ہیں جن کے علوم ومعارف وحی الٰہی سے ہم رشتہ ووابستہ ہیں۔

اس پارہ کی تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ ۱۰ شوال ۱۴۲۸ھ / ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو مکمل ہوئی

تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ سارے رسول، بڑائی دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر۔ انھیں سے وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند فرمایا

بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ‌ؕ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ‌ؕ

بعض کو درجوں۔ اور دی ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو کھلی نشانیاں، اور تائید فرمائی ہم نے ان کی روح مقدس سے۔

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ

اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے وہ جو ان کے بعد ہوئے بعد اس کے کہ آچکی تھیں روشن باتیں،

وَلٰكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ

لیکن وہ مختلف ہوگئے۔ تو ان میں سے کسی نے مانا اور ان میں سے کسی نے انکار کر دیا۔ اور اگر چاہتا اللہ

مَا اقۡتَتَلُوۡا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ۝

وہ نہ لڑتے ۔۔۔۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ●

اے محبوب ﷺ (یہ سارے رسول) جنکے ہر ہر فرد سے بفضلہ تعالیٰ آپ باخبر ہیں۔۔۔یا۔۔۔

اس سورۂ مبارکہ میں جن میں بعض کا نام لیکر۔۔۔صراحتاً، اور بعض کا نام لئے بغیر۔۔۔اشارتاً، ذکر کیا جاچکا ہے اور خود آپ بھی جن میں شامل ہیں، اگرچہ ان میں سے ہر نبی، صفت نبوت میں دوسرے نبیوں کے ۔۔۔یونہی۔۔۔ ہر رسول، صفت رسالت میں دوسرے رسولوں کے مساوی ہے۔۔۔الغرض۔۔۔صفت نبوت میں ایک نبی کو دوسرے نبی پر اور صفت رسالت میں، ایک رسول کو دوسرے رسول پر کوئی امتیازی شان حاصل نہیں، لیکن (بڑائی دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر)۔ کسی کو صرف ایک مخصوص فرقے کی طرف مبعوث کیا، کسی کو بہت سارے فرقوں کی طرف بھیجا، کسی کی دعوت ایک محدود زمانے والوں کیلئے تھی اور کسی کی دعوت سارے زمانے والوں کیلئے تھی۔ کوئی صرف انسانوں کا رسول بن کر آیا اور کوئی جن وانس سبھی کیلئے۔۔۔بلکہ۔۔۔ساری مخلوق کیلئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔

(انھیں سے وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) عرش معلّٰی پر اور وہ ہیں حضور آیۂ رحمت ﷺ اور جنت میں جیسے حضرت آدم علیہ السلام۔۔۔نیز۔۔۔کوہ طور پر جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود طالب کلام الٰہی تھے اور ان کی درخواست واستدعا پر رب کریم نے کوہ طور پر خصوصیت کے ساتھ بلا کر انھیں اپنی ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا اور **وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا** ارشاد فرما کر اس کو ظاہر بھی فرما دیا، اسلئے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو کلیم اللہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور یہی آپ کے کلمے کا دوسرا جز ہوگیا۔

(اور بلند فرمایا بعض کو درجوں) دوسرے مراتب عالیہ اور فضائل کثیرہ رکھنے والے رسولوں پر، کیونکہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ ان تمام کمالات کا جامع ہے، جنکا حصول ایک ممکن کیلئے ممکن ہے، جن کی رفعت شان عارفین کیلئے ایسی جانی پہچانی ہے کہ وہ اس کو مخاطب کر کے بول پڑے کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۔۔۔ایسا رفیع الشان کہ اگر کسی ذات کیلئے مطلقاً رفعت درجات کا ذکر کیا جائے تو ذہن اس کی طرف جائے۔۔۔ فضیلت جو علم وتقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، عظمت جو کسی عظیم کی ذات سے بلا واسطہ یا بالواسطہ نسبت کا نتیجہ ہے، شرافت جو اعلیٰ نسبی کا ثمرہ ہے اور کرامت جو حکم الٰہی اور فضل ربانی کی نوازش ہے، یہ ساری رفعتیں، یہ سارے کمالات اور یہ ساری خوبیاں، جن کی ذات ستودہ صفات سے وابستہ ہوں اور وہ بھی اس خصوصیت کے ساتھ کہ انکا ہر ہر کمال، اپنے درجۂ کمال پر ہو، جس کے اوپر کسی ممکن کیلئے کمال کا تصور نہ کیا جاسکے۔۔۔نیز۔۔۔لغت میں کوئی ایسا کلمہ نہ ہو جو اس رفیع الدرجات کے آخری درجہ کی معرفت کرا سکے۔

اگرچہ علم الٰہی میں ان کے کمالات محدود ہوں، لیکن ساری مخلوقات کے علم وادراک میں وہ لامحدود ہوں۔ تقریب فہم کیلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ جس طرح اعداد محدود ہیں، مگر کوئی ایسا عدد نہیں جس پر کوئی اضافہ نہ کیا جاسکے۔ ہر اضافے کے بعد وہ فی نفسہٖ محدود ہو جائے گا، مگر دوسرے اضافے کی گنجائش باقی رہے گی۔ مذکورہ بالا شان وشوکت، فضیلت وعظمت اور شرافت وکرامت والی 'رفیع الدرجات' اور 'جامع الکمالات' ذات وہی ہے جو اپنی خلقت میں اول ہے، بعثت میں آخر ہے۔ نبوت میں ظاہر ہے اور حقیقت میں باطن ہے۔ جس کی ہر آنے والی گھڑی، پچھلی گھڑی سے بہتر ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ذات گرامی ہے حضور آیہ رحمت سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی۔

چونکہ اس سورۃ مبارکہ کا اکثر حصہ بنی اسرائیل کے احوال پر مشتمل تھا تو انکے دو عظیم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس انداز سے کیا گیا کہ ذہن انہی کی طرف جائے۔ ان میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں اتنی صراحت نہیں ہے، جو حضرت

عیسیٰ کے ذکر میں ہے، اسلئے کہ آپ کا نام لیکر بات کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ:

(اور دی ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو) یعنی انکو جو حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، خدا۔۔۔یا۔۔۔خدا کے بیٹے اور اس کے شریک نہیں، جیسا کہ عیسائیوں نے ان کے تعلق سے گمان کر رکھا ہے۔

صراحت کے ساتھ نام لیکر 'فرزند مریم' کہہ کر تعارف کرانے میں عیسائیوں کے باطل خیال کا رد بلیغ ہے۔

حضرت مریم کے یہ فرزند جمیل بڑی شان والے تھے، ہماری نوازشات کا مرکز تھے۔ چنانچہ عطا کی ہم نے انکو **(کھلی نشانیاں)** زیادہ تر حسی معجزات۔۔۔ مثلاً: مُردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا اور برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ **(اور)** صرف اتنا ہی نہیں بلکہ **(تائید فرمائی ہم نے ان کی روح مقدس)** جبرائیل امین **(سے)** جنھوں نے ابتداء میں نفخ روح کے ذریعہ مدد کی، پھر آپ کو علوم سکھائے اور آپ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے رہے اور جہاں جہاں آپ جاتے وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتے، یہاں تک کہ آخر میں جب یہودیوں نے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کو آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔

اس بیان سے یہودیوں کا رد بلیغ ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننا تو الگ رہا، ایک شریف انسان ماننے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔ ان پر واضح کر دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم المرتبت رسول، صاحب آیات واضحہ و معجزات عظیمہ تھے۔ حضرت جبرائیل امین کی تائید ہر ہر وقت انکے ساتھ تھی۔۔۔ الحتصر۔۔۔ **ان کی ذات شریفہ کے تعلق سے عیسائیوں کی افراط اور یہودیوں کی تفریط دونوں باطل ہیں۔**

اس مقام پر سننے والو سن لو **(اور)** یقین کر لو کہ **(انشاء اللہ)** یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپس میں اختلاف کر کے **(نہ لڑ)** پڑ **(تے وہ)** لوگ **(جو)** اپنے اپنے **(ان)** ہر ہر رسولوں **(کے بعد ہوئے)** اور وہ بھی **(بعد اس کے کہ)** انکے پاس پہلے ہی سے **(آ چکی تھیں)** انکے رسولوں کی طرف سے **(روشن باتیں)**، یعنی معجزات باہرہ اور آیات ظاہرہ جو حق کی حقیقت کو واضح کر رہی تھیں اور جن کی مخلصانہ پیروی، بلاوجہ باطل کی حمایت کرنے کیلئے آپس میں لڑنے جھگڑنے اور اختلافی ماحول بنانے سے بالکلیہ کنارہ کش ہو جانے کی داعی اور اسکے لئے موجب تھیں، **(لیکن)** بالآخر اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال

کئے بغیر اپنی نفسانیت کے دباؤ میں اہل باطل اہل حق سے اختلاف کر بیٹھے چنانچہ (وہ مختلف ہو گئے، تو ان میں سے کسی نے) جو اہل حق تھے، راہ راست کو اپنائے رکھا اور (مانا) اپنے اپنے رسولوں کی جملہ ہدایات کو اور وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور ایمانی تقاضے کے مطابق نیک عمل کرتے رہے۔

(اور ان میں سے کسی نے) جو اہل باطل تھے، رسولوں کی ہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے (انکار کر دیا)۔ اسطرح حق و باطل کا اختلاف سامنے آ گیا، جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان عادتاً لڑنے کا سبب بن گیا۔

---الختصر---رسولوں کے امور و معاملات کے تعلق سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی سنت قدیمہ یہی رہی ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ مبعوث کیے جاتے ہیں، انکا ہر ہر فرد ان پر ایمان لانے والا اور ان کی اطاعت کرنے والا نہیں ہوتا، نہ ان کی حیات میں اور نہ ان کی وفات کے بعد---بلکہ---اگر کچھ ماننے والے ہوتے ہیں تو کچھ انکار کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اس ارشاد میں اپنے حبیب ﷺ کیلئے تسلی بھی ہے، کہ اے محبوب! آپ فکرمند نہ ہوں۔ اگر کچھ لوگ آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا ہے۔ ہدایت و ضلالت اور سعادت و شقاوت کا ٹکراؤ ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(اور) مشیت الٰہی کو منظور نہ ہوتا تو (انشاء اللہ وہ) سب کے سب دین حق کو قبول کر لیتے اور ان کے عہد میں دین اسلام کے ماننے والوں کے سوا کوئی نہ ہوتا۔ اور جب سب کا دین و مذہب ایک ہو جاتا تو پھر دین و مذہب کے نام پر کسی اختلاف، کسی لڑائی اور کسی تصادم کا سوال ہی نہیں اٹھتا، تو پھر وہ آپس میں دین کے نام پر (نہ لڑتے) اور نہ ہی انکے بیچ بنام مذہب کوئی اختلاف ہوتا۔ (لیکن) ایسا کیسے ہوتا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ سب کے ارادوں پر غالب ہے اور (اللہ) تعالیٰ (جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رب کریم نے بندوں کو بھی قدرت و اختیار سے نوازا ہے بندوں کا دوسرے بندوں سے اختلاف کرنا، ان میں بعض کا ایمان لانا اور بعض کا اپنے کفر پر جما رہنا، اور یہ سب کچھ اپنے ہی ارادہ سے کرنا، یہ سب قدرت و اختیار ہی کا تو ثمرہ ہے۔ اور یہ

سارے مذکورہ بالا امور بھی ایسے ہیں جنکا تعلق اعضاء وجوارح کے اعمال وافعال سے نہیں کہ اس میں جبر وقہر کا گوشہ نکل سکے، یہ سارے اعمال خود عامل کی دلی تحریک کا نتیجہ ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔قادر مطلق اپنے بندوں کو قدرت واختیار دے دینے کے بعد خود ان بندوں کے تعلق سے بے اختیار اور بے قدرت نہیں ہوجاتا۔ قادر مطلق نے اپنے بندوں کو نہ مختار کل بنایا ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کریں اور نہ ہی مجبور محض بنایا ہے کہ وہ اپنے ارادے سے کچھ کرہی نہ سکیں۔ کسی بندے کو اگر کھڑا کر کے کہاجائے کہ اپنا داھنا پاؤں اٹھاؤ، وہ فوراً اٹھالے گا اور ظاہر ہے کہ یہ کام اس نے اپنے اختیار ہی سے کیا ہے لیکن اگر اسی سے کہاجائے کہ دایاں پیر اٹھار ہنے دو اور اب بایاں پیر اٹھاؤ، تو وہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان مجبور محض نہیں ورنہ ایک پیر بھی نہیں اٹھا سکتا۔۔۔یونہی۔۔۔وہ مختار محض بھی نہیں ورنہ دونوں ہی پیر اٹھالیتا۔

۔۔۔الختصر۔۔۔اسکا معاملہ رب کریم نے جبر واختیار کے درمیان رکھ چھوڑا ہے۔ رب کریم کی سنت قدیمہ نے اپنے بندوں کو فکر ودانش اور عقل وسمجھ سے سرفراز فرمایا اور انھیں عمل کی قوت عطا فرمائی، نیک وبد سمجھنے کا شعور دیا۔ اور پھر ان پر انبیاء کرام کے ذریعہ ہدایت و نجات کا راستہ واضح اور روشن فرمادیا اور اسکو اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے ہدایت وضلالت، دونوں میں سے جو راستہ چاہے اپنالے، تو کسی نے اپنی فکر سلیم اور عقل مستقیم سے کام لیتے ہوئے راہ راست اختیار کی اور بعض دوسروں نے نفسانی شہوات اور دنیاوی خواہشات پر اپنی مرضی سے اپنی روحانی ترقی کو قربان کردیا۔

۔۔۔الختصر۔۔۔انسانوں کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے وہ قدرت خداوندی کے باہر نہیں نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ جس طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے، وہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسکو صرف راہ راست پر چلنے کیلئے مجبور کرسکتا ہے اور اسی طرح اختلاف کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مصلحت عامہ اور حکمت بالغہ کا تقاضہ یہی ہے کہ حق وباطل کی یہ آویزش جاری رہے اور ہر شخص اپنی مرضی سے حق وباطل میں سے جسے چاہے اختیار کرلے۔

رب علیم وحکیم نے اس کائنات کو مجموعہ اضداد بنایا ہے۔ موجودات میں صرف ذات خداوندی ہی ایک ایسی ذات ہے جو:

لَا نِدَّلَهٗ اور لَا ضِدَّلَهٗ

۔۔۔کی شان رکھتی ہے، نہ اسکی کوئی ضد ہے اور نہ ہی اسکا کوئی شریک ہے۔کائنات میں اضداد کو ایک دوسرے کی پہچان کا ذریعہ بنانا، ضابطہ معرفت کی ایک اہم کڑی ہے۔ایک ضد کو دوسری ضد سے پہچاننا ایسا معروف ومتعارف ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس سے بے خبر نہیں:

تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِهَا

چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۔۔۔کے قاعدے سے ہر باشعور باخبر ہے۔غور کیجئے کہ اگر آفتاب ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہمارے نصف النہار پر رہتا تو ہم نور آفتاب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ اور ان سوالات کا واضح جواب دینا ہمارے بس میں نہ ہوتا کہ نور آفتاب کیا ہے؟۔۔۔کہاں ہے؟۔۔۔اس سے فائدہ کیا؟۔۔۔ہمیں یہ نور کیوں نہیں دکھائی دے رہا ہے؟۔۔۔شجر، حجر، زمین، آسمان۔۔۔الختصر۔۔۔حیوانات، نباتات، جمادات، عمارتوں کے درودیوار، انکے نقش ونگار اور رنگ وروغن سب نظر آرہے ہیں، مگر اس میں وہ کون سی چیز ہے جسے نور کہا جاسکے؟ رہ گیا آفتاب تو وہ تو آفتاب ہے، اسکو نور کہنے کی کیا وجہ ہے؟ ہماری آنکھیں ہم کو سب کچھ دکھا رہی ہیں، آخر یہ نور کیوں نہیں نظر آتا؟۔۔وغیرہ۔۔وغیرہ۔

۔۔۔الختصر۔۔۔آفتاب کی دائمی موجودگی کی صورت میں ہر خاص وعام کو ان سوالات کے جوابات سے مطمئن کردینا اور 'نور کی کما حقہ معرفت' کرادینا ایک دشوار امر ہے۔لیکن جیسے ہی آفتاب غروب ہوا اور ہر طرف تاریکی چھاگئی، مذکورہ بالا سارے سوالات کے جوابات خود بخود ذہن میں آنے لگے اور ایک عام ذہن بھی سوچنے لگے کہ آفتاب کے ساتھ ساتھ ایک ایسی چیز بھی غائب ہوگئی جسکی وجہ سے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ہماری آنکھ کی روشنی ہمارے لئے بیکار ہوگئی ہے۔کائنات کی ساری چیزیں اپنی حالت میں موجود ہیں، عمارتوں کے نقش ونگار فنا نہیں ہوگئے، مگر اب ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ نہ تو عمارتوں کے درودیوار نظر آرہے ہیں اور نہ ہی انکے نقش ونگار۔پتہ ہی نہیں چلتا کہ کس دیوار پر سفیدی کتنی ہے اور سیاہی کتنی ہے؟ اسکا کون سا حصہ سرخ ہے اور کون سا سبز، وغیرہ وغیرہ۔

ہماری وہ آنکھیں جن سے ہم سب کو دیکھتے تھے، وہ اس اندھیرے گھپ میں ایسا بے نور

ہوگئی ہیں، خود اپنے ہی جسم کو نہیں دیکھ پارہی ہیں۔اس سے واضح ہوگیا کہ نورِ آفتاب وہ ہے، جو رہے تو سب نظر آئے اور نہ رہے تو کچھ بھی نہ دکھائی دے۔**نورِ آفتاب کا کام موجودات کا بنانا اور مٹانا نہیں، بلکہ انکو واضح طور پر دکھادینا ہے تاکہ دیکھنے والا دھوکا نہ کھائے اور سفیدی کو سیاہی اور سیاہی کو سفیدی نہ سمجھ لے۔**

اس مقام پر یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ خود ہماری آنکھوں کا نور اسی صورت میں ہمارے کام کا ہے، جب ایک دوسرا نور بھی اسکا معاون و مددگار اور اسکا رفیق ہو۔**اب اگر آفتاب کا نور نہ ہوتو، آنکھ کا نور کیا دیکھ سکے؟۔۔۔یونہی۔۔۔آنکھ کا نور نہ ہو، تو پھر آفتاب کے نور میں کیا نظر آسکے؟**۔۔۔الحتصر۔۔۔ظلمت شب نے نورِ آفتاب کی قدر و قیمت، اسکی اہمیت و ضرورت اور اسکی حقیقت و ماہیت کو جس قدر اجاگر کیا ہے، اگر یہ ظلمت نہ ہوتی، تو اس پر پردے ہی پڑے رہتے۔

ربِ علیم و حکیم نے باطل کی ظلمتوں کی تخلیق فرمائی اور ان ظلمتوں کو باقی رکھنے اور ان کو بڑھاوا دینے والے عناصر کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے اور ان سب کو اپنے غیر متناہی، لامحدود اور بے پناہ اختیارات و قدرت کے باوجود، اپنی کائنات میں رہنے دے رہا ہے تاکہ یہ ظلمتیں نورِ حق کی معرفت کراتی رہیں۔اور نورِ حق کی قدر و قیمت اور اسکی اہمیت و ضرورت کو ظاہر کرتی رہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔باطل نے حق کی خوب خوب پہچان کرادی۔اب اگر بالفرض یہ حق و باطل کی آویزش نہ ہوتی، پوری کائنات میں از اوّل۔۔۔تا۔۔۔آخر حق اور اہلِ حق کے سوا کسی کا وجود نہ ہوتا، پھر تو اس کائنات میں انبیاء کرام و مرسلین عظام کی تشریف آوری ضروری نہ رہ جاتی۔اس صورت میں انکا ظہور ایک غیر ضروری امر قرار پاتا اور پھر یہ دنیا خدائی صحیفوں کے انوار و برکات سے محروم رہ جاتی۔

اس مسئلے پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

'میں ایک خزانہ مخفی تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں

'فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ' تو میں نے ساری مخلوق کو پیدا فرمادیا۔'

۔۔۔اور ظاہر ہے کہ خدائے عزّ و جلّ کی ذات۔۔۔یا۔۔۔اسکی کسی صفت کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنا تو 'محالاتِ خرد' میں سے ہے اور کائنات کی عقل و ادراک سے

وراء الوریٰ ہے۔تو اب اسکی معرفت صرف 'اس کے مظاہر کی معرفت' ہی سے ہوگی اور وہ بھی ہر عارف کو اسکی اپنی فہم و دانش کے مطابق ظاہر ہے کہ آفتاب کو براہِ راست دیکھ کر سمجھنا اور ہے، اور اسے آئینے کے اندر دیکھ کر سمجھنا اور ہے۔

خدائے علیم و حکیم کی ہر ہر صفت درجہء کمال والی ہے، جس کے اوپر کمال کا کوئی درجہ نہیں ---الغرض--- وہ کمال کا وہ نقطہ ہے جس پر اضافہ نہ کیا جا سکے۔تو اب نہ خدا کی رحمت و مغفرت کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی قہر و جبر کی۔اور یہی حالت دوسری صفات کمال کی بھی ہے، تو جہاں ایک طرف خدا کی بے پناہ رحمت و مغفرت اور اسکے فضل و کرم کی معرفت کیلئے مرحومین و مغفورین اور ان پر بے پناہ نوازشات الٰہیہ کی معرفت کی ضرورت ہے، تو وہیں دوسری طرف خدائی قہر و جبر اور اسکے عدل و انصاف کی معرفت کیلئے مقہورین و ضالین و **مَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ** اور ان پر خداوندی قہر و غضب کی نوعیت کی معرفت کی بھی ضرورت ہے۔

---الغرض--- خدا قادر مطلق ہے کہ وہ اپنی معرفت جس طرح چاہے، جس کو چاہے، اور جتنا چاہے کرائے ---نیز--- اپنی جس صفت کا مظہر جس کو چاہے بنائے۔پس بارگاہِ خداوندی میں یہی دعا کرنی چاہیۓ کہ مولیٰ تعالیٰ تو ہمارا مالک حقیقی ہے--- تو ہمیں اپنا مخلص بندہ بنا کر رکھ--- ہمارے اعمال و افعال اور اقوال و کردار سے یہی ظاہر ہو، کہ ہم تیرے عاجز بندے ہیں اور تو ہمارا حقیقی مالک ہے--- ہمارے اندر ہمیشہ روحِ سعادت کار فرما رہے اور ہم میں کبھی ایسی جرأت پیدا نہ ہو سکے کہ ہم اعتراض و اعراض کے نقطۂ نظر سے تجھ سے یہ سوال کریں کہ:

'اے مالک تو نے ایسا کیوں کیا؟'

---وہ بھی کوئی مالک ہے جو اپنے بندوں کی بے جا خواہشات اور انکے خود ساختہ اصولوں کا پابند ہو اور اپنے معاملات میں بندوں کے مشوروں کا محتاج ہو ---المختصر--- حق و باطل کے درمیان کی آویزش مصلحت خداوندی اور حکمت ربانی کے بالکل مطابق ہے۔اب جبکہ حق و باطل کے درمیان اختلاف ایک ناگزیر امر ہے، اور یہ ہو کر ہی رہے گا، تو اس کیلئے اہل حق کو جہاد کرنے کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ اسکی تیاری کیلئے سرمایے کی بھی ضروری پڑے گی تو---

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ

اے ایمان والو! خرچ کرو اس مال سے کہ روزی دی ہم نے تم کو، پہلے اسکے کہ آئے وہ دن۔ جس میں نہ ہر ایک کیلئے تجارت ہے

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ‌ؕ وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝

اور نہ دوستی ہے اور نہ سفارش ہے۔ اور انکار کرنے والے آپ ہی ظالم ہیں●

(اے ایمان والو) جہاد وقتال کی صورت حال پیش آجانے کی صورت میں ---یا--- فریضہ، زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آجانے کی شکل میں ---یا--- فی سبیل اللہ صرف رضائے الٰہی کے حصول کیلئے (خرچ کرو اس مال سے کہ روزی دی ہم نے تم کو) اس کام میں تاخیر نہ کرو اور مرنے سے پہلے ہماری ہی عطا کردہ دولت سے جس قدر نیکیاں جمع کرسکو، کرلو۔ اور اس طرح جب تک تم دنیا میں ہو آخرت کیلئے منافع حاصل کرلو، کیونکہ ان منافع کا آخرت میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، اسلئے (پہلے اسکے کہ آئے وہ دن جس میں نہ ہر ایک) کس وناکس (کیلئے تجارت ہے) جس طرح دنیا میں انسان اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف سے بچانے کیلئے بعض چیزیں خرید لیتا ہے، قیامت میں کسی کیلئے اس کی گنجائش نہیں رہے گی (اور نہ) ہی اس دن پرہیزگاروں کے سوا ان کافروں کے دنیا میں گہرے دوستوں کی کام آنے والی (دوستی ہے) اسلئے کہ یہ لوگ اس دن آپس میں ایک دوسرے سے دشمن ہونگے (اور) ان کافروں کیلئے (نہ) ہی کسی سفارش کرنے والے کی (سفارش ہے) ---اللہ کے نیک بندوں کو اذن شفاعت عطا فرمایا جائیگا، مگر صرف مومنین کیلئے۔

---الختصر---کافروں کی سفارش کیلئے نہ کسی کو اذن خداوندی ملے گا اور نہ ہی بغیر اذن کوئی سفارش کرسکے گا---الختصر---مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کی دوستی اور انکی سفارش کام آئے گی۔ کسی کی دوستی اور سفارش کام نہ آنے والی محرومی صرف کفار کیلئے ہے (اور) ان کافروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اپنے اوپر ظلم قرار دیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ توحید و رسالت، قیامت و آخرت---الغرض---دین حق کا (انکار کرنے والے آپ ہی) اپنے اوپر اندھیر کرنے والے (ظالم ہیں)۔ ان دین حق سے انکار پر اٹل رہنے والوں پر بار بار صاف وشفاف انداز میں فصیح وبلیغ پیرائے میں واضح کیا جاچکا ہے کہ---

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ، نہیں کوئی معبود سوا اسکے۔ خود زندہ، سب کا قائم رکھنے والا۔ نہ آئے اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون وہ ہے جو سفارش کرے اس کے پاس، مگر اس کے حکم سے۔ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے

وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور نہیں گھیر میں لا سکتے کچھ اسکے علم سے، مگر جس قدر اس نے خود چاہا۔ گنجائش دے دی اسکی کرسی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

نے آسمانوں اور زمین کو۔ اور نہیں بار ہوتی اس کو نگہبانی دونوں کی۔ اور وہی بلند و برتر ہے●

(اللہ) تعالیٰ کی ذات جو واجب الوجود، قدیم بالذات، تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع ہے اور تمام نقائص سے بری ہے، وہی اور صرف وہی عبادت کی مستحق ہے اور (نہیں) ہے (کوئی معبود سوا اس کے) جو ہمیشہ سے (خود زندہ)، اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی۔ جواز خود قائم ہے اور (سب کا) سارے عالم کا (قائم رکھنے والا) ہے اور اسکے نظام کی تدبیر فرماتا ہے۔ اور (نہ آئے اس کو اونگھ) جو نیند کا مقدمہ ہے، چونکہ اسکی ذات تھکاوٹ اور سستی سے پاک ہے، تو غفلت کی جو کیفیت تھکاوٹ و سستی کا ثمرہ ہے، اس سے بھی پاک ہے۔

(اور) یونہی (نہ) ہی آئے اسکو (نیند) اسلئے کہ نیند سے دماغ کے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں جسکے بعد علم و ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور و ادراک بھی موقوف ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے، کیونکہ وہ اس عظیم کائنات کا موجد اور اسکے نظام کو جاری رکھنے والا ہے اور ہر لحہ اور ہر آن اس کائنات میں تغیر واقع ہو رہا ہے اور اس کے علم اور اسکی توجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ ہر وقت ہر چیز کے ہر حال کا عالم ہے، بے خبر اور سونے والا نہیں ہے۔ (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق، سب اس کے بندے اور اسکی ملکیت ہیں، ہر چیز اسکی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہے۔ اور (کون وہ ہے جو سفارش کرے) کسی کی (اس کے پاس، مگر اس کے حکم سے) اللہ تعالیٰ کی جلالت، عظمت اور اسکی کبریائی کا یہ تقاضہ ہے کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی شخص اسکے حضور شفاعت نہ کر سکے گا۔ (جانتا ہے) اللہ تعالیٰ (جو کچھ

ان) آسمان والوں اور زمین والوں (کے آگے) یعنی سامنے یا گزر چکے اس دنیا کے امور سے (اور) جانتا ہے (جو کچھ ان کے پیچھے ہے) ان کے بعد آنے والا ہے۔
۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ تعالیٰ انکے ماضی و مستقبل دونوں سے باخبر ہے (اور) یہ کائنات والے (نہیں گھیر میں لا سکتے) احاطہ نہیں کر سکتے (کچھ) بھی (اس کے علم) یعنی اسکی معلومات (سے، مگر جس قدر اس نے خود چاہا)۔۔۔المختصر۔۔۔تمام کائنات کا علم تو الگ رہا، ایک ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم کتنا وسیع ہے کہ انسانی عقل اسکا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مخلوق کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔
— (گنجائش دے دی اسکی کرسی نے) یعنی اسکے علم نے۔۔۔یا۔۔۔اسکی عظمت نے۔۔۔یا۔۔۔ اسکی قدرت وملکیت نے۔۔۔یا۔۔۔اسکی وہ عظیم ووسیع اور طویل وعریض مخلوق نے جو عرش کے نیچے ہے اور آسمانوں کے اوپر ہے اور کرسی کے نام سے موسوم ہے۔۔۔یا۔۔۔اس نے جسکی حقیقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، (آسمانوں اور زمین کو)۔۔۔الحاصل۔۔۔اسکے علم، اسکی عظمت اور اسکی قدرت و حکمت۔۔۔یا۔۔۔اسکی وہ پراسرار عظیم وجلیل مخلوق جو آسمانوں اور زمینوں کا احاطہ کئے ہوئے اور اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے جسکے دائرے سے نہ آسمان باہر اور نہ ہی زمین (اور نہیں بار ہوتی اس کو نگہبانی دونوں کی)۔
۔۔۔الغرض۔۔۔آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو نہیں تھکاتی بلکہ یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے۔ وہ ہر چیز کا قائم رکھنے والا اور ہر چیز کا محافظ ونگہبان ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اسکا ارادہ اٹل ہے اور جسکا ارادہ کرلے، اسکو ضرور کر گزرتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے (اور وہی) ہر شے سے (بلند و برتر ہے) کبریائی اور بڑائی اسی کو زیبا ہے۔ جس کی نازل فرمودہ یہی مذکورہ بالا ایک آیت جسے 'آیۃ الکرسی' کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، دوسری آیات قرآنیہ سے عظیم ہے۔ ہر ہر نماز کے بعد اس آیت کریمہ کا تلاوت کرنے والا دوسری نماز تک رب کریم کی حفاظت میں رہتا ہے اور وفات پاتے ہی جنت کی بہاروں کے حوالے کردیا جاتا ہے۔ اس آیت کی حفاظت کی سعادت صدیقین وشہداء ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ کو رات کو پڑھ کر سونے والا خدا کی حفاظت خاص میں آجاتا ہے اور صبح تک شیطان اسکے قریب نہیں آسکتا۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ۫ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

کوئی زبردستی نہیں دین میں۔۔۔ یقیناً چھنٹ گئی ہدایت گمراہی سے۔ تو جو انکار کردے، شیطان کا۔

وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ

اور مان جائے اللہ کو، تو واقعی اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔

لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

نہیں ہے اسے کسی قسم کی شکستگی۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

آیت الکرسی میں مذکور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو جان لینے کے بعد انسان کو ازخود اس پر ایمان لانا چاہیے، اس کیلئے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں۔

۔۔۔تو۔۔۔اے محبوب اپنے چاہنے والے انصاری حصین۔۔۔یا۔۔۔ابوالحصین سے جن کے دو بیٹوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔۔۔یا۔۔۔مسلمان ہونے کے بعد پھر نصرانی ہوگئے، صاف صاف کہہ دو اور اسطرح اس پیغام کو ہر ایمان والے تک پہنچادو کہ (کوئی زبردستی نہیں دین) کو قبول کرانے (میں)۔ تو اب اگر مجوس اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ جزیہ دینا قبول کرلیں تو انھیں اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے، کیونکہ وہ الوہیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، جزا سزا اور حلال وحرام کے اصولی طور پر معترف ہیں اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے باج گزار ہوجائینگے اور انکا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہوگا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ کے مواقع میسر ہونگے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد۔۔۔یا۔۔۔بدیر اسلام کو قبول کرلیں گے اور انکا اسلام کو قبول کرلینا بہ رضا و رغبت ہوگا جس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاد کی اس شکل پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن اگر ایسی شکل ہو کہ مسلمانوں کے شہر پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑ جائے، پھر تو یہ جہاد فرض عین ہے، جیسا کہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق اسکی مثالیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بھی لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کے خلاف نہیں، اسے مدافعانہ جنگ قرار دیا جائیگا۔ اسی مدافعانہ جنگ میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ اگر کفار کے تعلق سے یہ علم ہوجائے کہ وہ حملہ کرنے کی پوری تیاری کررہے ہیں اور ایک عظیم طاقت اکٹھا کررہے ہیں تو ایسی صورت میں خود ہی سبقت کرکے ان پر حملہ کردینا اور انکی طاقت کو منتشر کردینا، ایسا کہ پھر وہ حملہ کرنے کے لائق ہی نہ رہ جائیں، تو یہ عمل بھی اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کے دائرے میں نہیں آتا۔

اب رہ گئی یہ شکل جس میں اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر' خود رب قدیر نے صالحین کو جسکا وارث قرار دیا ہے' اللہ کے دین کو قائم کرنے کیلئے اور خدائی ضابطہء امن وامان کو نافذ کرنے کیلئے خدا کی بنائی ہوئی زمین کو فتنہ وفساد سے پاک وصاف کردینے کیلئے ۔۔۔الغرض۔۔۔اس کائنات ارضی پر ہر حیثیت سے دین خداوندی کو غالب کردینے کیلئے اور مفسدین کو اس درجہ مجبور ومقہور کردینے کیلئے کہ وہ کہیں فتنہ وفساد برپا کرنے کو سوچ بھی نہ سکیں، جیسے کہ فتح مکہ، فتح طائف، فتح خیبر۔ ۔۔۔یونہی۔۔۔مصر، شام، عراق، اور ایران وغیرہ کی فتوحات، یہ سب بھی حقیقی معنوں میں **اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ** نہیں ۔۔۔بلکہ۔۔۔ یہ ان حقیقی مجرمین کی سزا ہے جو خدا کی زمین پر رہتے ہیں، اسکی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسکا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، اس کے باوجود اسکی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کرتے، بلکہ اسکی زمین پر فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔ یہ خدا کے باغی ہیں اور ساری دنیا کے عقلاء کا فیصلہ ہے کہ باغیوں کی سزا ہی قتل کردینا ہے۔ کوئی حکومت اگر باغی کو قتل کراتی ہے، تو اس حکومت کو جابر وظالم نہیں کہا جاسکتا۔۔۔الغرض۔۔۔ جہاد کی یہ آخری شکل جو بہ شرط استطاعت صرف 'فرض کفایہ' ہے، یہ بھی **اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ** کے خانے میں نہیں آتی۔

اس مقام پر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کیلئے آمادہ کرنا اور اس کو مجبور کرنا جس میں درحقیقت اسکے لئے کوئی بھلائی نہ ہو، یہ وہی **اِکْرَاہَ** ہے جو ناپسندیدہ ہے۔ اب اگر کسی ایسے کام کیلئے مجبور کیا جائے جس میں خیر ہی خیر ہے تو یہ بظاہر صورتاً **اِکْرَاہَ** تو ہے مگر حقیقتاً **اِکْرَاہَ** نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دین اسلام، از اوّل تا آخر، خیر ہی خیر ہے، تو اس 'خیر کل' کیلئے 'حقیقی اکراہ' کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یونہی اس 'خیر کل' کیلئے **اِکْرَاہ** کی ضرورت بھی نہیں۔

کیونکہ **(یقیناً چھنٹ گئی)** ممتاز ہوکر الگ ظاہر ہوگئی **(ہدایت)**، سیدھی راہ جو خدا تک پہنچاتی ہے **(گمراہی)** خدا سے دور کردینے والی راہ **(سے)**۔۔۔یعنی۔۔۔کفر، اسلام سے اور حق، باطل سے متمیز ہوگیا۔ حق کے اس قدر واضح ہوجانے کے بعد اور باطل کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد، کسی صاحب شعور سے یہ متصور نہیں کہ وہ باطل کا انکار نہ کرے اور حق پر ایمان نہ لائے۔

(تو) اب (جو) نیک بخت (انکار کردے) بتوں، کاہنوں، ساحروں، معبودان باطل، ہر ہر سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والوں اور تمام شرارتوں کا سرغنہ **(شیطان کا)** اور صرف اس انکار پر ٹھہرنہ

جائے بلکہ ایمان لائے (اور) دل کی سچائیوں کے ساتھ (مان جائے اللہ) تعالیٰ (کو) اور اسکی نازل فرمودہ جملہ ہدایت کو، (تو واقعی اس نے مضبوط کڑا تھام لیا) اور اسکے ہاتھ میں ایمان، قرآن، کلمہ اخلاص، اعتقاد حق، ایسا سبب جو رضاء الٰہی تک پہنچادے، خدا سے عہد وفاداری، اتباع سنت، خداوندی اوامر کے امتثال اور اس کے نواہی سے اجتناب کا عزم۔۔۔الغرض۔۔۔توفیق خیر اور سعادت دارین، کی ایسی مضبوط زنجیر آ گئی ہے کہ (نہیں ہے اسے کسی قسم کی شکستگی) ٹوٹنا، کٹنا (اور اللہ سننے والا ہے) اسکی بات جو عُرْوَۃ وُثْقٰی کے ساتھ توسل رکھتا ہے اور (جاننے والا ہے) اس شخص کی نیت خالص جس نے اس عُرْوَۃ وُثْقٰی یعنی 'مضبوط پکڑ' کو پکڑ رکھا ہے۔روح سعادت رکھنے والو سن لو کہ۔۔۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اللہ مددگار ہے اُن کا جو مان گئے، نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔ اور جنھوں نے انکار کیا،

اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ

ان کے مددگار شیطان ہیں، نکالتے ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف۔

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

وہی ہیں جہنم والے، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اللہ) تعالیٰ (مددگار ہے) معین و ناصر ہے، محبت فرمانے والا ہے اور کارساز ہے (انکا جو مان گئے) بالفعل۔۔۔یا۔۔۔مان لینے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔۔۔یا۔۔۔علم الٰہی میں جن کا ایمان ثابت ہے (نکالتا ہے ان کو) اپنی ہدایت و توفیق سے کفر و معاصی کی (تاریکیوں سے)، ایمان وایقان اور طاعت واستقامت کے (نور کی طرف اور) انکے برخلاف (جنہوں نے انکار کیا) بالفعل۔۔۔یا۔۔۔انکار کرنے کا عزم کرلیا ہے۔۔۔یا۔۔۔علم الٰہی میں جنکا انکار ثابت ہے (انکے مددگار شیطان) اور راہ حق سے بھٹکا دینے والے، کعب بن اشرف اور حی بن اخطب اور ان جیسے سارے مضلین و گمراہ گر افراد اور اصنام (ہیں)، ان کے دلوں میں باطل وسوسے اور شبہات ڈالکر، نفع وضرر کے تعلق سے انکے خود ساختہ نظریات کو دلوں میں راسخ کر کے اور ان کو اس خام خیالی میں مبتلا کر کے کہ بتوں کی پرستش ہی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اس طرح (نکالتے) ہیں (انکو) یعنی ان میں کھلے کافروں کو فطرت اسلامیہ

کے اس (نور سے) جن پر انسان کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔۔۔یا۔۔۔دین برحق کی حقانیت کے دلائل و بینات کی اس روشنی سے، جس نے انکے فہم وادراک کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ ان کو ایمان لانے سے روکتے ہیں اور جو ایمان لا چکے، ان کو نکالتے ہیں نور ایمان سے کفر وضلالت اور ان میں انہماک کی (تاریکیوں کی طرف)۔ جان لو کہ (وہی) کفر کرنے والے، اپنے طاغوتوں کے ساتھ (ہیں جہنم) میں رہنے (والے) اور صرف چند دن نہیں بلکہ (وہ) سب (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے اور کفار کے دوست شیطان ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ایک مثال مومن کی اور ایک مثال کافر کی بیان فرما رہا ہے تا کہ اس قاعدے کی وضاحت ہو اور اس قاعدے پر دلیل قائم ہو۔

مومن کی مثال میں حضرت ابراہیم کو بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنی ذات اور صفات پر دلیل پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے کافر کے شبہات کا قلع قمع کر دیا اور کافر کی مثال میں نمرود بن کنعان بن سام بن نوح علیہ السلام کو بیان کیا۔ یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا جس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا، اپنے سر پر شاہی تاج رکھا تھا اور سرکشی کر کے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب وحیران ہوا۔ اس سے پیشتر کسی سے یہ امور صادر نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب فرما کر یاد دلاتا ہے کہ۔۔۔

نصف الحزب

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ

کیا تم دیکھ نہیں چکے جس نے حجت لڑائی تھی ابراہیم سے انکے رب کے بارے میں کہ دے رکھی تھی اسکو اللہ نے حکومت، جب کہا

اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ۗ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

ابراہیم نے میرا رب ہے جو زندہ کرتا اور مار ڈالتا ہے، بولا کہ میں جلاتا مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

تو بے شک اللہ لاتا ہے سورج پورب سے، تو لے آ پچھم سے،

فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ

تو بھونچکا کر دیا گیا وہ جس نے کفر کیا تھا۔ اور اللہ راہ پر نہیں لاتا ظالم قوم کو●

اے محبوب (کیاتم) اپنی نگاہِ علم وادراک سے (دیکھ نہیں چکے) اس کم عقل، ناسمجھ، فہم و فراست سے عاری، کٹ حجتی کرنے والے کو، (جس نے حجت لڑائی تھی) اور بظاہر مناظرانہ طور وطریق اپنانا چاہا تھا، اسے یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ کا معنی ہے فریقین کی دلائل میں نظر کرنا۔۔۔المختصر۔۔۔انانیت ہٹ دھرمی، کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔۔۔الحاصل۔۔۔ اس کٹ حجتی کرنے والے نے کٹ حجتی بھی کی تو کس سے؟ حضرت (ابراہیم سے) اور وہ بھی کس کے بارے میں (انکے رب کے بارے میں) چوں (کہ دے رکھی تھی اس کو اللہ) تعالیٰ (نے حکومت)۔ بادشاہی ملتے ہی اس نے حجت بازی شروع کردی، اس پر اسے اس کے کبر نے ابھارا، چنانچہ وہ سرکشی میں پڑگیا اور حجت باز بن بیٹھا۔

اس کو تو چاہیے یہ تھا کہ جب اسے بادشاہی ملی تھی، تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا، لیکن اس نے اسکے برعکس کیا۔ یعنی جو اس پر واجب تھا، اس کے خلاف کیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔اپنی قید سے نکال کر آتش کدہ میں ڈالنے سے پہلے۔۔۔یا۔۔۔آتش کدہ سے صحیح وسلامت نکل آنے کے بعد اس نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے؟ تو اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نمرود کے اس سوال کے جواب میں (جب کہا ابراہیم نے میرا رب ہے) وہ (جو زندہ کرتا) ہے اور جان کی صلاحیت رکھنے والے بے جان جسم میں روح ڈالتا ہے (اور) روح رکھنے والے اجسام سے انکی روح نکال کر انھیں (مارڈالتا ہے)۔

نمرود اس قدر کم عقل تھا کہ وہ مار ڈالنے اور زندہ کرنے کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہا ۔۔۔الغرض۔۔۔درحقیقت احیاء کیا ہے؟ اور اماتت کیا ہے؟ وہ سمجھ ہی نہ سکا اور اس نے خیال کیا کہ کسی گناہ گار مجرم کو جرم سے بری کردینا اور اسے چھوڑ دینا اسکو زندہ کردینا ہے۔ اور یونہی کسی بے گناہ کو قتل کردینا، یہ اس کو مردہ کردینا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم کے کلام کے جواب میں وہ (بولا کہ میں) بھی (جلاتا) اور (مارتا ہوں)۔

نمرود نے یہ کہہ کر دو مرد بلائے جنھیں اس نے جیل میں ڈال رکھا تھا۔ اس میں ایک کو قتل کردیا اور دوسرے کو رہا کردیا۔ پھر کہنے لگا کہ دیکھئے اے ابراہیم میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

حضرت ابراہیم کا جواب نہایت خوبی والا تھا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہوسکتی جب تک اس کی صفات کا علم حاصل نہ ہو اور ساتھ ہی اسکے افعال بھی معلوم ہوں کہ وہ ایسے افعال

کا مالک ہے کہ اسکے افعال کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنی ہی قدرت رکھتا ہو۔ احیاء واماتت یعنی مارنا اور جلانا اسی قبیل سے ہے۔ حضرت ابراہیم نے نمرود کو سمجھانے کیلئے قدرت الٰہی کو بطور دلیل پیش کیا اور اس کو سمجھانے کیلئے بطورِ مثال احیاء و اماتت کو پیش کیا۔ نمرود اپنی کم عقلی کے سبب قدرت الٰہی کی اس مثال کو سمجھنے سے قاصر رہا، تو پھر فوراً ہی حضرت ابراہیم نے قدرت الٰہی کی دوسری مثال پیش فرمادی۔

اور نمرود کے جواب میں (کہا) حضرت (ابراہیم نے، تو بیشک اللہ) تعالیٰ (لاتا ہے) نکالتا ہے، ظاہر فرماتا ہے روزآنہ (سورج) کو (پورب) کی جانب سے، آفتاب طلوع ہونے والی جگہ (سے) تو اگر (تو) بھی خدائی قدرت رکھنے والا ہے تو (لے آ) سورج کو اسکے غروب ہونے والی جگہ، (پچھم) کی جانب (سے)۔ اس مثال کو پیش کر کے اس کم عقل کی کٹ حجتی کے سارے دروازے بند کر دئے گئے (تو) اس مثال سے (بھوچکا کر دیا گیا وہ) یعنی نمرود (جس نے) کٹ حجتی کر کے (کفر کیا تھا) ---الغرض--- وہ مبہوت و متحیر و مدہوش ہوگیا اور اسکی حجت منقطع ہوگئی (اور اللہ) تعالیٰ (راہ پر نہیں لاتا) کٹ حجتی کرنے سے (ظالم قوم کو) اور انہیں ہدایت کی توفیق نہیں عطا فرماتا۔

اب تک حضرت ابراہیم کے تعلق سے جو واقعہ بیان کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کا بیان تھا اور اب جو واقعہ پیش کیا جارہا ہے اس میں قیامت کے بعد زندہ کرنے اور حشر کو ثابت کرنے کا بیان ہے--- نیز--- یہ دوسری مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کا والی و ناصر ہے جو انھیں ہر طرح کی تاریکی سے نکال کر نورانی دنیا میں پہنچادیتا ہے۔ کسی چیز کا 'علم الیقین' اسکے 'عین الیقین' اور 'حق الیقین' کے اعتبار سے ایک طرح کی تاریکی ہی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت عزیر کو 'علم الیقین' سے نکال کر 'عین الیقین' بلکہ 'حق الیقین' کی روشنی تک پہنچادیا۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ

یا جیسے وہ، جو گزرا آبادی پر جو گری پڑی تھی اپنے چھتوں پر۔ کہا کیسے جلائے گا ان کو،

هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ

اللہ ان کے مرجانے کے بعد۔ تو موت دی اس کو اللہ نے سو برس کو، پھر اسے کھڑا کر دیا ان کو۔ فرمایا کتنا تم ٹھہرے،

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ

عرض کیا میں ٹھہرا ایک دن یا اس سے کم۔ فرمایا بلکہ تم ٹھہرے رہے سو برس، تو دیکھو اپنے کھانے

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ

کی طرف اور پانی کی طرف کہ سڑا نہیں، اور دیکھو اپنے گدھے کو، اور ہماری حکمت ہے کہ بنا دیں تم کو نشانی لوگوں کیلئے

وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ

اور دیکھو ان ہڈیوں کی طرف، کیسا اٹھاتے ہیں ہم انکو، پھر پہناتے ہیں انکو گوشت، تو جب ظاہر ہو گیا واقعہ ان پر،

قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

کہا میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

تو اے محبوب! کیا نہیں ملاحظہ فرمایا تم نے حضرت ابراہیم سے کٹ حجتی کرنے والے کا واقعہ مذکورہ بالا (یا) قدرت الٰہی کو سمجھانے کیلئے اس (جیسے) کا حال۔ کون؟ (وہ) یعنی فقہائے صحابہ اور اکثر تابعین کے بقول حضرت عزیر، اور دوسرے اہل علم حضرات کے مختلف اقوال کی روشنی میں الگ الگ کوئی فرد (جوگزرا) ایک تباہ شدہ برباد ہو جانے والی (آبادی پر) یعنی بیت المقدس پر جسے بخت نصر نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور (جوگری پڑی تھی اپنے چھتوں پر)۔

ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل جب شر اور فساد برانگیختہ کرنے میں حد سے گزرے تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابلی کو ان پر مسلط کر دیا، جو چھ لاکھ جھنڈا لیکر ان پر چڑھائی کیلئے روانہ ہوا، شام کے علاقوں پر حملہ کرتا ہوا بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنی اسرائیل کے تین گروہ بنائے، ایک کو قتل کیا، دوسرے گروہ کو شام میں ٹھہرایا اور تیسرے گروہ کو قید کیا، وہ ایک لاکھ تھے۔ ان کو اپنے ساتھ لاکر بادشاہوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر ایک کے حصے میں چار چار سو غلام آئے۔

حضرت عزیر علیہ السلام بھی انہی میں سے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ان سے نجات بخشی تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس سے گزرے تو اسے نہایت زبوں حالی میں دیکھا جو اپنے اہل سے خالی ہو گئی تھی۔ پہلے اسکی چھتیں گریں پھر ان پر اسکی دیواریں گر پڑیں۔

اسطرح کی ویران آبادیوں کو پھر آباد کر دینا قدرت الٰہی سے بعید نہیں، اسکا پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے صرف عادت کے طور پر ایک عام ناظر کی سوچ کے مطابق انہوں نے خیال کیا اور زبان سے

(کہا، کیسے جلائے گا) آباد و معمور فرمائے گا **(ان کو)** ان برباد و خانہ خراب ہو جانے والوں کو **(اللہ)** تعالیٰ **(ان کے مرجانے)** برباد و نیست و نابود ہو جانے **(کے بعد، تو موت دی ان کو اللہ)** تعالیٰ **(نے سو برس کو)** عبرت والی موت، جیسے ان لوگوں پر عبرت والی موت طاری کی تھی جو طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل پڑے تھے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ وہ موت نہ تھی جو انقضائے اجل اور مدت عمر پوری ہو جانے کے بعد طاری کی جاتی ہے۔ **(پھر)** سو برس بعد ان کو حیات عطا فرما کر ان کے سابقہ اوصاف و کمالات کے ساتھ **(اٹھ کھڑا کر دیا)** اور **(ان کو)** ایک فرشتہ کے ذریعے **(فرمایا)** کہ **(کتنا تم ٹھہرے، عرض کیا میں ٹھہرا ایک دن۔۔۔یا۔۔۔اس سے کم)**۔

چونکہ دن کے ابتدائی حصے میں ان پر موت طاری ہوئی تھی اور دن کے آخری حصے میں انکو زندہ کیا گیا اور پھر جب انھوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا، تو انھوں نے گمان کیا کہ انھوں نے دن کے کچھ حصے میں قیام کیا ہے۔۔۔المختصر۔۔۔ **یہ خبر اگرچہ خلاف واقعہ تھی لیکن چونکہ اس میں انکے مقصد و ارادہ کا دخل نہیں تھا، اسلئے اسے کذب نہیں قرار دیا جائیگا۔**

انھوں نے اپنے گمان سے جو کچھ کہا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کے ذریعہ **(فرمایا)** تم اتنا ہی نہیں ٹھہرے جتنا تمہارا خیال ہے، **(بلکہ تم ٹھہرے رہے سو برس)**۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا ہو **(تو دیکھو اپنے کھانے)** کیلئے اپنے جھولے میں محفوظ کی ہوئی انجیر **(کی طرف اور)** اپنے پینے کیلئے مشکیزے میں محفوظ کردہ **(پانی)** کی طرح شیرۂ انگور **(کی طرف)** جو **(کہ)** اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی **(سڑا نہیں)**، بلکہ دونوں اپنی اسی حالت میں ہیں اور انکی تازگی کی کیفیت وہی ہے جو ان کو محفوظ کر لینے کے وقت تھی اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عادتاً نہیں ہونی چاہئے تھی۔

اس منظر کو دیکھنے سے بظاہر یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تم نے اپنی مدت قیام کا جو اندازہ لگایا ہے، وہ صحیح ہے۔ مگر اسی کو دیکھ کر ابھی کوئی فیصلہ نہ کرو **(اور دیکھو اپنے گدھے)** کی حالت **(کو)** جس کے جسم کے سارے اجزاء سڑ گل کے مٹی میں مل گئے تھے، صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں تھیں اور وہ بھی بہت ہی خستہ حالت میں۔ اس منظر کو دیکھ کر اس بات کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے کہ فرشتے کے ذریعے رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے کہ اے عزیر تم 'سو' برس ٹھہرے۔

اب موجودہ شہر کا جائزہ لینے کے بعد تم پر یہ حقیقت اور بھی روشن ہو جائیگی۔ جان لو **(اور)**

اچھی طرح سمجھ لو کہ اپنی قدرت کاملہ کے اس مظاہرے میں (ہماری) یہ (حکمت ہے) اور یہ راز ہے (کہ بنادیں تم کو نشانی) خود تمہارے لئے نہیں، اسلئے کہ تم تو نبوت والے ہو اور حشر ونشر پر یقین واذعان رکھنے والے ہو، بلکہ ان (لوگوں کیلئے) جو اس عہد میں موجود تھے جنھیں آپ کے حالات دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔

چنانچہ جب آپ اپنے مکان کی تلاش میں نکلے اور اندازے سے وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی جو نابینا تھی اور اٹھنے بیٹھنے سے عاجز تھی۔ اس بڑھیا نے حضرت عزیر کا زمانہ پالیا تھا۔ حضرت عزیر گھر میں داخل ہوتے ہی فرمانے لگے یہ گھر تو عزیر کا ہے۔ بڑھیا بولی ہے تو انہی کا، لیکن عزیر علیہ السلام کے ذکر سے تمہیں کیا غرض۔ انھیں تو اس وقت پوری صدی گزر گئی۔ اب انکا نشان تک باقی نہیں رہا اور یہ کہہ کر خوب روئی۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا بی بی! عزیر (علیہ السلام) میں ہی ہوں۔ بڑھیا بولی سبحان اللہ، یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں عزیر علیہ السلام اور کہاں تم۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک صدی تک موت دے دی تھی اور اب اس نے مجھے پھر زندہ فرمایا ہے۔ اگر ایسی بات ہے اور واقعی تم عزیر ہو تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ 'مستجاب الدعوات' تھے۔ تو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے لئے دعا مانگئے کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لوٹا دے۔ اس پر مجھے یقین ہوگا کہ تم واقعی عزیر علیہ السلام ہو۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بڑھیا کیلئے دعا مانگی اور اپنا ہاتھ اسکی آنکھوں پر پھیرا تو وہ بڑھیا بینا ہوگئی، پھر آپ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو، چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل صحیح وسالم اور تندرست ہوگئی۔ پھر بڑھیا نے غور سے دیکھا، تو واقعی وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے، تو فوراً کہا:

'میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں۔'

پھر وہ بڑھیا بنی اسرائیل کے محلوں میں چل پڑی۔ بنی اسرائیل اپنی مجلسوں کے مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ ان میں حضرت عزیر علیہ السلام کے صاحب زادے بھی تھے جو اس وقت ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ سال کے تھے، بلکہ انکے پوتے اور پڑپوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے زور سے پکارا، لوگو آجاؤ، دیکھو عزیر علیہ السلام تمہارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ ابتداءً لوگوں نے بڑھیا کی ایک نہ سنی، مگر جب اس نے اپنا واقعہ سنایا اور اپنی بینائی کی تندرستی

کی بات کی، تو لوگوں نے یقین کرلیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔
عزیر علیہ السلام کے صاحب زادہ صاحب نے فرمایا کہ میرے باپ کے دو بازوؤں کے درمیان ہلال کی طرح ایک سیاہ تل تھا۔ اگر وہ ہے، تو میں سمجھوں گا کہ واقعی آپ میرے باپ ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے دونوں بازو کھولے تو واقعی وہ تل موجود تھا۔ ان باتوں کے علاوہ، آپ کے عزیر علیہ السلام ہونے کی ایک نشانی یہ بھی سامنے آگئی، وہ یہ کہ بخت نصر نے اپنے دور میں چالیس ہزار تورات کے حفاظ کو قتل کرادیا تھا۔ اسکے بعد انکے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی نہیں رہ گیا۔ لیکن حضرت عزیر علیہ السلام نے تمام تورات ان سب کو سنادی اور ایسی صحیح کہ زیر وزبر اور نقطے کا بھی فرق نہ آنے دیا۔
جن لوگوں کو بخت نصر نے قیدی بنایا تھا، انکی اولاد میں سے ایک وہاں موجود تھا جو بخت نصر کے مرنے کے بعد بیت المقدس میں آکر مقیم ہوگیا، وہ کہنے لگا کہ میرے باپ نے مجھے دادا کی بات سنائی کہ ہم نے بخت نصر کی قید کے دوران میں تورات کو انگور کے باغ میں دفن کردیا تھا۔ اگر مجھے اپنے دادا کے باغ کی نشاندہی کراؤ، تو میں تمھیں وہ تورات نکال دونگا۔ چنانچہ وہ لوگ اس باغ میں پہنچے، تو وہاں سے تورات کو نکال کر حضرت عزیر علیہ السلام کی قرأت کا مقابلہ کیا تو حرف بہ حرف صحیح نکلا، تب انھیں یقین ہوا کہ واقعی یہی عزیر علیہ السلام ہیں۔
۔۔۔المختصر۔۔۔ حضرت عزیر کے ان واقعات میں لوگوں کیلئے خداوندی حکمت وقدرت کی واضح نشانیاں ہیں۔ اب رہ گیا حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ اشتیاق کہ وہ دیکھ لیں کہ رب تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے، تو رب تعالیٰ نے انکی یہ خواہش بھی پوری فرمادی۔

(اور) فرمایا، اے عزیر! (دیکھو) تم اپنے گدھے کی (ان ہڈیوں کی طرف)۔ اپنی قدرت کاملہ سے (کیسا اٹھاتے ہیں ہم ان کو)، کیونکر حرکت دیتے ہیں ہم انھیں، اور ایک کو دوسرے پر جماتے ہیں (پھر پہناتے ہیں ان) ہڈیوں (کو گوشت) اور چمڑے کا لباس۔ حضرت عزیر کو ان امور کا 'علم الیقین' پہلے ہی سے حاصل تھا (تو) اب (جب) اسکا مشاہدہ فرمالینے کے بعد 'عین الیقین' کی شکل میں (ظاہر ہوگیا) یہ (واقعہ ان پر) تو (کہا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جس نے صرف یہی نہیں کہ میرے 'علم الیقین' کو 'عین الیقین' تک پہنچادیا بلکہ خود مجھ پر موت طاری کر کے اور پھر سو برس کے بعد زندہ فرماکر، میرے اس 'عین الیقین' کو 'حق الیقین' کا مرتبہ عطا فرمادیا۔
حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ کے تعلق سے اسطرح بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ جب

حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک برباد اور تباہ شدہ بستی کی طرف سے گزر ہوا تو اس یقین کے باوجود کہ قادرِ مطلق اس کو پھر نئے سرے سے آباد کر دینے کی قدرت رکھتا ہے، انکے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کاملہ کا کرشمہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔ چونکہ نبی 'مستجاب الدعوات' ہوتا ہے، اسلیئے رب کریم نے انکی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا جس نے عقل انسانی کو حیران و ششدر کر دیا۔

---چنانچہ---اس نے، اکثر مفسرین کے اختیار کردہ قول کے مطابق، ان پر حقیقی طور پر موت طاری کر دی۔---اور---بعض مفسرین کے بقول ان کو گہری نیند سلا دیا اور ایک سو ۱۰۰ سال تک ان سے حس اور حرکت کو سلب کر لیا، پھر ان میں دوبارہ حس اور حرکت کو لوٹا دیا۔ گویا وہ سوئے ہوئے تھے، پھر بیدار ہو گئے۔ انکے حواس معطل ہونے کے ستر ۷۰ سال بعد وہ بستی دوبارہ تعمیر ہو گئی تھی اور اس میں بنو اسرائیل لوٹ آئے تھے۔ حضرت عزیر کے اٹھنے اور اپنی سابقہ حالت میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کے ذریعہ ان سے سوال کیا ---یا---ہاتف غیبی نے ندا کی کہ آپ کتنی دیر ٹھہرے؟

چونکہ انھوں نے اپنے بدن میں اندر باہر کسی طرح کا کوئی معمولی تغیر بھی ملاحظہ نہیں فرمایا اور اپنے کو ظاہری باطنی اوصاف کے لحاظ سے بالکل ویسا ہی پایا جیسا کہ وہ سو برس گزرنے سے پہلے تھے، انکی عمر بھی وہی رہی جو پہلے تھی، اسلیئے کہ سن وسال گزرنے کا ان پر کوئی اثر نہ تھا---جبکہ انکے بیٹے اور پوتے بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور پھر انھوں اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی دیکھا۔ اس میں بھی کسی طرح کا تغیر نظر نہیں آیا۔ بلکہ اس کو بالکل تر وتازہ پایا۔ ان حالات کے پیش نظر، انھوں نے ہاتف غیبی کے جواب میں فرما دیا کہ میں ایک دن---یا ---اس سے بھی کم ٹھہرا۔---اس پر ہاتف غیبی نے کہا کہ اے عزیر آپ اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ کم وبیش صرف ایک ہی دن نہیں ٹھہرے، بلکہ سو برس ٹھہرے۔

اور اب آیئے اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیئے، اس نے آپ کے کہنے کو بھی سچ کر دیا ہے اور سو برس والی بات کو بھی ثابت فرما دیا ہے۔ اگر آپ کو اپنی بات کی سچائی دیکھنی ہو تو، آپ اپنے کو دیکھیئے اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھیئے جو بالکل تر وتازہ ہیں جو دلیل ہیں کہ آپ پر اور آپ کے کھانے پینے والی چیزوں پر کم وبیش صرف ایک ہی دن گزرا۔ اسکے

برعکس، اب ذرا اپنے گدھے کو ملاحظہ کیجئے۔

۔۔۔نیز۔۔۔اپنے اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کے سوا کائنات کی دوسری چیزوں پر نظر ڈالئے تو آپ پر صاف ظاہر ہو جائیگا، کہ ان سب پر سو برس گزر گئے۔ آپ کیلئے اور آپ کی خوراک کیلئے وہ دن کم وبیش ایک ہی دن تھا، جبکہ آپ کے گدھے کیلئے اور عالم کی دوسری اشیاء کیلئے وہ سو برس تھا، اور بے شک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کے ایک دن کو کسی دوسرے کیلئے سو برس بنادے۔۔۔یونہی۔۔۔کسی کے سو برس کو کسی اور کیلئے ایک ساعت میں سمیٹ لے۔

قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن، اگر کسی بندے کیلئے صرف دو رکعت نفل پڑھنے کی مدت کے مطابق ہو جائے۔۔۔یا۔۔۔سفر معراج جو مکہ سے بیت المقدس، وہاں سے آسمانوں، اور وہاں سے عرش معلی وغیرہ تک کا ایک تفصیلی سفر تھا جو ایک طویل وعریض مدت کو حاوی تھا، اسے اگر مکہ شریف کے لحاظ سے تھوڑی سی رات کا سفر بنا دیا جائے، ایسا کہ سفر شروع کرنے سے پہلے، گھر کے دروازے کی جو زنجیر ہلی تھی، وہ ہلتی ہی رہ جائے۔۔۔یا۔۔۔بستر جو گرم تھا، اسکی گرمی ختم نہ ہونے پائے اور سفر مکمل ہو جائے۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کو 'حیات بعد الموت' کا مشاہدہ کرانے کے بعد اب آگے کی آیت میں حضرت ابراہیم کو 'حیات بعد الموت' کا مشاہدہ کرانے کا ذکر ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا وہ کرم شامل حال ہے جو ایمان ویقین والے بندوں کو بے اطمینانی کی ظلمت سے نکال کر اطمینان کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔۔۔چنانچہ۔۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى

اور جبکہ کہا ابراہیم نے میرے پروردگار مجھ کو دکھادے کہ کیسے تو جلاتا ہے مردوں کو فرمایا کہ کیا تم نے نہیں مانا۔ عرض کیا مانا کیسے نہیں۔

وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ

مگر اسلئے کہ میرا دل مطمئن ہو۔ فرمایا، تو لو چار پرند، پھر ان کو اپنے سے ہلالو، پھر رکھ دو

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ

ہر پہاڑ پر ان کی ایک ایک بوٹی، پھر انھیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس

سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

دوڑے آئیں گے، اور جان رکھو کہ بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

اے محبوب یاد کیجئے (اور) ذہن میں حاضر کر لیجئے اس وقت کو (جبکہ کہا ابراہیم نے کہ میرے پروردگار، مجھ کو دکھادے کہ) اپنی قدرت کاملہ سے (کیسے تو جلاتا ہے مردوں کو)۔ مجھے تیرے مردہ زندہ کرنے کی اصل میں شبہ نہیں، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے مردے زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرادے۔اس پر قادر مطلق نے (فرمایا کہ) اے ابراہیم (کیا تم نے نہیں مانا)، تم تو اس کو پہلے ہی مان چکے ہو، جب ہی تو نمرود سے تم نے کہا تھا، رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

اس پر حضرت ابراہیم نے (عرض کیا، مانا کیسے نہیں) اے رب تو بخوبی جانتا ہے کہ میں اس پر ایمان لا چکا ہوں (مگر) میری یہ عرض (اسلئے) ہے (کہ میرا دل مطمئن ہو) جائے اور جسکا مجھے 'علم الیقین' حاصل ہے، اسکا 'عین الیقین' بھی حاصل ہو جائے۔

حضرت ابراہیم نے جس مودبانہ انداز سے اپنا معروضہ پیش کیا، اسکا ثمرہ انھیں یہ ملا کہ رب قادر مطلق نے نہایت آسان طریقے سے ان کے سوال کا جواب عطا فرما دیا اور انھیں انکی شان کے لائق اطمینان کی دولت بخش دی۔۔۔اسکے برخلاف حضرت عزیر نے اپنے حیرت واستعجاب کو جس انداز سے ظاہر فرمایا، اسکے نتیجے میں خود ان پر موت طاری کر دی گئی۔۔۔نیز۔۔۔انکے گدھے کے مردہ ہونے اور پھر زندہ ہونے میں سو برس لگ گئے، پھر کہیں جا کر ان کو 'احیاء موتیٰ' کا عینی مشاہدہ ہو سکا۔

۔۔۔الختصر۔۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مودبانہ گزارش پر اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) اے ابراہیم تم 'احیاء موتیٰ' اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہو (تو لو چار پرند) اور (پھر ان کو اپنے سے ہلا لو) اپنے سے اچھی طرح مانوس کر لو اور خود بھی انکو اچھی طرح پہچان لو، اسکے بعد انھیں ذبح کر کے انکے پروں کو الگ کر کے، انکے ٹکڑے کر کے، انکی بوٹی بوٹی کر دو اور پھر سب کو ایک ساتھ ایسا ملا دو اور آپس میں خلط ملط کر دو کہ امتیاز نہ رہ جائے کہ کس کی بوٹی کدھر ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانوروں کو ذبح کیا اور انکے ٹکڑے پارچے، گوشت، خون، رگ، پٹھے، ہڈی، نلی اور بازووں کو ٹکڑے کر کے باہم ملا دیا اور ایک روایت کے مطابق

ہاون دستہ میں کوٹ ڈالا یہاں تک کہ وہ باریک ہوکر خوب مل گئے۔

یہ سب کچھ کرلینے کے بعد (پھر رکھ دو ہر) ہر اس (پہاڑ پر) جو تم سے قریب ہو اور جس پر رکھنا ممکن ہو سکے (ان) پرندوں (کی) کم از کم (ایک ایک بوٹی)، چنانچہ انھوں نے باختلاف روایات ان بوٹیوں کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا اور پھر ان میں سے ایک ایک حصے کو چار۔۔یا۔۔سات۔۔یا۔۔دس پہاڑوں پر رکھ دیا اور ان سب کے سروں کو اپنے پاس رکھا۔ اور پھر حکم الٰہی کے مطابق کہ جب ذبح کر کے سب کو ایک دوسرے میں ملا کر پہاڑوں پر رکھ چکو، تو (پھر انہیں بلاؤ، وہ) پرندے تمہارے بلانے کے جواب میں (تمہارے پاس دوڑے آئینگے)۔ اڑ کر نہیں آئینگے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ سر سے پیر تک انکا ہر ہر عضو صحیح و سالم ہے اور وہ سب اپنی سابقہ حالت ہی میں واپس آگئے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے چار پرندوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ وہ وہی ہیں جو انسانوں سے نسبتاً زیادہ مانوس ہیں اور ان سے قریب رہنے والے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جن کے نام یہ ہیں: ﴿۱﴾۔۔۔کبوتر ﴿۲﴾۔۔۔مرغ ﴿۳﴾۔۔۔کوا ﴿۴﴾۔۔۔مور۔۔۔بعض روایتوں میں کبوتر کی بجائے گدھ اور بعض میں اسکی جگہ بطخ کا ذکر ہے۔

۔۔۔الختصر۔۔۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چاروں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر آواز دی، اے کبوتر، اے مرغ، اے مور، اے کوے، اپنے سروں کی طرف دوڑو، خدا کے حکم سے۔ یہ سننا تھا ہر ایک کے اجزاء دوسرے سے جدا ہوکر اپنے میں مل گئے اور انکے بدن درست ہو گئے، پھر وہ جانور زمین میں اپنے سروں کی طرف دوڑنے لگے، چونکہ اڑنے میں جانور کی کیفیت کم دکھائی دیتی ہے اور زمین پر چلنے میں بہت اچھی طرح نظر آتی ہے، اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تک، وہ بے سر کے بدن دوڑ کر آئے اور وہاں سے اڑ کر اپنے اپنے سروں سے، جو حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تھے، لپٹ گئے۔

تو اے ابراہیم سن لو (اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ جو تو نے مانگا، اس میں عاجز نہیں اور (حکمت والا ہے) اپنے ہر کام میں۔ جو کچھ کرتا ہے وہ نہایت ہی محکم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی واقعہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مردہ سنتا بھی اور سمجھتا بھی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دوڑ بھی سکتا ہے اور پرواز بھی کر سکتا ہے۔ اسکو صرف اسلئے مردہ کہا جاتا ہے کہ اس میں روح نہیں۔۔۔الغرض۔۔۔روح سے جو زندگی ملتی ہے، وہ اس میں نہیں اور چونکہ روح کسی کی حیات و لوازم حیات کیلئے ایک سبب

عادی' ہے، نہ کہ 'سبب لازمی'، اسلیئے یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی میں روح نہ ہو، لیکن اس میں زندگی ہواور وہ بغیر روح کے بھی بطورِ خرق عادت سنے، دیکھے، سمجھے، چلے، پھرے، دوڑے، اڑے۔۔۔الختصر۔۔۔اسکے سارے حواس ظاہری اور باطنی بغیر روح کے بھی کام کریں۔

اب اگر بالفرض کسی میں روح والی زندگی نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ کسی معنیٰ میں بھی زندہ نہیں۔ ایسے زندگانی کے آثار واطوار کا ظہور از روئے عقل محال نہیں، بلکہ ممکن ہے۔ اور صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے جسکا مشاہدہ حضرت ابراہیم کے واقعہ میں مذکور پرندوں نے کرادیا۔

حضرت ابراہیم یہی مشاہدہ فرمانا چاہتے تھے کہ کسی روح والے جسم سے روح کے نکل جانے کے بعد اس میں روح کیسے واپس آتی ہے؟ عام طور سے عرف میں اسی کو 'احیاءِ موتی' کہا جاتا ہے کیونکہ عرف وعادت میں کسی جسم کی وہ زندگی جسکا سبب روح ہو، اسکو حیات کہا جاتا ہے اور پھر اس جسم سے روح کے نکل جانے کو اسکی موت قرار دیا جاتا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی معروف ومتعارف معنیٰ میں حیات وموت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔

چنانچہ خود انھیں کے ہاتھوں سے پرندوں کو ذبح کرایا گیا تاکہ جانے پہچانے معنیٰ میں پرندوں کے مردہ ہونے کا 'عین الیقین' حاصل ہوجائے اور پھر ان پرندوں کے اجزاء بدن کو اس حال میں بلانے کا حکم دیا گیا کہ وہ سب کے سب بے روح تھے۔ صدائے ابراہیمی پر انکی دوڑ بھی اس حالت میں ہوئی کہ سب کے سر کٹے ہوئے تھے، سارے سر حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تھے، لہٰذا یہاں کسی کیلئے اس گمان کی بھی گنجائش نہیں رہ گئی کہ یہ دوسرے پرندے آگئے۔

اگر یہ دوسرے پرندے ہوتے، تو انکے اپنے سر کہاں گئے؟ اور یہ دوسرے پرندوں کے سروں سے کیسے جڑ گئے؟ جبکہ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک پرندے کی بوٹیاں الگ الگ ہوجانے کے باوجود اپنے اپنے ہی سابقہ جسم سے جا کر مل گئیں تھیں۔

اب اگر بالفرض یہ مان ہی لیا جائے یہ سر کٹے پرندے پہلے والے نہیں تھے بلکہ دوسرے تھے، اس صورت موہومہ میں بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ جب وہ سر کٹے تھے تو معروف و متعارف میں بے روح ہونے کی وجہ سے مردہ ہی تھے اور ان کو بھی روح والی زندگی سروں

سے جڑ جانے کے بعد ہی ملی۔۔۔الختصر۔۔۔حضرت ابراہیم نے پرندوں کے مردہ ہونے کو بھی دیکھااور زندہ ہونے کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ آپ کو انکے مردہ ہونے اور زندہ ہونے دونوں کا 'علم الیقین' حاصل ہو گیا۔

سابقہ آیات کے ذریعہ حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے حالات معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات مدلل ہو جاتی ہے کہ دنیاوی زندگی ہی سب کچھ نہیں بلکہ یہاں کی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی پیش آنے والی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی ہے، تو اب یہ سمجھنا ضروری ہو گیا کہ اس دوسری زندگی میں کیا چیز انسان کے کام آسکتی ہے اور کون سا عمل وہاں نفع دے سکتا ہے اور ظاہر ہے وہ صدقہ وخیرات ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

ان کی مثال جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں، ایسی جیسے ایک دانہ، جس نے اگائے سات بالیوں کو،

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ہر بالی میں سو دانہ۔ اور اللہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے ●

خالصاً لوجہ اللہ صدقہ وخیرات کرنے والوں کی خوش نصیبی اور فیروز بختی دیکھنی ہو تو غور سے سنو کہ (ان) خوش بختوں کے نفقات یعنی خرچ کئے ہوئے مال (کی مثال جو) بے شائبہ غرض اور بے قصہ عوض نکالیں اور (خرچ کریں)، صرف کریں (اپنے مال کو) خود اس مال کو اپنے فضل وکرم سے عطا کرنے والے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) صرف اسی کی رضا کیلئے، (ایسی) ہے (جیسے ایک دانہ) جس کو اچھی زمین میں بویا گیا ہو اور (جس نے اگائے سات بالیوں کو) اسطرح کی سات شاخیں اسکی جڑ سے پھوٹیں اور ہر شاخ پر ایک بالی ظہور پذیر ہوئی اور پھر (ہر بالی میں سو دانہ) نمودار ہوئے۔ ۔۔۔الغرض۔۔۔ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہوئے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (بڑھائے) سات سو کو سات ہزار کردے، بلکہ اس سے بھی زیادہ کردے (جس) خیر وخیرات کرنے والے (کیلئے چاہے) اسکی نیت خیر کے مطابق۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور وسیع پیمانے پر بخشش فرمانے والا ہے۔ اسکی عطا کی کوئی انتہا نہیں اور خرچ کرنے والوں کو، انکی نیتوں کو، اور انکے ارادوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔ اور ان سب کا (علم) رکھنے (والا ہے)۔

مذکورہ بالا مثال سے جہاں ایک طرف یہ ظاہر کرنا ہوا کہ زیادتی کی صورت کیا ہے؟ وہیں یہ رغبت دلانا بھی مقصود ہے کہ لوگ یہ خیال کر کے کہ 'ایک کا بدلہ سات سو ہے'، ہمیشہ خیر و خیرات کرنے میں مشغول رہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اجر کے مختلف مدارج کس حساب سے ہیں؟۔۔۔ اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں حساب سے خرچ کرنے والے کو اجر حساب سے ملے گا اور جو بے حساب کرے گا، اسے بے حساب اجر عطا فرمایا جائیگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اجر و ثواب کے مدارج کا فرق خود خرچ کرنے والے کی نیت اور اسکے اخلاص کے مدارج کے اعتبار سے ہے۔ زیادہ اخلاص والے کو زیادہ اجر ملے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق حالات کے اعتبار سے ہے۔ کسی سرمایا دار دولتمند کا کسی غریب کو دو روٹی دے دینا۔۔۔ یا۔۔۔ کسی متوسط الحال کا کسی کو دو روٹی دے دینا، یہ سب نیکیاں ہی ہیں، لیکن وہ شخص جو صرف دو روٹی ہی رکھتا ہے، تو وہ اگر اسکو کسی غریب کو دیدے اور خود بھوکا رہ جائے، اسکی نیکی اس ارب پتی اور کھرب پتی کی نیکی کے برابر ہے جو اپنا سارا مال راہِ خدا میں دیدے اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے۔

اجر کی زیادتی صبر کا بھی ثمرہ ہوتی ہے۔ اچانک تکلیف پہنچنے اور نقصان ہو جانے کی صورت میں صبر کرنا اور زبان پر حرف شکایت نہ لانا، یہ بھی انسان کو بڑے اجر کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ یہ سارے اجر و ثواب اس صورت میں حاصل ہونگے جب صدقہ دینے کے بعد احسان نہ جتایا جائے اور جس کو صدقہ دیا، اس کو طعنہ دے کر اذیت نہ پہنچائی جائے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا

جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں، پھر نہ پیچھا کریں اس کا جو خرچ کیا، احسان جتا کر

وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

اور نہ دکھ دے کر، تو انکے لیے اجر ہے انکے رب کے پاس۔ اور نہ ان پر کوئی خوف اور نہ رنجیدہ ہوں ●

تو (جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) یعنی جہاد۔۔۔ یا۔۔۔ کسی بھی کارِ خیر میں (پھر نہ پیچھا کریں اسکا جو خرچ کیا، احسان جتا کر) ادھر دیا اور پھر اسکے بعد احسان بھی جتا دیا اور یہ بھی نہیں سوچا کہ حقیقت میں اس نے کیا دیا؟ جو دیا وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی عطا فرمودہ

توفیق سے اس نے دیا، وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے تک اللہ کی عطا کردہ نعمت کا پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہی تو تھا، پھر اس نے کیا دیا؟ جس کا وہ احسان جتا رہا ہے اور لینے والے کو ذہنی طور پر دکھ پہنچا رہا ہے۔ ایسے لوگ کسی اجر کے مستحق نہیں، اسلئے جس خوش بخت نے عمل خیر و خیرات کا انجام دیا اور اپنا عمل ضائع نہیں کیا احسان جتا کر (اور نہ) ہی (دکھ دیکر، تو ان) ایسے روح سعادت رکھنے والوں (کیلئے اجر) عظیم (ہے انکے رب) کریم (کے پاس اور نہ ان پر کوئی خوف) کہ کہیں انکا اجر و ثواب کم نہ ہو جائے (اور نہ) ہی وہ (رنجیدہ) خاطر (ہوں) یہ سوچ کر کہ کہیں انکے ثواب ضائع نہ ہو جائیں۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝

اچھی بولی اور معاف کر دینا، بہتر ہے اس صدقہ سے کہ پیچھے لگائے جس کے دکھ کو۔ اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے ●

---الختصر---اے ایمان والو، ضرورتمند، فقیر اور سوال کرنے والے کے ساتھ (اچھی بولی) خوش کلامی، نرم گفتگو اور نیک وعدہ (اور) اگر انکی طرف سے کوئی نہ خوش گوار حرکت ہو گئی ہو، جس سے دل کو تکلیف پہنچی ہو، تو تم انکے کلام کی سختی اور درشتی اور ان کے گڑ گڑانے اور تنگ کرنے سے پہنچنے والی تکلیف کو درگزر کرتے ہوئے انکے ساتھ خوش کلامی کے ساتھ پیش آؤ اور انکا نرم لب ولہجہ میں جواب دینا، تو تمہارا یہ (معاف کر دینا) یا انکے جواب میں تمہاری خوش گفتاری کی وجہ سے خود رب کریم کا تمہاری مغفرت فرما دینا، تمہارے لئے (بہتر ہے) تمہارے (اس صدقے سے) جو (کہ) تمہارے نامناسب تکلیف دہ قول و فعل کے سبب اذیت پہنچانے والا ہو جائے۔

وہ بھی کوئی قابل تعریف صدقہ ہے کہ ادھر صدقہ دے اور پھر فوراً ہی (پیچھے لگائے جس کے دکھ) پہنچانے والی حرکت (کو)۔ سمجھ لو (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ) ہے۔ انکے ان صدقوں سے، جو اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور ایذاء پہنچا کر خراب کرتے ہیں (اور حلم والا ہے) تحمل والا ہے، احسان جتانے والوں اور ایذاء پہنچانے والوں کو عقوبت اور عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا تو---

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ

اے ایمان والو! نہ ضائع کر دو اپنے صدقات کو احسان رکھ کر اور دکھ دے کر، جیسے وہ جو خرچ کرے اپنے مال کو

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

لوگوں کے دکھاوے کواور نہ مانے اللہ کو اور پچھلے دن کو، تو اس کی مثال ہے اس چکنے پتھر کی

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ

جس پر مٹی ہے، پھر پڑے اس پر زوردار مینہ، تو چھوڑ دے اس کو صاف پتھر، نہ متصرف ہوں گے کسی چیز پر جو کمایا انھوں نے،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو●

(اے ایمان والو نہ ضائع کردو) اور نہ باطل کردو (اپنے صدقات) کے اجر وثواب (کو) لینے والے محتاج پر (احسان رکھ کر، اور) اسے (دکھ دے کر) جسمانی ---یا--- ذہنی طور پر تکلیف پہنچا کر، زبان سے اسے بھک منگا کہہ کر، ترش روی کے ساتھ اس سے پیش آکر، تیوری بھنویں چڑھا کر۔ ذہن نشین رہے کہ اگر فقیر نہ ہو تو امیر صفت جود وکرم کا مظہر نہ ہوسکے۔ یاد رکھو کہ مال اللہ کی ملک ہے، اللہ ہی اسکا مالک حقیقی ہے۔

امیر آدمی کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ اس مال کا حمال اور باربردار ہے اور احسان مالکِ مال کا ہے، تو پھر جو حمال اور مال بردار کی طرح ہو اور خدا کی دی ہوئی دولت کو اسی کی عطا فرمودہ توفیق سے اسی کے بندوں تک پہنچانے کا محض ایک ذریعہ ہو، کم از کم اسکو تو اپنے کو محسن سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں اگر نعمت پانے والا از خود بطیبِ خاطر اس ذریعہ کا شکر گزار ہو اور نعمت اس تک پہنچانے کی وجہ سے اسکا احسانمند ہو، تو اس کو اسکی اعلیٰ نفسی اور سعادت مندی پر محمول کیا جائے گا۔۔۔المختصر۔۔۔صدقہ دینے والا وہ صرف خیر کا مظہر واقع ہوا ہے، تو اسے چاہیے کہ نعمت کے شکرانے میں خود احسانمند رہے، نہ یہ کہ دوسرے پر اپنا احسان رکھے۔

---الغرض---اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذاء دے کر ضائع نہ کرو اور ان کے اجر وثواب سے محروم نہ ہوجاؤ اور ویسے نہ بنو (جیسے وہ) منافق (جو خرچ کرے اپنے مال کو) لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا کیلئے نہیں، بلکہ (لوگوں کے دکھاوے کو) لوگ دیکھیں اور اسکی سخاوت کی تعریف کریں (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (نہ مانے اللہ) تعالیٰ (کو) تو پھر جو خدا ہی کو نہ مانے، تو وہ خدا کی رضا وخوشنودی کا تصور کیسے کرسکتا ہے؟

(اور) یونہی نہ مانے (**پچھلے دن**) یعنی روز حساب وکتاب، قیامت (**کو**) اور ظاہر ہے کہ جب حساب وکتاب اور جزاء وسزا والے دن پر ایمان ہی نہیں تو وہ وہاں کے کسی اجر وثواب کا کیا خیال کرسکتا ہے۔(**تو اسکی**) اور اسکے نفقہ کی (**مثال ہے اس چکنے پتھر کی جس پر مٹی ہے**) ،تو چکنا پتھر ہوا منافق اور مٹی ہوئی اس کے وہ صدقات جو صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے دیئے گئے (**پھر پڑے اس پر زوردار مینہ**) بڑی بڑی بوندوں والی تیز بارش (**تو**) وہ بارش مٹی کو بالکل بہالے جائے اور (**چھوڑ دے اس کو صاف پتھر**) ایسا کہ اس پر مٹی کا اثر بھی نظر نہ آئے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ جب حساب ربانی کے ابر سے عدل کا مینہ برسے گا تو ان صدقوں کا اثر بالکل دھو جائیگا اور ریاء کار صدقہ دینے والا، پتھر کی طرح صاف اور بے حاصل ہو جائیگا۔ اور ریاکاروں کے سب کاموں کا یہی حال ہے۔

اس مقام پر دو صورتیں قابل غور ہیں، ایک ہے ریاکاری کے طور پر کوئی عمل کرنا۔۔۔ اور۔۔۔ دوسری ہے نیک عمل کر لینے کے بعد احسان جتانا اور تکلیف پہنچانا۔ پہلی صورت میں عمل کرنے والا سرے ہی سے کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔ تو اسکا پتھر عمل کرنے سے پہلے جیسے بے مایہ تھا، اسی طرح عمل کر لینے کے بعد بھی تہی دامن رہتا ہے اور دوسری صورت میں عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے نیک اعمال کا اجر وثواب پاتا ہے۔ مگر پھر احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کی وجہ سے عدل خداوندی اسکے اجر وثواب کو مٹا دیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بندوں کو روکا کہ ایسے برے اعمال کا ارتکاب کر کے اپنے نیک عمل کو باطل نہ کرو۔ رب کریم نے جگہ جگہ پر نیک اعمال پر اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، مگر بندہ اس اجر موعود کے پانے کا مستحق اسی وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ وہ محض عبادت اور اطاعت کے طور پر اعمال انجام دے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے۔

اب اگر کسی کیلئے کسی نیک عمل پر برانگیختہ کرنے والا اسی اجر کا حصول ہو، رب کریم نے اپنے مخلص بندوں کیلئے جسکا وعدہ فرمایا ہے، تو اسکے لئے بھی اپنے عمل کو ریاکاری سے بچانا ہوگا، ایسا کہ اخلاص فی العمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، رہ گئے وہ مخلص بندے اور روح سعادت رکھنے والے نفوس قدسیہ جو کسی لالچ وتمنا میں خدا کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف اس کو راضی رکھنے کیلئے عبادت کرتے ہیں، انکی شان ہی نرالی ہے اور انکی بولی بھی کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ الہ العالمین! میں نے تیری جنت کی لالچ میں۔۔۔ یا۔۔۔

تیرے جہنم کے خوف سے تیری عبادت نہیں کی ہے، بلکہ میں نے صرف تجھی کو عبادت کے لائق پایا، اسی لئے تیری ہی عبادت کی۔

---الغرض---ایسے ریا کار جو صرف ریاء کے طور پر خرچ کرتے ہیں (نہ متصرف ہونگے کسی چیز پر جو کمایا انھوں نے) یعنی جو چیز صدقہ دی ہو دکھانے کو---الغرض---وہ نہیں قدرت پائینگے اس بات کی کہ وہ اپنے ریاکارانہ اعمال سے کوئی فائدہ اٹھاسکیں (اور) سمجھ رکھو کہ (اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا) یعنی ہدایت پانے کا مقصد دل ہی میں نہیں ڈالتا (کافر قوم کو) یعنی کافروں کو خیر وارشاد کا راستہ نہیں دکھاتا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا

اوران کی مثال، جو خرچ کریں اپنا مال اللہ کی مرضی چاہنے کو اور اپنے کو ثابت قدم رکھنے کو،

مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ

ایسی ہے جیسے، باغ ہو ٹیلے پر، جس پر پڑی زور کی بارش تو باغ دونے پھل لایا۔

فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

پھر اگر اس پر بارش نہ ہوئی تو شبنم ہے۔ اور اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھ رہا ہے●

اس سے پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں انکے صدقات کی مثال ان دانوں کی طرح ہے جنھوں نے سات سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر ہر خوشے میں سو سو دانے ہیں۔

(اور) اب فرمایا جارہا ہے (ان) لوگوں (کی مثال جو خرچ کریں اپنا مال، اللہ) تعالیٰ (کی مرضی چاہنے کو اور) اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کیلئے اور (اپنے کو ثابت قدم رکھنے کو)۔

---الغرض---جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنے دل کو مضبوط رکھنے کیلئے خرچ کرتا ہے، اپنے کو احکامِ شریعت پر عمل کرنے کا عادی بناتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو ایسی نیتوں اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھتا ہے، جن سے وہ نیک اعمال فاسد ہو جائیں اور اپنے دل کو ثابت قدم رکھنے کیلئے ذکر الٰہی کرتا رہتا ہے۔ اور جس پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے، اس کا دل اسلام پر اس وقت تک مضبوط نہیں ہوتا جب تک اسکا خرچ کرنا محض اللہ کی رضا جوئی کیلئے نہ ہو۔

تو ایسے پیکران اخلاص کے اعمال خیر و خیرات کی مثال (ایسی ہی جیسے باغ ہو) مناسب اونچائی رکھنے والے (ٹیلے پر) جو سردی کے نقصان سے محفوظ ہو اور لطافت کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے نقصان نہ پہنچا سکیں۔۔۔الغرض۔۔۔نہ وہ بہت نیچے کی زمین میں ہو کہ سردی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے تباہ کردیں اور نہ ہی اتنے بلند و بالا پہاڑ پر ہو، کہ وہاں کی سرد اور تیز ہواؤں کی شدت کو برداشت نہ کرسکیں، بلکہ وہ درمیانی جگہ ہو، نہ بہت اونچی، نہ بہت نیچی (جس پر پڑی زور کی بارش تو باغ) اپنے مالک اور صاحب باغ کیلئے (دونے پھل لایا)۔

ایک سال میں اتنا پھل دیا جتنا اور زمینیں دو برس میں دیں (پھر اگر اس پر) زوردار (بارش نہ ہوئی تو) اس پر معمولی بارش بلکہ (شبنم) کافی (ہے)۔ چونکہ وہ زمین اچھی ہے، اسکی ہوا خوشگوار ہے، ایسے میں بیج اچھا اثر کرتا ہے۔۔۔الختصر۔۔۔مخلصین جو کچھ خدا کی رضا کیلئے صدقہ دیتے ہیں، وہ اچھے بدلے سے خالی نہیں، وہ صدقہ خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔

اس مقام پر یہ لطیف نکتہ بھی ذہن نشیں رہے کہ جس نے اللہ کہ راہ جہاد میں خرچ کیا، اسکی مثال دانوں سے دی ہے اور جس نے اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کیلئے خرچ کیا ہے، اسکی مثال باغ سے دی ہے۔ جس طرح باغ میں درختوں کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط ہوتی ہیں، اسی طرح اس خرچ کرنے والے کے سینے میں اسلام کی جڑیں پیوست اور مضبوط ہیں۔ اسکے برخلاف غلے کے دانے کھیتوں سے حاصل ہوتے ہیں اور کھیت کی جڑیں زمین میں مضبوط نہیں ہوتیں۔

۔۔۔نیز۔۔۔کھیت میں پانی لگانے کی ہر کھیتی کے وقت ضرورت ہوتی ہے، اور باغ پانی لگانے سے مستغنی ہوتا ہے۔ سو اسی طرح جہاد کیلئے ہر مرتبہ جہاد کے وقت مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور جو اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرتا ہے، اس کیلئے کسی وقت اور موقع کی قید نہیں۔ وہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرسکتا ہے۔

(اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ تم (جو کچھ کرتے ہو) اسے (دیکھ رہا ہے) نہ کسی کا اخلاص اس سے چھپا ہے اور نہ ہی کسی کی ریاکاری۔

اب آگے ریاکاروں کے صدقہ کی دوسری مثال پیش کی جارہی ہے۔۔۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا تمہارا کوئی چاہے گا کہ اسکے ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں،

الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

اسکے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، اور اس کو پہنچا بڑھاپا، اور بچے ہیں کمزور،

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

پھر پہنچا اس باغ کو بگولا جس میں آگ ہے، تو باغ جل گیا۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

تم کو آیتیں کہ اب غور و فکر کرو●

(کیا تمہارا کوئی چاہے گا) ظاہر ہے کہ نہیں چاہے گا (کہ اسکے ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا) جس کو اس نے بڑی محنت سے لگایا ہو اور اچھی طرح اسکی نگہداشت کرتا رہا ہو اور وہ باغ بھی ایسا کہ (جسکے نیچے نہریں جاری ہوں) اور حالت یہ ہے کہ (اس) باغ والے (کیلیے اس) باغ (میں) صرف کھجور و انگور ہی نہیں جنکا ذکر انکی بہتری اور کثرت کے سبب سے کر دیا گیا ہے، بلکہ (ہر طرح کے) ۔۔۔الغرض۔۔۔ طرح طرح کے (پھل) دینے والے درخت (ہیں اور) اب صورت حال یہ ہوگئی کہ (اس) باغ کے مالک (کو پہنچا بڑھاپا) وہ بالکل ضعیف ہوگیا کہ اب کسی محنت کے لائق نہ رہ گیا (اور) اس بڑھاپے میں اس کے بال (بچے) بھی (ہیں) جو چھوٹے ہیں اور بے حد (کمزور) ہیں جو کوئی کام اور کسی طرح کی محنت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (پھر) ایسے وقت میں (پہنچا اس باغ کو) گرم ہواؤں کا (بگولا)، ایسی لو (جس میں آگ ہے تو) اسکی وجہ سے شاداب و سرسبز (باغ جل گیا) اور خاکستر ہوگیا اور باغ والا حیران و غمگین رہ گیا۔

منافق اور ریاء کار کے عمل کی یہ مثال ہے کہ عدل الٰہی کی گرم ہوا انکے باغ اعمال کو جس سے انھیں پھلوں کی امید ہے، جلا دیگی اور وہ محروم و مغموم رہ جائینگے۔

(اسی طرح) یعنی اس بیان کے مانند جو کہ بیان کیا گیا ہے جہاد کے بارے میں اور 'انفاق فی سبیل اللہ'، کا مسئلہ اور حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ وغیرہ وغیرہ۔ (بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ تمہارے لئے (تم کو) مخاطب فرما کر توحید کی تحقیق اور دین کی تصدیق کے متعلق واضح دلائل اور اپنی روشن (آیتیں) تا (کہ) تم ان میں (اب) تو (غور و فکر کرو) اور انکے اندر جو نصیحتیں ہیں، ان سے عبرت

حاصل کر کے ان پر عمل کرو۔

اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ مومن کو بہتر بدل اور بزرگی نصیب ہوگی۔ مومن کی سعی رنگ لائے گی اور مومن نے اپنے اعمال کو جلاء اور رونق بخشی، اسکے برخلاف منافق کو تباہی و بربادی نصیب ہوگی۔ منافق کی کوششیں رائگاں جائینگی اور منافق کے اعمال اکارت اور ضائع ہوئے اور اسکے اموال گھاٹے اور خسارے میں پڑے اور اسکا خاتمہ برباد ہوا اور اس پر آخرت کا وبال بڑھا اور سخت ہوا۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ مومن کا حال ایسا ہے جیسے ایک کھیتی۔ آگے پھر اسکی جڑ بھی مضبوط اور پھل بھی شیریں اور شاخیں بھی خوش نما اور منافع بھی بے شمار۔ اسکے برعکس منافق کا حال یہ ہے جیسے کسی کی تجارت گھاٹے میں اور سامان چوری ہو جائے اور بڑھاپا گھیر لے۔ کوئی یار و مددگار نہ ہو جس سے حال تباہ ہو جائے اور پھر ہر طرف سے دکھ اور رنج کے سامان بہم پہنچیں۔ غور کیجئے کہ کیا یہ دونوں برابر۔۔۔یا۔۔۔ کسی بات میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو سکتے ہیں۔

سابقہ آیاتِ کریمہ نے ظاہر فرمادیا کہ صدقہ کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہونا چاہئے اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی غرض نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی فقراء پر احسان جتا کر اور طعنے دیکر انھیں اذیت پہنچانی چاہئے۔۔۔الختصر۔۔۔ صدقہ وخیرات کا مقصود اصلی صفاء باطن اور تزکیہ نفس ہونا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

اے ایمان والو! دو پاکیزہ مال جو کہ تم نے کمایا، اور جو کہ ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین سے،

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ

اور بے مصرف چیز کا ارادہ نہ کرو، کہ اس سے خرچ کرو، حالانکہ ملے تو تم نہ لوگے اس کو، بغیر اس میں آنکھ دبائے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے●

تزکیہ وتطہیر قلب کے اس جوہر نایاب کے حصول کیلئے (اے ایمان والو) دل کی سچائی کے ساتھ اسلام کو قبول کر لینے والو (دو) خرچ کرو خدا کی رضا کیلئے اپنا (پاکیزہ مال) جو ردی ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو، خواہ وہ مال وہ ہو (جو کہ تم نے) تجارت اور دستکاری کے ذریعہ (کمایا اور) خواہ وہ مال وہ

ہو (جو کہ ہم نے نکالا تمہارے) فائدے کے (لئے زمین سے) غلہ اور میوہ دار درخت کی شکل میں۔

اے ایمان والو! اگر پیروی ہی کرنی ہے تو ان مخلصین مالدار انصار کی پیروی کرو جو کھجور پکنے کے وقت جو بہت پکّی پکّی چنی ہوئی ہوتی تھیں، ایک دوسرے سے چھپا کر مسجد نبوی کے کونے میں رکھ جاتے تھے تاکہ مہاجرین میں سے جو محتاج لوگ ہیں، اسے نوش فرمالیں۔ تم دنیا سے محبت کرنے والے اس مالدار کی نقل نہ کرو جو دو سو صاع خراب کھجوریں علانیہ لایا اور انھیں اچھی کھجوروں میں ملا دیا، تو تم ایسا نہ کرو۔

(اور بے مصرف) خراب، ردی اور ناقابل استعمال (چیز کا ارادہ نہ کرو)۔ ایسا (کہ) اس کو اکٹھا کر کے (اس) میں (سے خرچ کرو)۔۔۔الغرض۔۔۔ خیر و خیرات صاف ستھرے پاکیزہ مال سے کرو، خراب اور ردی مال سے نہیں اور نہ ہی ایسے مال سے جو بذات خود حرام ہو۔۔۔یا۔۔۔کسی حرام چیز کو ذریعہ بنا کر حاصل کیا گیا ہو۔ اور کیسے تم خراب مال دوسروں کو دینے پر راضی ہوتے ہو (حالانکہ) جب صورتِ حال یہ ہے کہ اگر بالفرض اسطرح کا خراب مال کسی دینے والے کے ہاتھ سے تمہارے حقوق کی ادائیگی میں خود تمہیں (ملے تو تم نہ لوگے) اور نہ قبول کرو گے (اس) مال (کو) آنکھ کھول کر ہوش و حواس کی صحت و سلامتی کی صورت میں۔ اب ایسے مال کو قبول کر لینے کی تمہارے پاس یہی ناپسندیدہ صورت رہ جاتی ہے کہ تم سستی اور سہولت سے کام لو اور صاف ستھرے مال سے صرف نظر کر لو اور خرابی و برائی دیکھنے سے آنکھیں بند کر لو۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ (بغیر اس میں آنکھ دبائے) اصل صورت حال سے صَرفِ نظر کئے اور جان بوجھ کر انجان بنے، تو خود ایسا مال قبول کر لینے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ تو تم یقین کر لو (اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ) ہے اس شخص سے جو برا مال صدقہ دیتا ہے اور وہ بذاتِ خود (لائق حمد ہے)۔۔۔نیز۔۔۔تعریف کرنے والا ہے۔ اس شخص کی جو پاکیزہ مال میں سے صدقہ دیتے ہیں۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ

شیطان دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہو جانے کی اور حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہو جانے کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚ

اپنی طرف سے بخشش و فضیلت کا۔ اور اللہ وسعت والا دانا ہے ●

رہ گیا (شیطان) کا معاملہ، خواہ وہ شیاطین جن سے ہو خواہ شیاطین انس سے ۔۔۔یا۔۔۔ نفس امارہ ہو، اسکا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہو جانے کی) اور ڈراتا رہتا ہے کہ اگر تم ایسے ہی خیر و خیرات میں خرچ کرتے رہو گے، تو محتاج ہو جاؤ گے (اور) شیطان صرف یہی نہیں کرتا بلکہ (حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہو جانے کا)، صدقہ دینے سے روکتا ہے اور بخل و امساک پر ابھارتا ہے (اور اللہ) تعالیٰ (وعدہ فرماتا ہے) صدقہ دینے پر (اپنی طرف سے) آخرت میں تمہارے گناہوں کی (بخشش) فرما دینے کا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دنیا میں نیک بدلہ دینے کا اور روزی میں زیادتی و فراوانی (وفضیلت کا)، تو تم خبر دار ہو جاؤ (اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) اور بہت فضل فرمانے والا ہے صدقہ دینے والوں پر، اور بخوبی (دانا) اور جاننے والا (ہے) اس بات کا کہ صدقہ دینے والے فضل و مغفرت کے زیادہ مستحق ہیں۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ

دے حکمت جسے چاہے۔ اور جس کو حکمت دی گئی، بے شک اس کو بڑی دولت دی گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

اور نصیحت نہیں مانتے مگر ہوش مند لوگ ●

جو (دے) دیتا ہے صدقہ دینے کی (حکمت) اپنے بندوں میں سے (جسے چاہے) تاکہ وہ جان لے کہ کیا صدقہ دینا چاہئے؟ اور کسے دینا چاہئے؟ ۔۔۔نیز۔۔۔ اپنے اس باطنی شعور سے بندہ القاء رحمانی اور وسوسہ شیطانی میں امتیاز کر سکے (اور) ظاہر ہے کہ (جس کو) اس شعور عرفانی اور فراست ایمانی سے نوازا گیا اور (حکمت دی گئی) تو (بیشک اسکو) بہت زیادہ نیکی اور خیر کثیر ۔۔۔الغرض۔۔۔ بہت (بڑی دولت) دے (دی گئی) ہے۔

حق تعالیٰ نے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ فرما کر دنیا کے مال و متاع کو تھوڑا قرار دیا اور علم و حکمت کیلئے خیر کثیر کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس صورت میں عالم کو چاہئے کہ وہ دنیاداروں کی ملازمت نہ کرے اور ان کی خدمت کا داغ اپنے ماتھے پر نہ لگنے دے۔ اسلئے کہ عالم کو حق تعالیٰ نے خیر کثیر سے نوازا ہے اور دنیادار کو متاع قلیل عطا فرمایا ہے۔۔۔مگر۔۔۔ اس حقیقت کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اسلئے کہ ان نصیحتوں کو دریافت نہیں کرتے۔

(اور) ان سے (نصیحت نہیں مانتے مگر ہوشمند لوگ) جو صاف اور تیز عقل والے ہوتے ہیں، جن کی عقول خالص ہیں، جو وہم اور خواہشاتِ نفسانی کی طرف جھکاؤ سے محفوظ ہیں۔

۔۔۔الختصر۔۔۔اس سے باعمل علماء وحکماء ہی مراد ہیں۔ ہر ہر مکلف مراد نہیں، اگرچہ وہ صاحب عقل ہو۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ

اور جو بھی تم نے خرچ کیا یا کوئی بھی منت مانی، تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار●

اس مقام پر اے ایمان والو، یہ بھی ذہن نشین رکھو (اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (جو) کچھ (بھی تم نے خرچ کیا) خواہ تھوڑا۔۔۔یا۔۔۔زیادہ، چھپا کر۔۔۔یا۔۔۔کھلے عام، فرض کے طور پر یا مستحب طریقے سے، ریاکاری کی راہ سے یا خالص نیت سے اور خدا کی راہ میں یا غیر خدا کی راہ میں (یا کوئی بھی منت مانی) اور اس طرح ایک غیر واجب کام کو اپنے اوپر واجب کرلیا، وہ نذر معیّن ہو یا غیر معیّن، طاعت میں۔۔۔یا۔۔۔معصیت میں، بالشرط ہو۔۔۔یا۔۔۔بلا شرط، مال سے متعلق ہو۔۔۔یا۔۔۔افعال سے، جیسے نماز، روزہ وغیرہ وغیرہ (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اس کو جانتا ہے، اور) فراموش نہیں فرمادیتا، تو سن لو کہ (نہیں ہے ظالموں کیلئے) جو دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔مال حرام سے صدقہ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔گناہ کے ساتھ نذر کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔نذر تو طاعت ہی کے ساتھ کرتے ہیں، مگر اسے وفا نہیں کرتے (کوئی مددگار) جو آخرت میں انکی مدد کرے اور ان سے آخرت کے عذاب کو روک لے۔۔۔الحاصل۔۔۔رضائے الٰہی کیلئے راہِ خدا میں صدقہ نکالنا ہر حال میں بہتر ہے۔

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ

اگر علانیہ دو صدقات، تو بھی کیا خوب، اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو دو، تو یہ

خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾

بہتر ہے تمہارے لیے۔ اور دور کردے گا تم سے تمہارے کچھ گناہ۔ اور اللہ تمہارے کیے سے باخبر ہے●

تو (اگر) کھلے عام ظاہر کرکے (اعلانیہ دو) اپنے (صدقات، تو) یہ عمل (بھی کیا خوب) ہے

اس واسطے کہ اوروں کو اسکے سبب سے رغبت ہوگی، بخیلوں پر الزام ہوگا اور بے گانوں کے دل اہل حق کے ساتھ آشنائی اور دوستی کرنے پر مائل ہونگے (اور اگر) خفیہ طور پر صدقہ دینے والے اپنے (اس) عمل (کو چھپاؤ اور) چھپا کر (فقیروں کو دو، تو یہ) بھی (بہتر ہے تمہارے لئے) اسلئے کہ تمہارا یہ صدقہ دکھانے اور سنانے کی آفت سے دور رہتا ہے اور فقیر بھی لینے کی ذلت اور بے عزتی سے محفوظ رہتا ہے۔

عہد رسالت مآب میں صحابہ کرام صدقات چھپا کر دینے کے واسطے بڑا اہتمام اور مبالغہ فرماتے تھے، خواہ وہ صدقات فرض ہوں۔۔۔یا۔۔۔نفل۔۔۔لیکن بعد کے بعض علماء کرام کا مختار یہ ہے کہ فرض صدقوں۔۔۔مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ میں ظاہر کر کے دینا اولیٰ ہے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتا، تو یہ اعلانیہ زکوٰۃ وغیرہ نکالنا خدا کا حکم بجالانے میں جلدی کرنے کی دلیل ہے۔۔۔نیز۔۔۔یہ عمل زکوٰۃ ادا کرنے میں دوسرے مال داروں کو رغبت اور ان میں شوق پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ ہاں مگر نفلی صدقوں میں چھپا کر دینا اولیٰ ہے، بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، چھپا کر نفلی صدقہ دینا ظاہر کر کے دینے سے ستر درجہ، اولیٰ اور افضل ہے۔ حدیث شریف میں اسی پوشیدہ صدقے کے بارے میں ارشاد ہے:

'پوشیدہ صدقہ رب کے غضب کو فرو کر دیتا ہے۔'

یہ رب کریم کا کتنا بڑا کرم ہے کہ صدقے کے تعلق سے فرمایا کہ اگر اخفاء کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

(اور) وہ رب کریم (دور کر دے گا تم سے تمہارے کچھ گناہ) جو مظالم اور حقوق العباد سے نہ ہوں۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ صدقہ میں اظہار۔۔۔یا۔۔۔اخفاء کے تعلق سے تم جو کرتے ہو، اس (تمہارے) ہر (کئے سے باخبر ہے)۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ صدقات واجبہ کافروں کو نہیں دیے جا سکتا، خواہ وہ کافر 'حربی' ہوں یا 'ذمی'۔۔۔لیکن۔۔۔نفلی صدقہ ذمی کافر کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

نہیں ہے تمہارے ذمہ ان کی ہدایت، ہاں، اللہ ہدایت دے جسے چاہے۔ اور جو اچھی چیز خرچ کرو تو وہ تمہارے آپ کیلئے

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

فائدہ مند ہے۔ اور نہیں ہے راہ خدا میں دینا تمہارا، مگر یہ کہ اللہ کی مرضی چاہنے کو۔ اور جو اچھا مال دو

مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

تم کو پورا پورا دیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا●

تو اے محبوب! تمہارے دامنِ کرم سے وابستہ ہو جانے والے اور دل کی سچائی کے ساتھ اسلام قبول کرلینے والے انصار نے خلعت ایمان سے سرفراز ہونے اور نبوی کلام ہدایت التیام سے عقل و معرفت حاصل کر کے ممتاز ہونے کے بعد، اپنے مشرک رشتے داروں اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی قرابت داروں کو جو نفقہ دینا بند کر دیا ہے۔۔۔یا۔۔۔نفقہ دینے میں کراہت محسوس کر رہے ہیں اور وہ بھی اسلئے تا کہ وہ ہدایت قبول کر لیں۔

تو اے محبوب! تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ (نہیں ہے تمہارے ذمہ انکی ہدایت) اور انھیں منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ آپ کا فریضہ صرف نیک راستہ دکھانا ہے، نہ کہ منزل تک پہنچا دینا۔ تو پھر صرف انکی ہدایت کی خواہش کر لینے سے انکا ہدایت یافتہ ہونا کب ضروری ہے (ہاں اللہ) تعالیٰ اپنی عنایت سے (ہدایت دے) اور ایمان والا بنا دے (جسے چاہے)۔

تو اے محبوب! آپ اپنے چاہنے والوں کو خبر کر دیں کہ صرف کسی کی ہدایت کی خواہش کر لینے سے اسکو ہدایت نہیں ملتی، تو پھر ہدایت نا قبول کرنے کی صورت میں بھی تم اپنے ذمی کافر رشتے داروں کو نفقہ دے سکتے ہو۔ (اور) یاد رکھو (جو) بھی (اچھی چیز) مال وغیرہ تم (خرچ کرو) گے (تو وہ تمہارے آپ کیلئے فائدہ مند ہے) اسکا ثواب تمہاری طرف رجوع کرنے والا ہے جس پر تو نے خرچ کیا، وہ کافر ہو، خواہ مسلمان (اور) بھلا اس خرچ کرنے کا فائدہ تم کو کیوں نہ پہنچے، اسلئے کہ (نہیں ہے راہِ خدا میں دینا) خرچ کرنا (تمہارا، مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (کی مرضی) اور اسکی خوشنودی (چاہنے کو)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔تمہارا کام ریاکاری کے طور پر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کیا ہے، وہ ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا ہے۔ (اور) جب تمہاری نیت خالص ہے، تو سن لو کہ (جو) بھی (اچھا) پاکیزہ طیب و طاہر، حلال (مال دو) گے تو (تم کو) اسکا (پورا پورا) اجر و ثواب (دیا جائیگا، اور) تمہارے مخلصانہ اعمال کے ثواب میں کچھ کم کر کے بفضلہٖ تعالیٰ (تم پر ظلم نہ کیا جائیگا)۔۔۔الغرض۔۔۔تم مظلوم نہ ہو گے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ

یہ صدقے ان فقیروں کیلئے ہیں جو اللہ کی راہ میں مصروف کر دیے گئے، زمین میں کہیں آجا نہیں سکتے،

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ

بے خبر خیال کرے کہ مالدار ہیں انکے سوال سے بچنے سے۔ تم پہچان لوگے انکوانکی روپ رنگت سے۔ نہیں سوال کرتے

اِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾

لوگوں سے گڑگڑا کر۔ اور تم جو خیرات میں دو، تو بے شک اللہ اس کا جاننے والا ہے ●

اور اچھی طرح جان لو کہ (یہ صدقے) کم وبیش ان چارسو فقراء، اہل صفہ یا قریش کے فقراء، مہاجرین، جو مختلف غزوات میں زخمی ہو کر اپاہج ہو گئے تھے اور مرض کی وجہ سے زندگی کے کام کاج اور سفر کرنے سے معذور ہو گئے تھے یا کفار کے حصار میں گھر جانے والوں اور نکلنے کی صورت نہ پاسکنے والوں ---یا---خود کو جہاد کیلئے وقف کرنے والوں---مگر---فقر کی وجہ سے جہاد نہ کر سکنے والوں ---یا---ان محتاج لوگوں، جو اپنی بلند ہمتی اور خودداری کی وجہ سے صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے---یا---جو فقراء، جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت کرنے کیلئے زمین میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔

---المختصر---یہ صدقے (ان فقیروں کیلئے ہیں جو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) جہاد وعبادت وغیرہ میں (مصروف کر دیئے گئے) ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ لڑائی میں مشغول رہنے---یا---ہمیشہ عبادت میں مصروف رہنے کے سبب (زمین میں) تجارت کے واسطے---یا---روزی تلاش کرنے کیلئے (کہیں آجا نہیں سکتے) جیسے حضرت عمار ابن یاسر، حضرت بلال، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان جیسے دوسرے وہ نفوس قدسیہ والے، مدینہ شریف میں جنکا کوئی مکان نہیں تھا جہاں وہ رات گزار سکتے۔

---چنانچہ---وہ مسجد نبوی کے گوشے میں شب بسر کرتے اور دن کو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر رہتے، کسی کی طرف متوجہ وملتفت نہ ہوتے، نہ کسی سے کچھ سوال کرتے اور نہ کسی طرح اپنی روزی ڈھونڈتے، ایسا کہ اگر کوئی انکے حال سے ناواقف (بے خبر) انہیں دیکھے تو (خیال کرے کہ) یہ لوگ (مال دار ہیں)۔ یہ گمان (انکے سوال سے بچنے) اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنے کی وجہ (سے) ہوتا ہے۔

لیکن اے محبوب تم پر انکا حال ظاہر ہے، چنانچہ جب جب یہ تمہاری بارگاہ میں حاضر ہونگے، تو (تم) بخوبی (پہچان لوگے انکوانکی روپ)، (رنگت سے)---الغرض---انکے چہرے کی زردی، ضعف

جسمانی، پشت کی خمیدگی اور آنسوؤں کی کثرت، یہ وہ علامتیں اور نشانیاں ہیں، جو انکی حالت کی معرفت کرادیتی ہیں۔ انکی شان عجیب ہے، یہ بہت ہی غیور طبیعت کے مالک ہیں، اسی لئے (نہیں سوال کرتے لوگوں سے گڑگڑا کر)، منت وعاجزی سے پیچھے پڑکر، خوشامد کرکے، اسلئے کہ یہ لوگ 'صفت تعفّف' سے موصوف ہیں اور 'تعفّف' کہتے ہی ہیں سوال نہ کرنے کو۔ انکا ترک سوال کرنا بھی شفقت ومہربانی کی وجہ سے ہے، اسلئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سوال کریں اور سامنے والا اسکو رد کردے۔ اور پھر وہ:

مَا اَفْلَحَ مَنْ رَدَّ السَّائِلَ

نہیں فلاح پائی اس نے جس نے سائل کو رد کردیا

۔۔۔ کی وعید کا مستحق ہو جائے۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (تم) اصحاب صفّہ اور دیگر مستحقین کو (جو خیرات میں دو) گے (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اسکا جاننے والا ہے) کہ کسے دیتے ہو اور کس واسطے دیتے ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا کوئی نیک عمل رب کریم ضائع نہیں فرمائیگا اور اپنے فضل وکرم سے اسکا بھرپور اجر عطا فرمائیگا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کریں اپنے مال کو رات دن، پوشیدہ اور علانیہ، تو ان کے لیے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ ہوں ●

آیاتِ سابقہ میں صدقہ کرنے کی بار بار ترغیب کے بعد اب یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ صدقہ کرنے کیلئے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ دن اور رات کے کسی بھی وقت میں، خفیہ ۔۔۔ یا ۔۔۔ اعلانیہ صدقہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک موقع پر اپنے پاس موجود چار درہموں کو اس طرح صدقہ کرنا کہ ایک درہم انھوں نے رات میں خرچ کیا، ایک دن میں، ایک خفیہ اور ایک اعلانیہ۔

اور جب سرکارِ رسالت مآب نے انکو اپنے اس عمل کی حکمت ظاہر کرنے کو ارشاد فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ، کہ صدقے دینے کا طریقہ ان چار صورتوں کے سوا اور کوئی مجھے نظر نہ آیا، تو میں نے چاروں صورتوں کو لازم پکڑا، اس آرزو میں کہ انہی میں سے کم از کم ایک تو قبول ہو کر محل رضا میں پہنچ جائے۔

وقف منزل

---یونہی---حضرت صدیق اکبر ﷜ نے بھی ایک بار اپنے چالیس ہزار دینار میں سے دس ہزار چھپا کر، دس ہزار ظاہر کر کے، دس ہزار دن میں اور دس ہزار رات میں، فی سبیل اللہ خرچ کردیا۔

---تو---یہ دونوں حضرات اور ان کے سوا وہ سارے خدا کے مخلص بندے (جو لوگ خرچ کریں) راہِ حق میں مستحقین پر (اپنے مال کو رات دن پوشیدہ اور علانیہ)---یا---ان میں سے کسی وقت بھی کسی طریقے سے، (تو ان) سب (کیلئے انکے) صدقوں (کا اجر ہے) ہمیشہ رہنے والی جنت، اور نہ ختم ہوسکنے والی نعمت کی شکل میں (انکے رب کے پاس، اور) مزید براں (نہ ان پر) کبھی کسی کا اور کسی طرح کا مضرت رساں (کوئی خوف) ہوگا (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔

ان کیلئے خوف وغم کا سوال ہی کیا کیونکہ وہ 'عند ربہم' کے 'مقام عندیت' سے سرفراز کئے جانے والے ہیں اور منصب قرب الٰہی پر فائز المرام ہوجانے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ

جو کھائیں سود کو، نہ کھڑے ہوں گے حشر میں مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ، جس کو خبطی بنادیتا ہے آسیب

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ

چھوکر۔ یہ اس سبب سے کہ انھوں نے کہا کہ بیع بس سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ حلال فرمادیا اللہ نے بیع کو

وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ

اور حرام فرمادیا سود کو۔ تو آگیا جسکے پاس پیغام نصیحت اسکے رب کی طرف سے، پھر وہ باز آگیا، تو اُسی کا جو پہلے لے چکا۔

وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جس نے پھر کیا تو وہ جہنم والے ہیں، اس میں مدتوں رہنے والے●

آیاتِ سابقہ میں راہِ خدا میں صدقہ دینے کا ذکر تھا اور اب اسکی ضد یعنی سود کا ذکر فرمایا جارہا ہے، تاکہ ایک ضد سے دوسری ضد کی اچھی طرح معرفت ہوجائے۔

---صدقہ وسود کے درمیان مندرجہ ذیل فرق نمایاں ہیں:

﴿۱﴾---صدقہ میں انسان کسی ظاہر اور دنیاوی معاوضہ کے بغیر ضرورتمند کو اپنے مال سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے۔ اسکے برعکس، سود میں انسان ضرورتمند کو قرض دیکر ایک مدت معینہ کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین زیادتی کو وصول کرتا ہے اور

اپنے مال کو بڑھاتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے، جبکہ سود کھانے والا بلا معاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے اور سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔صدقہ دینے والے کی نظر صرف آخرت کی بھلائی پر ہوتی ہے اور سود لینے والے کی نظر، صرف دنیا کی ظاہری بہتری پر ہوتی ہے۔

﴿۵﴾۔۔۔صدقہ کا باعث خدا ترسی اور ہمدردی ہے اور سود کا محرک خدا سے بے خوفی اور خود غرضی ہے۔

﴿۶﴾۔۔۔صدقہ دینے والا مشکلات میں مبتلاء لوگوں کو سہارا دیتا ہے اور سود کھانے والا مصیبت کے مارے لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑتا ہے۔

۔۔سود کھانا، صدقہ دینے کی مکمل ضد ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔اس وجہ سے قرآن مجید، ایمان کے بعد کفر، نور کے بعد ظلمت، اور جنت کے بعد دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہاں پر صدقے کے بعد سود کا ذکر فرما رہا ہے۔سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر فرمایا ہے، اسلئے کہ جو چیز لے لی جائے، اسکی واپسی کا امکان ہوتا ہے اور جو چیز کھالی جائے، اسکی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔اس سے کسی چیز کی وصولیابی کا شدید ہونا ظاہر ہوتا ہے۔۔۔الختصر۔۔۔سودی کاروبار ایک لعنت ہے، جو سود خوار کو حشر میں مخبوط الحواس کردینے والا ہے۔

تو (جو کھائیں سود) کے مال (کو) سودی معاہدے سے حاصل کردہ اس زیادتی کو جو بلا معاوضہ ہو، تو یہ سود خوار بعث ونشر کے واسطے جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے، تو ان کے ہوش وحواس گم ہونگے، پیروں میں لرزہ ہوگا اور انکی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ (نہ کھڑے ہونگے حشر) کے میدان (میں مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جس کو خبطی بنادیتا ہے آسیب چھوکر)۔

اہل عرب کا گمان تھا کہ جب جن، آدمی کو مس کرتا ہے، تو اسکی عقل کو پریشان اور دماغ کو پراگندہ کردیتا ہے۔اس پر ایک جنونی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، وہ مرگی زدہ لگنے لگتا ہے۔ مذکورہ جنونی کیفیت تو ہر دیکھنے والے کیلئے جانی پہچانی ہے اور مقصودِ کلام صرف اسی کیفیت

کی معرفت ہے ۔یہ جنونی صورت حال کیوں پیدا ہوئی ۔اسکے تعلق سے مختلف لوگوں کا گمان کیا ہے؟ سے قطع نظر یہاں مقصودِ کلام صرف اسی کیفیت کی معرفت ہے جو لوگوں کے عام مشاہدے میں ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔میدانِ قیامت میں سودخوروں کی حالت دیوانوں جیسی ہوگی ۔یہی دیوانگی انکی پہچان ہوگی ،اسی کو دیکھ کر اہل محشر سمجھ لیں گے کہ یہ سودخوار ہے ۔

(یہ) دیوانگی اور مخبوط الحواسی **(اس سبب سے)** ہوگی کیوں **(کہ انھوں نے کہا بیع ،بس سود ہی کی طرح ہے)**۔اپنے اس کلام میں ان لوگوں نے سود کی حلت میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا اور سود کی حلت کو اصل اور مشبہ بہ قرار دیا۔۔۔نیز۔۔۔بیع کی حلت کو سود کی حلت پر قیاس کیا،اب اگر بالفرض وہ یوں کہتے کہ سود بیع کی طرح ہے تو یہ بات بھی اگرچہ پوری طور پر صحیح نہ ہوتی ،مگر اتنا تو ہوتا کہ بیع کی حلت کے اصل ہونے کا اعتراف ہوجاتا ۔یہاں تو معاملہ ہی الٹ دیا ہے اور سود کو حلت میں اصل قرار دے دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ،نہ بیع سود کی طرح ہے اور نہ ہی سود بیع کی طرح ۔دونوں ایک طرح کیسے ہوسکتے ہیں ۔

(حالانکہ حلال فرمادیا اللہ) تعالیٰ **(نے بیع کو ،اور حرام فرمادیا سود کو)** تو خدا کا حلال فرمودہ خدا ہی کے حرام کردہ کی طرح کیسے ہوسکتا ہے ۔ویسے بھی دیکھا جائے تو بیع وسود بہ چند وجوہ ایک دوسرے کی طرح نہیں ۔

﴿۱﴾۔۔۔تجارت کرنے والا تاجر منڈی سے تھوک فروشوں سے تھوک کے حساب سے سامان خریدتا ہے ،وہاں سے کسی گاڑی میں سامان لاد کر لاتا ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔اپنا وقت ،محنت ،اور ذہانت کو استعمال کرتا ہے ،پھر اس کو کسی کے ہاتھ کچھ زیادہ میں فروخت کردیتا ہے ۔یہ زیادتی خود اسکی نظر میں اور اسکے خریدار کی نگاہ میں ،اسکی محنت اسکی ذہانت اور اسکے وقت کا بدل قرار پاتی ہے ۔اسکے برعکس سودخور۔۔۔مثلاً :دس ہزار روپے پر ایک ماہ بعد جو دو روپے زیادہ لے رہا ہے ،اسکے لئے اسکے وقت ،محنت اور ذہانت میں سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوتی ۔

﴿۲﴾۔۔۔تاجر کیلئے تجارت میں نفع ونقصان دونوں کا امکان ہے ۔اسکے برخلاف ،سودخور جو اپنے روپے پر سود وصول کررہا ہے ،اسکو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ۔

﴿۳﴾۔۔۔تجارت میں مال اور قیمت کے تبادلے کے بعد بیع مکمل ہوجاتی ہے ،لیکن سود میں اصل رقم واپس کردینے کے بعد بھی ،اس پر سود در سود کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہتا ہے ۔

ہر صاحب فہم مستقیم بآسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ حرکت وعمل کی تعلیم دینے والا، رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک، ہمسایوں سے ہمدردی، فقراء اور مساکین اور دیگر ضرورتمندوں کے ساتھ شفقت، اور ایثار کی تلقین کرنے والا دین اسلام، کسی ایسے کسب کی اجازت کیسے دے سکتا ہے، جس میں انسان کی کوشش اور جدوجہد کا دخل نہ ہو۔

وہ صدقہ کرنے اور قرض حسن دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ضرورتمندوں کے استحصال سے منع کرتا ہے اور مال کو صرف جائز اور مشروع طریقے سے لینے کی اجازت دیتا ہے، جس میں کسی پر ظلم نہ ہو۔ اسلام چند ہاتھوں میں دولت کی مرتکز ہوجانے کو ناپسند کرتا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں 'ربا' کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔ الختصر۔۔۔ 'ربا' کی حرمت میں حسب ذیل حکمتیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔ سود میں بغیر کسی عوض کے نفع ملتا ہے اور شریعت نے بغیر حق شرعی مال لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کے استحصال سے منع کیا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ سودخوری کی وجہ سے انسان بغیر کسی عمل کے پیسہ کمانے کا عادی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ سود کے ذریعہ تجارت یا صنعت حرفت میں کوئی جدوجہد کیۓ بغیر پیسہ حاصل ہوجاتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ سودخوری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں کے دلوں میں امراء اور سرمایاداروں کے خلاف کینہ اور بغض پیدا ہوجاتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔ سودخوری کی وجہ سے صلہ رحمی کرنے، صدقہ وخیرات کرنے اور قرضِ حسن دینے والے مکارم اخلاق مٹ جاتے ہیں۔ پھر انسان ضرورتمند غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس کو سود پر قرض دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ سود اور بیع دونوں ایک طرح نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرمادیا ہے اور بیع کو حلال کردیا ہے۔

(تو) اب (آگیا جسکے پاس) سود کی حرمت کے تعلق سے **(پیغام، نصیحت اسکے رب کی طرف سے)** اور اس پر واضح ہوگیا کہ اسکے رب کریم نے سود لینا منع فرمادیا ہے **(پھر)** رب کی اس ہدایت کے بعد **(وہ باز آگیا)** اور فوراً ہی ہمیشہ کیلئے سودی کاروبار سے کنارہ کش ہوگیا اور سود لینے سے رک گیا **(تو) وہ مال (اسی کا) ہے، (جو)** مال سود کی حرمت کا حکم آنے سے پہلے، وہ **(لے چکا) ہے**، لہٰذا وہ مال اس سے واپس نہیں لیا جائیگا اور صرف یہی نہیں بلکہ رب کریم اپنے کرم سے اسکے سابقہ گناہ بخش

دے گا (اوراسکا معاملہ اللہ) تعالیٰ (کے سپرد ہے)۔

یعنی اسکے آنے والے زمانے کے مہمات اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی سے متعلق ہیں کہ وہ توفیق کو اسکی رفیق کرے گا، تاکہ وہ شخص اس گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور آئندہ سودخوری سے محفوظ رہے۔۔۔نیز۔۔۔جو شخص نصیحت پہنچنے کے بعد سودخوری چھوڑ دیگا، اسکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جزا عطا فرمائیگا۔۔۔یا۔۔۔اپنے عدل سے جو چاہے گا، کرے گا، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مالک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔

(اور جس نے) سود کی حرمت جان لینے کے بعد اسکو حلال سمجھتے ہوئے (پھر کیا)، یعنی دوبارہ سود لے لیا۔۔۔الغرض۔۔۔اپنے قول وعمل سے اسکی حرمت کا منکر ہوگیا، (تو وہ جہنم والے ہیں) اور (اس میں مدتوں رہنے والے) ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی حرمت کا انکار کفر ہے اور کافر کیلئے دائمی جہنم ہے۔

اب اگر کوئی سود کی حرمت کا انکار نہ کرے، پھر بھی سود لے، تو یہ بھی اگرچہ دائمی عذاب جہنم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ اسکے پاس ایمان کی نیکی ہے اور رب کریم اپنے بندوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا، تو ان جیسوں کا معاملہ رب کریم کی مشیت کے حوالے ہے، وہ چاہے تو انہیں مدت دراز تک، عذاب میں مبتلا رکھے اور چاہے تو بالکل معاف فرمادے۔ عرصہ دراز تک دوزخ میں رکھنے کی تعبیر مجازاً لفظ 'دوام' سے بھی کردی جاتی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔ اور اللہ نہیں پسند فرماتا کسی ناشکرے گنہگار کو●

اس مقام پر یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ سود کے مال میں برکت نہیں رہتی اور جس مال میں سود کا مال شامل ہوتا ہے، وہ مال بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ کیونکہ (مٹاتا ہے) اور گھٹاتا ہے (اللہ) تعالیٰ (سود) کے مال (کو)، یعنی کتنا ہی زیادہ ہو، اسکا انجام نقصان وخسران ہی کی طرف کھینچتا ہے، اسلئے کہ سود کے مال سے اگر کوئی شخص صدقہ دے اور حج یا جہاد میں خرچ کرے، وہ قبول نہیں ہوتا، اس سے بڑھ کر نقصان اور کیا ہوگا؟

علاوہ ازیں، حرام ذرائع سے حاصل کردہ اموال بظاہر بہت زیادہ نظر آتے ہیں، لیکن

مہلک بیماری، آزاری، ناگہانی آفات اور ذہنی وقلبی اضطراب وبے قراری۔۔۔ الغرض۔۔۔ گونا گوں پریشانیوں اور الجھنوں کی شکل میں اس کے مصارف بھی اس قدر نمودار ہوجاتے ہیں، کہ اس دولت سے سود خور کو جھوٹی شان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی کی آمدنی یومیہ ایک لاکھ روپے ہو، لیکن اسکے لازمی اخراجات ایک لاکھ سے زیادہ ہوں، تو کیا یہ اس شخص سے زیادہ بہتر اور مطمئن ہوسکتا ہے، جسکی یومیہ آمدی صرف سو روپے ہے مگر اسکا یومیہ خرچ پچاس روپے سے زیادہ نہیں۔

ایک لاکھ کمانے والے کے مال کی بے برکتی اور سو روپے کمانے والے کے مال میں برکت، وہ ان کمانے والوں کی محنت۔۔۔یا۔۔۔عدم محنت کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ یہ سب قادرِ مطلق کے قبضہ واختیار کی بات ہے، جس نے طے فرمادیا ہے کہ وہ حرام کمائی کو اسکے نتیجہ وثمرہ کے لحاظ سے برباد فرماتا رہے گا اور حلال روزی میں برکتیں عطا فرمائیگا۔

چنانچہ وہ برکت عطا فرماتا ہے (**اور بڑھاتا ہے صدقات کو**) صدقے کتنے ہی کم ہوں اسکا ثواب زیادہ ہی ہوگا۔ اچھی طرح سے سن لو (اور) یاد رکھو کہ (**اللہ**) تعالیٰ (**نہیں پسند فرماتا**) سود کو حلال ٹھہرانے والے (کسی ناشکرے) کافر کو۔۔۔ یونہی۔۔۔ سود کھانے پر مصر رہنے والے (گنہگار کو)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ

بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، اور نماز قائم رکھی، اور زکوٰۃ دیا کیے، ان کے لیے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اُن کے رب کے پاس۔ اور نہ اُن پر کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب بندے وہ ہیں (**بے شک جو ایمان لائے**) اللہ تعالیٰ کے امر ونہی پر (**اور نیک کام کیے**) حکم الٰہی کے مطابق کام انجام دیتے رہے (**اور نماز قائم رکھی**)، یعنی کما حقہ دائمی طور پر اسے ادا کرتے رہے (**اور**) صاحب نصاب ہونے کی صورت میں سال بسال قانون کے مطابق (**زکوٰۃ دیا کیے**) اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتی، تو یہ وہ نفوس قدسیہ والے ہیں کہ (**ان کیلئے انکا اجر ہے**) قیامت کے دن (**انکے رب کے پاس، اور نہ ان پر**) آنے والی کسی تکلیف کا (**کوئی خوف**) ہے (**اور نہ**) ہی (**وہ**) اپنی محبوب شے کے فوت ہوجانے پر (**رنجیدہ**) خاطر (**ہوں**) گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! ڈرو اللہ کو اور چھوڑ دو جو بقایا ہے سود کا، اگر تم ایمان والے ہو●

اور اب جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرما دیا ہے اور وہ سود خور کو پسند نہیں فرماتا، تو ایمانی مزاج کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے۔۔۔یا۔۔۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد، مگر سود کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے قبل، کسی نے کسی سے سودی لین دین کا معاہدہ کر لیا ہے، جیسا کہ بنی عمرو اور قبیلہ، ثقیف والوں نے بنی مغیرہ مخزومی اور دوسرے قریشیوں سے کر رکھا تھا، تو اب سود کی حرمت کا حکم نازل ہو جانے کے بعد، ان پر لازم ہے کہ جس سے انھیں اپنے معاہدے کے حساب سے سودی رقم وصول کرنی ہے، وہ اس سے صرف اپنی دی ہوئی اصل رقم ہی وصول کریں۔ اور سودی رقم کو چھوڑ دیں اور اس کو حاصل کرنے کیلئے زور وزبردستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔(اے ایمان والو! ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ (اور چھوڑ دو جو بقایا ہے سود کا)، یعنی جس سے تم نے سودی کاروبار کیا ہے اور اسکے پاس تمہاری جو سودی رقم بچ رہی ہے اور جس پر تمہارا قبضہ نہیں ہوا، تو اب تم اس کو پورے طور پر چھوڑ دو (اگر تم) حقیقی طور پر (ایمان والے ہو)، کیونکہ حقیقی ایمان کو مستلزم ہے کہ حکم الٰہی پر عمل کیا جائے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

پس اگر تم نے یہ نہ کیا، تو تیار ہو جاؤ لڑائی کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے۔ اور اگر تائب ہو گئے، تو تمہارے لیے تمہاری اصل رقم ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ●

(پس اگر تم نے یہ نہ کیا) جسکا تمہیں حکم دیا گیا ہے، یعنی حرام سے بچنے کا، تو اب اگر تم عمل نہیں کرو گے اور بقایا سود کو وصول کرو گے۔۔۔یا۔۔۔سرے سے اسکی حرمت کا انکار کرو گے۔۔۔یا۔۔۔ حرمت کا اقرار تو ہے، لیکن پھر بھی اسکا ارتکاب کرو گے (تو) ان تمام صورتوں میں (تیار ہو جاؤ لڑائی کیلئے) ایک مخصوص قسم کی جنگ کیلئے، اتنی بڑی جنگ جسکا کسی کو اندازہ معلوم نہیں اور وہ بھی کس کی طرف سے، (اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول) کی طرف (سے)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب جہنم کے ذریعہ اور اسکے رسول کی طرف سے حق کی حمایت میں اٹھنے والی تلوار و جہاد کے ذریعہ۔

(اور) پھر تم (اگر تائب ہو گئے) جیسا کہ بنی عمرو اور قبیلہء ثقیف والے تائب ہو گئے اور بول پڑے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں، (تو تمہارے لئے تمہاری اصل رقم ہے)۔ تم انھیں مکمل طور پر اپنے مقروضوں سے لے لو اور (نہ) زاید مال لیکر (تم) اپنے مقروضوں پر (ظلم کرو اور نہ) ہی ایسا ہو کہ (تم ظلم کئے جاؤ) اور تم مظلوم ہو جاؤ۔۔۔الغرض۔۔۔انکی وجہ سے تمہارے لئے بھی کمی نہیں کی جائیگی کہ تمہیں اصل سے کم دیا جائے۔۔۔یا۔۔۔تمہارے مال میں خسارہ ڈالا جائے۔

یہ اسکے لئے ہے جو اپنی غلطی سے تائب ہو اور اگر وہ تائب نہیں ہوا اور مومن ہو کر اس موذی کاروبار سے باز نہیں آتا، تو اگر وہ عامی آدمی ہے تو قید کر کے اسے تعزیر کیا جائے اور قید میں بند رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ اس غلطی سے سچے دل سے توبہ کر لے اور اگر وہ عامی آدمی نہیں، بلکہ ظاہری شان وشوکت کا مالک ہے، تو اس کے ساتھ امام وقت جنگ کا اعلان کرے، رب کریم کی اس اجازت کے پیش نظر کہ سود چھوڑ کر اصل رقم قرضدار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا

اور اگر قرضدار تنگدست ہے تو حق مہلت ہے آسانی سے ادا کر سکنے تک اور قرض معاف کر دو

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾

تو زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر دانائی سے کام لو●

(اور اگر) صورت حال یہ ہے کہ تمہارا (قرضدار تنگ دست ہے) جیسا کہ ثقیف کے ساتھ یہی پیش آ گیا تھا کہ جب انھوں نے اپنی اصل رقوم کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا، تو بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کہا کہ اس وقت ہمارے پاس مال نہیں ہے اور کہا جس وقت ہمارے پھل اترینگے، ہم اس وقت ادائیگی کر دیں گے۔ اب اگر ایسی صورت حال پیش آ جائے (تو حق مہلت ہے آسانی سے ادا کر سکنے تک)۔ ایسی صورت میں اسکی فراخ دستی تک مہلت دینا واجب ہے (اور) اگر مہلت دینے کے بجائے (قرض معاف کر دو تو) یہ (زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر دانائی سے کام لو) اور اس حقیقت کو سمجھ لو جو کچھ حق تعالیٰ فرماتا ہے اس میں دونوں جہاں کی مصلحت اور ہمیشہ کیلئے کامیابی ہے۔ معاف کر دینا اگرچہ مستحب ہے مگر اجر میں واجب سے زیادہ ہے۔

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ

اور ڈرو اس دن کو کہ لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر ایک

مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾

جو اس نے کما رکھا ہے اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ●

رکوع

اے ایمان والو! آیات ربا میں مذکور ہدایات کو معلوم کر لینے کے بعد آخر میں اس بلیغ نصیحت کو ہوش وحواس کی کمال بیداری کے ساتھ سن لو (اور ڈرو اس دن کو کہ) جس دن تم سب لوگ اللہ سے ملاقات کرو گے اور (لوٹائے جاؤ گے جس) دن (میں اللہ) تعالیٰ کی بارگاہِ عظمت (کی طرف)۔اس دن تمہارے وہ برے اعمال سامنے آئینگے جو تم کو ہلاک کردینگے اور تمہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ ورسوا کرینگے۔ وہ اعمال کی جزا کا دن ہے۔اس دن کوئی نیک عمل ہو سکے گا اور نہ کسی برے کام پر توبہ ہو سکے گی۔ وہ ثواب، عتاب اور محاسبہ کا دن ہے۔اس دن ہر شخص کو اسکے کئے ہوئے کاموں میں پوری پوری جزا دی جائیگی۔خواہ اسکے عمل نیک ہوں یا بد، خیر ہوں یا شر، اس دن ہر عمل سامنے آجائیگا اور کوئی چھوٹا یا بڑا عمل باقی نہیں بچے گا (پھر) اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا۔۔۔ الغرض۔۔۔(پورا پورا بدلہ دیا جائیگا ہر ایک) کو اسکا (جو اس نے کما رکھا ہے اور وہ ظلم نہ کئے جائینگے) اور ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جائیگی۔

غور کرو اس ذات سے ظلم کیسے متصور ہو سکتا ہے جو برائی پر صرف اتنی ہی سزا دیتا ہے جتنی وہ برائی ہو اور نیکی کا دس گنا اجر بڑھا کر دیتا ہے، بلکہ کبھی ایک نیکی پر سات سو گنا، کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے حساب اجر دیتا ہے۔اے بدکار! وہ تجھ پر عدل کرے گا، تو اس دن کے آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے آپ کو اسکے فضل وکرم کا سزاوار کر لے اور اے نیکوکار! اس دن کے آنے سے پہلے اپنی نیکیوں کو اور بڑھا لے، وہ تجھ پر فضل کریگا۔

بعض روایات کے مطابق یہ قرآن مجید کی آخری آیت ہے، اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ باختلاف روایات نو راتیں۔۔۔یا۔۔۔ سات دن۔۔۔یا۔۔۔ تین گھنٹے۔۔۔یا۔۔۔ اکیس دن۔۔۔یا۔۔۔ اکیاسی دن، اس عالم شہادت میں باحیات رہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكۡتُبُوۡهُ ؕ وَلۡيَكۡتُبْ

اے ایمان والو! جب لین دین کا معاملہ کرو قرض کی صورت میں مدت مقررہ تک، تو اس کو لکھ لو۔ اور لکھنے والے کو چاہیے

بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ ۚ وَلَا يَاۡبَ كَاتِبٌ اَنۡ يَّكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلۡيَكۡتُبۡۚ

کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے، اور کاتب کتابت سے انکار نہ کرے جیسا کہ اس کو اللہ نے سکھا دیا، تو اس کو لکھنا چاہیے۔

وَلۡيُمۡلِلِ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡـــًٔا ؕ فَاِنۡ

اور لکھے لکھائے وہ جس پر حق ہے، اور وہ ڈرے اللہ اپنے رب کو، اور کم نہ کرے اس حق سے کچھ۔ پس اگر

كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا اَوۡ لَا يَسۡتَطِيۡعُ اَنۡ يُّمِلَّ هُوَ

جس پر حق ہے، وہ بے وقوف یا کمزور ہو یا لکھ لکھا نہ سکتا ہو،

فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهٗ بِالۡعَدۡلِؕ وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا

تو اس کا ولی لکھا دے انصاف سے۔ اور گواہی کرالو دو گواہوں کی اپنے مردوں سے۔ پھر اگر

رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰٮهُمَا

دو مرد نہ ہوں، تو ایک مرد اور دو عورتیں جو مرضی مطابق ہوں گواہوں سے، ان عورتوں میں ایک بھول جائے تو یاد

فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰٮهُمَا الۡاُخۡرٰىؕ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ؕ وَلَا تَسۡـَٔـمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ

دلا دے ایک دوسری کو۔ اور نہ انکار کریں گواہ لوگ جب بلائے جائیں۔ اور سستی نہ کرو، چھوٹا معاملہ ہو

صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖؕ ذٰلِكُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاَقۡوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدۡنٰۤى اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا

یا بڑا، اس کی میعاد تک لکھنے میں یہ اللہ کے نزدیک بڑا انصاف اور گواہی کیلئے زیادہ مضبوط، اور تمہارے شک میں نہ پڑنے کیلئے

اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ

زیادہ قریب ہے، مگر یہ کہ دکانداری نقد ہو کہ باہم ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں

اَلَّا تَكۡتُبُوۡهَا ؕ وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيۡدٌ ؕ وَاِنۡ

اس کے نہ لکھنے کا۔ اور گواہ کرلیا کرو جب خرید و فروخت کرو۔ اور نہ نقصان پہنچے پہنچائے کاتب، اور نہ گواہ۔ اور اگر یہ

تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌ ۢ بِكُمۡؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ‏ ﴿۲۸۲﴾

کیا، تو بے شک یہ تمہاری نافرمانی ہے، اور اللہ کو ڈرو، اور سکھاتا ہے تم کو اللہ، اور اللہ ہر ایک کو جاننے والا ہے●

اس سے پہلی آیتوں میں صدقہ دینے اور سود نہ لینے کا حکم دیا تھا اور ان آیتوں میں کاروبار اور تجارت میں لین دین کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ صدقہ دینا اور سود نہ لینا، مال میں کمی کا سبب ہے اور تجارت مال میں افزائش کا سبب ہے۔ اس سے پہلے رکوع میں سود کا ذکر تھا اور اس رکوع میں کاروبار میں ادھار کے تحفظات کا ذکر ہے۔ سود قرض کی ناجائز صورت

ہے اور کاروبار میں 'بلا سود قرض' قرض کی جائز صورت ہے۔

صدقہ اور قرض میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون ہے اور سود میں سنگدلی ہے اور سرکشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر کے مال میں اضافہ کرنے کے ناجائز طریقہ سے روکا اور تجارت کو حلال کر کے مال میں اضافہ کرنے کے جائز طریقے کی طرف رہنمائی کی۔ اور شرعی عقود میں جس عقد کا بدل قرض ہو، اسکے تحفظات اور معاملات میں صفائی کیلئے یہ ہدایات فرمائی کہ۔۔۔

(اے ایمان والو! جب لین دین کا معاملہ کرو قرض کی صورت میں) کسی **(مدت مقررہ تک)** کیلئے جس میں مہینہ۔۔۔یا۔۔۔ برس نامزد کر دیا گیا ہو **(تو اس)** سے متعلق ضروری تفصیلات یعنی معاملہ کے وصف، معاملہ کرنے والوں کے نام، مبلغ حق اور مقدار مدت، ان ساری باتوں **(کو)** دستاویز میں **(لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے)** اور درستی وسچائی کا طرز عمل اپنائے۔ لکھنے میں مدت اور مال میں کمی زیادتی نہ کرے **(اور)** کوئی بھی **(کاتب)** جسے کتابت کیلئے طلب کیا جائے وہ **(کتابت سے انکار نہ کرے)**۔ فراغت وفرصت ہونے کی صورت میں یہ کتابت بعض کے نزدیک فرض عین ہے۔ ایک قول پر پہلے فرض عین تھا، پھر **وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ** سے منسوخ کر دیا گیا۔

ایک دوسرے قول پر یہ فرض کفایہ ہے اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہے، یعنی جب اس سے لکھنے کیلئے کہا جائے، تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ انکار نہ کرے اور مہربانی کا مظاہرہ کرے **(جیسا کہ)** اس پر مہربانی فرماتے ہوئے **(اس کو اللہ)** تعالیٰ **(نے)** لکھنا **(سکھا دیا)** ہے **(تو اسکو)** بھی **(لکھنا چاہئے)** اور لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔

(اور) یہ بھی خیال رہے کہ از خود **(لکھے)** یا کسی سے **(لکھائے)** یہ کام **(وہ)** کرے **(جس پر حق ہے)**، یعنی جس نے قرضہ لیا ہے کیونکہ وہی 'مشہود علیہ' ہے۔ پس ضروری ہے کہ تحریر میں اسکا اقرار تحریر کرے **(اور)** چاہئے کہ **(وہ)** لکھنے والا۔۔۔یا۔۔۔لکھانے والا **(ڈرے) (اللہ)** تعالیٰ **(اپنے رب کو اور کم نہ کرے)** اقرار کے وقت **(اس حق سے)** جو اس پر ہے **(کچھ)** بھی۔

چونکہ اس میں مَنْهِيٌّ عَنْهُ کے ارتکاب کے اسباب پائے جاتے ہیں، اسلئے کہ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ ضرر ونقصان سے بچے اور جو اسکے ذمہ ہے یا تو سرے سے نہ ہو یا ہو تو بالکل کم۔ اسلئے مذکورہ ارشاد میں لکھانے والے پر سخت پابندی کی گئی ہے اور ایک طرف اسے اللہ تعالیٰ

سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف بَخْسٌ یعنی کمی کرنے سے روکا گیا ہے۔

(پس اگر) وہ **(جس پر حق ہے وہ بے وقوف)** ناقص العقل، فضول خرچ اور حد سے زیادہ خرچ کرنے والا ہو **(یا کمزور ہو)**۔۔۔مثلاً: لڑکا ہو۔۔یا۔۔بوڑھا بے کار ہو **(یا لکھ لکھا نہ سکتا ہو)** یعنی خود بخود لکھانے سے عاجز ہو، مثلاً: گونگا ہو۔۔یا۔۔دستاویز نویسی سے ناواقف وجاہل ہو۔۔یا۔۔اسی طرح کے دوسرے عوارض ہوں **(تو)** چاہئے کہ **(اسکا ولی)** جو اس کے جملہ امور کا منتظم ہو۔۔یا۔۔اسکے قائم مقام ہو مثلاً: بااختیار متولی۔۔یا۔۔وکیل۔۔یا۔۔مترجم وغیرہ وغیرہ، اس کی طرف سے **(لکھادے انصاف سے)** جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی۔

(اور) ان سے دو گواہ طلب کرو تاکہ وہ صحیح صحیح باتیں بتا سکیں جو تمہارے درمیان لین دین کا معاملہ طے ہوا۔۔۔الختصر۔۔۔**(گواہی کرالو دو گواہوں کی)** تم **(اپنے مردوں سے)** جو دیندار، آزاد، بالغ اور مسلمان ہوں، اسلئے کہ یہ کلام الٰہی معاملات سے متعلق ہے۔ **(پھر اگر دو مرد)** گواہ **(نہ ہوں)** یعنی بروقت کسی وجہ سے دو مرد گواہی کیلئے نہ مل سکیں **(تو)** چونکہ یہ معاملہ حدود و قصاص سے متعلق نہیں ہے، اسلئے **(ایک مرد اور دو عورتیں جو)** تمہاری پسند اور **(مرضی)** کے **(مطابق ہوں گواہوں سے)** یعنی جنھیں تم گواہ بنانا چاہتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان میں بعض ایسے ہونگے جنھیں تم گواہی کیلئے پسند کروگے، اسلئے کہ ان کی اہلیت اور ان پر تمہارا اعتماد صرف تمھیں کو معلوم ہے۔

اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کو لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم استحبابی ہے، جس میں ہمارے لئے بہتری اور خیر خواہی ہے اور یہ دین و دنیا میں احتیاط کیلئے ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اس میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں۔ اب رہ گئی یہ بات کہ عورتوں کی گواہی میں تعدد کی علت کیا ہے؟ تو یہ اسلئے کہ عام طور پر عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اور عموماً وہ بھول کا شکار ہوجاتی ہیں۔

تو احتیاطاً ان کے ساتھ دوسری عورت کو شامل کردینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بالفرض **(ان عورتوں میں)** سے **(ایک بھول جائے، تو یاد دلادے)** ان میں سے **(ایک)** یاد رکھنے والی **(دوسری)** بھول جانے والی خاتون **(کو)**۔

اس مضمون کے بعد اب گواہوں کو گواہی دینے پر ترغیب دی جارہی ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔ارشاد ہے جسے سنو **(اور)** یاد رکھو کہ **(نہ انکار کریں گواہ لوگ، جب)** گواہی

کے ادا کرنے ۔۔۔یا۔۔۔ گواہ بننے کیلئے وہ (بلائے جائیں)۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں بلکہ شہادت ادا کرنا فرض ہے۔۔۔ہاں۔۔۔تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ادائے شہادت اور ہے اورتحمل شہادت اور ہے۔

تو اے شاہدو! جب تمہیں گواہی کیلئے طلب کیا جائے، تو تم انکار نہ کرو۔۔۔المختصر۔۔۔اس طرح کے معاملات قلمبند کرلیا کرو (اور) کسی طرح کی (سستی) کا مظاہرہ (نہ کرو)۔۔۔نیز۔۔۔کسی طرح کا ملال ظاہر نہ کرو۔ اگرچہ قرض کے معاملات بکثرت ہوں، (**چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا**) قلیل ہو۔۔۔یا۔۔۔ کثیر۔ مجمل ہو یا مفصل، یعنی مقروض کے جو کچھ ذمہ ہے اسے اسکے اقرار کے مطابق (**اسکی**) مقرر کردہ (**میعاد تک لکھنے میں**)۔۔۔الحاصل۔۔۔اسطرح کے معاملات کو لکھ کر محفوظ کر لینے ہی میں بہتری ہے۔
اے ایمان والو! (**یہ**) تمہارا مقرر کردہ میعاد کو لکھ لینا (**اللہ**) تعالیٰ (**کے نزدیک**) یعنی اسکے حکم میں زیادہ اچھا، موزوں اور (**بڑا انصاف**) ہے اور (**گواہی**) دینے اور اسے قائم رکھنے (**کیلئے زیادہ**) ثابت، معین و مددگار (**مضبوط اور تمہارے شک میں نہ پڑنے کیلئے زیادہ قریب ہے**)۔

۔۔۔المختصر۔۔۔تمہارے شک کو دور کرنے کیلئے، یہی طریقہ قریب تر ہے کہ اس میں یقین ہوگا کہ قرضہ کون سی شے ہے؟ اور اس کی کتنی مقدار ہے؟ اور اسکی میعاد کیا ہے؟ اور اسکے کون کون گواہ ہیں؟ وغیرہ، وغیرہ۔

ہاں (**مگر یہ کہ دکان داری نقد ہو کہ باہم ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو**) یعنی وہ تجارت جو تمہارے درمیان چلتی رہتی ہے، دونوں بدل حاضر و موجود ہوتے ہیں اور لین دین دست بدست ہوتی ہے (**تو تم پر کوئی الزام نہیں اس کے نہ لکھنے کا**) چونکہ یہ نقدی سودا ہے۔ تو اس میں نہ جھگڑے کا خطرہ ہے اور نہ ہی بھولنے کا۔ (**اور**) خیال رکھو کہ (**گواہ کرلیا کرو جب**) جب (**خرید و فروخت**) کیا (**کرو**) بیع کا لین دین ہو۔۔۔یا۔۔۔ کسی قسم کا لین دین ہو، گواہ بنانا احتیاطاً ہے (**اور**) یہاں اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ (**نہ نقصان پہنچے پہنچائے کاتب اور نہ گواہ**)، یعنی نہ تو کاتب یا گواہ کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ ہی کاتب و گواہ کو کوئی تکلیف دے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ جب کاتب کو لکھنے کو طلب کیا جائے، تو وہ آئے اور کام بنادے۔ اور بلانے والے کو نہ لکھ دینے سے ضرر نہ پہنچائے اور کتابت مقصودہ کو لکھنے سے باز نہ رہے۔۔۔

یونہی۔۔۔ گواہ شہادت معلومہ کے ادا کرنے سے نہ رکے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر کاتب وگواہ کسی کام میں مشغول ومصروف ہوں اور دوسرا کاتب وگواہ بہ آسانی مل جاتا ہو، تو پھر خواہ مخواہ کیلئے پہلے والے کاتب وگواہ کا وقت ضائع کرکے انھیں دکھ نہ پہنچائے۔

(اور اگر یہ کیا) یعنی جس کام سے روکا گیا، اسی کا ارتکاب کر بیٹھے، (تو بیشک) تمہارا (یہ) عمل (تمہاری) کھلی (نافرمانی ہے) اور اطاعت الٰہی سے باہر ہونا اور فاسقوں میں شامل ہونا ہے، لہٰذا ایسا نہ کرو (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور اس کے اوامر ونواہی کی مخالفت سے بچو، جس میں سے ایک یہ نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا بھی ہے۔ باخبر کرتا ہے (اور سکھاتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ اپنے احکام کو جن میں بے شمار حکمتیں ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک) شے (کو جاننے والا ہے)۔ تمہارے احوال اس سے مخفی نہیں اور تمہیں ان کی جزا دے گا۔

۔۔۔ الحاصل۔۔۔ حقوق العباد کی رعایت واجب ہے۔ امور دینی ہوں یا دنیوی، اموال پر احتیاط لازم ہے۔ جو شخص حق کیلئے سعی کرتا ہے، وہ نجات پا گیا ورنہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

اور اگر تم مسافر ہو اور کسی کاتب کو نہیں پایا، تو رہن باقبضہ ہو پھر اگر امین بنایا تم میں سے بعض نے

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

بعض کو، تو ادا کرے جو امین بنایا گیا اس کی امانت کو، اور ڈرے اللہ اپنے رب سے۔ اور نہ چھپاؤ گواہی کو۔

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور جو اس کو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ اور اللہ تمہارے کئے کو جاننے والا ہے ●

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح کاتب وشاہد اعتبار واعتماد کے ذرائع میں سے ہیں۔۔۔ یونہی۔۔۔ اعتبار واعتماد کی ایک صورت اور بھی ہے۔

(اور) وہ یہ کہ (اگر تم مسافر) یا عازم سفر (ہو)، سفر کی طرف متوجہ ہو اور تمہیں دَین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو (اور) صورتِ حال یہ ہو کہ تم نے (کسی) دستاویز نویس (کاتب کو نہیں پایا) یا فوری طور پر کاغذ، قلم اور دوات میسر نہیں کہ کتابت کرائی جاسکے، (تو) پھر ایسے (رہن) جو (باقبضہ ہو) کی بنا پر دَین کا معاملہ کرو (پھر اگر امین بنایا تم میں سے بعض نے بعض کو) اور اس پر اعتبار کیا اور اسکے تعلق سے

سے نیک گمان کیا (تو) چاہئے کہ وہ (ادا کرے جو امین بنایا گیا) اور جس پر اعتبار و اعتماد کیا گیا (اس) امین بنانے والے (کی امانت کو)۔

۔۔۔الختصر۔۔۔اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خریدنی ہے اور 'بائع' کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے تمہیں دورانِ سفر کاتب یا گواہ دستیاب نہ ہوں، تو پھر ایسی صورت میں، 'بائع'، کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے، اپنی کوئی چیز اسکے پاس رہن رکھ دو، جس پر 'بائع' صرف قبضہ کرے گا، وہ اس میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا مجاز اور مختار نہیں ہے۔

اس مقام پر رہن رکھنے کیلئے سفر میں ہونے کی قید اتفاقی ہے، اسلئے کہ 'احکام القرآن للجصاص' کی تصریح کے مطابق تمام شہروں کے فقہاء اور عامۃ السلف کے نزدیک شہر میں بھی کسی چیز کا گروی رکھنا جائز ہے۔۔۔الحاصل۔۔۔امین پر لازم ہے کہ اس پر جو اعتماد کیا گیا ہے، اسکا پاس و لحاظ رکھے اور امانت کو ادا کر دینے میں کسی خیانت کا مظاہرہ نہ کرے۔

(اور) ایسا کرنے سے (ڈرے اللہ) تعالیٰ (اپنے رب) معبود (سے)۔ یہ امر وجوب کیلئے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قرضوں کا ادا کرنا واجب ہے۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ مقروض کو قرض ادا کرنے کا حکم دے۔ اور مقروض کو قرض ادا کرنے پر مجبور کرے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ اعتماد کی صورت میں 'وثیقہ' لکھوانے، گواہ بنانے اور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت ہے۔

اے گواہو! جب تمہیں حاکم کی طرف بلایا جائے، تو تم گواہی کو صحیح طریق سے ادا کرو (اور نہ چھپاؤ گواہی کو) بایں طور کہ گواہی ادا کرنے سے اپنے کو روک لو۔ اچھی طرح یاد رکھو، اگر تمہاری گواہی نہ دینے سے صاحب حق کا حق ضائع ہو جاتا ہو، تو تمہارا یہ گواہی چھپانا حرام ہے، جس پر سخت وعید نازل فرمائی گئی ہے، تو اچھی طرح سن لو (اور) یاد رکھو کہ (جو اس کو چھپائے، تو اس کا دل گنہگار ہے) اور ظاہر ہے کہ جب دل فاسد ہو گیا تو سارا جسم فاسد ہو گیا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔گواہی چھپانے کا تعلق فقط زبان کے گناہوں سے نہیں، بلکہ اسکا تعلق دل سے بھی ہے۔ دراصل گناہ کا اصلی تعلق تو قلب ہی سے ہے۔ دل ہی اسکا ارتکاب کرتا ہے، زبان تو صرف دل کی ترجمان ہوتی ہے۔

اس مقام پر اچھی طرح جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہارے) گواہی چھپانے

۔۔۔یا۔۔۔گواہی ظاہر کرنے کے ہر ہر عمل اور ہر ہر (کئے کو جاننے والا ہے)۔ تو اے لوگو! ہوش وحواس کی صحت وسلامتی کا مظاہرہ کرو اور اچھی طرح یقین کرلو کہ۔۔۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اگر علانیہ کر گزرو جو تمہارے دلوں میں ہے،

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

یا دل میں ہی رکھ کر چھپالو، جواب طلب کریگا تم سے اسکا اللہ۔ تو جس کو چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں) میں ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے) آسمان اور زمین کی حقیقت میں امور داخلہ ہوں یا خارجہ، جو انہی سے حاصل ہونے والے ہیں، وہ 'ذوی العقول' ہوں کہ 'غیر ذوی العقول' سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ پیدائش وملک وتصرف کے لحاظ سے کسی وجہ سے بھی کوئی اسکا شریک نہیں۔ لہٰذا اسکے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو (اور اگر علانیہ کر گزرو) اور ظاہر کردو قولاً وفعلاً عزم بالجزم کر کے اس برائی کو (جو تمہارے دلوں میں ہے یا دل ہی میں رکھ کر چھپالو) یعنی اسے لوگوں سے ایسا پوشیدہ کرو کہ کسی کو بھی اسکی اطلاع نہ ہوسکے اور ہر طرح سے ان سے مخفی رہے جیسے گواہی چھپانا، مشرکین سے دوستی کرنا اور دیگر مناہی کا خفیہ ارتکاب۔

خیال رہے کہ ان میں وہ اعمال داخل نہیں جو 'وساوس' انسان کے دل پر آتے ہیں۔ ایسے ہی وہ خیالی باتیں جس پر کسی قسم کا دلی ارادہ نہیں اور نہ ہی اس پر دل جمتا ہے، اسلئے کہ تکلیف اعمال، وسعت انسان کے مطابق ہوتی ہے، اور ان وساوس وغیرہ کا دفعیہ قوت بشریہ سے باہر ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔قیامت کے دن (جواب طلب کرے گا تم سے اس) تمہارے ظاہر وپوشیدہ ہر ہر عمل (کا اللہ) تعالیٰ، (تو) اب اسے پورا پورا اختیار ہے کہ وہ (جس کو چاہے بخشے)، خواہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو (اور جسے چاہے عذاب دے)، خواہ وہ گناہِ صغیرہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔ (اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) تو مغفرت۔۔۔یا۔۔۔تعذیب، جسکے ساتھ جو چاہے کرے۔ مغفرت اگر اسکا فضل ہے تو تعذیب اس کا عدل ہے اور وہ قادر مطلق اپنے ہر چاہے پر

قدرت والا ہے۔ یہ بھی رب کریم کا فضل ہے کہ اگر کسی کے دل میں اچانک برائی کا خیال آجائے جسے 'ھاجس' کہتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ برائی کا بار بار خیال آئے جسے 'خاطر' کہتے ہیں ۔۔۔یا۔۔۔جس برائی کا خیال آئے، ذہن اسکی طرف راغب ہو اور اسکے حصول کیلئے منصوبہ بنائے، جسے 'حدیث نفس' کہتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔اس برائی کو حاصل کرنے کا رجحان غالب ہو، ساتھ ہی ساتھ کسی اندیشے کے پیش نظر ایک مغلوب خیال یہ بھی کہ اسکو حاصل نہ کیا جائے، اسکو 'ھم' کہتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں مواخذہ نہیں ہوتا، لیکن اگر 'مغلوب جانب' بھی زائل ہوجائے اور اس چیز کے حصول کا پختہ ارادہ ہوجائے اور وہ اپنے نفس کو اسکے حصول پر آمادہ کرلے اور اسکی نیت کرلے جسے 'عزم' کہا جاتا ہے، تو وہ مستحق مواخذہ ہے، خواہ اسکے بعد گناہ کا فعل نہ کرے۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے، خالق ہے اور ہر چیز اسکی مملوک ومخلوق ہے، تو مالک کو حق ہے کہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے۔ چنانچہ اس نے ہمیں توحید ورسالت اور قیامت اور جزا اور سزا کے ماننے کا مکلف کیا اور اس سورۂ مبارکہ میں بہت سارے اسلامی عقائد واعمال کے اصول وفروع کو بیان فرما کر ان عقائد کو ماننے اور اعمال پر عمل کرنے کی تکلیف دی اور پھر اپنے ان ماننے والوں کی عظمتوں کو ظاہر فرمانے کیلئے، انکا ذکر خیر کیا اور فرمایا کہ۔۔۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا گیا ان کی طرف انکے رب کی جانب سے اور سب ایمان والے، ہر ایک نے مان لیا اللہ کو

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا

اور اسکے فرشتوں کو اور اسکی کتابوں کو اور اسکے رسولوں کو کہ ہم فرق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں سے کسی کے ماننے میں، اور سب نے کہا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری۔ بخشش ہوا ہے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ●

(مان لیا رسول نے) منصب رسالت کے تحمل اور تبلیغ کے ساتھ (جو کچھ اتارا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے)، یعنی قرآن کی آیتیں، دین کے احکام اور شرع کے حقوق۔ رسول کریم تو پہلے ہی سے ایمان والے تھے، لیکن کلام الٰہی کا نزول جیسے جیسے ہوتا گیا، آپ تفصیلی طور پر علم وتصدیق

والے ہوتے گئے (اور) آپ ہی کی ہدایت کی روشنی میں (سب ایمان والے) بھی مانتے چلے گئے۔ ہاں ایمان والوں کا ماننا اقرار وتصدیق کے ساتھ رہا۔

پھر مسلمانوں کی تعظیم وتوقیر کے واسطے ذکر میں پیغمبر ﷺ کے ساتھ انھیں بھی ملا دیا۔

اور ارشاد فرمایا کہ پیغمبر اور انکے متبع الغرض (ہر ایک نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اسکے وجود ازلی وابدی کو، اسکے اسماء حسنیٰ اور صفات جلال و جمال کو۔۔۔نیز۔۔۔اسکے مضبوط افعال اور کامل احکام کو (اور اس کے فرشتوں کو) کہ حضرت کبریا کے مقرب ہیں، اسکی بیٹیاں نہیں ہیں اور حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں انبیاء کے پاس اور رسولوں کے وحی آنے کا سبب ہیں (اور اسکی کتابوں کو) جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں، وہ سب حق ہیں اور اللہ کا کلام ہیں، مخلوق نہیں ہیں۔ (اور اسکے رسولوں کو) کہ سب پاک ہیں، معصوم ہیں اور برگزیدہ ہیں اور وحی الٰہی پڑھنے والے اور راہِ حق کی طرف بلانے والے ہیں۔

۔۔۔نیز۔۔۔نبی کریم اور سارے مسلمان لوگ کہتے ہیں (کہ ہم فرق نہیں کرتے اللہ) تعالیٰ (کے رسولوں سے کسی کے ماننے میں) کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، بلکہ ہم سب پر ایمان لاتے ہیں بخلاف یہود ونصاریٰ کے، کہ حسد کی وجہ سے بعض رسولوں کے منکر ہیں۔ یہ مسلمان ان سرکش لوگوں کی طرح نہیں ہیں، جو کلام الٰہی سن کر کہتے ہیں 'سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور نہیں تسلیم کیا، بلکہ ان اطاعت شعاروں نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا (اور سب نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری) پھر کمال شان بندگی اور غایت عجز وانکساری کے ساتھ سب نے التجا کی کہ ہم پر تیری (بخشش) کا نزول (ہو) اور تو ہماری مغفرت فرما۔ (اے ہمارے پروردگار) تیرے سوا ہمارے لئے کوئی ملجاء و ماویٰ اور مفر ومقر نہیں (اور) بالآخر ہمیں (تیری ہی) بارگاہِ عظمت ورحمت کی (طرف لوٹنا ہے)۔

امت نے جب دین کے احکام کو بے چون وچرا قبول کرلیا تو رب کریم نے اپنے محبوب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے میرے رسول میں نے بھی تیری امت پر آسانی کردی تم اپنے امتیوں کو خوش خبری سنادو کہ۔۔۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا

نہیں حکم دیتا اللہ کسی کو مگر اُس کی سکت بھر، اُسی کا نفع ہے جو نیکی کمائی، اور اُس پر وبال ہے جو بدی حاصل کی، پروردگارا

لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول گئے یا چوک گئے۔ پروردگارا اور نہ رکھ ہم پر بوجھ، جس طرح

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا

تو نے رکھا تھا ان پر جو ہم سے پہلے تھے۔ پروردگارا نہ بوجھل کر ہم کو اس سے جس کی ہم کو سکت نہیں، اور معاف فرمادے ہم کو۔

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اور بخش دے ہم کو۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہماری مدد فرما، قوم کفار پر ●

(نہیں حکم دیتا اللہ) تعالیٰ (کسی کو مگر اسکی سکت بھر) یعنی اسی کام کا حکم دیا جائے جس کو انجام دے سکنے کی اس میں قدرت ہو تو (اسی) ذات مکلّف (کا نفع) اور فائدہ (ہے) اس میں (جو نیکی) اس نے (کمائی) یعنی بآسانی کارِ خیر انجام دے کر حاصل کی (اور اس پر) ہی (وبال ہے) برا انجام ہے اس برائی کا (جو بدی) اس نے بڑی محنت و مشقت سے (حاصل کی) ہے۔

اس مقام پر سعادت مندوں اور اطاعت شعاروں کے دلوں سے یہی التجا نکلتی ہے کہ (پروردگارا)، اے ہمارے رب (ہم پر گرفت نہ کر) اور ہم پر کوئی عذاب نازل نہ فرما۔ (اگر ہم بھول گئے) اور کوئی نیک کام ہم سے فوت ہو گیا، (یا چوک گئے) یعنی بے قصد و ارادہ کسی ممنوع کام کے مرتکب ہو گئے۔ یونہی (پروردگارا) (اور)، اے ہمارے رب (نہ رکھ ہم پر) ہمارے اوپر بھاری (بوجھ) (جس طرح) کا بھاری بوجھ (تو نے رکھا تھا) ان پر (جو ہم سے پہلے تھے) یعنی یہود و نصاریٰ جن پر تکالیف شاقہ اور سخت احکام نازل فرمائے گئے تھے۔

---نیز---(پروردگارا) اے ہمارے رب (نہ بوجھل کر ہم کو اس سے جسکی ہم کو سکت نہیں) ہمارے سروں پر وہ وزن نہ رکھ جو ہم اٹھا نہ سکیں---الغرض---وسوسوں اور دلوں میں بے قصد و ارادہ آجانے والے خیالات پر ہماری گرفت نہ فرما، اسلئے کہ اپنے کو ان سے بچانا ہمارے بس سے باہر ہے (اور معاف فرمادے ہم کو) ہماری خطاؤں اور ہماری بھول چوک کو، (اور بخش دے ہم کو) ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو، (اور ہم پر رحم فرما) ہماری عبادت قبول فرما کر۔ (تو ہمارا مولیٰ ہے) ناصر و مددگار ہے، کام بنانے والا ہے (تو ہماری مدد فرما) اور فتح و نصرت عطا فرما (قوم کفار پر) کافر لوگوں پر---- ﴿آمین﴾

رکوع ۴

﴿۱﴾۔۔۔حضرت عطاراوی ہیں کہ 'سورۃ بقرہ' کی ان دو آیتوں کو جب حضرت جبرائیل نے نبی کریم کے سامنے پڑھا، تو آپ نے کہا۔۔۔﴿ امین ﴾

﴿۲﴾۔۔۔حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ جس نے رات میں سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا وہ اسکے لئے کافی ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔حضرت عقبہ ابن عامر راوی ہیں کہ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے اپنے نبی علیہ السلام کو فضیلت دی ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ بقرہ کی دو آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں۔ مجھ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

﴿۵﴾۔۔۔حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس میں سے دو آیتیں نازل کیں اور سورۃ بقرہ کو ان پر ختم کیا۔ جس گھر میں تین راتیں ان دو آیتوں کو پڑھا جائیگا، اس گھر میں شیطان نہیں ٹھہرے گا۔

بحمدہ تعالیٰ آج ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ۔۔۔سورۃ البقرۃ کی تفسیر مکمل ہوگئی

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ ۳

یہ سورت 'ترتیب مصحف' کے اعتبار سے 'تیسری سورت' ہے اور نزول کے اعتبار سے 'سورہ انفال' کے بعد ہے۔ یہ سورت مدنی ہے اور اسمیں بالاتفاق دوسو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔ اس سورۃ کا نام ال عمران ہے کیونکہ اس سورت میں ال عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مریم اور انکی والدہ محترمہ کو فضیلت دینے کا ذکر ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے مندرجہ ذیل دوسرے بھی نام ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔زہراء: جس کا معنی ہے صاف، روشن، چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ چونکہ یہ سورہ نور وہدایت پر مشتمل ہے اسلئے اسکو 'زہراء' فرمایا گیا۔

﴿۲﴾۔۔۔سورۃ الکنز: کنز کے معنی ہے خزانہ۔ اس سورت کو کنز اسلئے فرمایا گیا کہ اس میں عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے، اور نبی کریم نے نجران کے عیسائیوں سے جو مباحثہ فرمایا تھا، اس سے متعلق آیات اس سورہ میں زیادہ ہیں۔

﴿۳﴾۔۔۔سورۃ طیبہ: چونکہ تورات میں ال عمران کا نام 'طیبہ' ہے۔۔۔نیز۔۔۔اس سورت میں طیبین کے تمام اوصاف کو جمع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے۔

سورۃ ال عمرٰن ۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتہا ۲۰۰ رکوعاتہا ۲۰

سورۂ آلِ عمران مدنیہ — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — آیات ۲۰۰ رکوع ۲۰

ایسی مبارک سورہ کی تلاوت کی جاتی ہے (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ①

ال م●

(ال م) جسکی ابتداء یوں ہے کہ عربی زبان میں 'حروف ہجا' میں سے 'ال م' بھی ہے، جسکا ہر کلمہ اسرار الٰہی کا گنجینہ اور علوم ومعارف کا خزینہ ہے۔

ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے؟ یہ تو وہی رب علیم وخبیر جانے کہ ان حروف سے

اسکی اپنی مراد کیا ہے۔۔۔یا۔۔۔اس کے بتانے اور خبر دینے سے وہ رسول جانے جن پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔اس مقام پر تو یہ خیال کیا ہی نہیں جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمات تو نازل فرمادیۓ لیکن اسکے معنی ومطلب سے آگاہ نہیں فرمایا۔اسلئے کہ ایسی صورت میں یہ نزول فرمانا ہی 'کارعبث' ٹھہرے گا، اللہ تعالیٰ کی ذات جس سے پاک وصاف ہے۔اگر غور کیا جائے تو اس مقام پر یہ بات بھی عقلاً مستبعد نہیں کہ رسول کریم کی شان تو بڑی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے رسول کے توسط سے ان کلمات کے اسرار ورموز میں سے جتنا چاہے اس سے اپنے کسی بھی نفوس قدسیہ رکھنے والے نیک بندوں کو بھی باخبر فرمادے۔

کیا تعجب ہے کہ اسکے 'الف' سے حق تعالیٰ کے اس 'آلائے عمیم' کی طرف اشارہ ہو جو دنیا میں علی العموم سب کو شامل ہیں اور اسکے 'لام' سے اسکے اس 'لقائے کریم' کی خبر دی جارہی ہو جو آخرت میں خاص لوگوں کو پہنچے گی۔۔۔یونہی۔۔۔اسکے 'میم' سے خدا کی اس 'محبت قدیم' کی معرفت کرائی جارہی ہو، جو دونوں جہاں میں 'اخص الخواص' لوگوں کو حاصل ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔کلمہ جلالت 'اللہ' کا 'الف'، لفظ 'لطیف' کا 'لام'۔۔۔نیز۔۔۔کلمہ 'مجید' کا 'میم' آپس میں مل جانے کے بعد معارف ومعانی، جلالت وعظمت اور رحمت ورافت کا ایک ایسا بحر ناپیدا کنار بن جاتے ہیں جن کو کماحقہ سمجھ لینا انسانی ذہن وفکر کے بس کی بات نہیں۔تو اے لوگو! تم اپنے ذہنوں کو ان کلمات طیبات کے رموز واسرار کو سمجھنے کیلئے حیران وپریشان نہ کرو اور اپنے ذہن وفکر پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور آؤ تم ان باتوں کو سنو جو تمہارے لئے ہیں، اور جن سے تمہاری ہدایت مقصود ہے، تو سنو!

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲

اللہ، نہیں کوئی معبود سوا اسکے، ہمیشہ زندہ، سب کو قائم رکھنے والا●

(اللہ) تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ (نہیں) ہے (کوئی معبود) برحق (سوا اسکے) جو (ہمیشہ زندہ) ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور وہ بھی ایسا کہ ہر زندہ کی زندگی اسی سے ہے اور وہی خود قائم رہتے ہوۓ (سب کو قائم رکھنے والا) ہے، ایسا کہ ہر قائم رہنے والے کا قیام اسی کے سبب سے ہے۔

اس مقام پر یہ واقعہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایک مرتبہ نجران کے بعض نصاریٰ کو خیال ہوا

کہ وہ مدینہ منورہ آ کر حضور آیہء رحمت ﷺ سے مناظرہ کریں، چنانچہ وہ آئے۔ نبی کریم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کرنے کے بجائے، بحث شروع کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا منوانے پر لگ گئے۔

نبی کریم ﷺ نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں داعیانہ کر و فر کے ساتھ انکے سوالات کا ایسا جواب دیا کہ وہ ساکت و صامت رہ گئے اور چپ ہو کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور آیہء رحمت ﷺ کے جواب کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے انکے سوالات کے جوابات خود انہی کے دین و مذہب کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں عطا فرمائے۔

ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے مذہب میں خدا کو فنا ہو جانا ہے؟ انھوں نے کہا، نہیں۔ اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا، تمہارا حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان پر موت طاری ہوگی یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، ان پر موت طاری ہوگی۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا حضرت عیسیٰ کی تصویر شکم مادر میں بنائی گئی، انھوں نے اسکا بھی اقرار کیا اور پھر جب یہ دریافت کیا کہ کیا خدا کی بھی کہیں صورت گری کی گئی ہے؟ تو جواب دیا نہیں، ایسا نہیں کیا گیا۔

پھر معلوم فرمایا کہ کیا تم لوگ حضرت عیسیٰ کے شکم مادر سے پیدا ہونے، ان کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے کے قائل ہو؟ ان لوگوں نے اس کا بھی اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ خدا ان تمام چیزوں سے پاک و صاف اور منزہ و مبرا ہے؟ ان لوگوں نے اپنے اس عقیدے کا بھی اعتراف کر لیا۔

ظاہر ہے کہ اس گفتگو کے بعد ان کیلئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ حضرت عیسیٰ کسی طرح سے بھی خدا۔۔۔یا۔۔۔خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے اور وہ بھی انھیں کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں۔ نبی کریم کی اس گفتگو کی سب سے واضح خوبی یہ تھی کہ ان کو خود انہی کی کتابوں اور انہی کے نبی کی ہدایتوں کی روشنی میں ان کو قائل فرما دیا۔

اس سورۂ آل عمران کی ابتدائی نو اسی ۸۹ آیتیں خاص طور پر انہی کیلئے نازل فرمائی گئیں۔ ان نصاریٰ کا جھگڑا کبھی حضرت عیسیٰ کی الوہیت سے متعلق رہا اور کبھی رسول کریم کی نبوت و رسالت سے۔ تو سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ کی الوہیت اور حیات اور قیومیت کا ذکر نازل فرمایا گیا۔ بعدہٗ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کا بیان فرمایا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ آپ علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

اتارا تم پر کتاب کو حق کے ساتھ، تصدیق فرماتی اس کی جو آگے ہو چکی، اور اُتارا توریت اور انجیل کو ●

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ ---

اس سے پہلے ہدایت لوگوں کیلئے، اور اتارا حق و باطل کا امتیاز۔

اللہ تعالیٰ نے بتدریج آہستہ آہستہ (**اتارا تم پر**) نازل فرمایا۔ اپنی عظیم بلند رتبہ (**کتاب کو**) کتابیں تو اور بھی نازل کی گئی ہیں لیکن کمالات اور بلند رتبہ ہونے کے لحاظ یہی ایک کتاب ہے جسے علی الاطلاق کتاب کہا جاسکے۔۔۔ الغرض۔۔۔ جہاں مطلقاً کتاب کا ذکر کیا جائیگا تو ذہن ایسی کتاب عظیم کی طرف جائیگا۔

اس کتاب میں کوئی بات ناحق نہیں ہے بلکہ یہ از اوّل تا آخر (**حق کے ساتھ**) ہے۔ اسکے احکام میں عدل ہے، اسکی خبروں میں سچائی ہے، وہ خبریں توحید سے متعلق ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ اسکے دوسرے متعلقات سے۔۔۔ نیز۔۔۔ اسکے وعدے بھی حق ہیں اور وعیدیں بھی۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسکی ساری ہدایتیں حق ہی حق ہیں۔ اس حال میں کہ وہ (**تصدیق فرماتی اسکی جو آگے**) پہلے نازل (**ہو چکی**) اپنے سے پہلی کتابوں میں یعنی گزشتہ نازل شدہ کتابوں میں مذکورہ دین کے اصول۔۔ مثلاً: توحید، نبوت، معاد، سچی خبریں اور گزری ہوئی شریعتوں کے بعض مسائل۔۔۔ المختصر۔۔۔ یہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اپنے سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں کی تصدیق فرمانے والی ہے۔

پہلی امتوں کی ہدایت کیلئے بھی حق تعالیٰ نے کرم فرمایا (اور) یکبارگی (**اتارا**) حضرت موسیٰ پر (**توریت**) کو، (اور) حضرت عیسیٰ پر (**انجیل کو، اس**) عظیم کتاب (**سے پہلے ہدایت**) کرنے والی اسرائیلی (**لوگوں کیلئے**)۔

یہ دونوں کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں کو راہِ حق دکھانے والی تھیں۔ دونوں کتابوں میں خدا کے سوا کسی اور کی معبودیت کی نفی مذکور ہے۔ اور اس نفی سے یہود کے اس قول کا بطلان ثابت ہے جو وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی شان میں کہتے ہیں۔۔۔ المختصر۔۔۔ رب کریم نے کرم فرمایا۔۔۔

(اور) ان تمام کتب سماویہ کی شکل و صورت میں یا آخری کتاب قرآن عظیم کی شکل میں (**اتارا حق و باطل کا امتیاز**)۔

ان مقدس کتابوں میں حق و باطل کو ایسا واضح طور پر الگ الگ کر دیا ہے کہ ایک عام سمجھ دار انسان کیلئے بھی ان کو سمجھ لینا زیادہ دشوار نہیں رہ گیا۔ فرقان سے قرآنِ کریم مراد لینے کی صورت میں اس کا ذکر مکرر ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اس تکرار سے تعظیم اور اظہارِ فضل مقصود ہے، اسلئے کوئی مضائقہ نہیں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں یکبارگی نازل کیا گیا اور پھر اسکو بتدریج زمین کی طرف اتارا گیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ قرآن کریم میں دو جہتیں ہیں 'انزال' کی بھی اور 'تنزیل' کی بھی، تو اسکے لئے یہ دونوں کلمات استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

بے شک جو منکر ہو گئے اللہ کی آیتوں سے، ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ غلبہ والا بدلہ لینے والا ہے ●

بخوبی یاد رہے کہ حق و باطل کے امتیاز کے آجانے کے بعد (**بیشک جو**) لوگ (**منکر ہو گئے اللہ**) تعالیٰ (**کی آیتوں سے**)، یعنی ان میں سے، کسی سے جنکا ہر ایک ہدایت کرنے کی راہ میں علامت اور نشان ہے۔۔۔ مثلاً: قرآنِ کریم، انبیاء کرام، انکے معجزات اور نبی آخر الزماں علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم، (**ان کیلئے سخت عذاب ہے**) جسکا کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا (**اور اللہ**) تعالیٰ سب پر (**غلبہ والا**) ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا، جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ جس طرح کا حکم کرتا ہے، وہی ہوتا ہے اور وہ (**بدلہ لینے والا ہے**)، صاحب انتقام ہے۔ اس جیسا کوئی انتقام نہیں لیتا، وہ کافروں پر عذاب اور غضب نازل فرمانے والا ہے۔ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ⑤

بے شک اللہ، نہیں پوشیدہ ہے اس پر کچھ، زمین میں اور نہ آسمان میں ●

(**بیشک اللہ**) تعالیٰ ایسی شان والا اور علم و خبر والا ہے کہ (**نہیں پوشیدہ ہے اس پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں**) یعنی تمام اشیاء اسکے علم میں ہیں۔ وہ کافروں کے کفر کو، مومنوں کے ایمان کو اور انکے تمام اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس پر انھیں قیامت میں جزا دے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو بعض غائب چیزوں کا علم تھا، وہ حق تعالیٰ کے علم دینے ہی سے تھا، تو یہ عطائی علم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ربوبیت اور معبودیت پر دلیل نہیں ہوسکتا۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ⑥

وہی ہے جو شکل وصورت بخشتا ہے تم کو ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا، غلبہ والا حکمت والا ●

غور تو کرو کہ (وہی ہے جو شکل وصورت بخشتا ہے تم کو) تمہاری (ماؤں کے پیٹ میں) اپنی مرضی کے مطابق (جیسی چاہے) مرد وعورت، سیاہ وسفید، کامل وناقص، طویل وقصیر، حسین وقبیح، وغیرہ وغیرہ۔

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت انکی مادر مہربان کے شکم مبارک میں بنی تھی اور ظاہر ہے کہ جسکی صورت بنے، وہ خود اپنی صورت بنانے والا نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کہ جسکی صورت بنی، وہ مخلوق ہے، اور مخلوق خالق کی محتاج ہوتی ہے اور خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔۔۔ الغرض ۔۔۔ جسکی رحم میں تصویر کھینچی جائے، وہ خدا اور خدا کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ اسلئے کہ وہ مرکب ہوتا ہے ۔۔۔ یا ۔۔۔ مرکب میں حلول کرنے والا ہوتا ہے۔ اور معرض فنا وزوال میں ہوتا ہے۔ اور خدا، فنا وزوال سے پاک ہے۔ اسلئے وہ قطعی طور پر اس بات سے منزہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ۔۔۔ یا ۔۔۔ کوئی بھی اسکے بیٹے ہوں اور خدا کے ہم جنس ہوکر، اسکی الوہیت میں شریک ہوکر عبادت کے مستحق ہوجائیں۔

کیونکہ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا) یہ تکرار، وحدانیت کی تحقیق کے واسطے ہے اور نصاریٰ کے قول 'ثالث ثلاثۃ' کو باطل قرار دینے کیلئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پوجنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو (غلبہ والا) بے مثل وبے مانند ہے اور (حکمت والا) دانا مضبوط ومحکم کام والا ہے، جو اپنی مخلوق کو عجیب وغریب طریقے سے پیدا فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

وہی ہے جس نے اتارا تم پر اس کتاب کو، اسکی کچھ آیتیں صاف صاف مطلب کی ہیں، وہی کتاب کی بنیاد ہیں، دوسری کئی معنی رکھنے والی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

تو وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، تو پیچھے لگ جاتے ہیں اس کے، جو کئی معنی کی آیت ہوئی کتاب سے، فتنہ کے شوق

وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

اور کتاب سے اپنی بات بنانے کی خواہش میں۔ حالانکہ نہیں جانتا کتاب کے اصل مطلب کو، اللہ کے سوا۔ اور مضبوطی رکھنے والے علم میں

یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

کہتے ہیں ہم اس کو مان گئے، سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقل مند لوگ ●

وقف لازم / وقف غفران / وقف منزل

اور اے محبوب (وہی) غلبہ وحکمت والا (ہے جس نے اتارا تم پر) اپنی (اس) حکمت والی (کتاب کو) جس کی شان یہ ہے کہ (اس کی کچھ آیتیں صاف صاف مطلب کی ہیں) جو عبارت کے لحاظ سے مضبوط اور احتمال واشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں۔ اور اس قدر 'واضح المراد' ہیں کہ انکا معنی سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ انکے کلمات سے جو ظاہر ہوتا ہے، وہی مراد ہے اور جو مراد ہوتی ہے، وہی ظاہر ہے۔

یہاں یہ بات بھی فائدے سے خالی نہیں کہ لفظ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔جس میں ایک معنی کے سوا دوسرے معنی کا احتمال ہی نہ ہو۔ اسکو 'نص' کہیں گے۔

﴿۲﴾۔۔۔دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو، اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظ کی دلالت دو معنوں پر ہو اور دوسرے یہ کہ دو سے زیادہ معنی پر ہو۔ اور پھر یہ دلالت ہر ہر معنی پر مساوی ہوگی۔۔۔یا۔۔۔نہیں۔ تو جس میں دو معنوں کا احتمال ہو، تو اس کو عرف میں 'مجمل' کہا جائیگا۔ اور جس میں کئی معنی کا احتمال ہو، تو یہ دیکھا جائے کہ اسکا وہ معنی کون سا ہے جسکا احتمال 'راجح' ہے، تو اگر اس 'راجح' کی طرف نسبت ہو تو اسے 'ظاہر' کہیں گے اور اگر 'مرجوح' کی طرف نسبت ہو، تو اسے 'مؤول' قرار دینگے۔

ایسی صورت میں جو 'نص' اور 'ظاہر' ہے، وہ 'محکم' ہے اور جو 'مجمل ومؤول' ہے، وہ 'متشابہ' ہے۔۔۔قرآن کریم میں بعض مقامات پر قرآن کریم کی تمام آیات کو 'محکم' قرار دیا ہے۔ بعض دوسرے مقام پر تمام آیات کو ایک دوسرے کے 'مشابہ' بتایا گیا ہے۔ ان مقامات پر 'محکم ومتشابہ' کا یہ اصطلاحی معنی مراد نہیں، بلکہ وہاں 'محکم' کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات مضبوط اور پختہ ہیں۔ ان میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ ہی ان کو آپس میں 'تناقض' ہے اور یہ خلل اندازی سے بالکل پاک اور محفوظ ہیں۔۔۔یا۔۔۔یہ مطلب ہے کہ اب آیات قرآن منسوخ ہونے سے محفوظ ہیں۔۔۔اسی طرح۔۔۔وہاں 'متشابہ' کا معنی یہ ہے کہ قرآنی آیتیں صحیح المعنی، بہترین نظم ونسق، فصاحت وبلاغت کے انتہائی درجہ پر ہونے اور شان اعجازی رکھنے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔اس کتاب مقدس میں صاف صاف مطلب رکھنے والی 'محکم' آیتیں ہیں **(وہی کتاب کی بنیاد ہیں)** یعنی قرآن کریم کی اصل اور اسکا مغز ہیں اور وہی قرآن کریم کی اصولی آیات ہیں اور ایسی عمدہ ہیں کہ باقی آیات تاویل کر کے انھیں کی طرف راجع کی جاتی ہیں۔ ان کے سوا

(دوسری) آیتیں جو (کئی معنی رکھنے والی) ہیں۔

---الغرض---ان میں چند معنی کا احتمال ہوتا ہے، جس میں کسی معنی کو مراد لینے میں دوسرے پر ترجیح نہیں۔ان کے معنی مراد کو سمجھنے کیلئے کمال غور وفکر اور زبردست نظر دقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ، اسکا جو ظاہر ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہوتا اور جو مراد ہوتا ہے، وہ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ کچھ ایسی صورت حال ہوتی ہے کہ اگر اس سے جو ظاہر ہو، وہی مراد لے لیا جائے، تو وہ کسی نا کسی محکم آیت سے ضرور ٹکرا جائیگی اور اسکے خلاف ہو جائیگی۔

متشابہ کے تعلق سے عطرِ تحقیق یہ ہے کہ متشابہ کی تین قسمیں ہیں:

﴿اول﴾---جسکی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو جیسے وقت وقوع قیامت اور دابتہ الارض کے نکلنے کا وقت۔

﴿ثانی﴾---جسکی معرفت کا انسان کیلئے کوئی ذریعہ ہو، جیسے مشکل اور غیر مانوس الفاظ اور مجمل احکام۔

﴿ثالث﴾---وہ جوان دونوں کے درمیان ہو، علماء راسخین کیلئے اسکی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے اور عام لوگوں کیلئے ممکن نہیں ہے۔

نبی کریم نے جس جس کیلئے دین کی فقہ اور تاویل کے علم کے عطا فرمانے کی دعا فرمائی ہے۔اسکا تعلق اسی تیسری قسم کے متشابہات کا علم ہے۔متشابہات کی مذکورہ بالا پہلی اور دوسری قسم کے علم کا ذریعہ صرف اور صرف اعلام الٰہی اور عطائے خداوندی ہے، جہاں انسانی فہم و ادراک کی رسائی نہیں۔

(تو) نجران کے عیسائی، حی بن اخطب اور اس کے اصحاب جیسے یہودی علماء، منکرین بعثت، مبتدعین---الغرض---ہر (وہ) فرقہ والے (جنکے دلوں میں کجی ہے) کھوٹ ہے، یعنی انکے دل حق سے منہ موڑ کر خواہشاتِ نفس کی طرف لگ جائیں---یا---کلامِ الٰہی میں شک کرنے لگیں (تو) یہ لوگ (پیچھے لگ جاتے ہیں اسکے) اور پیروی کرنے لگتے ہیں---نیز---باطل تاویل کرنے لگتے ہیں، انکی (جو کئی معنی کی) گنجائش رکھنے والی (آیت ہوئی کتاب) الٰہی کے متشابہات (سے)۔

یہ سب وہ اسلئے نہیں کرتے کہ وہ حق کے متلاشی ہیں اور اس بات کو ماننے والے ہیں کہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، بلکہ وہ لوگ یہ سب کچھ (فتنہ) برپا کرنے (کے شوق اور کتاب سے اپنے) گڑھی ہوئی (بات بنانے) اور اس کو منوانے (کی خواہش میں) ایسا کرتے ہیں تاکہ اپنی قوم

کے جاہلوں کو شک میں ڈالدیں۔ (حالانکہ) صورت حال یہ ہے کہ (نہیں جانتا کتاب کے) متشابہات ومقطعات کے (اصل مطلب کو اللہ) تعالیٰ (کے سوا) کوئی بھی، اور جو لوگ علم پر ثابت قدم ہیں (اور) آیات کے مضامین کو نص قطعی کی طرف راجع کرتے ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔(مضبوطی رکھنے والے) ہیں اپنے (علم میں)۔ وہ آیات متشابہات کی من مانی معنی آفرینیوں سے اپنے کو باز رکھتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ فضول لایعنی تاویلات سے ہمیں کیا غرض۔ ہمارا کام تو صرف کلام الٰہی کو دل کی سچائی کے ساتھ مان لینا ہے تو (ہم) خلوص دل کے ساتھ (اس) سچائی (کو مان گئے) ہیں کہ یہ محکمات ومتشابہات۔۔۔الغرض۔۔۔پورا کلام الٰہی، سب کا (سب ہمارے پروردگار کی طرف سے) نازل فرمودہ (ہے)۔ اس حقیقت کو نہیں سمجھ پاتے (اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقلمند لوگ)، یعنی وہ لوگ جن کی عقول غلط خواہشات کی طرف مائل نہیں اور وہ 'جودت ذہن' اور 'حسن نظر' رکھنے والے ہیں۔ یہ صاحبان فکر ونظر اور پیکران علم وعمل، بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے رہتے کہ۔۔۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ

پروردگارا نہ کج فرما ہمارے دلوں کو بعد اس کے، کہ ہدایت بخشی تو نے ہم کو، اور دے ہمیں اپنے پاس سے رحمت۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے●

(پروردگارا نہ کج فرما) نہ پھیر اور نہ ٹیڑھا کر (ہمارے دلوں کو)، یعنی ہمارے قلوب کو حق کے راستے سے ہٹا کر متشابہات کی ایسی تاویل کرنے کے شوق میں نہ لگا، جس سے تو راضی نہ ہو (بعد اسکے کہ) ہمیں حق۔۔۔یا۔۔۔تاویل صحیح۔۔۔یا۔۔۔ایمان کی طرف (ہدایت بخشی تو نے ہم کو اور) اے رب کریم (دے ہمیں)، عطا فرما اپنے فضل سے، (اپنے پاس) اپنی بارگاہ کرم (سے) اپنی خاص اور وسیع (رحمت) جو ہمیں تیرے قریب کردے اور ہم اسکے ذریعے تیرے قرب حقیقی سے کامیابی حاصل کریں۔ (بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے) ہر عطیہ کا تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔۔۔نیز۔۔۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

پروردگارا بیشک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن، جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ نہیں کرتا خلاف وعدہ●

ع

(پروردگارا بے شک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو) انکی موت کے بعد (ایک دن)، یعنی قیامت کے دن جو حساب وجزا کا دن ہے، (جس) کے وقوع (میں کوئی شک نہیں) اور اس میں ہونے والے واقعات مثلاً: حشر ونشر اور حساب وجزا کے واقعہ ہونے میں بھی کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں کرتا خلاف وعدہ) جو اس نے بعث ونشر کے بارے میں کیا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ 'خلف وعد' الوہیت کے منافی ہے۔ جب وعدہ ہوگیا کہ قیامت میں ان سب کو اٹھانا ہے اور انکی دعا کو قبول کرنی ہے تو یہ ہوکر رہے گا۔ اس مقام پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ 'متشابہات' اور 'مقطعات' کے تعلق سے مذکورہ بالا گفتگو کی روشنی میں جو سب سے 'محتاط' اور 'اسلم' راستہ نکلتا ہے، وہ یہی ہے کہ اسکی کوئی تاویل نہ کی جائے اور اسکو 'منجانب اللہ' مانتے ہوئے اسکے کلام الٰہی اور برحق ہونے پر ایمان رکھا جائے اور اپنے اس ایقان واذعان کا مظاہرہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات وارشادات کی شکل میں جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، ہم ان سب کو آنکھ بند کرکے ماننے والے ہیں، خواہ ان احکامات کی حکمتوں اور ان ارشادات کے معنی ومفاہیم تک ہماری عقلوں کی رسائی ہو یا نہ ہو۔

اسلئے کہ جس نے یہ طے کرلیا ہے کہ ہم قرآن کریم کی وہی بات مانیں گے جو ہماری سمجھ میں آجائے۔ اسی طرح ہم اس خدائی حکم کو تسلیم کریں گے، جسکی حکمت ہماری عقلیں سمجھ لیں، تو اس شخص کو یقین کرلینا چاہئے کہ وہ خدا پر ایمان لایا ہی نہیں۔ وہ تو اپنی عقل اور اپنی سمجھ اور شعور پر ایمان لایا ہے۔

---المختصر--- 'مقطعات' و'متشابہات' کو کلامِ الٰہی کا حصہ بنادینے میں ایک فائدہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس سے ایمان والوں کے ایمان کا امتحان ہوجاتا ہے، کہ آیا وہ خدا پر ایمان لانے والے ہیں---یا---اپنی عقل پر۔ 'متشابہات' کی تاویلات کے تعلق سے 'محتاط روش' اور 'اسلم' طریقہ تو وہی رہا جسکا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے---مگر---جب دل میں کجی رکھنے والوں نے 'مقطعات' و'متشابہات' میں بے جا معنی آفرینیاں شروع کردیں اور اسطرح لوگوں کو راہ حق سے ہٹانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

یہاں تک کہ یَدُاللہ، وَجْہُاللہ وغیرہ وغیرہ کی ایسی تاویل کرنے لگے، جس نے خدا کو بھی مجسم بلکہ ایک طرح کا بت بناکے رکھ دیا۔ ساتھ ہی ساتھ کسی بھی کلام کو بے سمجھے ماننے کے جذبے کو مضمحل کردیا۔ ان حالات میں 'علمائے ربانیین' اور 'ارباب حق ویقین' نے 'متشابہات'

وغیرہ کی تاویل کے سلسلے میں ایک 'سالم طریقے' کی رہنمائی فرمائی اور اسکے لئے 'کتاب و سنت' اور 'ائمہ اعلام' کے ارشادات کی روشنی میں مندرجہ ذیل اصول مرتب فرمائے:

﴿۱﴾۔۔۔'حروف مقطعات' اور 'کلمات متشابہات' کی تاویل ایسی کی جائے جو کسی 'محکم آیت' سے نہ ٹکرائے۔

﴿۲﴾۔۔۔وہ تاویل ایسی نہ ہو جو کسی مسلمہ شان والے کی شان اور عظمت والے کی عظمت کو داغدار کرے۔

﴿۳﴾۔۔۔یہ معنی آفرینی زبان و بیان کے معروف و متعارف ضابطوں کے خلاف نہ ہو۔

﴿۴﴾۔۔۔'دلائل شرعیہ' سے اس معنی آفرینی کی صحت و درستگی کی پشت پناہی ہو رہی ہو۔

۔۔۔تو یہ ہے متشابہات کی تاویلات صحیحہ کے تعلق سے صالحین کی روش۔

رہ گئے دلوں میں کجی رکھنے والے زائغین، تو انھوں نے تو صرف سادہ لوح انسانوں کو بہکانے اور راہ حق سے دور رکھنے کیلئے فاسد تاویلات کا سہارا لینا چاہا۔ اور جب انھیں اس حرکت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل ہوا، تو وہ نبی کریم ﷺ کی ذات مقدس کو اپنے جابلانہ اعتراضات کا نشانہ بنانے لگے اور سوچنے لگے کہ شاید ہم ایسے ہی، لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات سے دور رکھنے میں کامیاب ہو جائینگے۔

چنانچہ یہود قریظہ اور نضیر۔۔۔یا۔۔۔کفار قریش، رسول مقبول کے تعلق سے بکنے لگے۔ یہ تو محتاج و فقیر ہیں، لاولد ہیں، اسکے برعکس ہم مال و متاع والے اور آل واولاد والے ہیں ۔۔۔الحتصر۔۔۔ یہ لوگ اپنے مال و آل پر فخر و ناز کرتے تھے، تو اے محبوب واضح لفظوں میں ارشاد فرمادو کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ

بیشک جنھوں نے کفر کیا، ہرگز ان کو بے پرواہ نہ کرسکیں گے ان کے مال، اور نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـاؕ وَاُولٰٓىٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِۙ(۱۰)

اللہ سے کچھ بھی، اور وہی ہیں جہنم کا ایندھن ●

(بے شک) مذکورہ بالا لوگ اور ان جیسے دوسرے (جنھوں نے کفر کیا ہرگز ان کو بے پرواہ نہ کرسکیں گے)، انھیں ہرگز بچانہ سکیں گے اور ہرگز نفع نہ دے سکیں گے (ان کے مال) جس کو وہ منافع

کے حصول اور دفع نقصانات کیلئے خرچ کرتے ہیں (اور نہ) ہی (ان کی اولاد) اپنے دکھ درد میں جن پر یہ بھروسہ کرتے ہیں اور جن کے سبب سے وہ فخر و مباحات کرتے ہیں، یہ سب انھیں نہ بچاسکیں گے (اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے کچھ بھی اور وہی) کفر سے موصوف لوگ (ہیں جہنم کا ایندھن) جن سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائیگا۔

---الغرض---کفر و عدم نجات اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب میں انکا وہی حال ہے جو فرعونیوں اور ان سے پہلے والے سرکشوں کا تھا۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

مثل انداز فرعونیوں کے، اور جو ان سے پہلے تھے۔ جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو گرفت فرمائی انکی

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪

اللہ نے انکے گناہوں کی وجہ سے۔ اور اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے ●

---الختصر---انھوں نے روش اختیار کی (مثل انداز) وعادت (فرعونیوں کے اور) قوم ثمود، قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ کے (جو ان سے پہلے تھے)۔ جس طرح اِنھوں نے جھٹلایا اسی طرح اُن لوگوں نے بھی (جھٹلایا) تھا (ہماری آیتوں) ہماری کتابوں اور ہمارے پیغمبروں (کو، تو گرفت فرمائی انکی اللہ) تعالیٰ (نے، انکے گناہوں) اور انکے انکار وتکذیب (کی وجہ سے اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ ایسوں پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔ تو جس طرح پہلے کافروں پر سخت عذاب نازل فرمایا گیا، اسی طرح بعد والے کفار کیلئے بھی اسی طرح کا عذاب ہے۔

مدینہ شریف کے یہودیوں نے بدر کے دن کفار و مشرکین پر جب نبی کریم کا غلبہ مشاہدہ کیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی قسم، یہ وہی نبی ہیں جنکی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنائی، توراۃ میں جن کی تعریف موجود ہے' یہ سن کر بہت سے یہودی آپ ﷺ کی تابعداری پر آمادہ ہوگئے۔ مگر بعض شرپسندوں نے کہا عجلت سے کام نہ لو، انکے تعلق سے دوسری نشانیاں بھی دیکھ لی جائیں۔

---پھر---غزوہ احد میں جب اہل اسلام کی شکست ہوئی، تو پھر ان یہودیوں نے آپ کی نبوت میں شک کیا اور سوچا کہ اگر نبی ہوتے تو شکست نہ ہوتی، بلکہ انھوں نے یہاں تک کیا کہ حضور علیہ السلام سے جو پہلے معاہدہ کرلیا تھا اسے بھی توڑ دیا۔ کعب بن اشرف تو

ساٹھ سواروں کو لیکر اہل مکہ سے جاملا، اس کے بعد سب نے مل کر حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا اتفاق کیا۔۔۔تو اے محبوب:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

کہہ دوان کو جنھوں نے کفر کیا، کہ نزدیک ہے کہ تم مغلوب ہوگے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف۔ اور وہ نہایت برا بستر ہے●

(کہہ دو انکو) یعنی یہودیوں سے (جنھوں نے) جنگ احد میں شماتت اور زبان درازی کی اور (کفر کیا کہ نزدیک ہے کہ تم) دنیا میں (مغلوب ہو) جاؤ (گے)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا کہ بنوقریظہ مارے گئے، بنونضیر جلاوطن ہوئے اور خیبر مفتوح ہوا، انکے ماسوا دوسرے اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ کے بیّن اور واضح معجزات میں سے ہے۔

۔۔۔تو۔۔۔اے یہودیو! یہ تو رہا تمہارا دنیا میں حال (اور) رہا تمہارا حال آخرت میں، تو تم وہاں (ہانکے جاؤ گے) ذلت کے ساتھ تمہیں لیجایا جائیگا۔ (جہنم کی طرف اور وہ نہایت برا بستر ہے) برا ٹھکانہ اور گندی قرارگاہ ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى

بیشک تمہارے لیے نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو باہم بھڑ گئے تھے، ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں، اور دوسرا

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

گروہ کافر، کہ دیکھیں ان کو اپنے سے دونا بچشم خود۔ اور اللہ قوت دے اپنی مدد سے جسے چاہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

بے شک اس میں ضرور عبرت ہے سوجھ بوجھ والوں کیلئے●

اے اپنی اور کفار کی گنتی کو دیکھ کر دھوکا کھانے والے یہودیو! تمہیں مغلوب ہونا ہے اور محمد عربی ﷺ نبی برحق ہیں۔ ان دونوں باتوں کی سچائی سمجھنے کیلئے (بے شک تمہارے لئے) واضح (نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو باہم بھڑ گئے تھے)، بدر میں جنگ کیلئے آپس میں مل گئے تھے، اگرچہ کفار کو اپنی کثرت پر ناز اور اپنے غلبہ کا یقین تھا لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑ گئی اور خود اے یہودیو تمہیں بھی نقصان اٹھانا پڑا۔

ان دو گروہوں میں (ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، اسکی رضا کیلئے، اس کے دین کی بقا کیلئے، اور 'اعلاء کلمۃ الحق' کیلئے (اور دوسرا گروہ کافر) اللہ ورسول سے کفر کرنے والوں کا تھا اور صورت حال یہ تھی (کہ دیکھیں ان کو اپنے سے دونا بچشم خود) یعنی کفار کھلی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

---یا---خود مسلمانوں کی اصلی تعداد سے انھیں دوگنا محسوس کر رہے تھے یعنی ان کو تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمان، چھ سو چھبیس ۶۲۶ نظر آرہے تھے---یا---خود مسلمان لوگ کافروں کو اپنی تعداد سے دوگنا ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ایک ارشاد میں یہ بھی وضاحت فرمائی گئی ہے **يُقَلِّلُكُمْ فِىٓ أَعْيُنِهِمْ** یعنی تم انھیں قلیل نظر آرہے تھے اور یہاں فرمایا گیا کہ تم انھیں دوگنے محسوس ہورہے تھے، دراصل بات یہ تھی ان کو مسلمانوں کی کثرت وقلت مختلف اوقات میں دکھائی گئی۔ انکا گاہے قلیل اور گاہے کثیر نظر آنا قدرت کاملہ کے آثار اور معجزہ نبوی کے اظہار کیلئے زیادہ بلیغ ہے۔

اسکے اندر حکمت یہ نظر آرہی ہے کہ ابتدائے جنگ میں کفار کو اہل اسلام معمولی اور چند گنتی کے محسوس ہوئے، اس پر مسلمانوں سے لڑائی کیلئے انکے دل بندھ گئے، بلکہ اپنی کثرت وقوت کے غرور سے انکی جرأت میں اضافہ ہوا، لیکن جب میدان جنگ میں ایک دوسرے کے سامنے ہوئے، تو مسلمانوں کی تعداد انھیں دگنی محسوس ہوئی۔ اس سے انکے حوصلے پست ہوگئے، یہاں تک کہ وہ مغلوب بھی ہوگئے اور ادہر خود مسلمانوں نے کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھا، حالانکہ وہ سہ گنا سے زیادہ تھے۔ مسلمان صرف تین سو تیرہ اور کفار تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ تھے۔

مگر وہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے صرف دوگنا نظر آئے، اس میں راز یہ تھا کہ رب کریم نے وعدہ فرمالیا تھا کہ ہم ایک مسلمان کو دو کافروں پر غالب کردیں گے۔۔۔

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ﴿الانفال:۶۶﴾

ایک سو صابر ہوں تو جیتیں گے دو سو کو

---تو اپنے مقابل کی تعداد اپنے سے دگنی محسوس کرنے کی صورت میں خدا کے وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مسلمان کسی کم ہمتی اور مایوسی کا شکار نہیں ہونگے اور لڑائی پر پوری توجہ مرکوز رکھیں گے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے غلبہ حاصل کرلیں گے۔

غزوہ بدر میں کافروں کی نظر میں مسلمانوں کا اپنی اصلی تعداد سے زیادہ نظر آنا۔۔اور۔۔ مسلمانوں کی نظر میں کافروں کا انکی اصلی تعداد سے کم نظر آنا، یہ سب قدرت الٰہیہ کی کھلی نشانیاں ہیں اور نبی کریم ﷺ کا روشن معجزہ ہے۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (قوت دے) دیتا ہے (اپنی مدد سے) اور اپنی خاص نصرت وعنایت سے (جسے چاہے) اسباب عادیہ کے بغیر ہی مدد فرمادے۔ (بیشک اس) قلیل کو کثیر اور کثیر کو قلیل کر دینے میں اور بہت زیادہ ساز وسامان اور آلات حرب۔۔۔نیز۔۔۔افرادی قوت رکھنے والوں کو ایک چھوٹی سی جماعت، وہ بھی بے سر وسامان سے مغلوب کر دینے (میں ضرور عبرت) ونصیحت (ہے سوجھ بوجھ والوں کیلئے) جو دل کی بینائی رکھنے والے صاحب بصیرت ہیں۔

جو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ساری چیزیں یہاں کے مال ومتاع سب کو فنا ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی اجر وثواب ہے، جس کیلئے فنا نہیں۔ فانی چیزوں کیلئے باقی رہنے والی نعمتوں کو ترک کر دینا سمجھداری کی بات نہیں ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ابو حارثہ بن علقمہ نصرانی جیسی سوچ رکھنے والے ہیں، جو اللہ کے رسول کو برحق جانتے ہوئے بھی اسلئے ایمان نہیں لائے کہ روم کا بادشاہ مجھ سے خفا ہو جائیگا اور جو کچھ مجھے مال ودولت دے رکھا ہے وہ سب مجھ سے واپس لے لیگا۔ اسی طرح کی ناقص سوچ رکھنے والے ہیں وہ لوگ کہ۔۔۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

نظر فریب بنادی گئی لوگوں کیلئے خواہشات کی محبت، عورتوں اور بیٹوں، اور تہہ بہ تہہ

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

سونے چاندی کے ڈھیروں، اور نشان دیے ہوئے گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

یہ اس زندگی کی پونجی ہے۔ اور اللہ، اسی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ ●

(نظر فریب بنادی گئی) ہے جن مشرک (لوگوں کیلئے) دنیاوی مال ومتاع کی (خواہشات کی محبت) کس سے کس سے محبت؟ (عورتوں) سے، شیطان انہی کے ذریعہ مردوں کو بہت جلد پھانستا ہے (اور بیٹوں) سے۔ انہی کیلئے انسان مال ودولت جمع کرنے کا حریص ہو جاتا ہے، پھر حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت نہیں ہو پاتی۔ بے شک اولاد ایک عظیم ترین

فتنہ ہیں، اگر زندہ رہیں تو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور مرجائیں توغمگین کرتے ہیں۔ (اور تہہ بہ تہہ سونے چاندی کے ڈھیروں) سے، یعنی اکٹھا کیے ہوئے یا گاڑے ہوئے خزانوں سے، (اور نشان دیئے ہوئے) آراستہ، خوب تیار۔۔۔یا۔۔۔ابلق (گھوڑوں) سے، (اور مویشیوں) یعنی اونٹ گائے اور بکریوں سے، (اور کھیت سے) یعنی کاشتکاری سے۔

یہ تمام اشیاء لوگوں کوفتنہ وآزمائش میں ڈالنے والی ہیں۔ بال بچے سب کیلئے، سونا چاندی تاجروں کیلئے، گھوڑے بادشاہوں کیلئے۔ دوسرے جانور دیہاتیوں کیلئے، انکے پالنے والوں کیلئے اور کھیتی باڑی کسانوں کیلئے، فتنہ وآزمائش ہیں۔

(یہ) ساری چیزیں جو اوپر مذکور ہوئیں (اس) دنیوی (زندگی کی پونجی ہے) اس سے صرف دنیاوی زندگی ہی میں فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہر انسان کو یہاں کی یہ ساری چیزیں یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ ہی جانا ہے۔ اچھی طرح جان لو (اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اسی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ) اور ہمیشہ رہنے کی جگہ بہشت، جس کیلئے فنا نہیں۔

دنیا کے مال ومتاع سے متوقع خطرات اور ان کی بے وقعتی اور بے ثباتی ظاہر فرمادینے کے بعد اب اس سے اعراض وبے رغبتی کی ہدایت فرمائی جارہی ہے۔ چنانچہ محبوب کی زبان سے یہ پیغام پہنچایا جارہا ہے، کہ اے محبوب صرف اپنے غریب اصحاب ہی سے نہیں بلکہ صاف لفظوں میں سب سے۔۔۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ

کہہ دو کیا ہم بتادیں تم کواس سے بہتر۔ انکے لئے جو پرہیزگار ہوئے انکے رب کے پاس جنتیں ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ

کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ بیبیاں ہیں،

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو●

(کہہ دو) کہ اے دنیاوی مال ومتاع رکھنے والو!۔۔۔یا۔۔۔اسکو حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والو! (کیا ہم بتادیں تم کواس سے بہتر؟) یعنی تمہیں ان دنیا کی لذیذ اشیاء سے بہتر کا پتہ دے دیں؟ مگر یہ اعلیٰ اور ارفع چیز ہر ایک کا مقدر نہیں ہے۔۔۔بلکہ۔۔۔یہ (ان) خوش بختوں (کیلئے) ہے

(جو پرہیزگار ہوئے) اور اپنے کو کفر وشرک سے بچایا، جیسے عام مسلمان۔۔۔یا۔۔۔وہ جو بری باتوں سے درگزرے۔۔۔یا۔۔۔متاع دنیا سے ہاتھ دھولیا، جیسے کہ 'اصحاب صفہ' تو ایسوں کیلئے (انکے رب کے پاس جنتیں ہیں) باغات ہیں۔ایسے باغات (کہ جنکے نیچے نہریں جاری ہیں) وہ (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور) اس میں ان کیلئے (پاکیزہ بیبیاں ہیں) جو ظاہری عیوب۔۔مثلاً: حیض، ناک کے گندے پانی اور اپنی پارسائی کو داغدار کرنے سے۔اور باطنی عیوب۔۔۔مثلاً: حسد، غضب اور اپنے ازواج کے غیر کی خواہش رکھنے سے۔۔۔الغرض۔۔۔ہر عیب سے پاک وصاف ہیں۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں، ان کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے خوشنودی ہے) ایسی رضامندی جسکا اندازہ کرنا محال ترین ہے۔

جب بندہ معرفت الٰہی میں مستغرق ہوجاتا ہے تو اسکا پہلا مقام یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور آخری مقام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجاتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوجاتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے) اپنے سارے (بندوں کو) اور ان کے اعمال واحوال کو بھی۔اس وجہ سے ان کو نیکیوں پر ثواب دیگا اور برائیوں پر جس سزا کے وہ لائق ہیں وہ سزا دے گا۔اب اگر کوئی جاننا چاہتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھتے ہیں اور پھر ان کو بہترین کرامات سے نوازا جاتا ہے، تو وہ سن لے کہ۔۔۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

وہ جو کہیں کہ پروردگارا بیشک ہم مان گئے، تو بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے●

یہ (وہ) لوگ ہیں بارگاہ خداوندی میں (جو) یہ عرض کریں اور (کہیں کہ پروردگارا بیشک ہم مان گئے) اور تجھ پر اور تیرے نبی ﷺ پر اور تیرے نبی ﷺ کے ذریعہ تیری جو جو ہدایتیں ملیں اور جو جو احکامات موصول ہوئے، ان سب پر ایمان لاچکے اور اس ایمان لانے سے تیری مغفرت کے مستحق ہوچکے (تو بخش دے) اپنے فضل وکرم سے (ہمارے گناہوں کو اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے) ان اعمال سے ہم کو دور رکھ جو جہنم کی طرف لیجانے والے ہوں، مذکورہ بالا عرض پیش کرنے والے ہیں۔

الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

یہ صبر کرنے والے، اور سچ بولنے والے، اور ادب کرنے والے، اور خرچ کرنے والے،

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

اور بخشش مانگنے والے پچھلی رات میں ●

طاعت کی تکالیف اور دکھ درد اور جنگ کے خطرات کے وقت (یہ صبر کرنے والے) اپنے اقوال و نیات و عزائم کے سچے (اور) ہر حال میں (سچ بولنے والے) طاعت پر مداومت، عبادت پر مواظبت (اور) شریعت کا (ادب کرنے والے اور) اپنے اموال کو اللہ و رسول کی خوشنودی پر (خرچ کرنے والے اور بخشش مانگنے والے پچھلی رات میں) صبح کو تڑکے، کہ وہ دعا قبول ہونے کا وقت ہے ---یا--- شب کے آخری تیسرے حصہ میں نوافل ادا کرنے والے ---یا--- فجر کی نماز، جماعت سے پڑھنے والے۔

---الختصر--- متقی وہ ہیں جو ریاضت کا بوجھ اٹھانے میں صابر ہیں اور سچے ہیں ارادت کی سیدھی راہیں چلنے میں، اور فرمانبردار ہیں اللہ کی طرف چلنے اور اللہ کی راہ میں بے قصور اور بے فتور سیر کرنے میں اور قربان کردینے والے اپنے جان و مال کو محبت کی وجہ سے اور استغفار کرنے والے ہیں، اپنے دلی اور قلبی گناہ سے۔ ان نفوس قدسیہ والوں کی نظر میں غیر خدا کی طرف توجہ بھی گناہ ہے، تو وہ اس گناہ کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

دو یہودی عالم ملک شام سے مدینہ منورہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بزرگ کلمہ اور سب سے بڑی شہادت کلام الٰہی میں کیا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ---

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ

اللہ گواہ ہے کہ بے شک نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔ اور فرشتوں نے گواہی دی اور علم والوں نے انصاف پر قائم رہ کر، کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے، غلبہ والا حکمت والا ●

(اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے کہ بیشک نہیں) ہے (کوئی معبود اسکے سوا)، ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ کی اپنی شہادت ہی ہے، جو تمام شہادتوں کی بنیاد ہے۔ اگر وہ نہ ہو

تو تمام مخلوق کی شہادتیں غیر معتبر ہوں۔۔۔الغرض۔۔۔شہادت وہی ہے جو خود خدا نے دی ہے (اور) پھر **(فرشتوں نے گواہی دی)**۔یعنی خدا کی گواہی پر اسکی وحدانیت کا اقرار کیا۔ **(اور علم والوں نے)** بھی گواہی دی اور اسکی وحدانیت پر ایمان لاکر اس وحدانیت پر دلیلیں قائم کیں۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔انسانوں کے نفوس میں توحید پر دلائل پیدا کرنا، یہ خدائے عز وجل کی گواہی ہے، اسکی وحدت کا اقرار کرنا یہ فرشتوں کی گواہی ہے اور اسکی وحدت کو مان کر اس پر دلائل قائم کرنا، یہ علمائے ربانیین کی گواہی ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ تعالیٰ **(انصاف پر قائم رہ کر)** یعنی انصاف قائم کر کے عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے۔یعنی وہ رزق و اجل اور جزا و سزا دینے میں اپنے بندوں سے عدل و انصاف فرماتا ہے، بلکہ انھیں بھی عدل کا حکم فرماتا ہے۔۔۔یا۔۔۔جن امور سے روکتا ہے ان میں بھی عدل و انصاف ہوتا ہے تاکہ ان میں برابری رہے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرسکیں۔رب تعالیٰ کی اپنی توحید کی گواہی انصاف پر مبنی ہے کیوں **(کہ)** فی الواقع **(نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے)** بے شک وہ **(غلبہ والا)** ہے۔تو یہ محال ہے کسی اور کی شہادت اسکی شہادت پر۔۔۔یا۔۔۔کسی اور کی تعریف اسکی خود اپنی کی ہوئی حمد پر غالب آجائے۔

دوسرے لوگ تو صرف اسلئے گواہی دیتے ہیں اور صرف اسلئے حمد و ثنا کرتے ہیں کہ ایسا کرنے پر انھیں مامور کیا گیا۔۔۔نیز۔۔۔انہیں حکم دیا گیا ہے کہ توحید کا اقرار کریں اور خدا کی تعریف و توصیف کرتے رہیں۔

رہ گیا اپنی شہادت اور اپنے وصف میں غالب رہنا وہ اسی رب کریم کی شان ہے۔ جو **(حکمت والا)** ہے اور اپنی وحدانیت کی گواہی دینے میں دانا ہے۔

اس مقام پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تکرار توحید کی تاکید کی وجہ سے ہے، تاکہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کریں اور شرک سے بچیں، اسلئے کہ توحید کے منکر پر اتنی زیادہ سخت سزا ہے کہ اس جیسی اور کوئی سزا نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر جس طرح چاہتا ہے، حکم دیتا ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ اپنے غلبہ وقدرت کی وجہ سے کسی سے ناانصافی کرے۔

اس سے پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور علماء نے یہ شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔یہی توحید ہی دین حق ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام سے

لیکر حضرت خاتم النبیین ﷺ تک ہر ہر نبی برحق کے پیغام وہدایت کا بنیادی حصہ رہا ہے۔ ہر دور میں دین برحق کی نسبت اس دور کے نبی کی طرف کی جاتی رہی۔۔۔مثلاً: دین ابراہیمی، دین موسوی اور دین عیسوی وغیرہ اور اب صورت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے عہد سے لیکر آج تک اسلام کے سوا اور کوئی دین توحید کا داعی نہیں ہے۔ صرف اسلام ہی ہے جسکی دعوت وہدایت کا اصل الاصول نظریہ، توحید الٰہیت والوہیت ہے۔ اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر سامنے آ گیا کہ۔۔۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

بے شک دین اللہ کے نزدیک، اسلام ہی ہے۔۔۔اور نہیں اختلاف کیا جن کو دی گئی ہے کتاب

إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

مگر بعد اس کے کہ آ گیا ان کو علم، باہمی چڑھاؤ اتار میں۔ اور جو انکار کرے اللہ کی آیتوں کا،

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

تو بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے●

(بیشک دین) برحق **(اللہ)** تعالیٰ **(کے نزدیک)** دین **(اسلام ہی ہے)**۔ اسلام کے سوا دوسرے سارے ادیان باطل ہیں۔۔۔الغرض۔۔۔ اسلام ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، یہودیت اور نصرانیت نہیں۔ سننے والو سنو **(اور)** یاد رکھو کہ **(نہیں اختلاف کیا)** دین اسلام کے دین برحق ہونے میں اور رسولِ اسلام کے رسولِ برحق ہونے میں، ان یہود و نصاریٰ نے **(جن کو دی گئی ہے کتاب)** ان کے رسولوں پر نازل فرما کر **(مگر بعد اس کے کہ آ گیا ان کو)** حقیقت امر اور صحیح صورت حال کا **(علم)**۔

یعنی دلائل و براہین سے انھیں پورا یقین حاصل ہو چکا تھا کہ حقیقت الامر کیا ہے؟ وہ اچھی طرح سے جان چکے تھے کہ دین اسلام اور نبوت محمدی حق ہے، جسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر بھی انکار کرنا، یہ انکی انتہا درجہ کی گمراہی تھی۔ عقل وشعور اور علم وخبر رکھتے ہوئے انھیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مذکورہ بالا آیت میں اہل کتاب کے اختلاف کے مصداق کے تعلق سے مندرجہ ذیل اقوال بھی ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔اس سے مراد یہود ہیں۔ اور انکے اختلاف کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی وفات قریب ہوئی، تو انھوں نے تورات کو ستر علماء کے سپرد کیا اور ان کو تورات پر امین

بنایا اور حضرت یوشع علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا، پھر کئی قرن گزرنے کے بعد ان ستر علماء کی اولاد در اولاد نے تورات کا علم رکھنے کے باوجود باہمی حسد وعناد کے باعث ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔

﴿٢﴾۔۔۔اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔جنھوں نے باوجود انجیل کی تعلیمات کے، حضرت عیسیٰ کے متعلق اختلاف کیا اور انھیں 'عبداللہ' کے بجائے 'ابن اللہ' کہا۔

مذکورہ بالا سارے اختلافات، اختلاف کرنے والوں نے اخلاص اور حق پسندی میں نہیں کئے ہیں، بلکہ **(باہمی اتار چڑھاؤ میں)** کئے ہیں۔حسد وعناد، عمارت وریاست کی چاہت، ایک دوسرے پر برتری کی خواہش اور دنیوی مفادات کو زیادہ سے زیادہ تنہا حاصل کر لینے کا جذبہ، یہ سب تھے ان کی آپسی رسہ کشی کے اسباب۔اب سب اچھی طرح سے سن لیں (اور) سمجھ لیں کہ **(جو انکار کرے اللہ تعالیٰ (کی آیتوں کا)** یعنی قرآنی ہدایات اور نبی کریم کے معجزات کا اور دلائل وبراہین سمجھ لینے کے بعد دین اسلام کے خدا کا پسندیدہ دین ہونے کا، **(تو)** وہ اچھی طرح سے جان لے کہ **(بے شک اللہ تعالیٰ (جلد) اسکا (حساب کرنے والا ہے)** اور صرف کسی ایک فرد کا نہیں، بلکہ ساری مخلوق کا جلد تر حساب لینے والا ہے۔

یوم حساب یعنی قیامت کا دن بالکل قریب ہے۔ہمارے اور قیامت کے درمیان اب کسی اور نبی کا زمانہ حائل نہیں۔ایسا بھی نہیں کہ حساب لینے میں اسے کافی وقت لگے گا، بلکہ وہ بہت تھوڑی دیر میں ہی سب کا حساب لے لیگا۔یہاں تک کہ ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف میرا ہی حساب لیا ہے۔۔۔

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ

پھر اگر کٹ حجتی کی انھوں نے تو، کہہ دو کہ میں اپنا رخ جھکا چکا اللہ کیلئے، اور جنھوں نے میری پیروی کی، اور کہہ دو

أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ

اہل کتاب اور ان پڑھوں سے، کہ کیا تم نے بھی جھکایا، پس اگر انھوں نے جھکا دیا، تو بے شک راہ پا گئے۔

وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

اور اگر منہ پھیر لیا، تو تم پر بس پہنچا دینا ہے۔اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے●

ان تمام حقائق کو جان لینے کے بعد **(پھر اگر کٹ حجتی کی انھوں نے)** اس مسئلہ میں کہ پسندیدہ

دین اللہ تعالیٰ کا اسلام ہی ہے (تو) اے حبیب ان سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ میں اپنا رخ) دل، دماغ اور قلب وروح سب کچھ (جھکا چکا) خالصاً لوجہ اللہ، (اللہ) تعالیٰ (کیلئے اور) صرف میں نے ہی نہیں، بلکہ ان سارے لوگوں نے بھی (جنھوں نے میری پیروی کی) ان سبھوں نے بھی خدا کے آگے سر تسلیم خم کرلیا ہے۔

اے محبوب ساتھ ہی ساتھ سوالیہ انداز میں فرمادو (اور کہہ دو اہل کتاب) یعنی یہود ونصاریٰ سے، (اور ان پڑھوں سے) یعنی مشرکین عرب سے جنکے پاس کوئی کتاب نہیں (کہ کیا تم نے بھی جھکایا) ---یعنی---کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے میری تابعداری کرتے ہو؟ جیسے کہ اہل ایمان نے تابعداری کی ہے۔غور کرو کہ تمہارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو اسکے مقتضی ہیں اور تم پر لازم کرتے ہیں، کہ تم مجھ پر لازماً ایمان لاؤ، تو جواب دو کہ کیا تم ایمان لائے ہو؟ اور ان دلائل کے مطابق عمل کرتے ہو؟---یا---ویسے ہی ابھی کفر پر ڈٹے ہوئے ہو۔

(پس اگر انھوں نے) آپ کے آگے اپنا سر تسلیم (جھکادیا) اور پورے اخلاص کے ساتھ تمہیں مان گئے، (تو بے شک راہ پاگئے)۔اب وہ یقیناً ہدایت کے حظّ وافر سے محفوظ ہونگے اور ہلاکتوں سے محفوظ ہوجائیں گے (اور اگر منہ پھیرلیا)، یعنی آپ کی اتباع سے روگردانی کی اور اسلام کو قبول کرنے سے انکار کردیا، (تو) وہ اس سے آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اسلیئے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے اور احکام الٰہی پہنچادینا ہے۔

---المختصر---اے محبوب، تم صرف رسالت کے احکام پہنچانے پر معمور ہو۔تمہارا جو فریضہ تھا، وہ تم نے بخوبی کما حقہ ادا کردیا---الغرض---(تم پر بس پہنچادینا ہے) کسی کو منوانا اور اسکی ذات میں ہدایت کی تخلیق کرنا نہیں ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (اپنے بندوں) کی تصدیق اور تکذیب دونوں (کو دیکھنے والا ہے)۔تو تصدیق کرنے والے مومنین کیلیئے جزا ہے اور تکذیب کرنے والے کافروں کیلیئے سزا ہے۔

اوپر دین سے اعراض کرنے والوں کا ذکر تھا، اب انکے تعلق سے فرمایا جارہا ہے کہ---

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

بیشک جو انکار کریں اللہ کی آیتوں کا، اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق،

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

اور قتل کریں ان کو جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں، تو متوجہ کر دو ان کو دکھ دینے والا عذاب کی طرف●

(بیشک جو انکار کریں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا)، کسی بھی ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے، خواہ بظاہر لفظوں میں انکار نہ کیا جائے، اسلئے کہ دونوں انکار کا انجام ایک ہی ہے۔

جس طرح ساری آیتوں کا منکر کافر ہے، بالکل اسی طرح ایک آیت کا بھی منکر کافر ہی ہے۔ تو جس نے کسی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے گویا ساری آیتوں کا انکار کر دیا، اسلئے کہ ایمان کیلئے ضروری ہے کہ ہر ہر آیت کی تصدیق کی جائے، مگر کفر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر آیت کی تکذیب کی جائے، تب کہیں جا کر کفر ہو۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔ جو آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں **(اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو)** یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ قتل **(ناحق)** ہے اور ظالمانہ ہے، کسی ایسی وجہ سے نہیں ہے، جس سے اس قتل کو حق شرعی قرار دیا جائے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کر گزریں **(اور قتل کریں ان کو جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں)** اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں۔

ان یہودیوں کی سرکشی اور زیادتی کا عالم یہ تھا کہ صرف ایک گھنٹے میں تینتالیس[۴۳] انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالا۔ اس پر بنی اسرائیل کے غلاموں جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی، نے انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کر ڈالا۔ اس پر ان یہودیوں کو غصہ آ گیا اور اسی دن کی شام کو ان سب کو بھی شہید کر دیا۔

یہ قاتلین اگرچہ حضور ﷺ کے ہم زمانہ نہ تھے بلکہ آپ کے ہم عصر اہلِ کتاب کے مورثین تھے، مگر چونکہ یہ ہم عصر اپنے مورثین کے اس عمل کو صحیح سمجھنے والے ہیں، اسکی تعریف و تحسین کرنے والے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے مورثین کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے نبی کریم کو شہید کر دینے کی تدبیر میں بھی لگے رہتے تھے۔ غزوۂ خیبر میں نبی کریم کو زہر دینا اس تدبیر ہی کی ایک کڑی ہے۔

ایسے ہی مومنین بھی ہمیشہ انکی آنکھوں کا کانٹا رہے، لہٰذا سارے ایمان والوں کو شہید کر دینے کی آرزو بھی انکے دلوں میں ہمیشہ رہی۔ اگر رب کریم اپنی عصمت اور اپنے فضل و کرم سے انکی حفاظت نہ فرماتا، پھر تو وہ لوگ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جاتے۔

(تو) اے محبوب (متوجہ کر دو ان) ظالموں (کو دکھ دینے والے عذاب کی طرف) اور جان لو کہ۔۔۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

یہ وہ ہیں کہ غارت ہوگئے ان کے اعمال دنیا و آخرت میں،

وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار●

(یہ) جنکے اوصاف قبیحہ اوپر بیان کئے گئے ہیں (وہ ہیں کہ غارت) یعنی ضائع و اکارت (ہوگئے انکے اعمال دنیا و آخرت میں اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار) جو اللہ کے عذاب سے نجات دلانے میں مدد دے سکے دنیا میں نہ آخرت میں۔ دنیا میں نہ ان کی کوئی تعریف وتوصیف کرنے والا ہوگا اور نہ ہی آخرت میں ان کے اعمال کا کوئی ثواب ملے گا۔

سابقہ آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کا اسلام قبول کرنے سے انکار عناداً تھا اور اب یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ انکا عناد اس درجہ کو پہنچا ہوا تھا کہ اگر انھیں خود انکی آسمانی کتابوں کی طرف عمل کی دعوت دی جائے، تو اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔۔۔چنانچہ۔۔۔ایک مرتبہ رسول کریم یہودیوں کے مدرسے میں گئے اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی، تو ان یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا، اے محمد (ﷺ) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے دین اور انکی ملت پر۔ انھوں نے کہا کہ، ابراہیم تو یہودی تھے۔ آپ نے فرمایا، تورات لاؤ۔ اس مسئلہ میں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے، انھوں نے اس سے انکار کیا تو ارشاد ربانی ہوا۔۔۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ

کیا تم دیکھ نہیں چکے ان کو، جنہیں دیا گیا ایک حصہ کتاب سے، وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

کی طرف تو وہ ان میں حکمرانی کرے، پھر ان میں سے کچھ پھرتے ہیں بے رخی کے ساتھ●

اے محبوب! (کیا تم دیکھ نہیں چکے ان) یہودیوں (کو جنھیں دیا گیا) علوم و احکام، حضور علیہ السلام کی شان مبارک کے قصے، اسلام کی حقیقت۔۔۔الغرض۔۔۔(ایک) اچھا خاصا (حصہ کتاب) تورات (سے)، اور پھر جب (وہ بلائے جاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی کتاب کی طرف) تاکہ جب وہ آئیں (تو

وہ) کتاب (ان) کے مسائل (میں) فیصلہ کرے اور حَکَم کا کردار ادا کر کے اور اپنی (حکمرانی) کا مظاہرہ (کرے)، تو (پھر) اس دعوت پر انکار و یہ یہ ہوتا ہے کہ (ان میں سے کچھ پھر) جا (تے ہیں بے رخی کے ساتھ)، کتاب کے حکم سے اعراض کرتے ہوئے گفتگو کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

یہ اسلئے کہ وہ کہا کیے کہ نہ چھوئے گی ہم کو آگ، مگر چند دن۔

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین میں اس نے جو جھوٹ افترا کرتے تھے●

انکی (یہ) سرکشی (اسلئے) تھی (کہ وہ) اپنے گمانِ فاسد کی بنیاد پر (کہا کئے) دعویٰ کرتے رہے، (کہ نہ چھوئے گی ہم کو) جہنم کی (آگ، مگر چند دن) یعنی ہم پر صرف چالیس دن عذاب ہوگا، جتنے دنوں تک ہمارے مورثوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

کبھی وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں اور کبھی یہ بکتے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اسلئے ہم سے گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا اور انبیاء کرام سفارش کر کے ہم کو بچالینگے۔

کبھی کہتے کہ ہم حضرت یعقوب کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ انکی اولاد کو عذاب نہ ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ بہکادیا (اور دھوکا دیا ان کو ان کے) اپنے (دین میں) گھڑے ہوئے خود ساختہ (اس) خیال (نے جو) سراسر (جھوٹ) تھے، جسکا بہتان اللہ تعالیٰ پر باندھتے تھے اور خدا کی ذات پر (افتراء کرتے تھے)۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

پس کیسا حال ہوگا جہاں ہم نے اکٹھا کر دیا انکو اس دن کہ جس میں کوئی شک نہیں۔۔۔ اور پورا پورا دیا گیا ہر ایک

مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

جو اس نے کمایا، اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے●

تو عقل و شعور والو! غور کرو، (پس کیسا حال ہوگا) انکا اس جگہ (جہاں ہم نے اکٹھا کر دیا ان کو

اس دن کہ جس) دن کے واقع ہونے (میں کوئی شک نہیں)، مکمل انصاف کیا گیا (اور پورا پورا) اجر (دیا گیا ہر ایک) کو، اسکا (جو اس نے کمایا) یعنی ان کے اعمال کی انھیں پوری جزا ملے گی، اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی (اور وہ) یعنی میدانِ حشر میں حساب و کتاب کیلئے اکٹھا کئے جانے والے، عذاب بڑھا کر۔۔۔یا۔۔۔ثواب میں کمی کر کے (ظلم نہیں کئے جاتے)، بلکہ ہر ایک کو انکے اعمال کی پوری جزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے اگرچہ ذرہ برابر سہی۔ پس مومن کو اس کے ایمان کی جزا ملے گی اور کافر کو اس کے کفر کی سزا۔۔۔اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عنقریب کفار مغلوب ہونگے اور بظاہر ایسا ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں کافروں کی حکومت تھی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم سے فرمایا کہ آپ یہ دعا فرماؤ۔۔۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ

کہو یا اللہ، ہر ملک کے مالک، تو جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین

مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ

لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی دے۔

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

تیرے ہی قبضہ ہر بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے●

اور (کہو یا اللہ ہر ملک کے مالک) تیرے تصرفات کا عالم یہ ہے کہ (جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے) دنیا و آخرت میں اپنی نصرت و توفیق عطا فرما کر (عزت دے اور جسے چاہے) اسکے سر سے اپنے فضل و کرم کا سایہ ہٹا کر دونوں جہاں میں اسے (رسوائی دے)، تو مالک و مختار ہے، تیرا کوئی مانع ہے نہ مدافع، (تیرے ہی قبضہ) قدرت میں (ہر بھلائی ہے) کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جس طرح تیری مشیت کا تقاضہ ہوتا ہے، تو اسی طرح تصرف فرماتا ہے۔ اے اللہ (بیشک تو ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے) جو چاہے کرے، جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں سما دے۔ اور تو زندہ کو مردہ سے

وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اور مردہ کو زندہ سے نکالے۔ اور جس کو چاہے ان گنت روزی دے ●

تیری قدرت کاملہ کا عالم تو یہ ہے کہ جب چاہے (**تو رات کو دن میں**) داخل کر دے، ایسا کہ دن بڑھ کر پندرہ گھنٹے کا ہو جائے اور رات اس میں گم ہو کر، ایسا کم ہو کہ نو گھنٹے کی ہو کر رہ جائے۔ (اور) یوں ہی جب چاہے (**دن کو رات میں سما دے**)، ایسا کہ رات پندرہ گھنٹے کی ہو جائے اور دن نو گھنٹے کا رہ جائے۔ (اور) کیا ہی عظیم ہے تیری یہ شان قدرت، کہ (**تو زندہ کو مردہ سے**) نکالے، خواہ مادی طور پر جیسے بیج سے درخت، نطفہ سے انسان اور انڈے سے پرندے وغیرہ وغیرہ۔۔۔یا۔۔۔معنوی طور پر جیسے جاہل سے عالم اور کافر سے مومن، وغیرہ وغیرہ پیدا فرمائے (اور) یونہی (**مردہ کو زندہ سے نکالے**) جیسے بیج کو درخت سے، نطفہ کو انسان سے، جاہل کو عالم سے اور کافر کو مومن سے پیدا فرمائے۔ (اور **جس کو چاہے ان گنت روزی دے**) اور بے حساب رزق عطا فرمائے۔

۔۔۔الحتصر۔۔۔اے میرے مالک الملک جب تو ان سارے حیرت انگیز امور پر قدرت رکھتا ہے، تو تجھے یہ بھی قدرت ہے کہ عجمیوں سے ملک چھین کر انھیں ذلیل کر دے اور عربوں کو عنایت فرما کر انھیں معزز فرما دے۔ اور یوں ہی بنو اسرائیل سے نبوت لیکر بنو اسماعیل کو عطا فرما دے۔ یہ سارے کام تیرے نزدیک بہت ہی آسان ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک اور قادر مطلق ہے تو ایمان والوں کو چاہیے اسی کی رضا کے طالب رہیں اور اسی کے احکام کی پیروی کریں۔

لہٰذا مدینہ منورہ کے انصار کی ایک جماعت کا رؤسائے یہود کے ساتھ دوستی اختیار کر لینا اور آپس میں بھائی چارہ قائم کر لینا اور ایک دوسرے کا ولی بن جانا اور ان یہودیوں سے اپنا قلبی لگاؤ کا مظاہرہ کرنا، یہ سب کچھ ایک مومن کی شان کے خلاف ہے، اسلئے۔۔۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں ایمان والے، کافروں کو دوست، ایمان والوں کو چھوڑ کر۔ اور جو ایسا کرے،

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ

تو نہیں ہے اللہ سے وہ کسی علاقہ میں، مگر یہ کہ خوف ہو تم کو ان سے کچھ۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی ہیبت سے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ●

(نہ بنائیں ایمان والے کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر)، یعنی صرف ایمان والوں ہی کو دوست بنائیں، ایسا نہ ہو کہ جب دوست بنانے پر آئیں تو ایمان والوں کو نظر انداز کر دیں اور ان کی بجائے کسی کافر کو دوست بنالیں۔ کافروں کو دوست بنالینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں جنگ کے وقت ان سے نہ مل جائیں۔۔۔یا۔۔۔انکے خلاف کسی عملی اقدام سے کنارہ کش نہ ہو جائیں۔۔۔یا۔۔۔امور دینیہ میں انکا ساتھ نہ دے بیٹھیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔کافروں اور مشرکوں کے ساتھ 'موالات' جائز نہیں۔ البتہ ان کے ساتھ 'مواسات'، یعنی 'انسانی ہمدردی کا معاملہ'، 'مدارات'، یعنی 'گفتگو اور برتاؤ میں نرمی کا مظاہرہ' اور 'مجرد معاملہ'، یعنی 'معاشرتی برتاؤ کرنا' جائز ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اس مقام پر جس موالات کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد وہ معاملات ہیں، جو انسان محبت کی بنیاد پر اپنے محبوب کے ساتھ کرتا ہے، جسے کرنا اسکی محبت کا تقاضہ ہوتا ہے۔۔۔مثلاً: محبوب کی تعظیم وتوقیر کرنا، محبوب کے حکم کو باقی احکام پر ترجیح دینا، اسکی تعریف و توصیف کرنا، اسکا بکثرت ذکر کرنا، اسکی رضا جوئی کی کوشش کرنا، دین اور عبادت کے معاملہ میں ان سے مدد حاصل کرنا۔ انکو اپنا ہمراز بنانا، انکے ساتھ شادی بیاہ کے تعلق استوار کرنا، یہ تمام امور انکے ساتھ جائز نہیں۔

البتہ کفار کو اپنا نوکر اور غلام بنانا اور ان سے اس طرح مدد لینا جیسے مالک نوکروں سے لیتا ہے اور تفوق و برتری کے ساتھ ان سے تعلق رکھنا، یہ سب امور جائز ہیں۔ رہ گیا کسی کی طرف وہ غیر اختیاری جھکاؤ اور دلی لگاؤ جو خونی تعلق، رشتہ داری، پرانی دوستی یا نئی شناسائی کی وجہ سے ہوتی ہے، تو چونکہ اس پر کوئی اختیار نہیں، اسلئے شرعاً معاف ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے

۔۔۔المختصر۔۔۔کفار سے دلی محبت کی بنیاد پر کئے جانے والے دوستانہ معاملات جائز نہیں۔

(اور) اب **(جو ایسا کرے)** یعنی کفار سے دوستی جوڑے **(تو نہیں ہے اللہ)** تعالیٰ **(سے وہ کسی علاقہ میں)** یعنی کسی معاملہ میں جسے کہا جا سکے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا شائبہ ہے۔

یعنی کفار سے تعلق جوڑنے والا ہر طرح سے اللہ تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے اور عقل بھی مانتی ہے کہ دوست اور اس کے دشمن کی دوستی یکجا نہیں ہوسکتی، (مگر یہ کہ خوف ہو تم کو ان سے کچھ)۔ یعنی اے مومنوں، ہر لحاظ سے اور ہر حال میں کفار کو ظاہری و باطنی دوست نہ بناؤ، مگر اس حال میں کہ تم ڈرتے ہو اور ان سے کسی قسم کا جانی، مالی، اور عزت و آبرو کے نقصان کا خطرہ ہو۔ وہاں کفار کے غلبہ کی وجہ سے ۔۔۔ یا ۔۔۔ مومن کے انکے درمیان مقیم ہونے کے سبب، اسلئے ان سے دوستی اور تعلق کے سوا چارہ کار نہیں، تو ان سے ظاہری دوستی کے اظہار میں حرج نہیں، بشرطیکہ دل کفار کے بغض و عداوت سے بھر پور ہو۔ بظاہر انکے ساتھ رہے، لیکن سیرتاً اور عملاً ان سے دور رہے، اور ان سے دوستوں کی طرح خلط ملط نہ کرے اور نہ ہی انکے طور و اطوار اپنائے۔

یہ مذکورہ بالا حکم رخصت کے طور پر ہے۔ اب اگر کوئی صبر کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے تو بہت زیادہ اجر و ثواب پائے گا۔

(اور ڈراتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (اپنی ہیبت سے) یعنی اپنی ذات مقدسہ سے ۔۔۔ الغرض ۔۔۔ اسکے دشمنوں سے دوستی کرکے اسکی ناراضگی کو چیلنج نہ کرو (اور) اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹنا ہے)، یعنی تمام مخلوق کا مرجع اسکی طرف ہے۔ وہ ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ تو ۔۔۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

کہہ دو کہ اگر چھپالو جو تمہارے سینوں میں ہے، یا ظاہر کردو، اللہ سب کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے ●

اے محبوب (کہہ دو کہ اگر) تم (چھپالو جو تمہارے سینوں میں ہے) اپنے دل کے رازوں کو منجملہ انکے، کفار کی دوستی بھی ہے، (یا ظاہر کردو) جو تمہارے مابین ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسلئے کہ نہ تمہارے چھپانے سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے اور نہ ہی کسی راز کو عیاں کرنے کیلئے تمہارا اظاہر کرنا ضروری ہے۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (سب کچھ جانتا ہے)۔ پس تمہارا مواخذہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگے (اور) صرف تمہارے دلوں کے رازوں ہی کو نہیں بلکہ (وہ جانتا ہے جو کچھ

آسمانوں) میں ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے) اس سے کوئی شے مخفی نہیں، اسلیئے اس سے نہ تمہارا ظاہر چھپا ہوا ہے اور نہ باطن۔

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے جو ساری معلومات کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ اسکے علم کے دائرے سے نہ کوئی باہر ہے اور نہ ہی باہر ہوسکتا ہے۔ (اور) صرف جملہ معلومات کا عالم ہی نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے)۔ اسکی قدرت بھی ذاتی ہے کوئی مقدور اسکی قدرت کے دائرے سے باہر نہیں، تو اگر تم اللہ تعالیٰ کے منہیات کے ارتکاب سے باز نہیں آؤ گے، تو اسے تمہیں سزا دینے پر بھی قدرت ہے۔ بہر صورت جزا و سزا کا دن آنے ہی والا ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ

جس دن کہ پائے گا ہر ایک جو کمائی ہے بھلائی سامنے موجود، اور جو کر رکھی ہے برائی،

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ

ہر ایک چاہیگا کاش برائیوں کے کمانے اور اسکی ذات کے درمیان، دور کا فیصلہ ہوتا۔ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی جلالت سے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور اللہ بے حد رحمت والا ہے اپنے بندوں کیلیئے ●

(جس دن کہ پائیگا ہر ایک) نفس مکلفہ اپنی وہ کمائی (جو کمالی ہے) یعنی ہر شخص اپنی کمائی ہوئی (بھلائی) کو اپنے (سامنے موجود) اپنے اعمال کے صحیفے میں ۔۔۔یا۔۔۔ انکی جزاء کی صورت میں پائیگا (اور) یونہی (جو کر رکھی ہے برائی) وہ بھی نامہ اعمال کی صورت میں سامنے ہوگی۔ جس دن انکے نامہ ہائے اعمال، نیکیاں ۔۔۔یا۔۔۔ برائیاں یا انکی جزائیں انکے سامنے لائے جائینگے۔

اس دن (ہر ایک) یہی (چاہے گا) اور سب کے دل کی یہی آرزو ہوگی کہ اے (کاش برائیوں کے کمانے) یعنی برے اعمال انجام دینے (اور اسکی ذات کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا)، یعنی کاش یہ برائیاں میرے سامنے نہ ہوتیں ۔۔۔یا۔۔۔ یہ کہے گا کہ کاش میں ایسے برے عمل نہ کرتا (اور ڈراتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (اپنی جلالت سے)، اپنی عظمت وجلالت والی ذات سے، اور فرماتا ہے اے لوگو، اپنے آپ کو مجھ سے یعنی میرے غضب سے بچاؤ اور یہ ڈرانا بھی اسکی رحمت ورافت کا تقاضہ ہے (اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (بے حد رحمت والا ہے اپنے بندوں کیلیئے) جبھی انھیں ڈرانے میں مبالغہ واصرار فرماتا ہے۔

کیونکہ جب بندے یقین کرلیں گے کہ ہمارا رب اتنی بڑی قدرت والا ہے اور اتنا زیادہ علم والا ہے، تو اسکا خوف اور اسکی خشیت انکے قلوب پر اثر انداز ہوگی، اس سے وہ اسکی رضا کی طلب کے در پے ہوجائینگے اور اسکی ناراضگی سے بچ جائینگے۔ تو یہ اسکا کرم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کہ وہ ہماری ہلاکت کے اسباب سے ہم کو دور رکھنا چاہتا ہے۔۔۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ

اعلان کردو کہ اگر دوست رکھتے ہو اللہ کو، تو پیچھے پیچھے چلو میرے، دوست رکھے گا تم کو اللہ، اور بخش

لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

دیگا تمہارے گناہوں کو۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے محبت اور دوستی رکھنے سے منع فرمادیا تھا اور صرف اہل اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی اجازت دی تھی اور جبکہ بعض کفار بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے، تو ضروری تھا کہ واضح کردیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت و پہچان کیا ہے؟ چنانچہ ارشاد ربانی ہوا کہ۔۔۔

اے محبوب (اعلان کردو) اور سنادو ان یہود و نصاریٰ کو جنھوں نے:

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ

ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسکے دوست ہیں

۔۔۔کا شہرہ تمام عالم میں پھیلا رکھا ہے۔ ایسے ہی آگاہ کردو قریش کے ان مشرکین کو جو کہتے ہیں کہ ہم خدا سے محبت کرنے والے ہیں، ہمارا بتوں کا پوجنا خدا تک پہنچنے ہی کیلئے ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان سب محبت الٰہی کے دعویداروں سے کہہ دو (کہ اگر) واقعی طور پر تم (دوست رکھتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو تو) صرف زبانی دعویٰ سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اسکا عملی ثبوت پیش کرو اور میری مخلصانہ پیروی کرو۔۔۔ الغرض۔۔۔ (پیچھے پیچھے چلو میرے)، میری اتباع کا تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ خود دوست بنالے گا اور ہمیشہ (دوست رکھے گا تم کو اللہ) تعالیٰ (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (بخش دیگا تمہارے گناہوں کو اور) ایسا کیوں نہ ہوا، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ میری پیروی پر ثابت قدم رہنے والوں کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے اور ان پر اپنی (رحمت) خاص فرمانے (والا ہے)۔

اے محبوب! عبداللہ ابن ابی جیسے منافقین کو بھی آگاہ کردو جنھوں نے **فَاتَّبِعُوْنِیْ** والا ارشاد سنا تو بطور استہزاء بکنے لگے کہ محمد (ﷺ) اپنی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مثل قرار دیتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت کی جائے جیسے عیسیٰ بن مریم سے کی گئی تھی۔ تو ان جیسوں سے واشگاف انداز میں کہہ دو کہ ہاں، ہاں، بیشک اللہ ورسول کی اطاعت ایک ہی ہے۔ اس معنی میں کہ جو اللہ کی اطاعت ہے، وہی رسول کی اطاعت ہے اور جو رسول کی اطاعت ہے، وہی اللہ کی اطاعت ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ ورسول کی فرمانبرداری ایک ہی ہے۔ ان میں کسی ایک کا فرمانبردار، دوسرے کا بھی فرمانبردار ہے۔ تو۔۔۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

اعلان کردو کہ فرمانبردار ہو جاؤ اللہ اور رسول کے۔ پھر اگر انھوں نے بے رخی کی، تو بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا نہ ماننے والوں کو●

اے محبوب (اعلان کردو کہ) اے لوگو (فرمانبردار ہو جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور) اسکے (رسول کے)، انکی طرف سے پیش کردہ اوامر ونواہی اور احکام شرع میں۔ (پھر اگر انھوں نے بے رخی کی) اور خدا و رسول کی اطاعت سے انکار کردیا (تو) وہ سن لیں کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں دوست رکھتا نہ ماننے والوں کو) تو ایسے کافروں کو حق نہیں پہنچتا وہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کریں اور اپنے کو خدا کا دوست بتائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾

بیشک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو، سارے جہان پر●

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رسولوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی فضیلت اور انکے درجات کی بلندی کو بیان فرمایا ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔ مکلفین ﴿۲﴾۔۔ غیر مکلفین

۔۔۔ اس پر اتفاق ہے کہ مکلفین غیر مکلفین سے افضل ہیں۔ رہ گئے مکلفین یعنی ملائکہ، جن، شیطان اور انسان، تو اس پر بھی اجماع ہے کہ بشر شیاطین وجنات دونوں سے افضل ہیں۔ اب رہ گئے بشر اور ملائکہ تو اہلسنّت کے نزدیک رسل ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں اور رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور عوام بشر، یعنی مومنین، صالحین، عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

رہ گئے انسانوں میں کفار وفساق، تو ان سے 'بالا جماع' ملائکہ افضل ہیں۔۔۔اور چونکہ انسانوں میں انبیاء ومرسلین ہی وہ فضیلت یافتہ اوز بزرگ ہستیاں ہیں جنکی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اسلئے انکا ذکر خیر کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا گیا کہ۔۔۔

(**بیشک اللہ**) تعالیٰ (**نے چن لیا آدم کو**)۔انھیں ابولبشر، بلکہ ابولانبیاء بنایا، زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا۔فرشتوں سے انکا تعظیمی سجدہ کرایا اور کائنات کے تمام اسماء اور مسمیات کا علم دیا (**اور**) چن لیا (**نوح کو**)، ان کو طویل عمر عطا فرمائی، ان کی کشتی کو سفینۂ نجات بنادیا اور انکی شریعت کو اس سے پہلے کی شریعت کا 'جس میں محارم سے بھی نکاح جائز تھا' ناسخ قرار دیا اور پھر اس معنیٰ میں انھیں آدم ثانی بنادیا، کہ آج ساری دنیا میں جو انسان ہیں وہ سب کے سب انہی کی اولاد ہیں۔

(**اور**) چن لیا (**ابراہیم کی آل**) کو، انکے دو بیٹوں یعنی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کی نسل میں انبیاء کرام کو معبوث فرما کر، ذات سیدنا ابراہیم کو اپنی خلت کی مسند پر بٹھا کر، انکو آتش نمرود سے نجات دے کر، انکو اور انکی نسل کو سارے انسانوں کی امامت وقیادت عطا فرما کر، اور خانہ کعبہ کی بنیاد رکھنے کا شرف مرحمت فرما کر۔ (**اور**) چن لیا (**عمران**) بن ماثان بن العاد (**کی آل**) حضرت عیسیٰ کو کتاب ورسالت عطا فرما کر اور حضرت مریم کو پاکدامنی، طہارت اور بہت ساری کرامتوں سے نواز کر۔۔۔المختصر۔۔۔ان تمام مذکورہ بالا نفوس قدسیہ رکھنے والوں (**کو سارے جہاں پر**)، یعنی انکے ہم عہد اور ہم زمانہ سارے لوگوں پر منتخب کرلیا۔۔۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ

ایک خاندان کے ایک دوسرے سے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

جو (**ایک**) ہی (**خاندان کے**) ہیں۔حضرت آدم کے سوا سب حضرت آدم ہی کی اولاد ہیں اور بزرگ باپوں کے نیک بیٹے ہیں۔۔۔نیز۔۔۔توحید، اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت اور اخلاص میں (**ایک دوسرے**) کے متبع ہیں۔غور (**سے**) سنو (**اور**) یاد رکھو کہ (**اللہ**) تعالیٰ یہود ونصاریٰ کے باطل اقوال اور واہیات باتوں اور یوں اپنے سارے بندوں کے اقوال کا (**سننے والا**) ہے۔ اور ان باتوں سے جو انکی غرضیں تھیں۔۔۔الغرض۔۔۔انکے ظاہری اور باطنی اعمال کو (**جاننے والا ہے**)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور آل عمران میں، عمران سے مراد وہ عمران نہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد بزرگوار تھے۔ یعنی عمران بن یصہر بن فاہث بن لاوی بن یعقوب۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ عمران مراد ہیں جو حضرت مریم کے والد اور حضرت عیسیٰ کے نانا تھے۔ دونوں عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ رہ گیا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی برگزیدگی کا ذکر تو وہ آل ابراہیم میں آہی گیا۔ لہٰذا ارشادِ ربانی میں آل عمران سے مراد حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہی ہیں۔

قرآنِ کریم کے آگے کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام پر حضرت مریم ہی کا ذکر ہے جن کی والدہ محترمہ حضرت حنہ کو مدت العمر کوئی بچہ بچی پیدا نہ ہوئی، یہاں تک کہ آپ ضعیف ہوگئیں۔ ایک دن درخت کے سائے کے تلے بیٹھی تھیں، کہ ایک پرندے کو دیکھا کہ اپنے چھوٹے بچے کو دانہ وغیرہ کھلا رہا تھا تو آپ کے دل میں بچے کی آرزو پیدا ہوئی۔ اس پر دعا مانگی کہ الٰہ العالمین میں تیرے لئے منت مانگتی ہوں کہ اگر مجھے تو نے بچہ عنایت فرمایا، تو اسے تیرے گھر بیت المقدس کا خادم بناؤنگی۔ انکی شریعت میں اسطرح کی نذر جائز تھی۔

اور یہ بھی انکی شریعت کا مسئلہ تھا کہ جب بچہ خدمت کے لائق ہو جاتا، تو اس پر والدین کی خدمت فرض ہو جاتی، ایسی صورت میں بچوں کو اپنی خدمت سے آزاد کر کے مسجد بیت المقدس کی خدمت کیلئے آزاد کر دیتے تھے۔ مگر یہ بھی قاعدہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے صرف لڑکے ہی آزاد ہوتے تھے، لڑکیاں اس خدمت کی اہل بھی نہ تھیں۔ اسلئے کہ انھیں حیض اور دیگر نسوانی عوارض لاحق ہوتے، اس بنا پر انھیں مسجد سے باہر نکل جانا ضروری ہو جاتا۔۔۔ المختصر۔۔۔ حضرت مریم کی والدہ کی دعا قبول ہوگئی اور انھیں حمل ٹھہر گیا جس سے بی بی مریم پیدا ہوئیں۔ لیکن بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عمران کا وصال ہوگیا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا

جب کہ کہا عمران کی اہلیہ نے "اے پروردگار میں نے تیری منت مان لی کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لیے آزاد رہیگا،

فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾

تو قبول فرمالے مجھ سے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے"●

(جبکہ کہا عمران کی اہلیہ) تو اے محبوب یاد کرو اپنے علم و ادراک میں محفوظ رہنے والے اس واقعہ کو

نے، اے پروردگار، میں نے تیری منت مان لی) ہے اور اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، (کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لئے آزاد رہے گا) اس پر میرا کسی قسم کا قبضہ نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میں اپنی کوئی خدمت کراؤنگی اور نہ کسی کام میں مشغول رکھونگی۔ وہ خالص تیرے لئے اور تیری عبادت کیلئے زندگی گزارے گا۔ دنیا کا کوئی کام نہ کرے گا یہاں تک کہ شادی بیاہ بھی، صرف عمل آخرت کیلئے وقف رہے گا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔وہ صرف بیت المقدس کی خدمت ہی کیلئے رہے گا۔ (تو) اے رب میری یہ نذر اپنی رضا وخوشی کے ساتھ (قبول فرمالے مجھ سے)۔ یہ قبولیت کی دعا حسن طلب کا ایک شاندار مظاہرہ تھا اسلئے کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے لڑکی نہیں قبول کی جاتی تھی، تو اس دعا کی قبولیت نرینہ اولاد عطا کرنے پر موقوف تھی، کیونکہ سابقہ سنت کے پیش نظر فرزند ہی کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول کیا جاسکتا تھا۔ (بے شک) اے میرے پروردگار (تو ہی سننے والا) ہے تمام مسموعات کا اور انہی میں سے میری یہ دعا اور میرا عجز و نیاز بھی ہے۔ یوں ہی تو ہی (جاننے والا ہے) تمام معلومات کا انہی میں سے وہ بھی ہے جو میرے دل میں ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ

تو جب جنا اس کو، بولی "پروردگارا میں نے تو لڑکی جنی"۔ اور اللہ خود ہی زیادہ جانتا ہے جو وہ جنی ہے۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ

اور نہیں ہے اسکا مانگا لڑکا، مثل اس برگزیدہ لڑکی کے "اور میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے، اور میں اسکو اور اسکی نسل کو،

وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝

تیری پناہ میں دیتی ہوں، شیطان مردود سے"●

(تو جب جنا اس کو) اور اسے اپنے مطلب کے خلاف پایا اور اپنے مقصد میں بظاہر بہ گمان خویش کامیاب نہ ہوئیں، تو حسرت کے طور پر (بولی) عرض کیا (پروردگارا میں نے تو لڑکی جنی، اور اللہ) تعالیٰ (خود ہی زیادہ جانتا ہے جو وہ جنی ہے، اور نہیں ہے اسکا مانگا لڑکا مثل اس برگزیدہ لڑکی کے)۔ چونکہ بی بی حنہ اس بچی کی شان عظمت، اسکی قدر و منزلت سے ناواقف تھیں، اسلئے اظہار تحسّر کیا اور غمگین ہوئیں۔ ان کو کیا خبر کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے وہ جس فرزند کی خواہشمند تھیں، وہ اس بچی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا تھا جو وہ عطا کی گئیں۔ اسلئے کہ اس بچی کا دائرہ علم اور اسکے اقدار و

منازل بہت بلند ہیں اوراتنے وسیع کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی انھیں احاطہ نہیں کرسکتا۔
---علاوہ ازیں---اسکے اندر بہت بلند قدر امور ہیں---الغرض---یہ بی بی حنہ کے مطلوب بچے سے بدر جہا افضل ہے اور بی بی حنہ انکے اتنے اعزاز واکرام کو نہیں جانتیں---المختصر---بی بی حنہ کو کیا معلوم کہ انھوں نے کس باعظمت اور بابرکت ہستی کو جنا، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔
---الغرض---بچی کی ولادت کے بعد بی بی حنہ نے خود اسکا نام تجویز کیا (اور) عرض کیا کہ (میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے) اور مریم عابدہ اور خادمہء رب کو کہا جاتا ہے، تاکہ اسکے ذریعہ مجھے قرب الٰہی نصیب ہو اور وہ دنیا کی غلط کاریوں سے محفوظ رہے---الغرض---بنیادی طور پر مجھے یہ فکر نہیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی؟---یا---وہ بیت المقدس کی خدمت کے لائق ہے کہ نہیں؟---بلکہ ---اس بچی کے تعلق سے میری نیت یہ ہے کہ وہ بچی عابدہ صالحہ ہو۔
تو اے میرے کارساز! (اور) میرے پروردگار (میں اس) بچی (کو اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں)، تاکہ **(شیطان مردود) کی** اذیت رسانی **(سے)** محفوظ رہے۔ اس خصوصی دعا کی برکت سے ساری اولاد آدم میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو یہ خصوصیت حاصل ہوگئی کہ شیطان ہر نوزائدہ بچے کے پہلو میں جو انگلی چبھوتا ہے، وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے پہلو میں نہیں چبھو سکا۔ ایک قول کے مطابق ان دونوں مقدس ہستیوں کے پہلو اور شیطان کی انگلیوں کے درمیان قدرتی طور پر ایک حجاب حائل ہوگیا، چنانچہ شیطان کی انگلیاں اس حجاب سے ٹکرا کے رہ گئیں اور انکے مبارک بدن تک نہ پہنچ سکیں۔
اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ شیطان کے انگلی چبھونے کا مقصد اگرچہ بہکانا اور گمراہ کرنا ہی ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس جس کو وہ انگلی چبھوئے، وہ گمراہ ہی ہوجائے---الغرض--- اسکی اس حرکت سے انبیاء ومرسلین متاثر نہیں ہوتے۔ یہ بھی انبیاء کرام کی ایک فضیلت ہے کہ شیطان کے انگلی چبھونے کے باوجود اسکے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔
---الحاصل---حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو یہ شرف ملا کہ شیطان انکے پہلو میں اپنی انگلی چبھو ہی نہ سکا اور دیگر انبیاء کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ انگلی چبھونے کے باوجود انکا کچھ بگاڑ نہ سکا۔
اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ بھی شیطان نے یہ حرکت کی تھی تو اس سلسلے

میں انگلی چھونے والی حدیث کے بعض شارحین کی یہ بات قرین قیاس ہے کہ 'جب متکلم اس قسم کا کلام کرتا ہے، تو اسکی ذات عموماً کلام سے خارج ہوتی ہے اور ذوق اور حال اسکا قرینہ ہوتا ہے۔' چونکہ حضرت حنہ نے بی بی مریم کیلئے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بچی کو چھوٹی ہونے کے باوجود، بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول فرمالے۔۔۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ

تو اچھی طرح قبول فرمالیا اسکو اسکے پروردگار نے، اور بڑھایا اسکو خوب، اور کفیل بنایا اسکا زکریا کو۔ جب جب داخل ہوئے

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ

ان پر زکریا محراب میں، تو پایا ان کے پاس کھانے کا سامان، کہا "اے مریم یہ تیرے لیے کہاں سے ہورہا ہے"

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

بولی "یہ اللہ کے پاس سے ہے"۔ بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب روزی دے ●

(تو اچھی طرح قبول فرمالیا اس کو اسکے پروردگار نے) حالانکہ اس شریعت کا قانون یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے لڑکے، عاقل اور بیت المقدس کی خدمت پر قدرت رکھنے والے ہی کو قبول کیا جاتا تھا۔ انکے سوا کو قبول کرنا جائز نہ تھا۔ مگر یہاں حضرت مریم کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو منسوخ فرمادیا اور اپنے فضل وکرم سے حضرت مریم کو قبول فرمالیا۔ **(اور بڑھایا اس کو خوب)** اور انکی اچھی تربیت فرمائی۔ ان کی تربیت میں، انکے ہر معاملے میں خصوصی توجہ فرمائی گئی اور شاندار طریقے پر انکا نشوونما فرمایا گیا۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ صدق وصفا اور خلوص وحیا میں وہ درجہ، کمال تک پہنچ گئیں باوجودیکہ اس زمانے میں بیت المقدس کی خدمت کیلئے چار ہزار لڑکے اور بھی موجود تھے، لیکن جتنی شہرت حضرت مریم کونصیب ہوئی، اتنی کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔۔۔ الختصر۔۔۔ حضرت مریم کی ولادت کے بعد آپکی والدہ محترمہ آپکو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے آئیں۔

اس وقت وہاں حضرت ہارون کی نسل کے ستائیس ۲۷ علماء موجود تھے، جو سب کے سب بیت المقدس کے نگراں تھے، تو بی بی حنہ نے حضرت مریم کو انکے سپرد کر کے فرمایا کہ یہی ہے منت، یعنی اسے لے لو اور تربیت کرو، اسلئے کہ یہ تمہارے صاحب قربان کی بیٹی ہے۔ کیونکہ بنو ماثان، بنو اسرائیل کے سردار اور انکے بادشاہ ہوتے تھے۔

حضرت زکریا نے فرمایا، انکی تربیت کیلئے صرف میں ہی مستحق ہوں، اسلئے کہ انکی خالہ میری منکوحہ ہے۔ انھوں نے کہا نہیں، بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ اس پر سب راضی ہوگئے۔ اس پر عمل کرنے کیلئے کسی نہر کی طرف بقول بعض، نہراردن کی طرف چل پڑے۔ سب نے اپنی وہ قلمیں جس سے وحی ربانی لکھا کرتے تھے نہر میں ڈالدیں۔ شرط یہ لگائی کہ جسکا قلم پانی پر تیرنے لگے گا، وہی مریم کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ تین بار قلم نہر میں ڈالے گئے سب کے قلم پانی کی تہ میں بیٹھ گئے۔ صرف حضرت زکریا کا قلم پانی پر تیرنے لگا، اسلئے بی بی مریم کے وہی کفیل ہوئے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسطرح فیصلہ ہوگیا۔

(اور) ہم نے (کفیل بنا) د(یا اسکا زکریا کو)، یعنی حضرت مریم کو حضرت زکریا کی ضمانت میں دے دیا اور انھیں بی بی مریم کا کفیل اور اسکی مصالح کا ضامن اور اسکے امور کی تدابیر پر قائم فرمایا۔

حضرت زکریا انھیں اپنے گھر لے گئے۔ انھیں دودھ پلانے کے واسطے دائی مقرر فرمائی۔ جب حضرت مریم بچپنے کی حد سے بڑھیں تو انھیں مسجد میں لائے اور ایک اونچی کوٹھری انکے واسطے بنائی، ایسی کہ جس پر بغیر سیڑھی لگائے نہ چڑھا جاسکے۔ جب حضرت زکریا انکی خبر گیری اور خدمت گزاری سے فراغت پاتے، تو کوٹھری کے دروازہ میں مضبوط قفل لگا کر اسکی کنجی اپنے ساتھ لیجاتے۔۔۔ الغرض۔۔۔ انکی حفاظت وحراست میں کمال درجہ کی کوشش فرماتے تھے، یہاں تک کہ حضرت مریم بڑی ہوئیں اور انوار ولایت ان پر طاری ہوئے۔

(تو جب جب داخل ہوئے) تشریف لائے **(ان پر)**، یعنی حضرت مریم کے پاس حضرت **(زکریا)** ان کی رہائش وعبادت کیلئے مخصوص کی ہوئی کوٹھری **(محراب)** عبادت **(میں، تو پایا انکے پاس کھانے کا سامان)** اور وہ بھی اس محیر العقول انداز سے کہ، گرمیوں میں جاڑے کے میوے ہوتے تھے اور جاڑوں میں گرمیوں کے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب چند مرتبہ یہ حال دیکھا اور ہر موسم کی صورت حال کا جائزہ لے لیا تو **(کہا اے مریم یہ تیرے لئے)** بے فصل اور بے موسم کے میووں کا انتظام **(کہاں سے ہو رہا ہے، بولی یہ اللہ)** تعالیٰ **(کے پاس سے ہے)** پھر اس میں حیرت وتعجب کی کیا بات ہے، **(بیشک اللہ)** تعالیٰ **(جسے چاہے بے حساب روزی دے)**، اتنی روزی دے کہ اسے بندوں سے شمار نہ کیا جاسکے ۔۔۔ یا۔۔۔ شمار تو کیا جاسکے، لیکن بوجہ کثرت نہ شمار کیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ ایسی روزی دے جسکا کوئی حساب

ہی نہ لے۔۔۔یا۔۔۔ایسوں کو بھی روزی دے جسے اسکا استحقاق نہ ہو۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت بی بی مریم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا مرتبہ ہے اور وہ ایسی بڑی صاحب کرامت ہیں۔۔۔نیز۔۔۔انھوں نے بے فصل کے تروتازہ میوے دیکھے، تو باوجود بڑھاپے کے، انھیں آرزو ہوئی اور رغبت ہوئی کہ، انکی زوجہ ایشاع کو بھی ایسا بچہ عطا ہو، جیسے انکی بہن حنہ کو، صاحب نجابت وصاحب کرامت بچی عطا ہوئی ہے، اگرچہ وہ اس وقت بانجھ اور بوڑھی ہو چکی ہیں۔ لیکن انکی بہن بھی تو بوڑھی اور بانجھ تھیں، مگر انھیں اللہ تعالیٰ نے صاحب اولاد بنادیا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہو کہ حضرت مریم کی وجہ سے اس جگہ اور اس محراب عبادت کے تقدس وعظمت کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ یہاں سے جو بھی دعا مانگی جائیگی، بارگاہِ خداوندی میں، اسے قبولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ چنانچہ۔۔۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ

اس محل پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے۔ عرض کیا "پروردگارا مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے،

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾

بے شک تو دعا کا سننے والا ہے" ●

(اس محل پر دعا کی) حضرت **(زکریا نے اپنے رب سے)** اور **(عرض کیا پروردگارا مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے)** جو صالح، مبارک، پرہیزگار، برگزیدہ اور گناہ کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو۔ **(بیشک تو دعا کو سننے والا ہے)** یعنی اسکو قبول فرمانے والا ہے۔

اس مقام پر یہ یاد رہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو خدا کی قدرت کا علم، حضرت مریم کی کرامت کو دیکھ کر نہیں ہوا۔۔۔بلکہ۔۔۔آپ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو جاننے ماننے اور پہچاننے والے تھے۔ ویسے بھی خدا کی بارگاہ میں اپنی دعا مقبول کرانے کیلئے انھیں اس طرح کے موقع ومحل کے اہتمام کی ضرورت نہ تھی، وہ خدا کے نبی برحق تھے اور نبی کہتے ہی ہیں اسی کو جو مستجاب الدعوات ہو۔

ہر نبی کی خصوصی دعاؤں کیلئے در اجابت الٰہی ہر وقت کھلا رہتا ہے، مگر اب تک اس شاکر وصابر اور متوکل بندے نے اپنی زبان نہیں کھولی۔ یہ تو اچانک ایک صورت حال پیش

آ گئی، کہ انھوں نے حضرت مریم کے محراب میں فضل عظیم والے کے فضل بے پایاں کی بارش دیکھی۔ساتھ ساتھ بے موسم پھلوں اور میووں کا مسلسل نزول ملاحظہ فرمایا،توانکے دل میں اچانک رغبت پیدا ہوئی کہ انہی بے موسم انعامات میں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک گرانقدر انعام ہماری گود میں بھی آجائے تو کیا کہنا۔ چنانچہ انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی عاجزانہ درخواست پیش کردی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

تو آواز دی اس کو فرشتوں نے، اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں، کہ بیشک اللہ خوش خبری سناتا ہے تم کو یحییٰ کی،

مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

تصدیق کرنے والے ایک کلمہ کے، جو اللہ کی طرف سے ہے، اور سردار، اور عورتوں سے بالکل محفوظ، اور نبی نیکوکار●

(تو آواز دی اس کو فرشتوں) کے سردار حضرت جبرائیل **(نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں)**۔۔۔یا۔۔۔وہ نماز کے وقت نماز کے ارادے سے بی بی مریم کی بیٹھک میں کھڑے تھے۔اے زکریا! **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(خوش خبری سناتا ہے تم کو یحییٰ کی)** یعنی ایک بچے کی ولادت کی جسکا نام یحییٰ ہے،جسکی برکت سے ان کے پدر بزرگوار کا نیک نام اور انکا دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بلکہ جو مردہ دل ہیں، ان کے وعظ سے ان کے دل بھی زندہ ہوجائیں گے۔وہ ایمان لانے والے اور **(تصدیق کرنے والے)** ہونگے ،لفظ 'کن' سے پیدا ہونے والے **(ایک کلمہ کے)**۔جسکا ظہور عادی اور جاری اسباب کے تحت نہیں ہوا بلکہ **(جو اللہ)** تعالیٰ **(کی طرف سے ہے)** یعنی حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق فرمانے والے۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق حضرت یحییٰ ہی نے فرمائی، بلکہ ایک روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اپنی ماؤں کے شکم ہائے مبارک میں تھے اور دونوں مائیں جب اکٹھا ہوتی تھیں تو شکم مادر ہی میں حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی طرف رخ کر کے انکا تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے، گویا یہ پیدائش سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ پر ایمان لاچکے تھے۔

(اور) صرف یہی نہیں بلکہ وہ **(سردار)** ہوگا، اپنی ساری قوم پر فوقیت رکھے گا اور بزرگی میں اعلیٰ و بالا ہوگا، اور تمام لوگوں سے قطعی طور پر افضل ہوگا **(اور عورتوں سے بالکل محفوظ)**، ہر قسم کی قوت و

توانائی حاصل ہونے کے باوجود شہوات نفسانیہ سے محفوظ و معصوم ہونگے، تواب اگر یہ نکاح بھی کریں تو اسکا مقصد صرف آنکھ وغیرہ کو زنا و بدکاری سے بچانا ہوگا، نہ کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنا۔

(اور) انکی شان یہ ہوگی کہ انھیں (نبی) بنایا جائیگا اور جب وہ اس منصب کے دور کو پہنچیں گے، تو انکی طرف وحی بھیجی جائیگی، وہ (نیکوکار) ہونگے اور نیکوکاروں ہی میں پرورش پائینگے اسلئے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی پشت سے ہیں۔

یہاں 'صلاح' ہر خیر کو شامل ہے، لہٰذا یہاں پر 'صلاح' کا ہر وہ اونچے سے اونچا مرتبہ مراد ہے جو منصب نبوت کے لائق ہو۔ فرشتوں نے حضرت زکریا کو فرزند کی جب خوشخبری دی تو، یا تو آپ نے ظاہری حیثیت کو مدنظر رکھا کہ بڑھاپے میں، 'جبکہ میری عمر ناوے سال کی ہے اور میری اہلیہ کی عمر اٹھانوے سال کی ہے'، بچہ پیدا ہوگا؟ چنانچہ تعجباً فرمایا۔۔۔ یا یہ کہ ۔۔۔ اظہار مسرت کی بنا پر، کہ الحمد اللہ بڑھاپے میں بچہ عنایت ہو رہا ہے ۔۔۔ الغرض ۔۔۔ حکمت الٰہی کو ظاہر کرانے کیلئے اور قدرت الٰہی کے مزید جلوے دکھانے کیلئے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اور ۔۔۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ

کہا "پروردگارا کہاں سے ہوگا میرے لڑکا، اور مجھ تک پہنچ گیا بڑھاپا، اور میری عورت بانجھ ہے،"

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

ارشاد ہوا اسی طرح اللہ جو چاہے کرے •

(کہا پروردگارا کہاں سے ہوگا میرے لڑکا) اسلئے کہ عادی اسباب مفقود ہو چکے ہیں (اور مجھ تک پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ ہے) جو بچہ جننے کی اہلیت نہیں رکھتی، (ارشاد ہوا اسی طرح اللہ) تعالیٰ امور عجیبہ سے بطور خرق عادت (جو چاہے کرے)۔

اس وقت حضرت زکریا کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی علامت بتادے جسکے ظاہر ہوتے ہی ہمیں اسکا علم ہوجائے کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہوگئی ہے تا کہ اس بہت بڑی نعمت کے حصول پر شکرانے کی نوافل کا سلسلہ شروع کردوں۔ رہ گئی فرزند کی ولادت تو وہ اگر حسب دستور ہو جیسے عموماً بچے پیدا ہوتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۔۔۔ چنانچہ انھوں نے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ

عرض کیا "پروردگارا کردے میرے لیےکوئی نشانی۔" فرمان ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بولو لوگوں سے تین دن،

اِلَّا رَمْزًا ؕ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

مگر اشارہ سے، اور یاد کرو اپنے رب کو بہت، اور اُس کی تسبیح کرو پچھلے دن میں اور صبح تڑکے ●

(عرض کیا پروردگارا کردے میرے لئے کوئی نشانی)، جو مقصود کی تحقیق پر دلالت کرے۔۔۔ یا۔۔۔اس بات پر دلالت کرے کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہوگئی ہے۔(فرمان ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بولو لوگوں سے تین دن، مگر اشارہ سے) اس تین دن میں انکی تین راتیں بھی شامل ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان تین دنوں میں آپ کو زبان سے کلام کرنے کی قدرت بھی نہ ہوگی اور پھر جب لوگوں سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا، تو پھر انہی ایام میں اللہ تعالیٰ کے ذکرو شکر کا بے فکری سے موقع مل جائیگا تا کہ وہ اس عطا کردہ نعمت کا کسی نہ کسی حد تک حق ادا کرسکیں۔ رہ گیا ان ایام میں کلام کی جگہ اشارہ سے کام لینا تو وہ اشارہ ہاتھ، سر، یا جسم کے کسی حصہ سے ہو یا انگلی سے، زمین پر لکھ کر ہو۔۔۔مگر۔۔۔زبان سے نہ ہو، یہ رمز دراصل کلام کے قائم مقام ہے۔ اس سے وہی مطلب ظاہر ہوسکتا ہے جو کلام سے حاصل ہوسکتا ہے اور اس سے وہی سمجھا جاتا ہے جو کلام سے سمجھا جاتا ہے۔ ان ایامِ 'ممنوعہ عن الکلام' میں اگرچہ دیگر کلام سے ممانعت ہے، لیکن ذکر الٰہی سے رکاوٹ نہیں۔

تو اے زکریا ذکر کرو (اور یاد کرو اپنے رب کو بہت اور اسکی تسبیح کرو پچھلے دن میں) زوال شمس سے لیکر غروب تک (اور صبح تڑکے) وقت طلوع فجر سے لیکر نصف النہار سے پہلے تک۔

۔۔۔المختصر۔۔۔اللہ تعالیٰ نے انہی ایام میں امور دنیا سے ان کی زبان کو روکا۔ صرف اشارہ کی اجازت بخشی، لیکن ذکر و تحمید کا حکم دیا، اسلئے کہ ان کی زبان نہایت فصیح و بلیغ تھی اور بیان کے روشن معجزات میں سے تھا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ آیت میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے، اسلئے کہ اللہ والے جب معرفت الٰہی کے دریا میں مستغرق ہوتے ہیں، ان کی عادت ہوتی ہے کہ اولاً ایک مدت تک ذکر لسانی میں مصروف رہتے ہیں، جب انکا دل ذکر اللہ کے نور سے بھر جاتا ہے تو ان کی زبان ذکر سے رک جاتی ہے اور دل جاری رہتا ہے۔

اسلئے عرفاء میں مشہور ہے کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے، تو اسکی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام زبان سے بولنے سے تو روکے گئے، لیکن ذکر و معرفت میں دل کو لگانے اور اس پر مداومت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر کے بعد اب خود حضرت مریم کا ذکر فرمایا جارہا ہے جنکی انھوں نے کفالت فرمائی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ۔۔۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب کہا فرشتوں نے، اے مریم، بے شک اللہ نے چن لیا تم کو، اور خوب پاکیزہ فرمایا،

وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۲﴾

اور اپنی خصوصیت میں دنیا بھر کی عورتوں میں تم کو منتخب کیا●

(**اور جب کہا فرشتوں**) کے عظیم المرتبت سردار حضرت جبرائیل (**نے، اے مریم بیشک اللہ**) تعالیٰ (**نے چن لیا تم کو**) اپنی طاعت وعبادت کے واسطے، اپنی مسجد بیت المقدس کی خدمت کے واسطے، چنانچہ آپکو حضرت زکریا کی تربیت میں دے دیا۔ جنتی غذاؤں سے نوازا اور بہترین کرامتیں عطا فرمائیں (**اور خوب پاکیزہ فرمایا**) کفر ومعصیت، افعال ذمیمہ، عادات قبیحہ اور مردوں کے جماع اور حیض و نفاس سے، (**اور اپنی خصوصیت میں دنیا بھر کی عورتوں میں تم کو منتخب کیا**) یعنی تجھے عیسیٰ جیسا بیٹا بغیر باپ کے عطا فرمایا، اور تم دونوں ماں بیٹے کو عالمین کیلئے اپنی ربوبیت کی دلیل بنایا۔ تو۔۔۔

يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم باادب رہو اپنے رب کیلئے، اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ●

(**اے مریم**) تم بھی حسب معمول (**باادب رہو اپنے رب کیلئے**) اسکی فرمانبرداری کرتی رہو اور اس کو راضی رکھنے کیلئے نماز کا قیام طویل کرو (**اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرو**) باجماعت (**رکوع کرنے والوں کے ساتھ**)۔

سجدہ و رکوع میں سجدہ کا ذکر مقدم فرمایا ہے، اسلئے کہ سجدہ خشوع وخضوع کا انتہائی مقام ہے اور نماز میں اعلیٰ درجات کا حامل ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ تمام ارکان پر فضیلت رکھتا ہے، اسی لئے اسکا ذکر رکوع سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے نماز کی خارجی ترتیب کی تعلیم مقصود نہیں ۔۔۔ اگرچہ۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ اگلی شریعت میں نماز کے ارکان کی ترتیب یونہی تھی کہ پہلے سجدہ پھر اسکے بعد رکوع۔۔۔ الختصر۔۔۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو، اور نہ تھے تم پاس ان کے، جب کہ وہ قلمیں پھینکتے تھے

اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ ۖ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

کہ کون کفیل ہو مریم کا، اور نہ تھے تم ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے●

اے محبوب، (یہ) ساری باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں، یعنی بی بی مریم، بی بی حنہ، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات (غیب کی خبریں ہیں)، ان پر مشاہدہ۔۔۔یا ۔۔۔کسی کتاب یا کسی کتاب سے پڑھے بغیر واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہاں کسی عالم دین سے حاصل کیا جائے۔۔۔یا۔۔۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے۔

پہلی تینوں تو حضور سرور عالم ﷺ کیلئے ناممکن تھیں، لامحالہ چوتھی متعین ہوگئی، یعنی یہ قصص وحی ربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔

جس کو (کہ) یہ (ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو)، تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق ہو اور کفار پر حجت قائم ہوجائے جو خواہ مخواہ کیلئے آپ سے جھگڑتے ہیں۔

یہ جھگڑنے والے جو حضور آیہ رحمت ﷺ کی وحی اور آپ کی نبوت کے منکر ہیں۔ اگر ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو خود سمجھ سکتے تھے، اسلئے کہ جب یہ مانتے ہیں کہ یہ واقعات اللہ کے محبوب نے صحیح وسچ بیان فرمائے ہیں، تو پھر یہ آپ کی نبوت کا انکار کیسے کرسکتے ہیں۔

ہاں اگر تم یہ حربہ استعمال کرو اور یہ دعویٰ کر بیٹھو حضور سرور عالم ان واقعات کے وقت وہاں موجود ہونگے، تو یہ تمہارے پرلے درجے کی بیوقوفی اور کھلی گمراہی کی واضح دلیل ہوگی۔ جو چیز روشن معجزات اور واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو، اسکا انکار پر انکار کرتے جاؤ اور اس کے برخلاف ایسے احتمال کو اپناؤ جو سراسر موہوم ہے، جسکا نہ کوئی سر نہ منہ اور جسے کوئی ذی شعور قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔

ان بے عقلوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر یہ سارے واقعات جو اللہ کے رسول نے بالکل صحیح صحیح بیان فرمائے ہیں، اگر یہ سب ان کو وحی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتے، تو پھر کیسے حاصل ہوئے؟ تو کیا آپ وہاں موجود تھے اور سب کچھ اپنے سر کی آنکھ سے ملاحظہ فرما رہے تھے؟ اگر ایسی بات ہے تو اس وقت وہاں پر آپ کی جسمانی موجودگی ثابت کرو اور ظاہر ہے کہ یہ ان کیلئے عقلاً ونقلاً محال ہے۔

حقیقت تو یہی ہے کہ اے محبوب، آپ اُس عہد میں اپنی ظاہری حیات کے ساتھ نہ تھے (اور نہ) ہی (تھے تم پاس ان کے) موجود (جبکہ وہ قلمیں پھینکتے تھے)، جن قلموں سے وہ تورات لکھا کرتے تھے، اس کو متبرک سمجھتے ہوئے اسی سے قرعہ اندازی کی اور اتفاق رائے سے نہر اردن میں ڈالا اور یہ پہلے ہی سے طے کرلیا تھا کہ جسکا قلم نہر کے پانی کے اوپر رہے گا، اسکی کفالت میں حضرت مریم کو دیا جائیگا ۔۔۔الغرض۔۔۔انھوں نے یہ قرعہ اندازی اسلیئے کی تا (کہ) وہ جان لیں (کون کفیل ہو) گا (مریم کا) اے محبوب (اور) اس وقت بھی (نہ تھے تم انکے پاس) موجود حضرت مریم کی کفالت کے واسطے (جب وہ جھگڑتے تھے)۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ مژدہ دیتا ہے تم کو ایک کلمہ کی اپنے پاس سے۔ جس کا نام ہے مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

عیسیٰ، فرزندِ مریم، جاہ وعزت والا دنیا اور آخرت میں، اور نزدیکوں سے ●

اے محبوب حضرت مریم کی ذات سے متعلق اس دوسری بات کو بھی یاد کرو کہ (جب کہا فرشتوں) کے سردار حضرت جبرائیل (نے) مریم سے، (اے مریم بیشک اللہ) تعالیٰ (مژدہ دیتا ہے تم کو ایک کلمہء) 'کن' کے مقدس و بابرکت ثمرہ (کی) جو اس نے (اپنے پاس سے) عطا فرمایا ہے (جسکا نام ہے مسیح عیسیٰ فرزندِ مریم)۔

حضرت جبرائیل نے ابن مریم کہہ کر بشارت دی، اس بشارت ہی سے ظاہر کردیا کہ آپ بے باپ ہونگے، جبھی تو ماں کی طرف ابنیت کی نسبت کی گئی ہے۔ اگر بالفرض باپ والے ہوتے تو نسبت باپ کی طرف کی جاتی۔ اس مقام پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عالم خلق ہو۔۔۔یا۔۔۔عالم امر، دونوں ہی کا عدم سے وجود میں آنا خدائے قادر مطلق کے ضابطہء کن فیکونی کے ہی ماتحت ہے، مگر عالم خلق میں وسائل واسباب کی بھی کارکردگی ہوتی ہے، بخلاف عالم امر کے امور کے، جو ظاہری اسباب و وسائل کے بغیر صرف لفظ 'کن' سے ظہور پزیر ہوجاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کا معاملہ بھی ایک جہت سے عالم امر کی مخلوق سے ملتا جلتا ہے، چونکہ وہ بے باپ تھے اور انکی ولادت معروف ومتعارف اور عادی اسباب کے تحت نہیں ہوئی۔۔۔الغرض

۔۔۔وہ صرف کلمہ ءرب، 'لفظ کن' کا نتیجہ ہیں اور یہی انھیں 'کلمۃ اللہ' لقب دینے کی وجہ ہے۔

دوسرا لقب آپ کا مسیح ہے، جسکا معنی عبرانی زبان میں مبارک ہے۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ یہ فرزند مریم بڑی **(جاہ وعزت والا)** ہے۔ **(دنیا)** میں عبادت یا نبوت یا محافظت یا بے باپ پیدا ہوجانے کے سبب سے۔۔۔یا۔۔۔آسمان پر اٹھالئے جانے۔۔۔یا۔۔۔آخر زمانہ میں دین محمدی پر عمل کرنے۔۔۔یا۔۔۔دجال کو قتل کرڈالنے کی وجہ سے **(اور)** یونہی وہ عزت و وجاہت والا ہے **(آخرت میں)**، شفاعت کی وجہ سے یا علو مرتبت کے سبب سے۔ **(اور)** کرامت الٰہی سے سرفراز، خدا کے مقربین اور اسکے قریب ترین **(نزدیکوں)** میں **(سے)** ہے۔۔۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارہ میں، اور بڑھاپے میں اور نیکوکار ہوں گے ●

(اور) اسکی شان یہ ہوگی کہ **(وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں)**، یعنی اے مریم وہ بچہ، لوگوں سے تمہاری گود میں بات کرے گا۔ یہی گود اسکے لئے گہوارہ ہوگی۔۔۔یا۔۔۔بچپنے میں جب وہ گہوارے میں جُھلانے کے قابل ہوگا، تو وہ اسی گہوارے میں بات کرے گا **(اور)** صرف بچپنے ہی میں نہیں، بلکہ وہ لوگوں سے کلام کرے گا اپنے **(بڑھاپے میں)** بھی جبکہ وہ ادھیڑ ہوجائیگا اور اسکے بال کھچڑی ہوجائینگے۔ گہوارے میں اسکی باتیں معجزہ ہونگی جس میں اسکی نبوت کا اعلان ہوگا اور اسکی مادر مہربان کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت ہوگی اور بڑھاپے میں جو گفتگو ہوگی، وہ دعوت ہوگی، یعنی لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلائے گا **(اور نیکوکار ہونگے)** یعنی وہ انبیاء کرام میں سے ہونگے۔

چونکہ بشریت کی فطرت ہے کہ اگر کوئی چیز عادت کے خلاف دیکھے۔۔۔یا۔۔۔سنے، تو اسکو حیرت و استعجاب لاحق ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں اظہار عظمت کیلئے زبان سے بطور تعجب سوالیہ معروضہ نکل سکتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

بولی "پروردگارا کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، حالانکہ نہیں چھوا مجھ کو کسی شخص نے۔" فرمایا اسی طرح اللہ پیدا

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

فرمادے جو چاہے۔ جب کسی امر کا حکم دیا تو بس اس کو فرمادیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے ●

چونکہ حضرت مریم نے پہلی بار سنا کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا، تو وہ (بولی پروردگارا، کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، حالانکہ نہیں چھوا مجھ کو کسی شخص نے)۔

اور یہ بات خلاف عادت ہے کہ بے شوہر عورت لڑکا جنے۔ حضرت مریم کا یہ معروضہ بطور استفسار و استفہام بھی ہوسکتا ہے، جواباً اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

(فرمایا اسی طرح اللہ) تعالیٰ (پیدا فرمادے جو چاہے)، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ عجیب و غریب انداز سے مخلوق پیدا فرمائے، تو وہ ویسے ہی پیدا فرمادیتا ہے۔۔۔ مثلاً: بچے کو باپ کے بغیر پیدا کرنا، یہ بھی اسکی مشیت میں داخل ہے اور یہ اس کیلئے کوئی مشکل کام نہیں، اسلئے کہ اسکی قدرت کاملہ کا عالم یہ ہے کہ اس نے (جب کسی امر کا حکم دیا) اور اسکے کرنے کا ارادہ فرمالیا (تو بس اس کو فرمادیتا ہے کہ ہوجا، تو وہ ہوجاتا ہے) اور اس کی پیدائش میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ جس طرح وہ اسباب و مواد کے ساتھ اشیاء پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی طرح بے کسی سبب اور بغیر مادے کے بھی اشیاء کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔۔۔ المختصر ۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے بے باپ حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمائے گا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

اور اللہ اس کو کتاب و حکمت اور توریت و انجیل سکھائے گا●

(اور) پھر (اللہ) تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے (اس کو کتاب) جو اسکے پہلے اتاری گئیں جیسے حضرت شیث اور حضرت ابراہیم کے صحیفے (وحکمت) یعنی حرام و حلال کا علم جو حکمت و شریعت ہے (اور تورات و انجیل سکھائے گا) یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔

آپ تعلیم تو سارے صحیفوں کی دیں گے، رہ گیا توریت و انجیل کا خصوصی طور پر ذکر، انکی فضیلت کی جہت سے ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ

اور رسول آل یعقوب کی طرف کرے گا، کہ میں لایا تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، کہ میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

بناتا ہوں تمہارے واسطے، جیسے پرند کی صورت، پھر پھونکتا ہوں اس میں، تو وہ پرند ہی ہوجاتا ہے اللہ کے حکم سے۔

وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ

اور تندرست کردیتاہوں پیدائشی اندھےاور کوڑھی کو، اور زندہ کردیتاہوں مردوں کو، اللہ کے حکم سے۔ اور بتادیتاہوں تم کو

وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۝۴۹

جوکچھ تم کھاتے اور جوکچھ جمع کرر کھتے ہو اپنے گھروں میں۔ بیشک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان والوں سے ہو●

(اور) مزید برآں ان کو رب تعالیٰ (رسول) بنا کر (آل یعقوب کی طرف) مبعوث (کرے گا) جن سے آپ فرمائینگے (کہ میں لایا تمہارے پاس) اپنی رسالت کی حقانیت وصداقت کی (نشانی، تمہارے رب کے طرف سے)۔ جو پانچ نشانیاں میں لیکر آیا ہوں، اس میں پہلی یہ ہے (کہ میں بناتا ہوں تمہارے واسطے) مٹی سے (جیسے پرند کی صورت، پھر پھونکتا ہوں اس میں، تو وہ پرند ہی ہوجاتا ہے اللہ کے حکم سے)۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ مٹی سے چمگادڑ کی شکل کا مجسمہ بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ مٹی کا جانور اڑنے لگتا تھا اور زمین وآسمان کے بیچ میں اڑا کرتا اور جب تک لوگوں کی نظروں میں رہتا، اڑا کرتا اور جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوجاتا، مردہ ہوکر زمین پر گر پڑتا تھا۔

(اور) دوسری نشانی یہ کہ (تندرست کردیتا ہوں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو)۔

آپ کے عہد میں یہ دونوں بیماریاں لاعلاج تھیں۔ ایسا کہ انکا تندرست کردینا خوارق عادات میں سے تھا۔ ویسے بھی حضرت مسیح کا جو طریقہء علاج تھا، اس طریقے سے تندرست کرنا آج بھی خرق عادت ہی ہے۔

(اور) تیسری نشانی یہ ہے کہ (زندہ کردیتا ہوں مردوں کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)، یعنی جو کچھ میں بطور اعجاز کرتا ہوں، اس میں میری ذاتی قدرت ومشیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کہ کوئی مجھ میں الوہیت کا گمان کرنے لگے، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی مشیت وقدرت سے ہوتا ہے ---ہاں--- اسکی قدرت کا ظہور میرے ذریعہ ہوتا ہے--- الغرض--- میں اسکی قدرت کا مظہر ہوں، نہ کہ خود قادر حقیقی۔

بعض مفسرین کے بقول، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چودہ[۱۴] مردے زندہ فرمائے، انہی میں ایک سام بن نوح تھے، جن کو وفات پائے چار ہزار برس کے قریب گزرے تھے۔

(اور) پانچویں نشانی یہ ہے کہ (بتادیتاہوں تم کو جو کچھ تم کھاتے) ہو (اور جو کچھ جمع کرر کھتے

ہوا اپنے گھروں میں)۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں اس طعام کی خبر دیتے جوانھوں نے کل کھایا۔۔۔یا۔۔۔ آئندہ کھائینگے اور بچوں کو مدرسہ میں خبر دیتے کہ تمہارے گھر یہ ہورہا ہے اور گھر میں کیا اور کہاں چھپا رکھا ہے۔ جب بچے واپس گھر لوٹتے، تو وہ اپنی منہ مانگی چیز لیتے اور اگر نہ ملتی تو روتے اور خود بتاتے کے فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے اور فلاں شے فلاں جگہ، اس پر گھر والے بچوں کو منہ مانگی چیز دینے پر مجبور ہوجاتے اور وہ لوگ حضرت عیسیٰ کو جادوگر قرار دیتے۔

(بیشک) جس جس معجزہ کا الگ الگ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اس **(اس)** کے ہر ایک **(میں ضرور نشانی ہے)** اور میرے دعویٰ کی سچائی کی دلیل ہے **(تمہارے لئے، اگر تم ایمان والوں سے ہو)** یعنی اگر تم اُن امور کو معجزہ باور کرنے والے ہو۔۔۔یا۔۔۔ مجھے پیغمبر ماننے والے ہو۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ

اور میں ہوں تصدیق کرتا اسکی جو میرے آگے ہے، توریت، اور تاکہ حلال کردوں تمہارے لیے بعض وہ چیز جو حرام کی گئی تھی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾

تم پر، اور لایا ہوں میں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔۔۔ تو اللہ کو ڈرو اور میری اطاعت کرو●

سن لو **(اور)** یاد رکھو کہ **(میں ہوں تصدیق کرتا اسکی جو میرے آگے ہے)** یعنی **(توریت)** جسے میرے پہلے حضرت موسیٰ پر نازل کیا جاچکا ہے، جسکی میں تصدیق کرتا ہوں اور اسکے کلامِ الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ **(اور)** اس تصدیق و شہادت کا سوا، میری بعثت اسلئے بھی ہے **(تاکہ حلال کردوں تمہارے لئے بعض وہ چیز جو حرام کی گئی تھی تم پر)**۔۔۔مثلاً: مچھلی، اونٹ کا گوشت، گائے بکری کی چربی اور بعض پرند **(اور لایا ہوں میں نشانی تمہارے رب کی طرف سے)** جو واضح برہان ہے اور میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے **(تو)** رسالت کے دلائل کو قبول نہ کرنے اور اسکے مدلول سے مخالفت کرنے پر **(اللہ)** تعالیٰ **(کو ڈرو اور)** ان امور میں جنکا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور جن برائیوں سے میں روکتا ہوں، ان میں **(میری اطاعت کرو)** اور اچھی طرح سے یقین کرلو۔

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

بے شک اللہ میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے تو اسی کو پوجو۔ یہ سیدھا راستہ ہے●

(بیشک اللہ) تعالیٰ ہی (میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے) اور پھر جب ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے، تو پھر پوجنے کیلئے صرف اسی کی ذات ہے (تو اسی کو پوجو)، (یہ) بلکہ یہی (سیدھا راستہ ہے) جو اپنے چلنے والے کو بہشت تک پہنچاتا ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے، یہی وہ حق صریح ہے جس پر تمام انبیاء کرام کا اتفاق ہے اور یہ رسول یعنی حضرت عیسیٰ بھی منجملہ انھیں سے ہیں، تو یہ بھی انھیں کی طرح اللہ تعالیٰ کی واضح برہان ہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

پس جب دیکھا عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار کو، کہا کون میرا مددگار ہے اللہ کی طرف، حواری لوگ

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

بولے، "ہم مددگار ہیں اللہ کیلئے۔ ہم مان گئے اللہ کو۔ اور گواہ ہو جائیے کہ ہم بے شک مسلمان ہیں●

حضرت عیسیٰ کے تعلق سے حضرت جبرائیل نے جو بشارتیں دیں، وہ ہو کر رہیں اور پھر جب وہ سب بالکل ہو کر کھل کر سامنے آگئیں۔۔۔ نیز۔۔۔ بعض لوگوں کی حضرت عیسیٰ کے شہید کر دینے کی ریشہ دوانیاں بھی جاری رہیں۔

(پس جب) مکمل علم یقین حاصل ہو گیا، ایسا کہ کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہ گیا اور ایسا محسوس کیا کہ گویا چشم سر سے (دیکھا عیسیٰ نے) اور پوری طور پر محسوس کر لیا اپنے اوپر (ان) بعض ایمان نہ لانے والوں اور آپ کو شہید کر دینے کا پکا ارادہ کر لینے والوں (کی طرف سے انکار کو)۔

ان بدبختوں کے سر، انکارِ نبوت کا جادو ایسا چڑھ گیا کہ اب انھیں عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ایسی صورت حال جب سامنے آئی تو حضرت عیسیٰ نے اپنے ان بارہ عدد مخلصین کو جنکی آپ سے محبت اور آپ کی اطاعت ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر تھی، اپنی اور دین الٰہی کی نصرت کیلئے دعوت دی۔ ان بارہ نفوس میں بعض مچھلیوں کے شکاری تھے اور بعض دھوبی، بعض رنگ ریز۔

چنانچہ آپ نے دعوت دی اور (کہا کون میرا مددگار ہے، اللہ) تعالیٰ (کی طرف) کہ میرے وہ مددگار جن کی مدد سے میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور التجا کر سکوں، یعنی اقامت دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا۔ (حواری لوگ بولے ہم مددگار ہیں، اللہ) تعالیٰ کے دین کے وجود و بقا اور اس کے فروغ و ارتقا (کیلئے)، کیونکہ (ہم) پہلے ہی سے (مان گئے) اور مان چکے ہیں (اللہ) تعالیٰ

(کو) اور ظاہر ہے جو ایمان والا ہوگا وہی دین و رسول کی مدد کرے گا اور اسکے اولیاء کو انکے دشمنوں سے بچائے گا اور اسکے دین کے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔

(اور) اے پیغمبر آپ بھی (**گواہ ہو جائیے کہ ہم بیشک مسلمان ہیں**) اور خدا اور رسول کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اور اس سے ہمارا مقصود صرف اخروی سعادت کا حصول ہے۔

پیغمبر کی بارگاہ میں اپنے کو پیش کر دینے کے بعد اب خود بارگاہ الٰہی میں اپنے کو پیش کر رہے ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔۔۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

پروردگار امان گئے ہم جو تو نے اتارا، اور فرماں بردار ہوگئے رسول کے، تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے" ●

(**پروردگار امان گئے ہم جو تو نے**) اپنے پیغمبر پر (**اتارا**) یعنی ہم انجیل پر ایمان لا چکے (**اور فرمانبردار ہو گئے رسول کے**) یعنی ہم حضرت عیسیٰ کے دین پر ہیں۔۔۔یا۔۔۔وہ جو احکام ہماری طرف لائے ہیں۔۔یا۔۔جن امور سے وہ روکتے ہیں، ہمارا ان سب پر پختہ ایمان ہے۔ تو اے پروردگار (**تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے**) جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لکھ دے جو اپنے تابعداروں کی گواہی دینگے۔۔۔یا۔۔۔ہمیں حضرت محمد ﷺ کی امت میں لکھ دے، جو یقینی طور پر شہداء علی الناس ہیں۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

اور سب فریب کھیلے اور اللہ نے اسکا جواب دیا، اور اللہ فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے ●

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں کے کفر و سرکشی سے آگہی ہو گئی تھی، ان یہودیوں نے آپ کو انواع و اقسام کے حیلوں سے گرفتار کر لیا اور گھر میں قید کر کے رات بھر پہرہ رکھا اور صبح تڑکے اکٹھا ہو کر اپنے سردار یہودا کو گھر میں بھیجا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باہر لائے۔

اسی شب حق تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا تھا، چنانچہ جب یہودا گھر میں گیا، تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں پایا۔۔۔اور۔۔۔حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی شبیہ اس پر ڈال دی، پھر جب وہ باہر نکلا اور یہ کہنا چاہا کہ عیسیٰ یہاں نہیں ہیں، تو باہر جو لوگ تھے اس سے لپٹ گئے، ہر چند وہ کہتا رہا کہ میں فلاں شخص ہوں، کسی نے کچھ خیال نہ کیا، وہ نالہ و فریاد

ع ۵ (۱۳)

کرتا رہا، مگر لوگوں نے اسے سولی پر چڑھا دیا اور اس پر تیر برسانا شروع کردیا۔ اس طرح ذلت ورسوائی کے ساتھ اسے قتل کر ڈالا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان مکر کرنے والوں نے مکر کیا **(اور سب فریب کھیلے، اور اللہ) تعالیٰ (نے) ان کے (اس) فریب (کا جواب دیا)** کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دوست کو سولی چڑھا دی۔

اور پھر جب یہ غور کیا کہ جسکو ہم نے قتل کردیا اسکا چہرہ تو حضرت عیسیٰ کے چہرے کی طرح ہے، لیکن اسکا باقی جسم ان کے اس فرستادہ کی طرح ہے جس کو حضرت عیسیٰ کو شہید کرنے کیلئے۔۔۔یا۔۔۔گھر سے باہر لانے کیلئے انھوں نے گھر میں بھیجا تھا۔ اس پر انکا آپس میں سخت جھگڑا ہوا۔

فریبیوں کو ان کے فریب کا عبرتناک بدلہ مل گیا **(اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **(اللہ) تعالیٰ (فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے)**۔ یہ بدطینت یہود بھلا حضرت عیسیٰ کو کیسے شہید کرسکتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں سے بچانے والا ہے۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰىٓ إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ

جبکہ فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ بیشک میں پوری عمر دینے والا ہوں تمکو، اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور صاف ستھرا بچانیوالا ہوں تم کو ان سے جو

كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

انکار کر بیٹھے ہیں، اور بلند کرنے والا ہوں ان کو جنھوں نے تمہاری پیروی کی ان پر جنھوں نے انکار کردیا قیامت تک۔

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر میری طرف ہے تمہارے لوٹنے کی جگہ، تو میں فیصلہ کروں گا تم لوگوں کا جس میں تم اختلاف رکھتے تھے ●

چنانچہ اے محبوب یاد کرو اس وقت کو **(جبکہ)** ارشاد **(فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے)** حضرت عیسیٰ سے، کہ **(اے عیسیٰ بے شک میں پوری عمر دینے والا ہوں تم کو)**، اس میعاد تک جو میں نے تیرے لئے لکھی ہے۔۔۔الغرض۔۔۔تم اپنی طبعی موت ہی سے وفات پاؤ گے، نہ کہ کسی سے مقتول ہوکر، **(اور)** تمہارے اعزاز واکرام کیلئے **(اپنی طرف)** یعنی اپنے فرشتوں کی قرارگاہ وطیرانگاہ کی طرف **(اٹھانے والا)** اور آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچانے والا **(ہوں، اور صاف ستھرا بچانے والا ہوں تم کو ان)** کی

گندی صحبت، بری ہمسائیگی اور خراب معاشرت (سے، جو) تمہارے قتل کا ارادہ اور تم سے مکر کر کے تم سے کفر اور تمہارا (انکار کر بیٹھے ہیں)۔۔۔الغرض۔۔۔میں ایسوں سے تم کو نجات دینے والا ہوں (اور بلند کرنے والا ہوں) تمہارے (ان) ایمان والوں (کو جنھوں نے تمہاری پیروی کی، ان) یہودیوں (پر جنھوں نے) تم پر ایمان لانے اور تمہاری پیروی کرنے سے (انکار کر دیا)۔ان کی یہ برتری اور یہ غلبہ ہمیشہ یعنی (قیامت تک) رہے گا۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت کرنے میں دلائل و براہین کی روح سے عیسائی ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہیں گے۔۔۔یا۔۔۔قیصروں کی مدد کے باعث تلوار کی رو سے نصاریٰ یہودیوں پر غالب آئے اور ہمیشہ غالب رہیں گے۔ (پھر) قیامت میں (میری) ہی (طرف ہے) تمہاری اور (تمہارے) متبعین۔۔۔نیز۔۔۔منکرین کے (لوٹنے کی جگہ) تو جب تم میری طرف رجوع کرو گے (تو میں فیصلہ کرونگا تم لوگوں کا) ان امور دین میں (جس میں تم اختلاف رکھتے تھے)۔

یہودی حضرت موسیٰ کو ماننے والے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں۔نصاریٰ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔صرف مسلمان ہی ہیں جو حضرت آدم سے لیکر حضرت خاتم علیہم السلام تک ہر ہر نبی پر ایمان لانے والے ہیں، وہ بھی نبی آخر الزماں کی ہدایات کے مطابق۔تو جب یہ سارے لوگ میری بارگاہ عدالت میں حاضر ہونگے تو میں صاف صاف واضح کردونگا کہ حق والے کون ہیں؟ اور باطل کدھر ہے؟

ویسے تو ہمارے رسول اور ہماری کتابوں نے حق و باطل کو خوب خوب واضح کر دیا ہے لیکن قیامت میں اس سچائی کو ہر ایک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا، ایسا کہ کسی کیلئے اسکے خلاف لب کشائی کی گنجائش ہی نہیں رہ جائیگی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

پس جنھوں نے انکار کر دیا ہے تو ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا اور آخرت میں،

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار●

(پس) یہود و نصاریٰ بخوبی جان لیں کہ یہ خود اور ان کے سوا وہ سب (جنھوں نے انکار کر دیا

ہے) ان سب کو میری پکڑ میں آنا ہی ہے (تو) میں (ان کو سخت عذاب دونگا، دنیا) میں مجاہدین کی تلواروں کے ذریعہ، قید و بند اور جزیہ دینے کی ذلت و رسوائی مسلط کر کے اور مختلف بیماریوں، مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا کر کے۔۔۔

خیال رہے کہ دنیاوی تکالیف و مصائب اور بیماریاں و آزاریاں کافر کیلئے سزا ہیں، لیکن مومن کے حق میں جزاء ہیں، جو مومن کیلئے دافع سیئات اور رافع درجات ہوتی ہیں۔

۔۔۔کافروں کو سزا دنیا میں بھی دونگا (اور آخرت میں) بھی جہنم کے عذاب میں مبتلا کر کے، (اور نہ ہوگا) میرے عذاب سے (انکا) چھڑانے والا (کوئی مددگار) اور کوئی حامی و ناصر۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

لیکن جو مان گئے اور نیک کام کیے، تو پورا پورا دے گا ان کو ان کا اجر۔

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو●

(لیکن) وہ لوگ (جو مان گئے اور نیک کام کیے) یعنی امت مرحومہ محمدی ﷺ، (تو پورا پورا دیگا انکو انکا اجر) وثواب دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں درست کامی کی شکل میں۔ رہ گئے وہ لوگ جو ایمان ہی نہیں لائے اور نیک عمل انجام نہیں دئے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، تو وہ کان کھولکر سن لیں (اور) یاد رکھیں کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا ظالموں کو) اور ان سے راضی نہیں ہوتا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾

یہ ہم پڑھتے ہیں تم پر کچھ آیتیں اور حکمت بھری نصیحت●

اے محبوب! (یہ) کلام جو انبیاء کرام کے قصوں میں مذکور ہوا، میرے حکم سے جبرائیل امین نے آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کو پڑھ کر سنایا، تو چونکہ انکا پڑھنا اور جو کچھ پڑھ کر سنایا، وہ سب میرے ہی حکم سے تھا اور اسے آپ کو سنانا میں نے ہی چاہا تھا، تو اب جبرائیل امین کی تلاوت اور انکا آپ کے روبرو پڑھنا، گویا خود میرا ہی پڑھنا ہے، تو گویا خود (ہم پڑھتے ہیں) اور تلاوت کرتے ہیں (تم پر) تمہارے روبرو (کچھ آیتیں) جو آپ کی رسالت کے ثبوت پر دلالت کرتیں ہیں، اسلئے کہ یہ

وہ علامات ہیں کہ سوائے کتاب اللہ کے قاری کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوسکتیں۔۔۔یا۔۔۔وہ جان سکتا ہے جسکی طرف یہ آیات اتریں۔اور ظاہر ہے کہ آپ نہ لکھتے ہیں نہ کسی سے جا کر پڑھتے ہیں، تولامحالہ ماننا پڑے گا کہ واقعی یہ آیات وحی ربانی ہیں۔(**اور حکمت بھری نصیحت**)، یعنی قرآن ایسا محفوظ کلام ہے کہ اس میں خلل ونقصان کا شائبہ تک نہیں۔

قرآن کریم نے اگر حضرت عیسیٰ کو عبداللہ، کلمۃ اللہ، رسول اللہ کہا ہے، تو یہ ایک سچی حقیقت ہے۔نجران کے نصاریٰ اگراس کو حضرت عیسیٰ کے حق میں گالی سمجھتے ہیں، تو یہ انکی پرلے درجے کی نادانی ہے۔نجرانی نصاریٰ نے صرف اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہیں تھے، انھیں خدا کا بیٹا سمجھ لیا، یہ کتنی نامعقول بات ہے کہ جو بے باپ کا ہوتو وہ خدا کا بیٹا ہوجائے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ

بے شک عیسیٰ کی مثال، اللہ کے نزدیک، جیسے آدم کی مثال ہے،

خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾

پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر حکم دیا اس کو کہ ہوجا فوراً ہوجاتا ہے●

تو اے محبوب! ان نادانوں کو سنادو کہ (**بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ**) تعالیٰ (**کے نزدیک جیسے آدم کی مثال ہے**) باپ نہ ہونے میں، یعنی دونوں کا کوئی باپ نہیں، دونوں کی تخلیق انسانوں کی تخلیق کے تعلق سے جو عادت مستمرہ ہے اس سے خارج ہے، دونوں کے پیکر انسانی کے اجزائے مادیہ کو کسی انسان کی صلب کی راہ سے گزرنا نہیں پڑا اور دونوں ہی کی تخلیق لفظ 'کن' سے فرمائی گئی۔چنانچہ (**پیدا فرمایا ان کو**) یعنی آدم کو (**مٹی سے**)، یعنی اوّلاً مٹی کا ایک مجسمہ تیار کردیا (**پھر حکم دیا اس**) پیکر خاکی (**کو کہ ہوجا**) تو اس حکم کو پاکر وہ (**فوراً ہوجاتا ہے**)۔۔۔الختصر۔۔۔اللہ تعالیٰ نے خاک کو کہا آدم ہوجا، وہ آدم ہوگئی، اور ہوا سے کہا عیسیٰ ہوجا، تو وہ عیسیٰ ہوگئی۔

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۶۰﴾

بالکل حق ہے تم سب کے رب کی طرف سے تو نہ ہو شک کرنے والوں سے●

اے محبوب اور انکے دامن کرم سے وابستہ انکے امتیوں، یہ جو حضرت عیسیٰ کے تعلق سے بات

کہی گئی ہے یہ (بالکل حق ہے تم سب کے رب کی طرف سے، تو نہ ہو شک کرنے والوں سے) اس بات میں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مثال کی طرح ہے، تو مسلمانو، تم نصاریٰ کی طرح شک میں نہ پڑو۔ چونکہ وہ تو ظن وتخمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس تمثیل کے نور کی چمک وہ نہیں دیکھ سکے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

تو جس نے بھی حجت نکالی ان کے بارے میں بعد اس کے کہ آچکا تم تک علم، تو کہہ دو کہ لو اب آجاؤ، ہم بلالیں

اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ

اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو۔۔۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

پھر مباہلہ کریں، تو مانگیں اللہ کی پھٹکار، جھوٹوں پر●

(تو) اے محبوب! (جس نے بھی حجت نکالی) اور کٹ حجتی کی (انکے) حضرت عیسیٰ کے (بارے میں بعد اس کے کہ آچکا تم تک علم) حضرت عیسیٰ کے تعلق سے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔۔۔نیز۔۔۔آپ کے پاس ایسے دلائل ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ حق پر ہیں چونکہ ضلالت وگمراہی نے انکو اندھا کر دیا ہے اسلئے یہ حجت بازی پر تلے ہوئے ہیں۔

(تو کہہ دو لو اب آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو، پھر مباہلہ کریں تو مانگیں اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار جھوٹوں پر)۔

پھر نبی کریم میدان مباہلہ کی طرف اس شان سے نکلے کہ امام حسین آپ کی گود میں، امام حسن آپکا ہاتھ تھامے ہوئے، حضرت فاطمہ زہراء، آپکے پیچھے اور حضرت علی انکے پیچھے۔

آپ نے سب کو ہدایت کر دی تھی کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔

جب ان نورانی چہروں پر نصرانیوں کے سردار کی نظر پڑی، وہ چیخ پڑا کہ اے میرے ساتھیو! ان بزرگواروں کی دعائے ہلاکت سے بچو۔ قسم خدا کی میں دیکھتا ہوں کہ اگر یہ خدا سے چاہیں تو پہاڑوں کو بھی ان جگہوں سے ہٹا دیں اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم نے انکی تجویز منظور کر لی اور انکے ساتھ مل کر انکو دعائے ہلاکت کا موقع دے دیا اور پھر انھوں نے ہلاکت کی دعا کر بھی دی، پھر تو تمام روئے زمین میں ایک نصرانی بھی زندہ نہ رہے گا۔

پس اگر تم اپنے دین پر قائم ودائم رہنا چاہتے ہو تو چھوڑو جھگڑا اور کرو کوچ اور چلو اپنے اپنے گھروں کو۔ اور یہ صرف نصرانیوں کے سردار کا خیال نہیں تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ حضور آیہ رحمت ﷺ کا بھی ارشاد ہے، کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تباہی وبربادی اہل نجران کے سروں پر منڈلا رہی تھی، اگر وہ مباہلہ کرتے تو فوراً بندر اور خنزیر کی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے اور انکی وادی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور انہیں وہ تباہی نصیب ہوتی کہ نہ صرف وہ مٹ جاتے بلکہ انکے اہل وعیال کے ساتھ انکے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کی بھی بیخ کنی ہو جاتی اور صرف ایک سال کے اندر اندر ان کا ستیاناس ہو جاتا۔

ابتداءً مباہلے کیلئے آمادگی ظاہر کر کے پھر مکر جانا، انکے تمام مذہبی اور سیاسی سربرآوردہ لوگوں کی طرف سے خود انکے اپنے باطل ہونے کا کھلا اعتراف ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ سب اپنے دینی نظریات میں جھوٹے نہیں تھے، تو جھوٹوں کی ہلاکت کی دعا سے خوفزدہ کیوں ہو گئے اور وہ بھی ایسا خوف، بڑی ہی آسانی سے جزیہ دینا منظور کر لیا اور اسلامی حکومت کی سیاسی ماتحتی قبول کر لی۔ اور دنیا میں ذلیل وخوار ہو کر رہنے کو منظور کر لیا۔۔۔ الحاصل۔۔۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام وغیرہ کے واقعات کے تعلق سے جو بیان کیا گیا۔۔۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ

بے شک یہی ہے ٹھیک بیان اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا،

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

اور بیشک ضرور اللہ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے●

(بے شک) وہ (یہی ہے) بالکل (ٹھیک) اور حق (بیان)، یہ جھوٹی اور من گھڑنت کہانیاں نہیں، جو نصاریٰ بیان کرتے ہیں۔ نصاریٰ کا تین خدا ماننا بھی انکا ایک باطل نظریہ ہے، اسلئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے (اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ) تعالیٰ (کے سوا اور بے شک ضرور اللہ) تعالیٰ (ہی غلبہ والا) اور (حکمت والا ہے)۔

یعنی جمیع مقدورات پر قادر اور جمیع معلومات کو محیط ہے، نہ کوئی اسکا قدرت میں شریک ہے اور نہ ہی حکمت میں تو پھر اسکی الوہیت میں کسی کے شریک ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

پھر اگر انھوں نے بے رخی کی، تو بلاشبہ اللہ فساد مچانے والوں کو جاننے والا ہے●

(پھر اگر انھوں نے بے رخی کی) توحید اور اس حق کو قبول کرنے سے جسکے دلائل ظاہرہ اور براہین کا معائنہ بھی کرچکے ہیں اور مباہلہ کرنے سے بھی انکار کریں تو انکی مذکورہ بالا بے رخی اور انکار ہی فساد کی حقیقت ہے۔ (تو) ایسے فسادی کان کھول کر سن لیں کہ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (فساد مچانے والوں کو جاننے والا ہے) اور وہ ان کے قلبی ارادوں پر بھی مطلع ہے اور اسے معلوم ہے کہ انکے اغراض فاسدہ کیا ہیں اور پھر انکو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ

کہہ دو کہ اے اہل کتاب، آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں تم میں برابر ہے، یہ کہ نہ پوجیں مگر اللہ کو،

وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ

اور نہ شریک مانیں اس کا کسی چیز کو، اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب، اللہ کو چھوڑ کر

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

پھر اگر منہ پھیریں تو تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہو، کہ ہم سب مسلمان ہیں●

اے محبوب یہ فسادی حق کو قبول کرنے میں کتنی بھی بے رخی کا مظاہرہ کیوں نہ کرتے ہوں، مگر تم اپنا فریضۂ نبوت ادا کرتے رہو اور ان کتابیوں سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے)۔

یعنی اے اہل کتاب نصرانیوں اور مدینہ کے کتابی یہودیو! آؤ ہم سب آپس میں ان نظریات پر اتفاق کرلیں جن پر ہمارے اور تمہارے پاس موجود خدا کی طرف سے نازل کردہ کتابیں متفق ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ اس نظریہ پر نہ کسی رسول کو اختلاف ہے اور نہ ہی کسی خدائی کتاب کو۔ ظاہر ہے کہ جس نظریہ کے صحیح اور درست ہونے پر سارے رسولوں اور ساری آسمانی کتابوں کا اتفاق ہو، اس نظریہ کو، اس رسول کو، اپنا رسول اور اسکی لائی ہوئی آسمانی کتاب کو اپنی کتاب ماننے والے کو لازمی طور پر قبول کرلینا چاہئے، اسلئے کہ رسول و کتاب پر ایمان لانے کے

بعد انکی ہدایت کومن وعن قبول نہ کرنا، بلکہ اسکی خلاف ورزی کرنا، یہ منافقت اور سرکشی کی بد ترین صورت ہے۔

ان متفقہ نظریات میں پہلا نظریہ (یہ) ہے (کہ نہ پوجیں مگر اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی عبادت کا مستحق سوائے اُسکے اور کسی کو نہ سمجھیں۔اس میں ہم اور تم پر خلوص ہو جائیں (اور) دوسری بات یہ ہے کہ (نہ شریک مانیں اسکا کسی چیز کو) یعنی استحقاقِ عبادت میں اسکا کوئی شریک نہ بنائیں (اور) تیسری بات یہ ہے کہ (نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔۔۔مثلاً: معاذ اللہ، یہ کہیں عزیر ابن اللہ، عیسیٰ ابن اللہ، اور نہ ہم علماء کی وہ باتیں مانیں جوانھوں نے از خود دین میں نکالی ہیں۔اپنی مرضی سے جس کو چاہا حلال کر دیا اور جس کو چاہا حرام قرار دیا، اپنے خود ساختہ قوانین کو خدائی قوانین کی طرح ماننے اور منوانے لگے۔

(پھر اگر) وہ (اپنا منہ پھیریں) اور روگردانی کریں اس سے کہ جسکی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، ترک اشراک (تو) اے مومنین (تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم سب مسلمان ہیں) یعنی اب تم پر حجت قائم ہو چکی اور معترف ہو جاؤ کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔

یہ یہود ونصاریٰ بھی عجیب تھے جن امور پر انھیں غور وفکر کرنا چاہئے، جو روش اپنانی چاہئے، اس سے پہلو تہی کرتے اور غیر ضروری مباحث ومسائل میں شعوری۔۔۔یا۔۔۔غیر شعوری طور پر دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے، اور پھر اس سلسلہ میں ایسے احمقانہ دعوے کر جاتے جس سے ایک عام آدمی بھی انھیں عقل وشعور سے عاری خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

چنانچہ انھوں نے ایک بحث عجیب چھیڑ دی کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے۔۔۔یا۔۔۔نصرانی؟ یہودی انھیں یہودی بتاتے اور نصاریٰ نصرانی کہتے، حالانکہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس اور حضرت عیسیٰ کے دو ہزار برس قبل تھے، اس وقت نہ توریت تھی نہ انجیل، تو پھر اس عہد والے کا موسوی۔۔۔یا۔۔۔عیسائی، بلفظ دیگر یہودی۔۔۔یا۔۔۔نصرانی ہونا چہ معنی دارد۔اس طرح کے دعووں کے مدعی خود اپنی ہی رسوائی کا سامان فراہم کر لیتے ہیں۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ

اے اہل کتاب کیوں حجتیں کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت

وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾

وانجیل مگران کے بعد، تو کیا عقل نہیں رکھتے●

تو (اے اہل کتاب) یہود ونصاریٰ! تم دونوں گروہ (کیوں) جھگڑتے ہواور (حجتیں کرتے ہو) حضرت (ابراہیم کے) دین کے (بارے میں) کہ وہ یہودی تھے۔۔۔یا۔۔۔نصرانی؟ (حالانکہ) انکے عہد میں (نہیں اتاری گئی توریت)، یہود جسکی شریعت پر عمل کرنے کے مدعی ہیں (و) نہ ہی نازل فرمائی گئی (انجیل) نصاریٰ جس کے حکم کی تعمیل کے دعویدار ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں یعنی توریت وانجیل ضرور نازل فرمائی گئیں (مگر) علی الترتیب (انکے) ایک ہزاراور دوہزار سال کے (بعد،تو) اے کتابیو! (کیا) تم تھوڑی سی بھی (عقل نہیں رکھتے)، دیکھوحق تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے۔

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَيۡسَ لَـكُمۡ

سنو، تم وہی ہو کہ حجتیں نکالیں اس میں جس کا تم کو علم ہے، تو اس میں کیوں کٹ حجتی کرتے ہو جس کا تمہیں

بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾

کچھ علم نہیں۔ اور اللہ علم رکھتا ہے اور تم سب بے علم ہو●

غور سے (سنو تم وہی ہو) جو (کہ) اپنی کٹ حجتی کی عادت سے مجبور ہو کر (حجتیں نکالیں) اور بلاوجہ کی بحثیں کریں، (اس) شئے (میں جسکا تم کو علم ہے) اور وہ ہے نعت مصطفیٰ ﷺ، جو توریت و انجیل میں تم نے پڑھی تھی اور اسے پھر تم نے بدل دیا تھا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جو باتیں معلوم ہوں، اس کو چھپانا، اس میں تحریف کر دینا اور اسکے تعلق سے عادلانہ اور منصفانہ گفتگو نہ کرنا۔۔۔الغرض۔۔۔جانی بوجھی باتوں کے تعلق سے تمہاری کج بحثی تو رہتی ہی تھی، جس پر تم اپنے اہل کتاب اور صاحب علم ہونے کی دھونس جمایا کرتے تھے۔ مگر اب تم نے ایسی باتوں کے تعلق سے بھی بحث شروع کردی جسکا تمہاری کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔ غور کرو کہ حضرت ابراہیم کے یہودی۔۔۔یا۔۔۔نصرانی ہونے کا جب تمہاری کتاب میں ذکر ہی نہیں، تو تمہیں کیسے علم ہوا کہ وہ کیا تھے؟

(تو اس میں کیوں کٹ حجتی کرتے ہو جسکا تمہیں کچھ علم نہیں) غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ جس بات میں تم جھگڑتے ہو (اللہ) تعالیٰ ہی اسکا (علم رکھتا ہے اور) حقیقت حال ومحل نزاع سے (تم سب بے علم ہو)۔ حقیقت حال یہی ہے کہ۔۔۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

نہ تھے ابراہیم یہودی، اور نہ نصرانی، لیکن تھے

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾

حق پرست، مسلمان۔ اور نہ تھے مشرکوں سے●

(**نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ**) ہی (**نصرانی، لیکن تھے حق پرست**) پاک، موحد اور برے عقائد سے منحرف (**مسلمان**)، خلوص رکھنے والا اور بارگاہِ الٰہی میں سرِ تسلیم خم کردینے والا (**اور نہ تھے مشرکوں سے**)۔

اسکے برخلاف اے کتابیو! تم حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی الوہیت کے اعتقاد کے سبب مشرک ہوگئے، تو تم سب اور تمہارے سوا دوسرے مشرکین عرب جو اپنے کو دین ابراہیمی والا کہا کرتے تھے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کو ابراہیمی۔۔۔یا۔۔۔دین ابراہیمی والا قرار دیں۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ

بے شک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم کے وہ ہیں، جنھوں نے ان کی پیروی کی تھی، اور یہ نبی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾

اور جو ان کو مان گئے۔ اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا●

غور سے سن لو کہ (**بے شک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم کے وہ ہیں جنھوں نے انکی پیروی کی تھی**) اور ان پر ایمان لاکر ان کے حکم کی اطاعت کی تھی (**اور یہ نبی**) ﷺ جو ملت ابراہیمی والا ہے (**اور جو انکو مان گئے**) خواہ وہ اہل شرک سے رہا ہو۔۔۔یا۔۔۔اہل کتاب سے، پیغمبر اسلام پر ایمان لانے کے بعد، وہ اس بات کا مستحق ہوجاتا ہے کہ اپنے کو ابراہیمی قرار دے، اسلئے کہ پیغمبر اسلام اور آپ کے سارے ماننے والے امتی اصولی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کے موافق ہیں۔ (**اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا**)، انکا دوست اور انکا کام بنانے والا ہے اور انکے ایمان کی وجہ سے انکے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمانے والا ہے۔

اور جب ایمان و نیک عمل والوں کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ انکا دوست اور انکا والی و ناصر

ہے توان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان وعمل کی حفاظت کیلئے پورے طور پر ہوشیار رہیں، اسلئے کہ ایمان کے لٹیرے گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح پہلے بھی بعض کتابیوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو گمراہ کرنے اور اپنے دین میں لانے کی کوشش کی تھی۔ ایسے ہی ہر ایمان والوں کے تعلق سے۔۔۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ

آرزو بنالیا ایک جمعیت نے اہل کتاب سے، کہ کاش تم لوگوں کو گمراہ کردیں۔ اور نہیں گمراہ کرتے

اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

مگر خود کو، اور نا سمجھ ہیں●

(آرزو بنالیا ایک جمعیت نے اہل کتاب سے) جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، (کہ کاش تم لوگوں کو گمراہ کردیں) راہِ راست سے ہٹا کر، اسلام سے برگشتہ کردیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں بھٹکاتے (اور نہیں گمراہ کرتے مگر خود کو)، اسلئے کہ گمراہ گری کا وبال خود انہی کی طرف لوٹے گا۔ انکے جہنم کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ لیکن یہ اسقدر نادان (اور نا سمجھ ہیں) کہ سمجھتے ہی نہیں کہ وہ وبال اور عذاب اور ان کے کردار کا ضرر الٹا ان کے گلے پڑے گا۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کی آرزو رکھنے والو، خود کو ہدایت سے کیوں دور کر رکھا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا، حالانکہ تم خود مشاہدہ کر رہے ہو●

جواب دو (اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) جن پر تورات و انجیل شاہد ہیں اور جو نبوت محمدی پر دلالت کرتی ہیں (حالانکہ تم خود مشاہدہ کر رہے ہو) اور تم اس پر شاہد ہو کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

اے اہل کتاب، کیوں ملاتے ہو حق کو باطل سے، اور چھپاتے ہو حق کو، جان بوجھ کر●

اور (اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل سے، اور چھپاتے ہو حق کو جان بوجھ کر)۔

کتنی بڑی زیادتی اور گمراہی کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر نازل ہونے والی کتابوں میں تحریف کر کے، اپنے باطل کو ان کتابوں کے حق کے ساتھ ملا دیتے ہو اور اس طرح حق وباطل کو گڈمڈ کر دیتے ہو، اور اپنی خود غرضی سے جو جو تحریفات کی ہیں، اس باطل کو حق کے رنگ میں پیش کرتے ہو۔

۔۔۔الغرض۔۔۔آسمانی کتابوں کے حق کے ساتھ اپنے گڑھے ہوئے باطل کو ایسا خلط ملط کر دیا کہ حقیقت وسچائی حجاب اندر حجاب ہوگئی۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضور نبی کریم کی نبوت اور آپ کی نعت اور خوبیاں سب حق ہیں اور اسکا ذکر تمہاری کتابوں میں بھی ہے۔۔۔المختصر۔۔۔ اے کتابیو، جان بوجھ کر تمہاری یہ حرکتیں تمہاری دنیا وآخرت کی رسوائیوں کا سبب ہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ

اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ مان لیا کرو اس کو جو اتارا گیا ہے

اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ایمان والوں پر صبح سویرے اور مرتد ہو جاؤ اس سے شام کو، شاید مسلمان لوگ بھی مرتد ہو جائیں ●

اے کتابیو! تم نے مکر وفریب کی بھی حد کر دی۔ چنانچہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے تم نے ایک نرالی چال چلی (**اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے**)، اور وہ بارہ آدمی تھے (**کہ مان لیا کرو اس کو جو اتارا گیا ہے ایمان والوں پر صبح سویرے**) (**اور مرتد ہو جاؤ اس سے شام کو، شاید مسلمان لوگ بھی مرتد ہو جائیں**)۔ کتابیوں نے یہ کتنا بڑا جال پھیلا دیا تھا کہ پہلے ایمان لانے کا ڈھونگ رچائیں، پھر یہ کہہ کر کہ ایمان لانے میں ہم سے بھول ہوگئی، بعد میں ہم نے تحقیق کی اور اپنے علماء سے بحث وتمحیص کیا، تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہماری کتابوں میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے، وہ محمد عربی ﷺ نہیں ہیں۔ ہم کو جو نشانیاں بتائی گئی ہیں، وہ سب ان میں نہیں پائی جارہی ہیں، اسلئے ہم اپنے دین پر واپس آگئے اور انکے دین کو چھوڑ دیا۔

یہ سب کچھ انھوں نے اس خیال سے کیا کہ شاید کچھ لوگ اس سے متاثر ہو جائیں اور وہ بھی کھل کر مرتد ہو جائیں۔۔۔یا۔۔۔کم از کم دین اسلام کی حقانیت سے مشکوک ہو جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى

اور تم لوگ نہ مانو مگر اس کو، جس نے تمہارے دین کی پیروی کرلی۔ کہہ دو کہ بیشک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ اور یہ کہ کوئی دیا

اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ

جائے ویسا جو تم کو دیا گیا، یا دوسرے لوگ تم سے جیت جائیں تمہارے پروردگار کے پاس۔ کہہ دو بیشک فضل

بِیَدِ اللّٰهِۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌۚۙ﴿۷۳﴾

اللہ کے قبضہ میں ہے، جس کو چاہے اس کو دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

جن لوگوں کو اس کام کیلئے تیار کیا تھا کہ صبح کو ایمان لانا اور رات کو انکار کردینا، ان کو یہ ہدایت بھی کردی تھی کہ یہ ایمان لانا محض دکھاوے کیلئے ہو، (اور تم لوگ) پر لازم ہے کہ دل سے (نہ مانو مگر اس کو جس نے تمہارے دین کی پیروی کرلی) یعنی ظاہری طور پر رسول عربی پر ایمان کا مظاہرہ کرنا، لیکن قلبی طور پر صرف اپنے دین والوں کو ماننا، نہ کہ حضور کے ماننے والوں کو۔

لیڈروں نے یہ بھی ہدایت کردی تھی کہ ہماری آپس کی ان ساری باتوں کو صیغہء راز میں رکھنا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

اے محبوب (**کہہ دو کہ بے شک ہدایت اللہ**) تعالیٰ (**کی ہدایت ہے**)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر جو آیات نازل کی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو انکی طرف ہدایت دینا چاہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور اسلام اور رسول عربی کے خلاف تمہاری ساری سازشیں۔ مکر وفریب، دجل وتلبیس کوئی اثر نہیں کرسکتا۔

یہودیوں کے سرداروں نے اپنوں کے سوا کسی کو نہ ماننے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ تم اپنوں کے سوا کسی کی نہ مانو (**اور یہ**) بھی نہ مانو (**کہ کوئی دیا جائے**) گا (**ویسا جو تم کو دیا گیا**) ہے (**یا دوسرے لوگ تم سے جیت جائیں گے تمہارے پروردگار کے پاس**) قیامت میں، یعنی قیامت میں حجت قائم کرکے تمہارے اوپر غالب ہوجائینگے۔ اسلئے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے مخالفین کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت قائم کرے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ تمہیں جو علم وفضل دیا گیا، وہ اور کسی کو نہیں دیا جائیگا، اور یونہی تمہارے رب کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت بھی نہ پیش کرے گا کہ تم کو وہاں کوئی شرمندگی اٹھانی پڑے۔۔۔الغرض۔۔۔ مکر وفریب اور گمراہ گری کے ہر طریقے کو بروئے کار لایا گیا۔

اے محبوب ان کی خام خیالیوں کے جواب میں (کہہ دو بیشک فضل اللہ) تعالیٰ (کے قبضہ قدرت) (میں ہے، جس کو چاہے اسکو دے اور اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) بہت رحمت والا ہے اور (علم والا ہے) اور مستحقین پر فضل فرمانے والا ہے۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

مخصوص فرمالے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ●

(مخصوص فرمالے اپنی رحمت) اسلام، قرآن، نبوت (سے جسے چاہے اور اللہ) تعالیٰ (بہت بڑے فضل والا ہے) مومنوں پر۔

---الغرض--- فضل یعنی ہدایت و توفیق اور علم و کتاب کی عطا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت میں ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس پر فضل فرمانا چاہتا ہے، اسے اپنے محبوب کے قریب کردیتا ہے اور اسے اپنے محبوب کی مخلصانہ غلامی عطا فرمادیتا ہے۔ اپنی نجی زندگی میں بھی وہ امانت و دیانت کا پیکر ہوجاتا ہے۔ اب اگر وہ پہلے اہل کتاب ہی کا ایک فرد رہا ہو، لیکن اسلام قبول کرلینے کے بعد اس میں شان اسلام صاف نظر آنے لگتی ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور کوئی کتابی وہ ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو ایک انبار کا، تو اس کو ادا کردے تمہارے پاس، اور کوئی وہ ہے کہ

اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ

اگر امین بناؤ اس کو محض ایک اشرفی کا، تو اس کو ادا نہ کرے تمہارے پاس، مگر جبکہ ہمیشہ اس پر ڈٹے کھڑے رہو،

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ

یہ اس سبب سے کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ امی لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور لگاتے ہیں اللہ پر جھوٹ، دیدہ و دانستہ ●

(اور) اے محبوب تم تو بخوبی واقف ہو کہ (کوئی کتابی وہ ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو ایک انبار کا)، یعنی اسکے پاس بطور امانت کثیر مال رکھ دو (تو) وہ (اسکو) حسب وعدہ تمہیں (ادا کردے) گا اور

(تمہارے پاس) بخوشی پہنچادے گا، جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام جنکے پاس کسی قریشی نے ایک ہزار دوسواوقیہ سونا بطور امانت رکھا اور پھر جب قریشی نے طلب کیا تو آپ نے ادا کردیئے۔

(اور) انکے برعکس (کوئی) کتابی (وہ) بھی (ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو محض ایک اشرفی کا تو) طلب کرنے پر (اس کو) بھی (ادانہ کرے تمہارے پاس) بآسانی خوشی خوشی۔ ہاں (مگر جبکہ ہمیشہ اس پر ڈٹے کھڑے رہو) تقاضے پر تقاضہ کرتے رہو۔ ایسا مسلط ہوجاؤ کہ وہ بھی تنگ آجائے، مگر اتنا کچھ کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ تم کو امانت دے ہی دے، جیسا کہ کعب بن اشرف نے کہا جسکے پاس ایک قریشی نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو، کعب بن اشرف نے اسے مانگنے پر واپس نہ دیا بلکہ سرے سے منکر ہوگیا۔

کتابیوں میں (یہ) بددیانتی اور خیانت (اس سبب سے) آگئی (کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ امی لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں)، یعنی ہم پر آخرت میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ ہی کوئی گناہ۔ ان کے اس اعتقاد کی بنیاد دراصل انکا یہ خیال تھا کہ جو کوئی توراۃ نہ جانے، وہ امی ہے اور امیوں کا مال وہ اپنے واسطے حلال جانتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ توریت نے ہمارے لئے یہ امر درست کردیا ہے کہ ہم اپنے دین کے مخالفوں کے ساتھ خیانت کریں (اور) یہ کیسے جری و بے باک ہیں کہ (لگاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) اور وہ بھی (دیدہ ودانستہ)۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ خیانت حرام ہے اور تمام شریعتوں اور سب ملتوں میں امانت ادا کرنے کا حکم ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

ہاں ہاں جس نے پورا کردیا اپنے عہد کو اور پرہیزگار رہا تو، بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو●

(ہاں ہاں) یہ کس خام خیالی میں ہیں، یقیناً عرب سے بھی خیانت کرنے میں ان کی گرفت ہوگی۔ ہاں بے شک اس کی گرفت نہیں ہوگی (جس نے پورا کردیا اپنے عہد کو) جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا اور یہ تھا کہ اے اہل کتاب تم محمد ﷺ پر ایمان لانا اور امانتیں ادا کرنا (اور) جو (پرہیزگار رہا) شرک وخیانت سے، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو) جو دھوکا کرنے، خیانت اور عہد شکنی سے ڈرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ

بیشک جو لیتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنے قسموں کے بدلے بے حقیقت چیز قیمت، وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ

لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

انکے لیے آخرت میں، اور نہ ان سے کلام فرمائے اللہ، اور نہ نظر کرے انکی جانب قیامت کے دن،

وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۷۷﴾

اور نہ پاک فرمائے ان کو، اور انکے لیے عذاب ہے دکھ والا●

ان کے برعکس (بے شک جو لیتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے بے حقیقت چیز) بطور (قیمت)، اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں ان سے عہد لے لیا تھا کہ یہ رسول پاک پر ایمان لائیں گے اور امانتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور انھوں نے بھی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم ان پر ایمان لائیں گے اور انکی مدد کریں گے۔

ان میں سے جو لوگ اس عہد کو پورا نہیں کرتے اور وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور اس عہد شکنی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دنیا کا تھوڑا حقیر مال خریدتے ہیں۔ ایک طرف تو انھوں نے رسول عربی پر ایمان نہ لا کر عہد شکنی کی، دوسری طرف رسول عربی کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں، انکو چھپالیا، اور ان کتابوں میں بیان کردہ جو خدائی احکام ہیں، انکو بدل ڈالا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے قوانین گڑھ کے اسکو اپنی کتاب میں شامل کرلیا اور پھر مزید شرمناک جرأت وجسارت کا مظاہرہ کیا اور قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو باور کرانے لگے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں وہ ہی صحیح ہے اور ہم پر نازل فرمودہ کتابوں کی ہدایات کے مطابق ہے۔

یہ سب کچھ کرنے کے بدلے میں کسی سے ایک صاع جوَ لے لیا اور کسی سے چند گز کپڑے حاصل کرلئے۔ کعب بن اشرف اور اس جیسے یہ سودا بازی کرتے رہے۔

یہ جن کے اوصاف قبیحہ اوپر بیان کئے جاچکے ہیں (وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ انکے لئے آخرت میں) جو ان کے کام آسکے، انکی قسمت میں نہ تو آخرت کا ثواب ہے اور نہ ہی آخرت کی نعمتیں (اور) ان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا عالم یہ ہوگا کہ (نہ ان سے کلام فرمائے) گا (اللہ) تعالیٰ (اور نہ) ہی (نظر) رحمت (کرے) گا (انکی جانب، قیامت کے دن اور نہ پاک فرمائے) گا گناہوں اور ان کی بداعمالیوں کی آلائشوں سے (ان کو، اور)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (ان کیلئے عذاب ہے دکھ والا)، جسکا دکھ دائمی ہے جو کبھی کاٹنے سے نہ کٹے۔ قیامت میں انکی سخت اہانت کی جائیگی۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ

اور بیشک ان میں ایک جماعت ہے کہ توڑ موڑ کرتے ہیں اپنی زبان کو کتاب میں، تا کہ تم لوگوں کو خیال ہو کہ یہ کتاب ہی کا جز ہے،

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ

حالانکہ وہ کتاب سے نہیں، اور بک دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

اور افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ، جان بوجھ کر●

(اور بیشک ان) توریت میں تحریف کرنے والوں، حضور نبی پاک کی نعت بدل ڈالنے والوں اور ان باتوں کو انجام دینے کیلئے رشوت لینے والوں (میں) کعب بن اشرف اور اس جیسے اس کے ساتھیوں کی (ایک جماعت ہے کہ توڑ موڑ کرتے ہیں اپنی زبان کو کتاب) پڑھنے کی صورت (میں)، اور اپنی زبانوں کو نازل کردہ حکم سے محرف کی طرف پھیرتے ہیں، یعنی اصل جو کتاب کا نازل فرمودہ حکم ہے، اس کو دبا لیتے ہیں۔ اور اسکی جگہ خود اپنا تحریف کردہ حکم پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور یہ بددیانتی بلا تکلف ایک جھٹکے میں کر جاتے ہیں (تا کہ تم لوگوں کو خیال ہو، یہ کتاب ہی کا جز ہے۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں) ہے۔

(اور) اس پر انکی بے شرمی کا عالم یہ ہے کہ وہ (بک دیتے ہیں کہ یہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) نازل فرمودہ کتاب توریت سے (ہے)۔ (اور) حقیقت حال یہ ہے کہ (وہ اللہ) تعالیٰ (کی جانب سے) نازل کردہ کتاب تورات سے (نہیں ہے)۔ تو جب صورت حال یہ ہے کہ انکا تحریف کردہ خدا کا کلام نہیں (اور) یہ اسے خدا کا کلام باور کرانا چاہتے ہیں تو انکا اس کلام کو خدا کا کلام قرار دینا جو فی الواقع خدا کا کلام نہیں ہے، تو اپنے اس طرز عمل سے یہ (افتراء کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، یعنی گڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر رہے ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں اور یہ کام کچھ نادانی اور لاعلمی میں نہیں کر رہے ہیں بلکہ دیدہ و دانستہ (جان بوجھ کر) کر رہے ہیں۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اور انھیں اس بات کی بھی بخوبی خبر ہے کہ خیانت حرام ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

کسی بشر کو حق نہیں کہ اللہ تو اس کو دے کتاب، اور حکم، اور پیغمبری، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

کہ ہو جاؤ تم میرے ہی بندے اللہ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا، کہ ہو جاؤ اللہ والے،

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾

کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے اور خود پڑھتے رہے ●

سابقہ آیات میں یہودیوں کے افتراء کا ذکر تھا اور اب آگے نصاریٰ کے افتراء کا ذکر فرمایا جارہا ہے، جوانھوں نے انبیاء علیہم السلام پر تراشا۔ نجران کے نصاریٰ کہتے تھے کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا کہ ہم انکو اپنا رب سمجھیں، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے افتراء سے پاک تھے، نہ انھوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنی عبادت کا حکم دیا اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ۔۔۔

(کسی بشر کو) خواہ وہ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں (حق نہیں)، اور اسے لائق نہیں (کہ اللہ) تعالیٰ (اس کو دے کتاب)۔۔۔ مثلاً: انجیل (اور حکم) یعنی قضیوں کے فیصلے اور معاملات کو حل کرنے کی سمجھ، (اور پیغمبری) یعنی نبوت و رسالت کی ذمہ داری، تو وہ خدا کی طرف دعوت دینے کی بجائے خود اپنی طرف دعوت دینے لگے اور خدا سے بے نیاز کر کے اپنا نیاز مند بنالے۔

اور جب یہ سب نعمتیں اسے مل جائیں (پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ ہو جاؤ تم میرے ہی بندے، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔

نبی بندے کو رب سے چھڑانے نہیں آتا۔ وہ بندوں کو اپنا غلام اگر بناتا ہے تو اپنی عبادت کرانے کیلئے نہیں، بلکہ خدا ہی کی عبادت کرانے کیلئے۔ نبی پر ایمان کے بغیر خدا پر ایمان، نبی کی اطاعت کے بغیر خدا کی اطاعت، نبی کی غلامی کے بغیر خدا کی بندگی، اور نبی کی محبت کے بغیر خدا کی محبت چونکہ ناممکن ہے، اسلئے نبی سب کو اپنے قریب کرتا ہے اور جب قوم ایمان وعمل کے لحاظ سے نبی کے قریب ہو جاتی ہے، تو پھر حقیقی معنوں میں خدا کی عبادت گزار ہو کر خدا والی ہو جاتی ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ نبی کبھی بھی نہیں کہے گا کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے ہو جاؤ (لیکن) یہ ضرور (کہے گا کہ) مجھ پر ایمان لا کر اور میرے اطاعت شعار بن کر (ہو جاؤ اللہ) تعالیٰ (والے) اور اللہ والا

ہونا ہی تمہاری شایان شان ہے کسی غیر خدا کو اپنا معبود اور اپنا رب بنا لینے سے۔ کیوں (کہ تم) اپنے نبی پر نازل شدہ (کتاب کی تعلیم دیتے رہے اور خود) بھی اسے (پڑھتے) پڑھاتے (رہے)۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ

اور نہ حکم دے گا تم کو کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو رب۔ کیا حکم دے گا تم کو

بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

کفر کا؟ اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو●

(اور) یونہی (نہ حکم دے گا) وہ کتاب ونبوت والا (تم کو، کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو رب)، بھلا وہ اسطرح کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ اور اسطرح کا حکم دینا اس سے کیسے ممکن ہے؟ **(کیا) وہ (حکم دیگا تم کو کفر کا، اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو؟)** جسکا کام کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکالنا ہو، جو ہر طرح کی گمراہیوں کے دلدل سے نکالنے کیلئے مبعوث کیا جاتا ہو، اسکی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرنا جس سے کفر وشرک کی دعوت دیتا ہوا نظر آئے، کہاں کا انصاف ہے؟ بلکہ یہ افتراء کی بدترین شکل ہے۔

اب اگر بعض مشرکوں نے فرشتوں کی عبادت کی اور یہود ونصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کی عبادت کی، تو یہ سب کچھ کسی نبی برحق کی ہدایات سے نہیں کی ہے، بلکہ اپنے طاغوتوں کی اطاعت میں کیا ہے۔۔۔ المختصر۔۔۔ نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ پر یہ الزام لگانا کہ انھوں نے حکم دیا کہ انھیں رب اور معبود بنالیا جائے سراسر باطل ہے۔

یہ یہود ونصاریٰ بھی عداوت وحسد میں حد سے گزر گئے تھے۔ انکی کتابوں نے ان پر خوب واضح کردیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عالم ارواح میں۔۔۔ یا۔۔۔ بذریعہ وحی یہ عہد لے لیا ہے کہ، اگر ان کے زمانے میں سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہوگئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نصرت کریں گے اور سارے نبیوں کو یہ ہدایت بھی کردی گئی کہ وہ اپنے امتیوں سے یہ عہد لیتے رہیں گے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس عہد میں ہر ہر نبی کا امتی اپنے اپنے نبی کا تابع ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور جبکہ لیا اللہ نے پیغمبروں کا حتمی وعدہ، کہ جب میں نے دے دیا ہو تم کو کتاب وحکمت،

ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥۚ

پھر آ گیا تمہارے پاس رسول سچ بتا تا ہوا، جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور اسکو مان جانا اور اسکی ضرور مدد کرنا،

قَالَ ءَأَقۡرَرۡتُمۡ وَأَخَذۡتُمۡ عَلَىٰ ذَٰلِكُمۡ إِصۡرِيۖ قَالُوٓاْ أَقۡرَرۡنَاۚ

فرمایا کہ تم لوگوں نے کیا اقرار کیا، اور اپنے اس اقرار پر میری بھاری ذمہ داری لی، سب بولے ہم نے اقرار کیا۔

قَالَ فَٱشۡهَدُواْ وَأَنَا۠ مَعَكُم مِّنَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿٨١﴾

فرمایا تو سب گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں ●

چنانچہ اے محبوب ﷺ اپنی نگاہِ علم وادراک سے دیکھو (اور) یاد کرو اس عظمت والے واقعہ کو (جبکہ) لے (لیا اللہ) تعالیٰ (نے پیغمبروں کا) ان کی امت کو انکا تابع رکھتے ہوئے ایسا عہد، جو ٹل نہ سکے یعنی (حتمی وعدہ) اس وقت (کہ جب میں نے دے دیا ہو تم کو کتاب وحکمت) یعنی حلال وحرام کے احکام اور حدود کے بیانات۔۔۔ الغرض۔۔۔ کتاب بھی اور اسکی سمجھ بھی، (پھر آ گیا تمہارے پاس) میرا عظیم (رسول) محمد ﷺ (سچ بتا تا ہوا) اور تصدیق کرتا ہوا اس کتاب وحکمت کی (جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور) بالضرور (اس کو مان جانا)، دل کی سچائی کے ساتھ اس پر ایمان لانا، (اور اسکی ضرور مدد کرنا)۔

اور اگر تمہارے زمانے میں نہ آئے تو اسکی صفتیں اور نعتیں بیان کر کے اپنی اپنی امتوں کو اسکی یاری اور مددگاری کا حکم کرتے رہنا اور سب سے ان پر ایمان اور ان کی نصرت کا عہد لیتے رہنا۔

پھر (فرمایا) رب تعالیٰ نے (کہ تم لوگوں نے کیا اقرار کیا، اور اپنے اس اقرار پر میری بھاری ذمہ داری لی)۔ مودبا (سب بولے ہم نے اقرار کیا) پھر (فرمایا) رب تعالیٰ نے (تو سب گواہ ہو جاؤ) انبیاء کے اقرار پر (اور میں خود) بھی (تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں) انکے اس اقرار پر۔

فَمَن تَوَلَّىٰ بَعۡدَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ ﴿٨٢﴾

تو پھر جو پھرا اس کے بعد، تو وہی نافرمانوں سے ہے ●

(تو پھر جو پھرا) یعنی منہ پھیر لیا اس رسول پر ایمان لانے سے اور اسکی مدد کرنے سے، (اس) عہد وپیمان (کے بعد، تو) بیشک (وہی نافرمانوں سے ہے)۔ یعنی فرمان اور ایمان۔۔۔ نیز۔۔۔ عہد و

پیمان کے دائرے سے باہر نکل جانے والوں میں سے ہے۔۔۔

جس میثاق کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ میثاق اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھا اور وہ اسے بخوبی جانتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں، انکے کافر ہونے کا کوئی سبب ہی نہیں تھا سوائے عداوت وحسد کے، تو وہ شیطان کی طرح حسد میں مبتلا ہو کر کفر کے مرتکب ہوئے۔ پس انھیں اللہ تعالیٰ نے جتلایا کہ جب اہل دنیا اس نہج کو پہنچ جائینگے تو سمجھ لینا کہ وہ ایسے دین کو طلب کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کا غیر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔۔۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

تو کیا اللہ کے دین کے سوا چاہتے ہیں؟ حالانکہ اسی کیلئے سر ڈال دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

خوشی خوشی اور دباؤ سے، اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے●

(تو کیا) یہ نافرمان اور حق سے انحراف کرنے والے عہد شکن لوگ (اللہ) تعالیٰ (کے دین کے سوا) کوئی دوسرا دین (چاہتے ہیں) اور کسی اور کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہتے ہیں (حالانکہ) ساری کائنات اسی کے آگے سرنگوں ہے اور (اسی کیلئے سر ڈال دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے)۔ اس میں اہل آسمان رغبت سے (خوشی خوشی، اور) اہل زمین کی اکثریت کراہت سے اور (دباؤ سے) مجبور ہو کر، یا جن وانس کے سوا ساری مخلوق رغبت سے خوشی خوشی اور جن وانس کی اکثریت کراہت سے مجبور ہو کر، بارگاہِ خداوندی میں یہ سرنگوں ہونے والے کیوں نہ سر جھکائیں، اسلئے کہ انھیں بخوبی پتہ ہے (اور) معلوم ہے کہ زمین اور آسمان کے اندر رہنے والے سب (اسی کی طرف لوٹائے جائینگے)۔

یعنی جو آج اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو آخر اسے بھی اسکے حضور پیش ہونا ہے اور پھر سب کو معلوم ہے کہ اسکے سوا ذاتی طور پر نفع ونقصان کا کوئی مالک نہیں۔ اس میں دین حق کے مخالف کیلئے بہت بڑی سخت وعید ہے۔

اس آیت سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں؟ اس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرنے کی مذمت فرمائی گئی، تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ کا دین کون سا ہے؟ اور کون سا دین اختیار کیا جائے؟

تو اے محبوب اسکے جواب میں واضح کردو کہ تم پر جو کتاب نازل کی گئی اور تم سے پہلے انبیاء کرام پر جو کتابیں اور احکام نازل کئے گئے ان سب پر ایمان لانا، یہی اللہ کا دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

کہہ دو کہ ہم نے مان لیا اللہ کو، اور جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

ویعقوب اور آل یعقوب پر، اور جو دیئے گئے موسیٰ وعیسیٰ، اور تمام پیغمبر اپنے رب کی طرف سے ہیں،

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

نہیں تفریق کرتے ماننے میں انکے کسی میں، اور ہم اس اللہ کے فرماں بردار ہیں●

تو اے محبوب صاف لفظوں میں دین خداوندی کی وضاحت کرتے ہوئے (کہہ دو ہم نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو)، وہ یکتا ہے ذات میں اور بے ہمتا ہے صفات میں (اور) مان لیا اس کو (جو اتارا گیا ہم پر) یعنی قرآن کریم کو (اور) مان لیا اس کو (جو اتارا گیا ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب اور آل یعقوب پر) یعنی حضرت ابراہیم پر نازل شدہ صحیفے، اسلئے کہ یہ سارے بزرگوار شریعت ابراہیمی پر تھے اور صحائف ابراہیمی ہی کی تبلیغ پر مامور تھے۔

(اور) ہم نے مان لیا ان کو (جو دیئے گئے موسیٰ وعیسیٰ) یعنی توریت وانجیل (اور) جو عطا کئے گئے (تمام پیغمبر اپنے رب کی طرف سے ہیں)۔۔۔ مثلاً: حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت داؤد اور حضرت شعیب وغیرہم علیہم السلام پر نازل شدہ صحیفے۔۔۔ الختصر۔۔۔ ہم سب کو مان گئے چنانچہ ہم (نہیں تفریق کرتے ماننے میں، انکے کسی میں) بلکہ ہم سارے انبیاء کرام کو ماننے والے ہیں۔

رہ گئے یہود ونصاریٰ تو انکا حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ یہ لوگ بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، (اور ہم) تو (اس اللہ) تعالیٰ (کے فرمانبردار ہیں) جسکے رسولوں اور جسکی نازل فرمودہ ساری کتابوں پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا اور اسلام کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اسلام کو چھوڑ کر کسی دین کو اپنا لیا جائے۔ اسلئے کہ نجات اسلام ہی میں ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ

اور جو چاہے اسلام کے سوا کسی دین کو، تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور وہ آخرت میں ٹوٹے والوں سے ہے ●

(اور) اب اسلام کی موجودگی میں (جو چاہے اسلام کے سوا کسی دین کو، تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا)۔ اسکا اپنایا ہوا دین، (اور وہ) دین اسلام ترک کرنے کی وجہ سے (آخرت میں ٹوٹے والوں سے ہے)، آخرت میں اسکے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہ ارشاد انکے لئے جو دین اسلام کے سوا اور کسی دین کے طالب ہیں تہدید ہے۔ جو لوگ دین اسلام کی دولت سے مشرف ہوکر اسکے دامن کو چھوڑ دیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں، انکے تعلق سے ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ۔۔۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ

کس طرح ہدایت بخشے اللہ ایسی قوم کو جس نے انکار کیا مان جانے کے بعد، اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول

حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

حق ہے اور آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں۔ اور اللہ ہدایت نہیں بخشا ظالم قوم کو ●

(کس طرح ہدایت بخشے اللہ) تعالیٰ (ایسی قوم کو جس نے انکار کیا مان جانے کے بعد اور) اسکے بعد کہ (گواہی دے چکے تھے کہ رسول) بر (حق ہے اور)۔۔۔ نیز۔۔۔ اسکے بعد کہ (آچکی تھیں انکے پاس روشن نشانیاں) قرآن کریم اور نبی کریم کے معجزات۔

یہ بارہ آدمی تھے کہ دین اسلام سے منہ موڑ کر پھر کافروں میں مل گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو حق اور ہدایت کے بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہونے اور پھر اسکو قبول کر لینے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو اگر اللہ تعالیٰ بطور سزا از خود ہدایت نہیں دیتا اور پھر اگر وہ ارتداد پر نادم اور تائب ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ انکی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔ تو یہ سب بڑے ہی عدل وفضل کے فیصلے ہیں۔

جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جان چکے اور پھر اس کو مان بھی چکے، اسکے بعد وہ کسی باطل غرض کی بنا پر مرتد ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ انکو جبراً ہدایت نہیں دیتا کہ

انکو بزور طاقت اسلام میں داخل کردے۔۔۔ہاں۔۔۔جوازخودنادم اور تائب ہواور اسلام کی طرف پلٹ آئے، تواللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسکی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جان بوجھ کراپنے کفر پر ڈٹے اوراڑے رہنے والے ہدایت خداوندی کے مستحق نہیں۔اوراگروہ کفر ہی پر مرگئے، پھر توانھیں جنت کے راستے کی ہدایت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔تو۔۔۔جان لو (اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہدایت نہیں بخشتا ظالم قوم کو) یعنی ان لوگوں کو جنھوں نے اپنی نظر کی کوتاہی سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، کہ ایمان کی بجائے کفر کواختیار کیا۔جب وہ ایسے ظالم سے محبت نہیں کرتا تو پھراس سے کیسے محبت کرے گا جوایمان لاکر پھر کافر ہوجائے، یعنی مرتد ہوجائے۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴿۸۷﴾

وہ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی●

ایمان لاکر کافر ہوجانے والے لوگ (وہ ہیں، جنکا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ) تعالیٰ کی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہیں گے (اور فرشتوں) کی، یعنی فرشتے ہمیشہ ان سے بیزار رہیں گے اور دعا کرتے رہیں گے، کہ رب تعالیٰ انھیں اپنی رحمت سے دور رکھے (اور سب لوگوں کی)، یعنی سب مومن لوگ انکی مذمت کرتے رہیں گے اور انکے لئے رحمت الٰہی سے دور رہنے کی دعا مانگتے رہیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ﴿۸۸﴾

اس میں ہمیشہ رہنے والے، نہ تخفیف کی جائے گی ان سے عذاب کی، اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے●

وہ (اس) لعنت اوراسکے اثر یعنی عذاب الٰہی (میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) نیز (نہ تخفیف کی جائیگی) دوزخ میں (ان سے عذاب کی)، وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے، اس سے کبھی نہیں نکالے جائینگے۔دوزخ کے عذاب میں تو فرق ہوسکتا ہے، مگر رہیں گے وہ دوزخ ہی کے عذاب میں، اور جسکے لئے جوعذاب مقدر کیا جاچکا ہے اسکو ہلکا نہ کیا جائے گا (اور نہ) ہی (وہ مہلت دیئے جائینگے) کہ وہ دنیا کی طرف رجوع کرسکیں۔۔۔یا۔۔۔ایک وقت سے دوسرے وقت تک کیلئے عذاب میں تاخیر کردی جائے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾

مگر جو تائب ہو چکے اس کے بعد، اور اپنی اصلاح کرلی۔ تو بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

(مگر) وہ لوگ جناب احدیت اور حضرت ربوبیت میں (جو تائب ہو چکے اسکے بعد)، یعنی حق سے انحراف کے بعد (اور اپنی اصلاح کرلی) یعنی عقائد واعمال میں جو خرابی پیدا کرلی تھی اسے درست کرلیا، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے گنہ گاروں کا اور (رحمت والا ہے) سیہ کاروں کیلئے۔

جب حارث بن سوید جو مرتد ہونے والے بارہ افراد میں سے ایک تھا، کے بھائی نے ایک شخص کے بدست یہ آیت اپنے بھائی حارث کے پاس بھیجی۔ حارث نے آیت پڑھ کر اس آدمی سے کہا کہ میں نے ہرگز کبھی تجھ سے جھوٹ نہیں سنا اور میرا بھائی بھی رسول خدا پر افتراء نہیں کرتا اور رسول بھی خدا پر جھوٹ نہیں جوڑتا اور خدا سب سے زیادہ سچا ہے، پس میں کیوں ناامید ہوں۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ وہ توبہ کرتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوا اور رجوع کرتے وقت یہی آیت، ان گیارہ آدمیوں پر پڑھی۔ انھوں نے توبہ سے انکار کر کے جواب دیا کہ اب تو ہم مکہ میں رہتے ہیں اور راہ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اور انکے یار و مددگار مغلوب ہوجائیں۔ اگر ہمارا یہ مطلب حاصل ہوگیا، تو یہی ہماری مراد ہے ورنہ ہم جب چاہیں گے دین اسلام کی طرف رجوع کرلیں گے اور ہماری توبہ بھی ہوجائیگی۔ ایسوں کیلئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد، پھر بڑھے کفر میں، تو نہ میسر ہوگی ان کو مقبول توبہ،

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾

اور وہی گمراہ لوگ ہیں ●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) خدا اور رسول کے ساتھ ان پر (ایمان لانے کے بعد، پھر بڑھے کفر میں) اپنے کفر پر ثابت قدم رہ کر۔۔۔ نیز۔۔۔ اس توبہ کی آیت کا بھی انکار کر کے، (تو نہ میسر ہوگی انکو مقبول توبہ)۔ ان سے ایسی توبہ کی توفیق ہی چھین لی جائیگی جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو (اور وہی) کفر پر قائم رہنے والے لوگ (گمراہ لوگ ہیں) جو راہِ ہدایت سے ہٹے ہوئے ہیں اور بدبختی کے میدان میں ہلاک ہونے والے ہیں۔

اس مقام پر کافروں کو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ جب وقت آیگا تو ہم فدیہ دیکر اپنے کو عذاب سے بچالیں گے اسلئے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم

بے شک جنھوں نے کفر کیا، اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں، تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی سے

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

زمین بھر سونا، گو اس کو وہ اپنی رہائی کیلئے دے۔ وہ ہیں جن کے لیے دکھ دینے والا عذاب،

أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں) یعنی مرنے سے پہلے اپنے کفر سے توبہ نہیں کی (تو ہرگز قبول نہ کیا جائیگا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا) یعنی اس قدر سونا جس سے مشرق سے مغرب تک تمام سطح زمین بھر جائے، اگر کوئی کافر عذاب جہنم سے چھوٹنے کے واسطے بطورِ فدیہ دے، تو اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا (گو اس کو وہ اپنی رہائی کیلئے دے)۔ یہ کافر ہو کر مرنے والے لوگ (وہ ہیں جنکے لئے دکھ دینے والا عذاب) ہے، جس میں بے حساب رنج والم ہے (اور نہیں ہے انکا کوئی مددگار) جو عذاب سے بچانے میں انکی مدد کرے۔

ع ۹ / ۱۷

اس پارہ کی تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ آج ۱۰ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ / ۱۶ مئی ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوئی

گلوبل اسلامک مشن کی دیگر مطبوعات

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۲۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت و تبلیغ' ﴿۳۶صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'درودِ تاج' (قرآن وحدیث کی روشنی میں) ﴿۵۸صفحات﴾
'فتح مبین' ﴿۵۸صفحات﴾ ---- 'تعظیم کتاب اللہ' ﴿۱۸صفحات﴾
مصنف: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

'Decisive Decision' (185 pgs.)
A Brief Study of the Dispute between Wahabis / Deobandis and Sunnis in the Indian Subcontinent

Translated by:
Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

'Essentials of Islam' (208 pgs.)
The Least We Should Know

Written by:
Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

'G.I.M.'s Quranic Primer' (100 pgs.)
Teaching & Learning the Holy Qur'an Made Easy

Compiled by:
Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

RES AHER... REGISTRATION OFFICER
AUQAF GOVT OF SINDH
KARACHI

سید محمد عظمت علی

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی